زیرِ سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ دو روپئے | مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۱ | ربیع الاول ۱۴۰۲ھ مطابق جنوری ۱۹۸۲ء | جلد ۵

فہرست مضامین

ترسیلِ زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲ – ۹ – اے – ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

(الحمدُ لاھلہ والصلوٰۃ لاھلھا)

(حمد اس ذات پاک کیلئے ثابت ہو جو اسکا مستحق حقیقی ہے اور درود اس ذات والاصفات پر ہو جو اصالۃً اسکی اہل ہے صلی اللہ علیہ وسلم)

بعد حمد وصلوٰۃ کے ناظرین رسالہ وصیۃ العرفان کی خدمت میں عرض ہے کہ اسلامی یعنی ہجری سال کو تو شروع ہوئے دو ماہ سے زائد گذر گئے اب سن عیسوی اور رسالہ کی خریداری کے سال کی ابتدا اس شمارہ سے ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ اس سال نو کو بھی ہمارے حق میں مبارک فرمائے یعنی رسالہ کا نظم درست رہے اور احباب کو اس سے خاطر خواہ دینی اور اخلاقی نفع حاصل ہو جو کہ سبب بنے ہم سب کیلئے دارین کی فلاح کا (یعنی دنیا میں عزت اور عافیت نصیب ہو اور آخرت میں خدا تعالیٰ کی رضا اور مغفرت حاصل ہو) کیونکہ آج دنیا اخلاق کی بھوکی ہے اور دین و دیانت کی پیاسی ہے، راحت و سکون کی متلاشی ہے اور ان تمام ہی امور کا سرچشمہ دین ہی ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت جسکا حامل مسلمان ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں اور ہم کیا سمجھتے ہیں ہمارے بزرگوں نے یہ سمجھایا ہے کہ آج دنیا میں جو بگاڑ ہے اسکی وجہ خود مسلمانوں کا ضعف ایمان ہے اور انکا دینی انحطاط ہے چنانچہ حدیث شریف میں بھی آتا ہے کہ جب کوئی ایک فرد بھی دنیا میں اللہ اللہ کا کہنے والا نہ رہ جائیگا تو اس دنیا ہی کو فنا کر دیا جائیگا یعنی قیامت آجائیگی اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ اگر آج اسلام کی صحیح تعلیمات پر خود مسلمانوں کا عمل ہو جائے اور اسکے پاکیزہ اخلاق کو خود برت کر دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ پیدا ہو جائے تو بہت جلد اہل زمانہ کی اصلاح ہو سکتی ہے اور انکا بگاڑ سدھار سے بدل سکتا ہے لیکن افسوس تو یہ ہے کہ آج ہمارا حال یہ ہو گیا ہے کہ ؎

جس قوم نے تھے غیروں کے دل آکے ملائے — اس قوم میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے

یہ ایک الناک حادثہ ہے کہ جس کے قلب میں ذرا بھی دینی احساس اور اسلام کا درد ہوگا وہ بیساختہ پکار اٹھے گا کہ ؎

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعا ہے — امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

آج اگر قوم کا ایک معتدبہ حصہ اخلاص کے ساتھ خداتعالیٰ کے دین کو اختیار کرنے کے لئے تیار ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کے لئے حالات کا بدل دینا کچھ بھی دشوار نہیں ؎

غم چوں آمد زود استغفار کن — غم بامر خالق آمد کار کن

جب غم (مشکلات اور پریشانیاں) دیکھو تو خداتعالیٰ سے توبہ اور استغفار کرنے میں جلدی کرو کیونکہ غم خداتعالیٰ کی جانب سے تمکو کام پر لگانے کیلئے ہی آیا ہے اور اس انابت اور اخلاص میں صدق ضروری ہے رسمی توبہ اور ریائی رجوع سے کشود کار نہیں ہوگا۔ ہمارے اسلاف کا یہی طریقہ رہا ہے کہ انھوں نے جب بھی اخلاص کے ساتھ رجوع کیا ہے اور اللہ والوں سے دعا کرائی ہے تو ہر موقع پر خدا کی نصرت اور رحمت نازل ہوئی ہے۔ مدرسۂ دیوبند کی موجودہ شورش کا کا ذکر نہیں ہے بلکہ حضرت مصلح الامۃؒ کے زمانۂ حیات میں بھی مدرسہ میں کوئی فتنہ اٹھا ارباب حل وعقد اسکی وجہ سے بیحد پریشان ہوگئے چنانچہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ظلہٗ مہتمم مدرسہ نے بھی حالات کا کچھ تذکرہ کرکے دعا کی درخواست کی۔

حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ العالی کا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام

" دارالعلوم میں ۵ اکتوبر ۱۹۶۶ء کو ایک عظیم ہنگامہ برپا ہوا جسکی صورت ایسی تھی کہ دیانت و دین تو اپنی جگہ پر لوگوں نے طبعی شرافت اور انسانیت کو بھی خیرباد کہہ دیا وہ صورتیں دیکھنے میں آئیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ طالبان دین کہاں جارہے ہیں، دوسرے حضرات کے پاس اسباب ووسائل کافی ہیں جو یقیناً ہمارے پاس نہیں ہیں ان حالات میں اگر کوئی قوت ہمارے پاس ہے تو وہ اہل اللہ کی دعائیں ہیں، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب (شیخ الحدیث) دام مجدہم کا دردانگیز خط آیا اور لکھا کہ میں خود بھی دعا کرتا ہوں اور سب سے کرا رہا ہوں اور ختم بخاری شریف بھی کرا رہا ہوں۔ اس سے بڑی ڈھارس

ہوئی انھیں بھی عریضہ لکھا اور آنمحترم کو بھی لکھ رہا ہوں کہ دعاؤں اور توجہات قلبیہ سے ہم لوگوں کی طرف رخ فرمائیں۔ چار دن اسٹرائک رہ کر پرسوں ختم ہو گئی حیرانی ہے کہ نظم کس طرح چلایا جائے؟ بہر حال جب حق تعالیٰ نے یہ امانت سپرد کی ہے تو (اپنے) دم بھر اسکی حفاظت میں جد و جہد کیجا رہی ہے۔ اسلئے خصوصی طور پر توجہ قلبی اور دعا کی درخواست ہے۔ مخلص اساتذہ بھی پریشان ہیں اور مخلص قسم کے کارکن بھی حیران ہیں۔ اپنی ناتوانی کے ساتھ سعی میں کمی نہیں کیجارہی ہے۔ حق تعالیٰ مددگار رہیں۔ حضرت علامہ ظلہٗ کا سلام بھی قبول فرمایا جائے؟

والسلام۔ محمد طیب از دیوبند۔ ۶ ہجری ۸۶ھ

(حضرت مصلح الامۃ کا جواب باصواب)

"آپ کا خط ملا آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ——— "حیرانی ہے کہ نظم کس طرح سے چلایا جائے" اسکے متعلق یہ کہتا ہوں کہ بظاہر اسباب حیرانی ہیں اور وہ بھی کیسی کچھ حیرانی، مگر مسبب الاسباب پر توکل سب ظاہری اسباب پر بالا ہے۔ ایسے حالات متوکلوں کو بھی پیش آتے ہیں مگر وہ اپنا مرافعہ اللہ تعالیٰ کی جانب فرماتے ہیں ایک بزرگ نے ایک بادشاہ کو کسی شخص کے متعلق سفارش ان لفظوں میں تحریر ی لکھا کہ ——— رفعتُ قضیتہ الی اللہ ثم الیک فان اعطیتہ شیئاً فالمعطی ھو اللہ وانت المشکور وان لم تعطہ شیئاً فالمانع ھو اللہ وانت المعذور (میں نے اس شخص کے معاملہ کا مرافعہ اولاً اللہ تعالیٰ کی جانب کر دیا ہے پھر تمہارے پاس اسکو بھیج رہا ہوں، اب اگر تم نے اسکی مقصد برآری کر دی تو سمجھونگا کہ معطی حقیقی اللہ تعالےٰ ہے اور تمہارا بھی شکریہ ادا کرونگا اور اگر نہ کر سکو گے تو جانوں گا کہ مانع حقیقی اللہ تعالےٰ ہے اور تم بیچارے معذور ہو)

چنانچہ آپ سے بھی یہی کہتا ہوں کہ دین خدا کا ہے وہ اپنے دین کا خود محافظ

ہے، جگہ ہمارے بزرگوں اور اسلاف کی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مخلص اور مقبول بندے تھے اسلئے امید یہی ہے کہ اللہ تعالےٰ انکے اخلاص کو ضائع نہ فرمائیں گے۔ مگر جس خلوص۔ توکل اور انابت کی بنا پر وہ حضرات کامیاب ہوئے وہی راہ اب بھی ہے"

والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہٗ

اس تحریر کے ذریعہ تو حضرت اقدسؒ نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ کو مطمئن فرمایا اور اسی دور میں ایک اور تحریر عوام کے سلئے تحریر فرمائی جو آنے والے لوگوں کو سنائی گئی اور کسی عنوان سے طبع بھی ہو چکی ہے۔ وھو ہذا

(حضرت مصلح الامۃؒ کا پیغام مسلمانانِ عالم کے نام)

" مدرسۂ دیوبند میں جو حالات رونما ہوئے ہیں انکا تذکرہ اخبارات ورسائل میں بھی آچکا ہے کوئی مسلمان ان سے بے خبر نہ ہوگا بعض ذرائع سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ ارباب نظم واہتمام کو حیرانی ہے کہ آئندہ اسکا نظم کیونکر چلایا جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات اپنی انتہا کو پہونچ چکے ہیں' ان حالات میں ہندوستان کے مسلمانوں کو بلکہ تمام عالم کے مسلمانوں کو اسطرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مدرسہ (دیوبند) بزرگوں کی امانت ہے اور اسلاف کی میراث ہے جس میں تمام دنیا کے مسلمان برابر کے شریک ہیں اسلئے اسوقت جبکہ اس پر ایسی یورش ہو رہی ہے کہ ارباب حل وعقد بھی سخت پریشان ہیں ہر فرد مسلم کو اسکی فلاح و بقا میں حصہ لینا چاہیئے اور اس دینی امانت کی حفاظت کو اپنا ایک اہم وقتی فریضہ تصور کرنا چاہیئے۔

یہ ایک اللہ کے بندے کا پیغام ہے عام مسلمانوں کے نام اب آپ حضرات کا جی چاہے تو اسکو باقی رکھنے میں حصہ لیجئے یا جو جی چاہے کیجئے۔ وما علینا الا البلاغ"

اسی سلسلہ کا ایک خط ایک اور صاحب کے نام گیا اس میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ " وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ (یعنی وہی کہتا ہوں

جو حق تعالیٰ نے حضرات انبیاء کو تعلیم فرمایا ہے کہ یوں کہا کیجئے کہ میں اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے خوب باخبر ہے" بانی فتنہ کون ہے؟ اور کس کی جانب سے فساد ہے مخلوق پر یہ امر مشتبہ کیا جا سکتا ہے لیکن خالق پر تو سب عیاں ہے" (اور یہ بھی لکھا کہ):۔

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس مہم کی ابتدار ایک ہفتہ قبل ہو کر اس فساد پر اسکا خاتمہ ہوا اسکے متعلق یہ سمجھ لیجئے کہ " ابتدار اسکی اب سے بہت پہلے سے ہو چکی تھی اور خاتمہ اب بھی نہیں ہوا "

جن حالات میں یہ خطوط حضرت مصلح الامۃؒ کے پاس آئے اس میں شک نہیں کہ وہ نہایت ہی سخت حالات تھے اسکا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ حضرت العلامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ نے جو کہ مدرسہ کے ایک قدیم جامع معقول و منقول اور محبوب و مقبول اساتذہ میں سے تھے یہانتک کہ حضرت مصلح الامۃؒ کو بھی ان سے شرف تلمذ حاصل تھا لیکن جب حضرت علامؒ کو حضرت اقدسؒ سے شرف خلافت حاصل ہو گیا تو مدرسہ کے حالات سے پریشان ہو کر انھوں نے دعار کی غرض سے حضرت والاؒ کو ایک طویل خط تحریر فرمایا۔ جس میں یہ بھی لکھا کہ

(حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ کا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

" مخالف تو اس چکر میں تھے کہ کسی طرح مدرسہ پر ہمارا یا اسٹرائک جاری رہی تو حکومت کا قبضہ ہو جائے گا۔ مدرسہ پر خود قبضہ کرنا یا حکومت کے قبضہ میں دینا اسکے منصوبۂ قدیم میں شامل ہے۔ چنانچہ انھوں نے یہ دیکھ کر کہ ابھی حضرت مہتمم صاحب کے حامی ممبران کی تعداد زیادہ ہے ایک ہفتہ سے مجلس شوریٰ کی ممبری کے لئے طلبہ میں دستخطی مہم چلائی تھی جس مہم کا انجام اس فساد پر ختم ہوا۔ مدرسہ تو کھل چکا ہے لیکن فتین لوگ برابر اپنے فتنہ میں لگے ہوئے ہیں۔

دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مدرسہ کی حفاظت فرمائے اور ہم سب لوگوں کو فتنہ سے محفوظ رکھے۔ نیز ان مفسدین کو ذلیل و خوار فرمائے اور انکے

سارے منصوبے خاک میں ملادے۔ میں ایک ہفتہ سے مونڈھوں کے درد
میں مبتلا ہوں دعائے صحت کے لئے عرض گذار ہوں۔ والسلام
محمد ابراہیم عفی عنہ - ۹ رجب ۱۳۸۶ھ

راقم عرض کرتا ہے کہ تاریخ سے علم ہوا کہ خطاب سے پندرہ سولہ سال قبل کا ہے، باقی تاریخ چونکہ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے لہٰذا بدقسمتی سے آجکل پھر مدرسہ اُسی قسم کی شورشوں کا شکار ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانانِ عالم کے حال پر رحم فرمائے اور حالات کو جلد سے جلد بہتر سے بہتر فرمادے۔ آمین ثم آمین۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔ بر کریماں کارہا دشوار نیست۔

رسالہ ہذا کا مقصد حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے ارشادات، حالات، خیالات سے مسلمانوں کو مطلع کرنا ہے اور حضرت کی تعلیمات کو بیان کرکے اپنے لوگوں کے لئے راہِ اصلاح فراہم اور متعین کرنا ہے اسلئے یہ خطوط جو حالات حاضرہ کے اعتبار سے بے محل بھی نہیں ہیں پیش کئے گئے، ورنہ ـــــ بات دراصل اخلاق اور اخلاص پر چل رہی تھی کہ ان قدروں کی اسوقت زمانہ کو بڑی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ رسالہ ہذا کے ذریعہ اس سلسلہ کی باتیں احباب تک پہونچانے کی ہمکو توفیق عطا فرمائے۔

چونکہ امسال سال کا بیشتر حصہ ہمارے حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ کا بمبئی ہی میں گذرا نیز مدرسہ کے طلباء جو یہاں کے پچھلے حالات کی بناء پر مکان چلے گئے تھے ان میں سے کچھ کم واپس آسکے اسلئے اس سال تعداد طلبہ سال گذشتہ کے مقابلہ میں کچھ کم رہی پھر بھی تقریباً چالیس پچاس طلبہ امدادی، مدرسہ میں موجود ہیں۔ اساتذہ بھی تقریباً وہی ہیں جو ابتک مستقل طور پر چلے آرہے ہیں۔ خانقاہ میں مجلس تو بحمداللہ شاید ایک دن بھی ناغہ نہ ہوئی ہوگی حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کے موجود نہونے کی صورت میں مولوی حاجی صاحب اور انکی علالت وغیرہ کے ایام میں کوئی نہ کوئی صاحب (مدرسین مدرسہ میں سے) اس سلسلہ کو باقی رکھتے ہیں اور الحمدللہ کہ لوگ ذوق وشوق سے برابر آتے ہیں اور حضرت مصلح الامۃ کے ملفوظات یا دیگر بیانات کو دلچسپی کے ساتھ سنتے ہیں اور اپنے باطنی نفع کا اظہار بھی فرماتے ہیں۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

رسالہ کے متعلق سوا اسکے کیا کہوں کہ "آفتاب آمد دلیل آفتاب" اسکا مطالعہ فرمایئے اور

رد ہی اسکے بارے میں فیصلہ فرمائیے یوں احباب بھی کبھی کبھی اپنے جذبات کا اظہار فرماتے ہوئے کچھ نہ کچھ لکھ دیتے ہیں، مثلاً ایک محترم گجرات سے لکھتے ہیں کہ :-

"آپ کا رسالہ ماشاء اللہ خوب رسالہ ہے میں نے ابتک اس پایہ کا اصلاحی پرچہ نہیں پڑھا بڑا انتظار رہتا ہے (جی چاہتا ہے) کہ ایک ہفتہ ختم ہوا اور دوسرا رسالہ ہاتھوں میں آجائے مگر شدت اشتیاق کے باوجود رسالہ کے ملنے میں یا بھیجنے میں کافی تاخیر ہوتی ہے لہذا مہربانی فرماکر پرچہ وقت پر بھیجنے کی زحمت گوارا فرمائیں فقط۔ والسلام۔

محمد صدیق مدرسہ تعلیم الاسلام۔ ھسانہ گجرات

ایک دوسرے مخلص جو ابھی رسالہ کے خریدار بھی نہیں بنے حیدرآباد سے اظہار شوق فرماتے ہیں

"آپکا ماہنامہ رسالہ " وصیۃ العرفان نظروں سے گذرا الحمد للہ اسکے تمام مضمون اعلیٰ سے اعلیٰ ہیں خصوصاً زیر غور جو مضمون رہے ہیں ان میں "سلک السلوک" سے بیحد متاثر ہوں۔ اگر قسط وار سلسلہ کے علاوہ مضمون " سلک السلوک " الگ سے کتابی شکل میں آگیا ہو تو ایک عدد درکار ہے۔ اسکا کیا ہدیہ ہوگا؟ اسی طرح سے اگر تمام قدیم رسالے لینے ہوں تو انکا کیا ہدیہ ہوگا؟ تفصیلات سے آگاہ کریں تاکہ اپنی دینی اور علمی کم مائیگی کو دور کرسکوں۔"

طالب دعا رنا چیز مولا شاہ حیدرآباد

ایک تیسرے رفیق قدیم بھاگلپور سے رسالے سے اپنی محبت اور تعلق کو یوں ظاہر فرمارہے ہیں کہ

"بہت بہت شکریہ کہ وصیۃ العرفان ہر ماہ نظرنواز ہورہا ہے انتہائی عقیدت اور محبت سے اسے پڑھتا ہوں، لوگوں کو بعد نماز عصر سناتا ہوں مناسب مضامین عوام کے سامنے خطبہ جمعہ سے قبل بیان کرتا ہوں سبھی لوگ پسند کرتے ہیں۔ ہر شمارہ کو بڑی حفاظت سے رکھتا ہوں اور سال کے اختتام پر بارہ رسالوں کے فائل کی یکجا تجلید (جلدبندی) کرالیتا ہوں۔

"سلک السلوک" کے بعد ثمرات الاوراق اسکا انتخاب قابل مبارکباد ہے

بہت پسند آیا "تالیفات مصلح الامۃ" کا اشتہار رسالہ کی پشت پر دیکھا حصہ اول اور سوم دونوں منگوانا چاہتا ہوں انکے رعایتی ہدیہ سے مطلع فرما دیں خریداروں کی فہرست میں ذیل کا نام اضافہ فرماکر جنوری ۸۲ء سے وصیۃ العرفان نیچے دیئے ہوئے پتہ پر روانہ فرما دیں۔ والسلام

والسلام - محمد نیاز الدین قاسمی۔ مدرسہ اصلاح المسلمین

چمپا نگر۔ بھاگلپور۔ بہار

ایک چوتھے کرم فرما جو راقم کے صدیق اور مخلص شفیق ہیں فرماتے ہیں کہ :-

"ماہنامہ وصیۃ العرفان" کا مطالعہ قلبی سکون اور دماغی مسرت و فرحت کا سبب ہے اسکے بصیرت افروز مضامین دارین کی فلاح کا عمدہ ترین ذریعہ ہیں۔ انھیں خصوصیات اور اہمیت کے پیش نظر مدرسہ کے تقاضے کے تحت مسلسل گرد و نواح میں یا دور دراز سفروں میں آمد و رفت ہوتی رہتی ہے متعلقین اور احباب کے درمیان بطور نمونہ "وصیۃ العرفان" پیش کر کے مطالعہ میں رکھنے اور استفادہ کرنے پر زور صرف کرتا رہتا ہوں۔ چنانچہ حالیہ سفر میں (ایک انجینئر صاحب نے خریداری قبول کی ہے انکا زر سالانہ مبلغ بیس۲۰ روپیہ روانہ خدمت ہے نیز بندہ راقم السطور کی جانب سے بھی ۸۲ء کا چندہ جمع فرمالیا جائے (جو کہ ڈاک سے روانہ کردیا ہے)۔ نیز ایک عدد "درود دعاں" ذیل کے پتہ پر وی پی فرما دیں فوراً وصول کرلیجائیگی۔

والسلام مع الاحترام

محتاج دعا، عبد الجلیل عفی عنہ۔ نائب مہتمم جامعہ عربیہ اشرفیہ نیا بھوجپور

ضلع بھوجپور۔ بہار۔

احباب کے خطوط آپ کے سامنے ہیں ان کے پیش کرنے سے غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ ع کس طرح فریاد کرتے ہیں بتادو قاعدہ —— اسکا طریقہ یہی ہے کہ —— ع

محبت تجھکو آداب محبت خود سکھا دیگی　　ذرا آہستہ آہستہ ادھر رجحان پیدا کر

سیکھئے جو لوگ کچھ کام کرنا چاہتے ہیں وہ یوں کیا کرتے ہیں ۔ ماشاء اللہ ان حضرات کو رسالہ سے
نفع لازم حاصل کرنے کا اہتمام تو ہے ہی ساتھ ہی ساتھ نفع متعدی کی بھی فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ
ان سب کی خدمات کو قبول فرمائے اور اسکا بھرپور صلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

۱۔ رسالہ کی تاخیر کی شکایت مسلّم لیکن جب بھی کچھ ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا۔
جسکو وقتاً فوقتاً عرض بھی کرتا رہا ہوں۔ خلاصہ یہ کہ فی زمانہ جس طرح زندگی کے تمام ہی شعبے پہلے سے
زیادہ پریشان کن ہو گئے ہیں ان ہی میں سے ایک اسکو بھی سمجھ لیجئے اور یہ خیال فرمائیے کہ صرف ۱۹۸۱ء
میں جون و جولائی کا شمارہ تو یکجا طبع ہوا ہے ورنہ دسویں سال کے فائل دیکھ ڈالئے تاریخ میں
تو کبھی کبھی تاخیر ہو گئی ہو مگر کوئی مہینہ ناغہ نہیں ہوا ان حالات میں یہی کیا کم ہے۔ پھر یہ کہ بعض عشاق نے
تو یہ بھی کہا ہے کہ ؎

جو مزا انتظار میں دیکھا وہ کہاں وصل یار میں دیکھا

اور انتظار تو طریق کا ایک مسئلہ ہی ہے۔ چنانچہ ہمارے حضرت خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ؎

نہیں کرتے ہیں وعدہ دید کا وہ حشر سے پہلے دل بیتاب کی ضد ہے ابھی ہوتی یہیں ہوتی

پس رسالہ کی اس کوتاہی کو تو آپ کو معاف ہی کرنا ہوگا۔

۲۔ جنوری ۱۹۸۲ء سے اب تالیفات حصہ اول کی قیمت چوبیس ۲۴/- روپیہ اور حصہ سوم کی تیس روپیہ ۳۰/-
کر دی گئی ہے یوں اس سلسلہ میں ایک خوشخبری یہ بھی سن لیجئے گو قبل از وقت ہے کہ تالیفات کا
حصہ چہارم طبع ہونیوالا ہے قیمت وغیرہ سے متعلق باقی تفصیلات انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اشاعت میں دیجائیگی۔

۳۔ پانچ روپیہ میں پندرہ عدد (۵/۱۵) رسالوں کا سٹ اسوقت بھی دفتر میں تقریباً ڈیڑھ سو
کی تعداد میں موجود ہے احباب سے درخواست ہے کہ ان کے نکالنے کی کوئی سبیل تجویز فرما دیں
ہمارے ایک دوست نے تو گذشتہ سال تقریباً پچاس سٹ خرید کر مختلف جلسوں میں، مدارس
کے طلبہ میں، اپنے ساتھیوں میں ہر ایک کو ایک ایک عدد رسالہ بطور ہدیہ تقسیم کر دیا لوگوں نے بالعموم
رسالہ کی تحسین ہی کی اور کوئی نہ کوئی صاحبان تو اسی کی وجہ سے مستقل خریدار ہی بن گئے۔ فجزاہ
اللہ احسن الجزاء وکثر اللہ امثالہم ۔ اتنے قیمتی جواہر پارے اتنے سستے داموں میں پھر شاید
آپ کو نہ مل سکیں۔

۴۔ "سلک السلوک" کا جو اردو میں ترجمہ ہوا ہے "ترغیب الفقراء والملوک"
اسکے متعلق بہت سے احباب کے خطوط موصول ہوئے کہ وہ کتابی صورت میں اسکے طالب ہیں
ابھی اسکے لئے خود کو تیار نہیں پاتا ہوں ارادہ تو اپنا بھی یہی ہے جب اللہ تعالیٰ کے علم میں اسکے
پورے ہونے کا وقت آجائے۔ دعا آپ بھی فرمائیں۔

۵۔ "درد و درماں" کو بھی لوگوں نے بہت پسند کیا یہانتک کہ دوسرا اڈیشن جلد ہی
طبع کرانا پڑا، جن حضرات نے اسکو نہ ملاحظہ فرمایا ہو وہ اسکا ضرور مطالعہ فرمائیں۔ قیمت 2/50

۶۔ "مناجات مقبول کریمی" الہ آباد میں طبع ہوئی ہے، دفتر سے بھی مل سکتی ہے
مجلد اور کور کے ساتھ قیمت =/12 نسخہ ہوگی۔ محصول ڈاک بذمہ خریدار ہوگا۔

۷۔ حضرت اقدسؒ کی کتابوں میں سے حسب ذیل کتب " وصیۃ الاحسان کامل 5/=
نسبت صوفیہ 2/50 ۔ التذکیر بالقرآن ۔ نعم الامیر 1/50 ۔ اصلاحی مضمون =/50 ۔ حالات وفات مصلح الامۃؒ 3/=
اعتقاد و انکار ۔ راہ صفا 1/5 ۔ ارتفاع الضیق مع الارتفاق =/50 -/25 ۔ دفتر میں الگ الگ -/50
بھی موجود ہیں جو حضرات لینا چاہیں طلب فرما سکتے ہیں۔ وی۔ پی طلب فرمائیں تو لہٰ قیمت
پیشگی ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

رسالہ ۱۹۸۱ء کا مکمل سٹ بھی مجلد اور غیر مجلد موجود ہے قیمت کتب کی درج ہے
20/= 24/=
محصول ڈاک بہرحال بذمہ خریدار ہوگا

۹۔ اگر آپ حضرات نے توسیع خریداران۔ اشاعت سٹ ۵/۱۵ اور دوسری کتب
کی نکاسی کیلئے معمولی سی بھی سعی فرمادی تو امید ہے کہ چند ہی ماہ میں ہم تالیفات حصہ چہارم پیش خدمت
کرنے کے لائق ہوجائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ، جو کہ مجموعہ ہوگا "وصیۃ الاخلاص"، "وصیۃ الاخلاق کامل"۔
"وصیۃ السنۃ" اور "بشریت کی راہ سے ترقی" کا۔ جملہ صفحات تقریباً ۴۵۰ ہونگے۔

۱۰۔ اپنا پتہ اردو یا انگریزی میں صاف صاف لکھیں۔ بالخصوص اپنا نام لکھنے میں "خط طغریٰ"
کا استعمال نہ فرمائیں۔ منی آرڈر کے کوپن پر بھی اپنا پورا پتہ۔ مقدار رقم۔ مد رقم ضرور لکھدیا کریں۔ ان تشریحات
کے نہونے سے چند کیس تو ایسے ہونگے کہ آجتک اس رقم کے بھیجنے والے کا پتہ نہ چل سکا، اگر کوئی صاحب ایسے
ہوں تو معاملہ صاف فرمالیں، نیز تمام ہی حضرات سے گذارش ہے کہ حسابی سلسلہ کی بھول چوک کو معاف فرمادیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

(ادارہ)

صدقِ توکل کا ثمرہ

سنیئے جس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ آپ فرمایا کہ ـــــ ان کفار سے کہدیجئے کہ تم میرے خلاف جو تدبیر بھی کرنا چاہتے ہو تم اور تمہارے سب الٰہ ملکر کر لو مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں اسلئے کہ اللہ میرا ناصر و مددگار ہے اور وہی صالحین کا متولی ہے چنانچہ آپنے دشمنوں کے مقابلہ میں یہ اعلان کیا جس سے آپ کے صدق و توکل کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسیطرح سے اور انبیاء علیہم السلام نے بھی وقت آنے پر اپنے توکل کا ثبوت دیا ہے اور اپنے مخالفین سے ڈرے نہیں ہیں جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ قرآن شریف میں مذکور ہے۔ فرماتے ہیں کہ :-

"ان لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہود آپنے ہمارے سامنے اپنے رسول من اللہ ہونے کی کوئی دلیل تو پیش نہیں کی اور ہم آپ کے مجرد کہنے سے تو اپنے معبودوں کی عبادت کو تو چھوڑنے والے ہیں نہیں اور ہم کسی طرح آپکا یقین کرنیوالے نہیں اور ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آپکو خرابی میں مثل جنون وغیرہ کے مبتلا کر دیا ہے (یعنی چونکہ آپ نے انکی شان میں گستاخی کی انھوں نے باؤلا کر دیا اسلئے ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہو کہ خدا ایک ہے، میں نبی ہوں۔ ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ تم جو کہتے ہو کہ کسی بت نے مجھے باؤلا کر دیا ہے تو میں علی الاعلان اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی سن لو اور گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بالکل بیزار ہوں جنکو تم خدا کے سوا شریک قرار دیتے ہو. سو اگر ان بتوں میں کچھ قوت ہے تو تم اور وہ سب ملکر میرے ساتھ ہر طرح کا داؤگھات کر لو اور پھر مجھکو ذرا مہلت نہ دو اور کوئی کسر نہ چھوڑو دیکھوں تو سہی وہ میرا کیا کریں گے اور جب وہ مع تمہارے کچھ نہیں کر سکتے تو اکیلے تو کیا خاک کر سکتے ہیں ؛ اور میں یہ دعویٰ اسلئے دل کھولکر کر رہا ہوں کہ بت تو محض عاجز ہیں ان سے تو اسلئے نہیں ڈرتا۔ رہ گئے تم، سو گو تمکو کچھ قدرت ہے لیکن میں تم سے اسلئے نہیں ڈرتا کہ میں نے اللہ پر توکل کر لیا ہے جو میرا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اُسنے پکڑ رکھی ہے یعنی سب اسکے قبضہ میں ہیں، بدون اس کے حکم کے کوئی کان نہیں ہلا سکتا اس لئے میں تم سے بھی نہیں ڈرتا۔"

(بیان القرآن)

اس تقریر سے ایک نیا معجزہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ایک شخص تن تنہا ایسے بڑے بڑے زور آور لوگوں سے ایسی مخالفانہ باتیں کرے اور وہ اسکا کچھ نہ کر سکیں۔ اور اسمیں شک نہیں کہ حضرت ہود علیہ السلام کے اس الٹی میٹم سے انکے توکل کا سراغ ملتا ہے کیونکہ آپ ان تمام جبابرۂ متمردین میں تنہا تھے پھر بھی آپنے انکی اور انکے معبودوں کی کیسی مذمت کی

(بیان القرآن)

تعلیمات مصلح الامۃؒ

(یعنی حضرت مرشدی نور اللہ مرقدہٗ کے مجلسی شہ پارے)

(۱) "حقیقۃُ الحمد"

فرمایا کہ ـــــ محققین صوفیہ کے نزدیک حمد کی حقیقت اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا بیان کرنا ہے لیکن اسباب میں کسی کا بیان فعلی اسکے بیان قولی سے زیادہ اقوی ہوتا کرتا ہے اسلئے کہ افعال و اعمال کی دلالت عقلی ہوا کرتی ہے جس میں تخلف متصور نہیں اور اور اقوال کی دلالت وضعی ہوتی ہے جس میں تبدل و تخلف ممکن ہے چنانچہ اسی قبیل سے اللہ تعالیٰ کا حمد و ثنا، فرمانا اپنی ذات کے لئے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے اول تو وجود کے بساط کو تمام مخلوقات اور ممکنات غیر متناہیہ پر پھیلا دیا یعنی جملہ ممکنات کو وجود سے نوازا ہے اور اسکے بعد اپنی کرم و بخشش کا غیر متناہی دستر خوان (انواع و اقسام انعامات سے لبریز ان پر) بچھا رکھا ہے اسلئے کہ اسکے موجودات میں کا ہر ہر ذرہ اسکی ذات و صفات پر دلالت کرتا ہے بقول حضرت عارف سعدیؒ ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار   ہر ورق دفتریست معرفت کردگار

ہر بھرے درختوں کی ایک ایک پتی اہل بصیرت کی نظروں میں ایسی ہے کہ ہر ہر ورق شجر حق تعالیٰ کی معرفت کا گویا ایک دفتر ہے)

(یہ توصفات باری تعالیٰ کا حالی بیان ہوا) رہی عبارت تو وہ اس جیسی دلالت سے عاری بلکہ عاجز ہے یہی وجہ تو ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دربار خداوندی میں عرض کیا کہ ـــــ پروردگارا میں آپ کی تعریف و ثناء کا احاطہ اپنی زبان سے نہیں کر سکتا اسلئے بس یہی کہتا ہوں کہ آپ ویسے ہی ہیں جیسی تعریف و توصیف آپ نے خود اپنی فرمائی ہے۔

(از بیاض حضرت والاؒ)

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کی علامت

فرمایا کہ ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامات میں سے ایک یہ ہے
ن کو قرآن سے محبت ہو جس کو لیکر آپ خدا تعالےٰ کے پاس سے تشریف لائے ہیں اور
کا خلق عظیم تھا (وکان خلقہ القرآن)۔ (وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ)
اور اے مخاطب اگر تو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ن میں اپنا مقابلہ اور موازنہ کسی دوسرے سے کرے (کہ کون اس میں بڑھا ہے) تو
قلب میں قرآن کی محبت دیکھ اور اسکے سننے میں جو لذت اور حلاوت تجھے حاصل ہوتی ہے
سور کر اور پھر یہ دیکھ کہ جو لوگ کہ لہو لعب، گانے بجانے اور عیش و طرب کے کاموں میں
تے ہیں انکا ان چیزوں کی مشغولی میں کیا حال ہوتا ہے؟ اور یہ بات تو مسلمات میں سے ہے
نص کو جس سے محبت ہو گی تو اپنے محبوب کی بات اور اسکا کلام بھی اسکے نزدیک زیادہ
اور پسندیدہ ہو گا جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

ان کنت تزعم حبی — فَلِمْ هجرت کتابی
وما تاملت ما فیہ — من لذیذ خطابی

ر تم کو مجھ سے محبت تھی تو تم نے میرے خط (یا میری کتاب) کو کیوں پس پشت
. تم نے آخر اس میں میرے لذیذ ترین خطابات پر نظر کیوں نہ کی (کہ کس کس عنوان سے
ہیں اس میں یاد کیا ہے اور کس قدر پیار و محبت کے ساتھ تم سے خطاب کیا ہے)
امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ (ہائے افسوس) اگر ہمارے
پاکیزہ ہوتے تو کلام اللہ سے ہمکو سیری نصیب نہ ہوتی یعنی جی نہ بھرتا اور بات بھی
ہے کہ بھلا ایک محب کو اپنے محبوب کے کلام سے سیری ہو بھی کیسے سکتی ہے وہ تو اسکا
مطلوب ہی ہوتا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا کہ مجھے ذرا قرآن
؟ انھوں نے عرض کیا کہ یا حضرتؐ! میں آپکو قرآن سناؤں؟ حالانکہ وہ تو آپ ہی پر نازل

ہوا ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ میں آج اسے کسی دوسرے کی زبان سے سننا ہی چاہتا ہوں چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے پڑھنا شروع کیا اور سورۂ نساء تلاوت فرمائی یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہونچے کہ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ شَهِيْدًاؕ (یعنی اس دن کو یاد کیجئے جبکہ ہم ہر امت سے ایک گواہ کو لائیں گے (کہ انکو نبیؐ وقت نے تبلیغ کی تھی) اور ان سب پر آپ کو گواہ بنا کر ہم پیش کریں گے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ بس کرو بھائی بس کرو! اور آپ نے اپنا سر مبارک آسمان کیطرف اٹھالیا (ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ) آپ کی جانب جو نظر کی تو دیکھا کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔

(مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۱۰۴)

(۳) لا الہ الا اللہ خدائی قلعہ ہے

فرمایا کہ ــــــ صواعق میں ہے کہ جب حضرت علی رضاؓ نیشاپور تشریف لے گئے (جیسا کہ تاریخ نیشاپور میں یہ واقعہ درج ہے) اور اسکے بازاروں میں سے آپکا گذر ہوا تو آپکا حلیہ ایسا تھا کہ آپ پر کوئی چادر یا نقاب ایسا پڑا تھا کہ باہر سے صورتِ مبارک نظر نہ آتی تھی تشریف آوری کی خبر پاتے ہی حفاظ حدیث میں سے ابوزرعہ رازی اور محمد بن اسلم طوسی فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان دونوں حضرات کے شاگرد حدیث اور طلبۂ علم بیشمار تھے پس ان دونوں بزرگوں نے بڑی ہی عاجزی کے ساتھ حضرت سے دو درخواست کی ایک تو یہ کہ حضرت اپنے روئے انور کی زیارت فرمادیں دوسرے یہ کہ اپنے خاندان کی مخصوص مرویات میں سے کوئی عمدہ سی حدیث سنادیں۔ یہ سنکر حضرت علی رضا نے اپنی سواری روک لی اور دائیں بائیں کھڑے ہوئے دونوں خادموں کو حکم دیا کہ پردہ ہٹا دیا جائے چنانچہ آپ نے اس سارے مجمع کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی کہ سب نے آپ کے چہرۂ مبارک کی زیارت کرلی، نقشہ یہ تھا کہ آپ کے سر کے بال کندھے پر تک رہے تھے اور زیارت کنندگان میں

سے کوئی تو چیخ مار مار کر رو رہا تھا کوئی مارے محبت کے زمین پر لوٹ رہا تھا، کوئی آپ کی سواری کے قدم چوم رہا تھا غرض مجمع میں ایک شور برپا تھا ارشاد مبارک کے سننے میں اسکو حارج پاکر علما زور سے چیخے کہ ارے اللہ کے بندو ذرا خاموشی اختیار کرو حضرت کچھ فرمائیں گے اسکو تو سننے دو، چپ رہو، چنانچہ مجمع پر سکوت طاری ہوگیا اور ان دونوں بزرگوں (یعنی رازی اور طوسی) نے کچھ ارشاد فرمانے کی درخواست کی اور قلم و کاغذ لیکر اسکے لکھنے کے لئے مستعد ہوگئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

"حدیث بیان کی مجھ سے میرے والد ماجد حضرت ابو موسیٰ کاظم نے اپنے والد حضرت جعفر صادق سے سنکر اور انھوں نے اس حدیث کو سنا اپنے والد محمد باقر سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت زین العابدینؓ سے اور انھوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت حسینؓ سے اور حضرت حسینؓ نے اپنے والد ماجد حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب سے سنا کہ فرماتے تھے کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے میرے حبیب اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور یہ فرمایا کہ مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ فرماکر کہ میں نے رب العزت حق تعالیٰ سبحانہٗ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لا الہ الا اللہ (یعنی کلمہ طیبہ) میرا قلعہ ہے جس نے اسکو کہہ لیا وہ گویا میرے قلعہ میں داخل ہوگیا اور جو شخص کہ میرے قلعہ میں داخل ہوگیا وہ میرے عذاب سے امون ہوگیا۔

حضرت علی رضاؓ نے یہ حدیث سنا کر پردہ کو پھر بدستور ڈھیل لیا اور اپنی سواری آگے بڑھادی اور وہاں سے روانہ ہوگئے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ اس سند کے الفاظ (جو کہ بمنزلہ سلسلۃ الذہب کے ہیں) یعنی عن علی رضا عن ابی موسیٰ الکاظم عن جعفر الصادق عن محمد باقر عن زین العابدین عن حسین بن علی عن علی بن ابی طالب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن جبرئیل علیہ السلام عن رب العزۃ سبحانہ) اسکو

اگر کسی دیوانہ اور مجنون پر پڑھکر پھونک دیں تو انشاء اللہ اسکا مرض اور جنون جاتا رہے گا۔
(از کتاب تصوف قلمی)

(۴) مساوات اور مواساۃ کا فرق

فرمایا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے شرک کی نفی پر ایک زبردست دلیل یہ بیان فرمائی کہ وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ سَوَاءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے (کسی کو آقا بنایا ہے کسی کو غلام بنایا ہے) پس وہ لوگ جنکو فضیلت حاصل ہے وہ اپنی کمائی اور اپنی آمدنی اپنے نوکروں اور غلاموں کو تو کبھی دینے والے نہیں یہ خیال کر کے کہ ہم اور وہ برابر ہو جائیں تو پھر کیا اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور انکا دیا مال اس بے انصافی اور انکار کیلئے رہ گیا ہے)

اسکا حاصل یہ ہے کہ جب مالک اپنے مملوک کو اتنا نہیں دیتا کہ وہ بھی مالک ہو کر اپنے مالک کے برابر ہو جائے تو بھلا خالق کسی مخلوق کو اپنے برابر کیوں بنانے لگا ظالم اسکو تو خود برا سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے لئے روا رکھنا چاہتے ہیں۔

موضح القرآن میں اس آیت کے حاشیہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے غلاموں کے ساتھ جو برتاؤ تھا انکی رعایت اور حسن سلوک کے واقعات لکھے ہیں۔ حضرت (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ جب بسلسلہ علاج لکھنؤ تشریف لائے ہوئے تھے تو ایک دن فرمایا کہ اس آیت اور اسکے حاشیہ کے مضمون پر مولوی شبیر احمد بھی گذرے (کیونکہ انھوں نے حضرت دیوبندی کے ترجمہ کی تکمیل کی ہو) لیکن ان دونوں میں مطابقت نہیں بیان کی حالانکہ بظاہر آیۃ اور حاشیہ کے مضمون میں تخالف سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ مالک اور مملوک میں مساوات نہیں ہوا کرتی اور حدیث کے واقعات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضور کا معاملہ اپنے غلاموں کے ساتھ مساوات کا تھا جیسا خود کھاتے تھے انکو بھی کھلاتے تھے اور جیسا خود پہنتے انھیں پہناتے لہذا اس مضمون کا اس مقام پر ذکر کرنا بادی النظر میں کچھ

بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے یہ فرما کر رات کے وقت حضرت نے خود کچھ تحریر فرمایا اور ہم لوگوں کو بھی سنایا جو پوری طرح یاد نہیں رہ گیا، پھر میں نے فتح الباری میں اس پر بحث دیکھی حافظ ابن حجرؒ نے ان دونوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ آیت میں تو بیان ہے عدم مساوات کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برتاؤ میں تعلیم ہے مواساۃ کی اور ان دونوں میں فرق ہے مساوات اور چیز ہے اور مواساۃ اور چیز ہے۔

میں کہتا ہوں کہ فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ مساوات میں تو ہوتا یہ ہے کہ مملوک اپنے مالک کی برابری کرنے لگے اور مالک کی جانب سے جو مَنّ و عطا ہو (احسان) مملوک اسکو اپنا حق سمجھے اور اس سے اسکا مطالبہ کرے یہ تو مذموم ہے اور مواساۃ مالک سے متعلق ہوتی ہے کہ نہ تو وہ مملوک کا حق ہی ہوتا ہے اور نہ اسکو مالک سے مطالبہ کا کوئی حق ہوتا ہے البتہ مالک خود جو بھی معاملہ کرے اسکا فضل و کرم ہے چاہے تو اپنے جیسا بلکہ اپنے سے بڑھکر کھلائے پہنائے یہ سب اسکا غایت کرم ہوگا یہ امر محمود ہے۔

حاصل یہ کہ مواسات مالک کی جانب سے ہوتی ہے اور اسکا ابتدائی درجہ تبرع کا ہوتا ہے، اور مساواۃ مملوک کی جانب سے ہوا کرتی ہے اسکو وہ اپنا حق سمجھکر مالک سے اسکا مطالبہ کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) صوم عاشورار سے متعلق ایک اشکال اور اسکا جواب

فرمایا کہ ـــــ صوم عاشورار کے متعلق ایک اشکال بار بار دل میں آتا تھا لیکن اسکو رفع کرتا تھا اور اسکی وجہ سے توبہ بھی کرتا تھا مگر وہ آتا رہتا تھا تو اس سے سمجھا کہ یہ کوئی وسوسہ نہیں ہے بلکہ اسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ کوئی نیا علم دینے والے ہیں، بالآخر اسکا ایک نہایت عمدہ جواب سمجھ میں آگیا جس سے طبیعت کو قناعت ہوگئی۔

اشکال یہ ہوتا تھا کہ عاشورا کا روزہ تو دراصل یہودی رکھتے تھے لیکن جب آپؐ

مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو یہودیوں سے دریافت فرمایا کہ یہ کیسا روزہ تم لوگ رکھتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات بخشی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی بخشی تھی تو آپ نے فرمایا کہ پھر ہم تو موسیٰ علیہ السلام کو تم سے زیادہ ماننے والے ہیں ہم بھی اس فتح کی خوشی میں روزہ رکھیں گے چنانچہ آپ نے رکھا لیکن یہ بھی فرمایا کہ ہمکو یہود و نصاریٰ کی مخالفت کا حکم ہے لہٰذا ہم آئندہ سال انشاء اللہ تعالیٰ اس میں ایک روزہ اور ملالیں گے۔ چنانچہ اب یہی حکم ہے کہ ایک روزہ عاشورا کا فقط رکھنا مکروہ ہے اور نویں اور دسویں کا رکھنا بہتر ہے اور اگر نویں کو نہیں رکھا تو دسویں اور گیارھویں کو رکھ لے تو بھی حرج نہیں باقی نویں دسویں بہترا سلئے ہے کہ اس میں ابتدا رہی مخالفت سے ہے جو کہ مطلوب ہے، پس اشکال یہ ہوتا تھا کہ جب انکی مخالفت ہی منظور تھی تو اسکی آسان صورت یہ تھی کہ اس دن روزہ ہی نہ رکھا جاتا باقی ایک دن کا جو اضافہ فرمادیا تو اس سے انکی موافقت کس طرح سے ختم ہوگئی آخر اہم جزو میں تو شرکت باقی ہی رہی

اسکا جواب یہ سمجھ میں آیا کہ اب جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے صوم عاشورہ پر ایک روز کا مزید اضافہ فرما دیا تو اسکی وجہ سے یہ اب شریعت کا ایک مستقل مسئلہ اور پہلی شریعت سے جدا شریعت ہوگئی اور اس سے پہلا حکم منسوخ ہو گیا چنانچہ فقہا تقیید مطلق وغیرہ کو بھی نسخ ہی کہتے ہیں اور اسکی نظیر قرآن شریف کی آیۃ اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ ہے کہ جب یہ آیۃ نازل ہوئی تو صحابۂ کرامؓ گھبرا گئے کہ اللہ تعالےٰ سے حق تقویٰ کون ڈر سکتا ہے تو دوسری آیت اِتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ نازل ہوئی جسکو مفسرین پہلی آیت کے لئے ناسخ مانتے ہیں حالانکہ حَقَّ تُقَاتِہٖ کے منافی نہیں بلکہ حق تقاتہ میں بھی ما استعطتم کی قید ملحوظ تھی کیونکہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا بھی ارشاد ہو چکا ہے پس جو قید کہ ضمناً ملحوظ تھی اسکے صراحۃ بیان کو بھی علماء نسخ ہی سے تعبیر فرماتے ہیں

(۶) خلوت اور عزلت

فرمایا کہ رسالۂ قشیریہ میں ہے کہ یحییٰ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں سے

کثرت سے ملنا جلنا رکھے گا تو اسکی اس سے مدارات اور دوستی لازمی ہے اور جس شخص سے دوستی ہو جائیگی اسکو ہر وقت اپنے پاس دیکھنا چاہے گا

حضرت سعید بن حربؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن کوفہ میں مالک بن مسعودؓ کے پاس گیا دیکھا کہ وہ گھر میں تنہا بیٹھے ہوئے ہیں میں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ کو مکان میں تنہائی کیوجہ سے کچھ وحشت نہیں ہوتی؟ فرمایا کہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو پا کر پھر تنہائی کا کیوں شکوہ کرے، اور وحشت کا کیا سوال؟

ابو بکر رازیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو عمر انماطیؒ سے سنا کہ حضرت جنیدؒ فرماتے تھے کہ جس شخص کو اپنے دین کی حفاظت اور سلامتی منظور ہو اور بدنی اور قلبی راحت مطلوب ہو تو وہ لوگوں کا ساتھ نہ پکڑے یعنی خلوت اختیار کرے۔ اسلئے کہ یہ زمانہ وحشت کا ہے (بالعموم انسان تنہا ہونے سے گھبرائے گا) لیکن عاقل وہی ہے جو اس زمانہ میں وحدت اور تنہائی اختیار کرے۔

حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ لوگوں سے ملنے جلنے میں بھلائی بھی ہے لیکن عزلت میں سلامتی ہے (حاشیہ میں ہے کہ سلامتی ہے شر سے اور ظاہر ہے کہ شر سے محفوظ رہنا خیر کے حاصل ہونے سے بہتر ہے۔ ہاں اگر اختلاط کی ضرورت علم و عمل حاصل کرنے کے لئے پڑ جائے تو خلوت بہتر تو کیا ہوتی جائز ہی نہیں ہے۔

(رسالہ قشیریہ)

۷. سترِ معاصی مطلوب ہے

جلالین شریف میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ یعنی نیکیوں سے برائیوں کا (جبکہ وہ گناہ صغیرہ ہوں) خاتمہ ہو جایا کرتا ہے) کے تحت مذکور ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے ایک اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا تھا اور پھر خود ہی اسکی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر کر دی (حضرات صحابہؓ کی یہ خاص صفت تھی کہ بربنائے بشریت معصیت کا اگر کسی سے ارتکاب بھی ہو جاتا

ا تو اسکا ایمان اسکو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا اسلئے تلافی مافات کیلئے جاکر اپنے
ور کا حضورؐ سے اقرار کیا) آپ نے یہ آیت انھیں سنا دی تو انھوں نے یہ عرض کیا کہ یہ
م اور رعایت خداوندی میرے ہی ساتھ مخصوص ہے یا کیا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا
نہیں میری تمام امت کے لئے یہی حکم ہے اور یہ عنایت ہے۔

اسپر محشی لکھتے ہیں کہ ان صحابی کا نام ابو الیسرؓ تھا وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے
، کہ میری کھجور کی دوکان تھی ایک دن ایک عورت کھجور لینے آئی میں نے اس سے کہا
دوکان کے اندرونی حصہ میں اس سے عمدہ کھجور ہے، چنانچہ وہ اندر چلی گئی میں بھی گیا
تنہائی پاکر اسکا بوسہ لے لیا (اب نفسانی لطف تو ختم ہوا اور روحانی بیقراری شروع
ئی تو) میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کے پاس گیا اور ان سے واقعہ بیان کیا انھوں نے فرمایا
، بات کو یہیں ختم کردو اور کسی سے اسکا تذکرہ نکرو، اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو (لیکن اس
تنے سے میری خلش دور نہیں ہوئی تو) اسکے بعد میں حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور ان سے
ا حال کہا، انھوں نے بھی یہی فرمایا کہ بس خاموش رہو کسی سے بھی اسکا ذکر نکرو، اللہ تعالےٰ
سے توبہ و استغفار کرلو۔ لیکن مجھے اب بھی صبر و سکون نہیں ہوسکا تو میں بالآخر رسول اللہ
ی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا جرم صاف صاف بیان کر دیا آپؐ نے
واقعہ سنکر ایک طویل وقفہ تک سر کو نیچے فرمائے رکھا یہاں تک کہ آپ پر وحی کے آثار
رع ہوئے اور یہی آیت نازل ہوئی اقم الصلوۃ سے لیکر ذٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذّاكِرِينَ تک۔
، کہتا ہوں کہ مجھے اس باب میں ایک حدیث بھی مل گئی جس سے اس مسئلہ کا فیصلہ
انی کیا جاسکتا ہے۔ جامع الصغیر میں ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:۔

اجتنبوا ھذہ القاذورات	ان معاصی کی گندگیوں سے پرہیز کرو جن سے کہ
ـتی نھی اللہ تعالےٰ عنھا	اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور جس کسی کے نفس میں ان میں سے
ـن الم بشئی فیھا فلیستتر	کسی چیز کا خطرہ گذرے تو جس طرح سے کہ اسکو اللہ تعالیٰ نے چھپایا ہے
ستر اللہ ویتب الی اللہ	کہ کسی دوسرے کو علم نہیں ہونے دیا تم بھی اسکا تذکرہ کسی سے نکرو
ـنہ من یبد لنا صفحتہ	بس خدا سے توبہ استغفار کرو، باقی جو جرم سے اپنے ان معاصی کو ظاہر

...ہم علیہ کتاب اللہ۔ کردیگا تو ہم تو پھر اس پر خدائی حد یعنی کتاب اللہ کا حکم جاری کریں گے۔ (جامع الصغیر)

دیکھئے اس سے ستر اور چھپانے کی محمودیت اور مطلوبیت کا بھی علم ہوا نیز یہ کہ ...سکا اظہار بھی جائز ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص ظاہر کردیگا ...ہم کتاب اللہ کا حکم اسپر جاری کریں گے۔ صحابہ کرام کے حالات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ...حضرات معاصی کے صدور کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر عرض بھی کردیتے تھے ...طہرنی یا رسول اللہ (اے اللہ کے رسول مجھ سے یہ قصور ہوگیا ہے مجھکو اس سے ...ک وطاہر فرما دیجئے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکیر نہیں ثابت ہے یعنی یہ کہ آپؐ ...نے کسی کو اس اظہار پر تنبیہ فرمائی ہو کہ تم نے مجھ سے کیوں کہا؟ ایسا نہیں ہوا

(۸) ستر عیوب نفس کے متعلق صوفیہ کا ارشاد

فرمایا کہ ـــــ حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے الطرائف والظرائف میں لکھا ہے کہ اہل طریق نے تصریح فرمائی ہے کہ مرید کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے عیوب اور نفس کے احوال کو (اپنے شیخ سے) چھپائے جس طرح کہ اسکے لئے جائز نہیں ہے کہ اپنے امراض بدنیہ میں سے کوئی مرض طبیب سے چھپائے اور اسکو اس اظہار کی اجازت شریعت کی جانب سے ہے۔ اور وہ جو معاصی کے اظہار کی ممانعت آئی ہے وہ اس صورت میں ہے جہاں کوئی ضرورت داعی نہو اور یہاں شیخ سے بیان کرنے میں ضرورت علاج کی ہے جس طرح سے طبیب ظاہری سے بیان کرنے کیلئے معالجہ بدنی اور حصول صحت کی ضرورت داعی ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ یہ نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میں یہ کہتا ہوں کہ قواعد شرعیہ ہی کی رو سے اس حکم میں اتنی قید ملحوظ رکھنی ہوگی کہ یہ جب ہے کہ جب خود اپنے علاج کے علم وعمل سے قاصر ہو تو بلاشبہ شیخ سے مشورہ لینا ضروری ہے۔ اور یہ قید اگرچہ مشائخ کے کلام میں صراحۃً نہیں ملتی لیکن اسکے مراد ہونے میں کلام نہیں اسلئے کہ ان حضرات کے ساتھ یہ بدگمانی کب روا ہے کہ انھوں نے خلاف شرع حکم دیدیا ہوگا۔ (الطرائف والظرائف ص۹)

۹۔ بس ان تین چیزوں کو لازم پکڑ لو

فرمایا کہ ـــــ طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حارث بن مالک انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے حارث آج کے دن تم نے کیسی صبح کی ہے؟ (عرب کے محاورے کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا اُنکی دینی مزاج پرسی فرمائی) حضرت حارث نے عرض کیا کہ الحمدللہ حضرت آج کی صبح حقیقی ایمان سے وابستگی کے ساتھ گذری (یہ چونکہ ایک دعویٰ تھا اور فلاتزکوا انفسھم کے خلاف اپنا ایک گونہ تزکیہ تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذرا اپنے قول پر نظر ثانی کر لو پھر کچھ کہو کیونکہ ہر شے کے لئے ایک حقیقت ہوتی ہے تم (جو ایمان ایمان کا دعویٰ کرتے ہو تو) اپنے ایمان کی حقیقت بیان کرو؟ حضرت حارثؓ نے عرض کیا کہ میں نے اول تو یہ کیا ہے کہ دنیا کی حقیقت کو پہچان کر اپنے نفس کو اس سے جدا کر لیا چنانچہ شب بیداری اختیار کرتا ہوں یعنی قائم اللیل رہتا ہوں اور صائم النہار رہا کرتا ہوں (جسکی وجہ سے دن بھر بھوک پیاس میں گذرتا ہے) دوسرے یہ کہ عالم تصور میں مجھے اہل جنت سب باہم ایک دوسرے سے ملتے ملاقات کرتے نظر آرہے ہیں جنکے حسن صحبت کو دیکھکر میرے منہ میں بھی پانی آرہا ہے اور چاہتا ہوں کہ ان سے جا ملوں۔ تیسرے یہ کہ دوزخیوں کو بھی اسی طور پر دیکھ رہا ہوں کہ جہنم میں خوب چیخ و پکار مچائے ہوئے ہیں اور کوئی سننے والا نہیں (لہٰذا اس سے نجات کا راستہ اختیار کرنا چاہتا ہوں) ان کے اس جواب کو سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اے حارث! تم تو اہل معرفت میں سے ہو گئے، بہت خوب۔ بس دیکھو ان تینوں باتوں کو اپنے اوپر تازیست لازم رکھنا۔

(روح المعانی ص ۱۴۹ ج ۹)

۱۰- بدون خشوع کے نماز ناقص رہتی ہے

فرمایا کہ ــــــ طبرانی نے سند حسن کے ساتھ کبیر میں حضرت ابوالدرداء رضی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلی چیز جو اس امت سے اٹھائی جائیگی وہ خشوع ہوگی یہاں تک کہ یہ حالت ہو جائیگی کہ مسجد کی ساری کی ساری جماعت میں تم کو ایک شخص بھی خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنے والا نہیں ملیگا۔ دیلمیؒ نے مسند فردوس میں سندِ ضعیف کے ساتھ یہ روایت کیا ہے کہ جسکے اندر خشوع نہیں اسکی نماز ہی درست نہیں ہوگی۔ (بہرحال اس سے خشوع کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے) (منہیہ بیان القرآن)

۱۱- لوگوں کے معاصی پر اسطرح سے نظر مت کرو کہ گویا تم ہی خدا ہو

فرمایا کہ ــــــ حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہونچی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور انکی یاد کے سوا اور زیادہ کلام نہ کیا کرو اسکی وجہ سے تمھارے قلوب قاسی ہو جائیں گے اور قلب قاسی اللہ تعالیٰ سے بہت دور جا پڑتا ہے اور تم لوگوں کو اسکا احساس تک نہیں ہوتا۔ اور لوگوں کے ذنوب کو ایسی نظر سے مت دیکھو کہ گویا تم خدا ہو (اور انھوں نے تمھاری نافرمانی کی ہے) بلکہ اپنے گناہوں پر یوں نظر ڈالو کہ جیسے تم غلام ہو اور کسی غلام سے خطا ہو جایا کرتی ہے۔ اس لئے کہ بہت سے لوگ معاصی میں مبتلا بھی ہیں اور بہت سے اس سے محفوظ ہیں پس تم اہل بلا (اہل معصیت) پر تو رحم وشفقت کی نظر رکھو اور اپنی عافیت پر خدا کا شکر ادا کرو۔ (جمع الفوائد ص۲ جلد ۲)

یہ حدیث سنا کر فرمایا کہ اس حدیث کو تو قلب پر لکھ لینا چاہیئے اور اسکو شامل تلاوت کر کے روزانہ اسکو پڑھنا چاہیئے اس سے کبر کا تو بیخ وبن سے خاتمہ ہی ہو جائے گا اس حدیث کا مضمون اور اسکے الفاظ کی شوکت بتلاتی ہے کہ یہ کلام نبوت ہے۔ (سبحان اللہ)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر عالم کی صحبت بھی نہ اختیار کر لینا چاہیئے۔ اسی مضمون کو حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلویؒ نے اپنے رسالۂ بعیت" میں بھی بیان فرمایا ہے لکھتے ہیں کہ :۔

"وہم چنیں بقول ہر عالمی عمل کردن موجب تحیر است کہ ہر یکے صحیح الفکر وصحیح الحواس نمی باشد"

دیکھئے حضرت شاہ صاحبؒ نے کسقدر تیز فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ ہر عالم صحیح الفکر وصحیح الحواس بھی نہیں ہوتا اب ظاہر ہے کہ جب مقتدیٰ ومتبوع کا یہ حال ہوگا تو جو شخص اسکا اتباع کریگا اسکو بھی بدحواسی ہی ملے گی اسلئے صحبت اختیار کرنے کیلئے اور کسی کا انتخاب کرنے میں تیقظ سے کام لینا چاہیئے۔

حدیث شریف میں اہل اللہ کے یہ اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں :۔

خیارکم من ذکرکم باللہ رؤیتہ وزاد علمکم منطقہ ورغبکم فی الاخرۃ عملہ (جامع صغیر ج ۲)

تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں کہ جنکی زیارت تمھیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلائے اور جنکا تکلم فرمانا تمھارے علم کو بڑھائے اور جنکا عمل (طور طریقہ) تمھارے اندر آخرت کا شوق پیدا کرے۔

علامہ عبدالروف مناوی نے فیض القدیر میں اسکی نہایت عمدہ شرح فرمائی ہے اسکو بعینہ نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ

ھذہ کلمۃ النبویۃ وافق فیھا نبینا عیسی علیھما السلام قال ابن عُیَینہ قیل لعیسی یاروح اللہ من نجالس قال من یزید فی علمك منطقہ ویذکرکم اللہ تعالیٰ رؤیتہ ویرغبکم فی الاخرۃ عملہ قال الحکیم اما الذی یذکر

یہ کلمات نبویہ ہیں جنمیں ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی موافقت فرمائی ہے۔ ابن عینیہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ یا روح اللہ ہم کس کے پاس بیٹھا کریں فرمایا کہ جسکا کلام تمھارے علم کو اور جسکی زیارت اللہ تعالیٰ کی یاد کو اور جس کا علم تم میں آخرت کے شوق کو زیادہ کرے (ایسا شخص

بالله رويته فهم الذين عليهم من
الله سمات ظاهرة قد علاهم بها
نورالجلال وهيبة الكبرياء و انس
الوقار فاذا نظرالناظر اليه ذكر الله
لما يرى من آثار الملكوت عليه فهذه
صفة الاولياء فالقلب معدن
هذه الاشياء ومستقر نور
وشرب الوجه من ماء القلب
فاذا كان على القلب نور سلطان
الوعد والوعيد تاوى
الى الوجه ذالك النور
فاذا وقع بصرك اليه ذكرك
البر والتقوى و وقع عليك
مهابته الصلاح والعلم و
ذكرك الصدق والحق فوقع
عليك مهابة الاستقامة
واذا كان نور سلطان الله على
وجه تادى ذكرك عظمة جلاله
وجماله واذا كان على القلب
نوره وهو نور الانوار تهتك
رويته على النقائص فشان
القلب ان يسقى عروق الوجه
ويشرقهٗ من ماء الحياة الذى

لائق صحبت ہے)

حکیم ترمذی کہتے ہیں کہ بہرحال وہ لوگ جنکی
رویۃ اللہ تعالیٰ کی یاد دلائے سو وہ ہیں کہ جنکے اوپر
حق تعالیٰ کی جانب سے کچھ ظاہری علامات ہوں
مثلاً یہ کہ ان کے ظاہر پر بھی جلال کا نور، کبریائی کی
ہیبۃ اور انس وقار کا رعب چھایا ہوا ہوگا چنانچہ
جب کوئی دیکھنے والا انکو دیکھے گا تو اللہ تعالےٰ
کا یاد آجانا ناگزیر ہوگا اسلئے کہ وہ اسکے اوپر ملکوت
کے آثار مشاہد کرے گا۔ پس اولیاء اللہ کی یہی
صفات ہوتی ہیں کہ ان حضرات کے قلوب ان
اشیاء کا خزانہ ہوتے ہیں اور مستقر اور مرکز۔ اور
چہرہ بھی قلب کے پانی سے سیرابی حاصل کرتے
ہوتا ہے۔ لہٰذا جبکہ ان کے قلوب پر حق تعالےٰ
کے وعد وعید کا نور مستولی ہوتا ہے تو کبھی اس
میں سے کچھ چہرہ پر بھی چھلک پڑتا ہے تو جب
تمھاری نظر اسپر پڑتی ہے تو وہ تمھیں بھی نیکی اور
تقویٰ کی یاد تازہ کرادیتی ہے اور تمھارے قلب
میں بھی صلاح اور علم کا ایک رعب اور ہیبۃ پڑجاتی
ہے نیز تمکو اسکی وجہ سے حق اور صدق کی
بھی یاد آجاتی ہے جس کے سبب تم پر ان حضرات
کی استقامت کا ایک دبدبہ چھاجاتا ہے۔ اور
جب حق تعالےٰ کے سلطان کا نور مذکورہ بالا طریق
سے ان پر جلوہ فگن ہوتا ہے تو وہ تمھیں اللہ تعالےٰ

یرطب به و تیادنی الی الوجه	کے جلال و جمال عظمت کی یاد تازہ کردیتا ہے پھر
منه ما فیه لاغیر ذالک	پھر جب قلب میں یہ نور آجاتا ہے جسکو نور الانوار
فکل نور من هذه الانوار	کہنا چاہیئے تو اسکا مشاہدہ تم سے نقائص کا خاتمہ ہی
کان فی قلب فشربه وجبه	کردیتا ہے پس قلب کا حال یہ ہوتا ہے کہ
منه فاذا سر القلب یرضی	ان حضرات کے چہرے و بشرے کی رگیں بھی
الله عن العبد و بما یشرق.	اسی آب حیات سے سیراب ہوتی ہیں اسکے غیر
به صدره عن وجهه	سے نہیں جن سے قلب نے شادابی حاصل کی
نضرةً و سرورا و اما رؤیة	اور خود سیرابی حاصل کرنے کے بعد چہرے کی
العالم فتزید فی منطقه	جانب جسکو بڑھا دیا ہے، تو جب قلب کو اس
لانه عن الله ینطق	بندے سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی
فالناطق صنفان	اور جس چیز سے اسکا سینہ منور ہوا ہے اسکی مسرت
صنف ینطق بالعلم	حاصل ہوتی ہے تو اسکے چہرے سے بھی تروتازگی
عن الصحف حفظا	اور خوشی کے آثار ظاہر ہوجاتے ہیں رہا یہ کہ عالم کی
و عن افواه الرجال.	رویت بھی تو انسان کی گویائی کو بڑھا دیتا ہے
ستلقفا فالذی ینطق	تو یہ اسلئے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ناطق
عن الصحف والافواه	ہوتا ہے۔ پس ناطق کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ناطق
انما یلج آذانهم	جو علم کی باتیں اپنی یاد کی بنا پر کتابوں کے حوالے سے
عریان بلا کسوة	یا لوگوں کے منہ سے سنی ہوئی بیان کرتا ہو تو جو شخص
لانه لم یخرج	اسطرح سے کتب سے اور لوگوں سے سنکر بیان کرتا
من قلب نورانی	ہے تو اسکی باتیں لوگوں کے کانوں میں عریاں یعنی
بل من قلب دنس	بلا لباس کے داخل ہوتی ہیں اسلئے کہ یہ باتیں کسی نورانی
و صدر مظلم مغشوش	قلب سے نہیں نکلی ہوتیں بلکہ ایک گندہ قلب اور
ایما انه یحب الریاسة	تاریک سینہ اور ایسے شخص کی زبان سے نکلی ہوئی

والعزو الشح على الحطام ونفسه قد استولت على قلب نيازع الله في ردائه والذي ينطق عن الله انما يلج آذان السامعين بالكسوة التي تخرق كل حجاب وهو نور الله خرج من قلب مشحون بالنور وصدره مشرق به فيخرق قلوب المخلطين من رين الذنوب وظلمة الشهوات وحب الدنيا الخلعه الى نور التوحيد فاشاره كجمرة وصلتها النفحة والتهبت نارًا فاضاء البيت ۔

وأما قوله يزيدكم في العلم منطقه فانه اذا نطق نطق بآلاء الله وصنعه

ہوتی ہیں جنکے ایمان میں حُب ریاست، جاہ و شہرت اور حکام دنیا سے غایت تعلق والفت کے کھوٹ کی آمیزش بھی موجود ہوتی ہے اور جنکا نفس اسکے قلب پر غالب آکر اسکی رداء (چادر) (یعنی کبریا ر) میں منازعت کرتا ہے ۔ باقی وہ ناطق جو ناطق عن اللہ ہوتا ہے تو اسکا کلام سامعین کے کانوں میں لباس سے مزین ہوکر اس طرح سے داخل ہوتا ہے کہ ہر حجاب کا پردہ چاک کردیتا ہے اور کیوں نہ وہ ہوتا کلی تو ہے اللہ تعالےٰ کا نور جو نور بھرے قلب سے نکلا ہوتا ہے اور اس متکلم کا سینہ اسکے کلام کے لئے بمنزلہ مشرق کے ہوتا ہے (جس طرح سے اس سے سورج نکلتا ہے اسی طرح سے یہاں کلام) تو اسکا اثر یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے قلوب میں ایمان وعمل صالح کے ساتھ ساتھ معصیۃ کا زنگ اور شہوات کی ظلمت اور حُب دنیا کی تاریکی موجود ہوتی ہے اسکا پردہ چاک کرکے اسے نور توحید سے منور کردیتا ہے اسکی مثال ایسی سمجھو کہ جیسے کوئی چنگاری ہو اور اسپر پھونک پڑے تو اسکی وجہ سے اس سے آگ کی لپٹیں نکلنے لگیں اور سارا گھر روشن ہوجائے۔

بہرحال یہ جو فرمایا کہ اسکے کلام سے تمہارے علم میں زیادتی ہوگی تو یہ اسلئے کہ وہ جب گویا ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے انعامات وصناعات ہی کے متعلق

فهذا اصل العلم والعلم الذی فی ایدی العامة فرع هذا والآء الله ما ابدی من وحدانیته وفردانیته کالجلال والجمال والعظمة والهیبة والکبریاء والبهاء والسلطان والعز والوقار علی قلوب الاولیاء

واما قوله یرغبکم فی الآخرة عمله فلان علی عمله نوراً وعلی ارکانه خشوعاً وعلی تصرفه فیها صدق العبودیة مع بهاء ووقار وطلاوة وحلاوة فاذا رآه الرائی تقاصر الیه عمله ونفسه۔

واما علماء الدنیا فلیس لاعمالهم ذلک النور والبهاء لانه علی الرغبة والرهبة لانه رغب فی الجنة والوعد والوعید نصب عینه فیستعین بذلک علی نفسه حتی یقیمها

واما اهل الیقین فاذا

کلام کرے گا اور یہی اصل علم ہے اور جو علم کہ عام لوگوں کے پاس ہے وہ اسی کی فرع ہے اور اللہ تعالیٰ کی آلاء سے مراد وہ چیزیں ہیں جنکو وہ عالم اسکی وحدانیت اور فردانیت میں سے ظاہر کرے مثلاً حق تعالیٰ کے جلال وجمال عظمت وہیبت۔ بہار وکبریار۔ سطوت وسلطنت اور عزت و وقار جو کہ اسکے اولیاء کے قلوب پر ہوتی ہیں۔

باقی یہ ارشاد کہ اسکا عمل تمکو آخرت کی ترغیب دے تو یہ اس لئے کہ اسکے علم پر نور ہوتا ہے اور اسکے اعمال پر خشوع ہوتا ہے اور اسکے ان چیزوں میں تصرف کرنے میں عبودیت ہوتی ہے۔ اور رونق ووقار تروتازگی اور حلاوت جو ہوتی ہے مزید براں۔ تو جب کوئی دیکھنے والا ایسے شخص کو دیکھتا ہے تو اپنا عمل اور اپنا نفس اسکی نگاہوں میں حقیر معلوم ہونے لگتا ہے (اسلئے وہ اس میں اور کوشش کرتا ہے تاکہ اسکو آخرت کا توشہ بنا سکے)

رہے علماء دنیا تو ان کے اعمال میں یہ نور نہیں ہوتا اور نہ ایسی رونق ہوتی ہے اسلئے کہ وہ جو کرتا ہے کسی لالچ یا ڈر سے کرتا ہے جنت کی لالچ ہوتی ہے اور وعدۂ خداوندی کی اور وعید یا اسکی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں پس انھیں کی مدد سے اعمال کو ادا کرتا ہے۔

اور اہل یقین کے سامنے جب کوئی حکم طاعت

ض لهم تنارت قلوبهم ن الشوق اليه والحب فعاملوه ن بشر وطيب نفس فاذا ض لهم دنية عرقت اهم حياء منه فشتان بين عبدين احدهما يعمل ولاه ولولا خوفه من عيده وحرمان وعده عمل - وآخر يعمل مولاه للاوتخشعا ومحبة له و تار نفسه بين يديه شغفا به لا يستويان

(ص۴۶۶ فیض القدیر للمناوی)

آتا ہے تو ان کے قلوب میں امتثال کا شوق اور خدا کی محبت کا ایک جوش ابھرتا ہے جسکی وجہ سے وہ نشاط طبع اور خوش مزاجی کے ساتھ کام کرتے ہیں اور اس درمیان میں اگر کسی برائی کا وسوسہ آتا ہے تو انکی پیشانی پر خدا سے شرم کی وجہ سے پسینہ آجاتا ہے۔ پس ان دونوں انسانوں میں کتنا تفاوت ہے کہ ایک تو عمل کرتا ہے اپنے مولیٰ کے لئے لیکن اگر اسکا خوف نہو کہ سزا دیگا یا انعام نہ ملے گا تو پھر یہ عمل نہ کرتا۔ اور دوسرا شخص ایسا ہے کہ وہ بھی اپنے مولیٰ کے لئے کام کرتا ہے مگر بطور عاجزی کے اور خشوع کے اور اسکی محبت کے تقاضے سے اور اسکے سامنے بیٹھنے کا خیال کر کے اور ایک شغف اور انہماک کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ یہ اور وہ کب برابر ہو سکتے ہیں۔

بیان یہ کر رہا تھا کہ وطن میں حضرت مولانا کا دینی کام اس نوع سے جاری تھا وام کی جانب الگ مستقل توجہ تھی، خواص یعنی طلبہ اور مدرسین حضرات میں سے جو لوگ نرت سے وابستہ تھے ان پر کڑی نگرانی تھی، پھر سالکین میں سے جو لوگ اخص الخواص درجہ رکھتے تھے یعنی خلفاء، مجازین حضرات انکے اخلاص وخلق اور معاملات کا مسلسل امتحان جارہا تھا (جیسا کہ سابق صفحات میں ناظرین کے ملاحظہ سے ابھی گذرا) نیز ملک کے خدام م قسم کے وہ صالح افراد جو مسلمانوں کی بگڑی ہوئی حالت اور انکی پستی کو دیکھ دیکھ کر خون کے آنسو روتے تھے اور انکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ قوم کو اسکی اس موجودہ بیماری سے شفا رکی کیا سبیل ختیار کی جائے ایسے حضرات بھی کبھی کبھی بزرگوں سے بھی رجوع فرما لیتے تھے اور اپنی ل کی لگن بلکہ گھٹن بیان کر کے اسکا مداوا طلب فرماتے تھے اسکا بھی نمونہ پیش کیا جا چکا ہے

ہو سکتا ہے کہ بعض باتیں ان امور میں سے فتحپور سے تشریف لے جانے کے بعد کی ہوں کیونکہ
اریخ کا اہتمام نہیں رکھا گیا) بہر حال مقصود صرف نمونہ دکھلانا تھا کہ اس طور پر حضرت اقدس
ی زندگی مشاغل کثیرہ میں گھری رہتی تھی کسی وقت سکون نہ رہتا تھا اور جب قوم کا اتنا درد
سی کے قلب میں ہوتا ہے کہ وہ انکے لئے اپنا شب و روز ایک کر دے نہ دن کو راحت نہ
ات کو چین و سکون کی نیند نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اسے محبوب خلائق بنا دیتے ہیں۔ حضرت اقدس
ی گوشہ نشینی کی زندگی، اعلان و اشتہار سے پاک، تصانیف بھی جو ہوئیں تو وہ دوسروں کی
درخواست بلکہ اصرار پر شایع ہوئیں، اور پھر اسکے بعد عرب و عجم میں آپ کا شہرہ اور چرچا
ن لیجئے یہی ہے وہ مقبولیت عامہ جو خدا تعالیٰ کی جانب سے محض ایک موہبت ہوتی ہے
سی کوشش اور طلب اور جد جہد سے ہاتھ نہیں لگا کرتی ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اسی مضمون کے بیان کے سلسلہ میں لکھنؤ سکریٹریٹ کے ایک صاحب کا
خط بھی نقل کیا تھا، جس میں آخر سے کچھ قبل انھوں نے لکھا تھا کہ ــــ "اگر مدعا و مقصد
ایک ہے تو اشتراک عمل کیوں نہیں؟" ــــ یعنی اپنی اس خلش کو بیان کرنا چاہا بلکہ اسکا
تسلی بخش جواب معلوم کرنا چاہا تھا کہ جب تمام دینی جماعتوں کا مقصد ایک ہے تو پھر ہر ایک
اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ کیوں بنائے ہوتا ہے اور جب اتنے کہنے والے موجود ہیں
تو قوم کی حالت سدھرتی کیوں نہیں نظر آتی؟

راقم کو یہاں اسی نوع کا ایک اور بزرگ کا سوال یاد آگیا جو انھوں نے حضرت اقدس
سے براہ راست نہیں کیا لیکن حضرت والا کے ایک مضمون کو اپنے اخبار میں نقل کر کے
اس جملے میں جو حاشیہ لکھا تھا وہ اسی کے قریب قریب تھا، ان لکھنوی صاحب کے
خط کا جو مضمون ہے وہی حضرت کا مضمون تھا اور صدق میں مولانا عبدالباری
صاحبؒ نے اسی کا کچھ حصہ نقل فرمایا تھا جس پر مولانا دریابادی کا حاشیہ تھا واقعہ یہ ہوا کہ
حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ نے ہمارے حضرتؒ سے ایک ملاقات کے
بعد اپنے کچھ تاثرات "وقت کے ایک بزرگ" کے عنوان سے لکھکر اخبار صدق میں دیا

۵ جولائی ۱۹۴۳ء کی اشاعت میں طبع بھی ہوا ، مولانا عبدالباری صاحبؒ نے حضرت اقدسؒ کا ارشاد نقل فرمایا کہ :۔

"ایک دن تقریری مجلس میں عرب و عجم ہر جگہ مسلمانوں کی تباہ کاریوں اور بربادیوں پر غلبۂ قلق و تاسف کے ساتھ بار بار فرمایا کہ ــــ بس علاج ایک ہی ہے دوسرا ہرگز نہیں (یعنی) "ایمان و اتباع" جسکو خود یہ سراپا بدحال "ایمان و عمل صالح" کی ٹھیٹ قرآنی اصطلاح میں مسلمانوں کی دینی و دنیوی، انفرادی و اجتماعی ہر مرض کا علاج کہا کرتا ہے"۔ انتہی۔

ظاہر ہے کہ اصل عبارت اور علاج تو حضرت اقدسؒ کا ہوا اور مولانا عبدالباری صاحب کی بات اسی کی تائید اور شرح ہوئی، اس پر مولانا دریاآبادی نے یہ حاشیہ تحریر فرمایا کہ :۔

"تشخیص کی صحت میں کس مسلمان کو کلام ہو سکتا ہے لیکن عملی دنیا میں بات وہیں کی وہیں رہ جاتی ہے اور سوال یہی اٹھتا ہے کہ پھر اس پر عمل درآمد کیوں نہیں ہوتا؟"

دیکھئے دونوں حضرات کا شبہ یکساں ہے ہو سکتا ہے کہ کسی ایک کا قول دوسرے ہی سے ماخوذ ہو۔ بہرحال آج چاہے لوگ زبان سے نہ کہیں لیکن قلب میں یہ خلجان بہت لوگوں کو پریشان کئے ہوئے ہے۔

جب صدق کا یہ پرچہ حضرت مصلح الامۃؒ کی نظروں سے گذرا اور حضرتؒ نے اس میں مولانا دریاآبادی کا یہ نوٹ ملاحظہ فرمایا تو اپنے مزاج کی رو سے مناظرہ تو نہیں فرمایا لیکن اپنے لوگوں کو بات سمجھانے کے لئے بیاض میں جہاں یہ مضمون نقل فرمایا تو اس نوٹ پر اپنا ایک جوابی نوٹ بھی تحریر فرما دیا، فرمایا کہ :۔

(قولہ) "تشخیص کی صحت میں کس مسلمان کو کلام ہو سکتا ہے" الخ

(اقول) جس طرح اسکی صحت میں کسی مسلم کو کلام نہیں ہو سکتا اسی طرح سے اس پر عمل کرنے میں بھی تو کسی مسلمان کو کلام نہیں ہو سکتا اس جزو کو اس سے علحدہ کیوں فرما دیا گیا"

(باقی آئندہ)

۱۴۔ امام الائمہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق

حفاظ حدیث اور ائمہ اسلام کے چند اقوال از امام حدیث ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ

امام اعظم ابو حنیفہؒ کی جلالت قدر اور فضائل و مناقب سے غالباً کوئی شخص
ِس نے کسی مسلمان گھرانے میں پرورش پائی ہو بے خبر نہیں ہو سکتا ان کے علم وفضل زہد
ِ تقویٰ تفقہ فی الدین اور شان امامت سے تو وہ لوگ بھی انکار نہیں کر سکے جو امام صاحب
ِ طعن وتشنیع ہی کو اپنا مذہب بنائے ہوئے ہیں لیکن بہت سے پڑھے لکھے کم علم اور کم فہم
ِگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ حضرت امام صاحبؒ کو حدیث میں وہ پایہ اور مرتبہ حاصل نہ تھا جو
ِ وسرے ائمہ کا امتیازی وصف سمجھا گیا ہے۔ بہت سے علم حدیث اور علم بالحدیث کے
ِعی جو امام ہمام پر طعن وجرح کے لئے تیار بیٹھے رہتے ہیں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم صرف
ِسی راستہ سے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ علم حدیث اور فن روایت میں
ِمام اعظمؒ کا مرتبہ گھٹایا جائے لیکن انھیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ؎

چراغے را کہ ایزد برفروزد ۔۔۔ کسے آں تف زند ریشش بسوزد

ِ جس چراغ کو حق تعالیٰ روشن فرمادیں تو جو اسکو بجھانا چاہیگا تو اسکی ڈاڑھی جل جائیگی (یعنی خود تباہ ہو جائیگا)
ِس مختصر مضمون میں نہ امام موصوف کی سوانحعمری بیان کیجا سکتی ہے نہ وہ تمام اقوال وشہادات
ِ و ائمہ حدیث اور علمائے خلف وسلف سے حضرت امامؒ کی شان میں منقول ہیں جمع
ِ ہجا سکتی ہیں، بلکہ ہماری غرض اس مقالہ کو پیش کرنا ہے جو اس باب میں امام حدیث ابو عمرو
ِن عبد البر شارح مؤطا مالکی المذہب نے اپنی کتاب میں تحریر فرمایا ہے۔ امام عبد البرؒ
ِ بسری صدی ہجری کے ان علماء میں سے ہیں جن پر اندلس وقرطبہ کے علم کا مدار سمجھا گیا ہے
ِپ ۳۶۸ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے وہیں علم وفن حاصل کیا پھر اندلس کے مختلف شہروں
ِبں قاضی رہے آپ کی بے شمار تصانیف حدیث وفقہ وتاریخ میں اپنے اپنے فن کی
ِ وح سمجھی گئی ہیں۔ آپ فقہ میں امام مالکؒ کے مقلد ہیں۔ حنفی المذہب نہیں اس لئے آپکا

لام امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں اور بھی زیادہ قابل اعتبار ہے اسی لئے بہتر یہ معلوم ہوا
، انکے اصلی عربی کلمات بھی درج مضمون کئے جائیں اور ترجمہ دوسرے کالم میں رہے

(قال ابو عمر) افرط
صحاب الحدیث فی ذم ابی حنیفة
وتجاوزوا الحد فی ذلک والسبب
لموجب لذلک عندهم ادخاله
لرائی والقیاس علی الآثار و
عتبارهما واکثر اهل العلم
یقولون اذا صح الاثر بطل القیاس
والنظر کان رده لما رد من
خبار الآحاد بتاویل محتمل
کثیر منه قد تقدمه الیه
نیره وتابعه علیه مثله ممن
ال بالرائی وجل ما یوجد له
ن ذالک ما کان منه
تباعاً لاهل بلده کابراهیم
لنخعی واصحاب ابن مسعود
لا انه اغرق وافرط فی
تنزیل النوازل هو واصحابه
والجواب فیها برایهم و
ستحسانهم فاتی منهم
فی ذلک خلاف کبیر للسلف
ولشنع هی عند مخالفیهم

امام ابوعمر و ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ بعض اصحا
حدیث نے امام ابوحنیفہ کی مذمت میں سخت زیادتی کی
ہے اور حد سے تجاوز کر گئے اور سبب اسکا انکے نزدیک
یہ ہے کہ امام موصوف نے احادیث و آثار میں رائے اور
قیاس کو دخل دیا ہے اور اکثر اصحاب حدیث یہ کہتے ہیں
کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو رائے اور قیاس
باطل ہو جاتا ہے، حالانکہ امام موصوف نے جن اخبار کو
ترک کیا ہے وہ کسی ایسی تاویل کیوجہ سے کیا ہے جنکی
ان اخبار میں گنجائش نہ تھی (پھر امام موصوف اس
عمل میں منفرد بھی نہیں بلکہ ان سے پہلے دوسرے ائمہ
نے بھی ایسا کیا ہے اور ان کے بعد بھی علماء حقانی نے
ایسا ہی کیا ہے الغرض جو کچھ حدیث میں قیاس کا دخل
انھوں نے کیا ہے وہ سب اپنے شہر کے ائمہ حدیث
وفقہ کے اتباع میں کیا ہے مثلاً حضرت ابراہیم نخعیؒ اور
حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے شاگرد۔ البتہ امام موصوف
کے مسائل میں اسکی کثرت ہے انھوں نے اور انکے
شاگردوں نے بہت سے مسائل کی صورتیں (جزئیات
فقہیہ) فرض کر کے انکے جوابات (جس جگہ قرآن و حدیث
میں صحیح حکم نہ ملا وہاں) اپنے قیاس سے لکھے ہیں اور
سلف نے چونکہ فرضی جزئیات پر کلام نہیں کیا تھا
اسلئے امام صاحبؒ کے مخالفین نے اس فعل کو عیب

يدع وما اعلم احدا من اهل
العلم الا وله تاويل في
آية او مذهب في سنة
رد من اجل ذلك المذهب
سنة اخرى بتاويل سائغ
او ادعاء نسخ الا ان لابي
حنيفه من ذلك كثيرا وهو
يوجد لغيره قليل وعن
الليث بن سعد انه قال
احصيت على مالك بن انس
سبعين مسئلة كلها مخالفة
لسنة النبي صلى الله عليه وسلم
مما قال مالك فيها برايه قال ولقد
كتبت اليه اعظه في ذلك (قال
ابو عمر) ليس لاحد من علماء الامة
يثبت حديثا عن النبي صلى الله
عليه وسلم ثم يرده دون ادعاء
النسخ عليه باثر مثله او باجماع او بعمل
على اصله الانقياد اليه او طعن في
سنده ولو فعل ذلك احد
سقطت عدالته فضلا ان يتخذ
اماما ولزمه اثم الفسق
ولقد عافاهم الله عزوجل

قرار دیا اور عظیم الشان اختلاف قائم ہو گیا۔ (بہرحال
امام صاحبؒ نے جو قیاس اور رائے سے بعض جزئیات
فقہیہ سے کام لیا اس میں وہ تنہا منفرد نہیں بلکہ کسی
اہل علم کو بھی میں ایسا نہیں پاتا جس نے آیات میں کسی
آیت کو اور حدیث میں سے کسی حدیث کو اپنا مذہب
ومختار قرار دیکر دوسری آیت اور حدیث میں تاویل کی ہو
یا نسخ کا دعویٰ نہ کیا ہو۔ البتہ اس قسم کی چیزیں امام صاحبؒ
کے مذہب میں زیادہ اور دوسروں کے مذہب میں کم
ہیں۔ حضرت لیث بن سعد نقل کرتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ
کے ستر ایسے مسائل شمار کر رکھے ہیں جو بالکل حدیث
کے خلاف ہیں اور امام مالکؒ نے محض اپنے قیاس
سے وہ ارشاد فرمائے ہیں اور میں نے وہ مسائل بغرض
خیرخواہی ونصیحت خود امام مالکؒ کی خدمت میں لکھ
بھی دیئے تھے۔ امام ابوعمر ابن عبدالبر فرماتے ہیں
کہ علماء امت میں سے کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم سے کسی حدیث کا صادر ہونا ثابت ماننے اور پھر
اسکو رد کرے جب تک کہ ایسی کسی حدیث یا اجماع
وتعامل سے اسکے منسوخ ہونے کا دعویٰ نہ کرے
یا اسکی سند میں کوئی جرح نہ کرے اور اگر کوئی شخص
ایسا کرے کہ (بلا وجہ مذکور) کسی حدیث کو رد کردے
تو اسکی عدالت ساقط ہو جائیگی اور اسکو فسق کا گناہ ہوگا
ایسا آدمی امت کا امام کیسے بن سکتا ہے مگر حق تعالیٰ
نے تمام ائمہ دین کو اس آفت سے محفوظ رکھا ہے (نیز

من ذلك ونقموا ايضاً على ابي
حنيفه الارجاء ومن اهل العلم
من ينسب الى الارجاء كثير لم
يعن احد بنقل قبيح ما قيل فيه
كما عنوا بذالك في ابي حنيفة
لامامته وكان ايضاً مع هذا
يحسد وينسب اليه ما ليس
فيه ويختلق عليه ما لا يليق به
وقد اثنى عليه جماعة من
العلماء وفضلوه ولعلنا ان
وجدنا نشطة ان نجمع من
فضائله وفضائل مالك ايضا
والشافعي والثوري والاوزاعي
كتابا املنا جمعه قديما في اخبار
ائمة الامصار ان شاء الله[1]
وعن ابن عباس بن محمد الدوري
قال سمعت يحيى بن معين
يقول اصحابنا يفرطون في ابي
حنيفة واصحابه فقيل له
كان ابو حنيفه يكذب

امام ابوحنیفہ کی مذمت کرنیوالوں نے انکو مرجئہ کیطرف
بھی منسوب کیا ہے۔ اور نہ صرف امام موصوف کو
بلکہ ائمہ دین میں سے بہت سے دوسرے حضرات
پر بھی یہی الزام لگایا گیا ہے مگر اس الزام کی وجہ سے
جس قدر زبان درازی امام موصوف کے بارے میں
کی گئی ہے وہ دوسرے لوگوں کے متعلق نہیں
کی گئی ہے اور اسکا سبب یہ ہے کہ وہ امت کے
مشہور امام ہیں (دوسرے اتنے مشہور نہیں) اور
باوجود ان باتوں کے بعض لوگ انکی مذمت کرتے ہیں
انکی خداداد مقبولیت عامہ کیوجہ سے لوگ ان سے
حسد بھی رکھتے ہیں اور بہت سی ایسی چیزیں انکی طرف
منسوب کر دیتے ہیں جو ان کے اندر نہیں ہیں اور انکی
شان کے خلاف ان پر تہمتیں باندھی جاتی ہیں۔ اور
اہل حق کی بڑی جماعت نے انکی بڑی مدح کی ہے
اور انکو اوروں پر فضیلت دی ہے۔ اور اگر ہمیں فرصت
ملی تو انشاء اللہ امام موصوف اور امام مالک و شافعیؒ
اور ثوری اور اوزاعی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم کے فضائل
کو ایک مستقل کتاب میں جمع کریں گے اور عباس بن محمد
دوری فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے سنا ہے
کہ وہ فرماتے تھے کہ ہمارے اصحاب ابوحنیفہ اور انکے

---

[1] ابتدائے کتاب میں جو مقدمہ مصنف کے حالات کے متعلق ناشر کی جانب سے لکھا ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام عبدالبر نے یہ کتاب تصنیف فرمائی جس کی ضخامت آٹھ جلدوں میں ہے مگر افسوس ہے کہ اس امام حدیث کی عرق ریزی کا یہ عظیم الشان نتیجہ اب اس قدر نایاب و مفقود ہے کہ کسی کتبخانہ میں اسکا موجود ہونا معلوم نہیں۔

فقال كان انبل من ذلك وعن
مسلمة بن شبيب قال
سمعت احمد بن حنبل يقول
رائي الاوزاعي ورائي مالك
ورائي ابي حنيفه كله رائي
وهو عندي سواء وانما
الحجة في الآثار وعن الداوردي
اذا قال مالك وعليه ادركت
اهل بلدنا والمجتمع عليه عندنا
فانه يريد ربيعه بن ابي
عبد الرحمن وابن هرمز وذكر محمد
بن الحسين الازدي الحافظ
الموصلي في الاخبار التي في آخر
كتابه في الضعفاء قال يحيى بن
معين ما رايت احدا اقدمه
على وكيع وكان يفتي برائ
ابي حنيفة وكان يحفظ حديثه
كله وكان قد سمع من ابي
حنيفه حديثا كثيرا قال
الازدي هذا من يحيى بن معين
تحامل وليس وكيع كيحيى بن
سعيد وعبد الرحمن بن مهدي
وقد رائي يحيى بن معين هؤلاء و

شاگردوں کے بارے میں بہت زیادتی کرتے ہیں
کسی نے ان سے سوال کیا کہ کیا ابوحنیفہ روایت میں
سچے نہ تھے؟ یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ وہ اس سے بالا تر
ہیں اور مسلمہ بن شبیب سے روایت ہے کہ وہ فرماتے
ہیں کہ میں نے امام بن حنبل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ قیاس
امام اوزاعی کا اور قیاس امام مالکؒ کا اور قیاس امام ابو حنیفہ
کا سب قیاس ہی ہے اور حجت آثار ہی میں ہے۔ اور
امام دراوردیؒ کہتے ہیں کہ جب امام مالکؒ کسی مسئلہ
کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شہر کے علماء کو
اسکے موافق پایا ہے یا یوں کہتے ہیں کہ اپنے مجمع کو اسی
پر پایا ہے تو ان کی مراد اس مجمع اور علماء سے ربیعہ بن
ابی عبدالرحمن اور ابن ہرمز وغیرہ ہوتے ہیں اور محمد
بن حسین ازدی موصلی جو حفاظ حدیث سے ہیں اپنی کتاب
الضعفاء کے آخر میں فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معین نے
فرمایا ہے کہ میں نے کوئی عالم ایسا نہیں دیکھا کہ جس کو
میں امام وکیع پر مقدم اور افضل سمجھوں اور اسکے باوجود
وہ فتوی امام ابوحنیفہ کے قول پر دیا کرتے تھے اور انکی
تمام حدیثیں انھیں یاد تھیں اور انھوں نے امام ابوحنیفہ
سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں۔ حافظ ازدی کہتے ہیں
کہ وکیع کے بارے میں جو کچھ یحییٰ بن معین نے فرمایا ہے
یہ انکا تسامح ہے ورنہ یحییٰ بن سعید اور عبدالرحمن بن مہدی
وکیع سے افضل تھے اور یحییٰ بن معین ان سب حضرات
کی خدمت میں رہے ہیں۔ یحییٰ بن معین نے حدیث

صحیحهم قال وقیل لیحیی بن
معین یا ابا زکریا ابوحنیفه کان
یصدق فی الحدیث قال نعم
صدوق وقیل له فالشافعی
کان یکذب قال ما احب
حدیثه ولا ذکره (قال ابوعمر)
لم یتابع یحیی بن معین احد
فی قوله فی الشافعی وقال
الحسن بن علی الحلوانی قال
لشبابة بن سوار کان شعبه
حسن الرای فی ابی حنیفه و
کان یستنشد فی ابیات مساور الوراق
اذا ما الناس یوماً قایسونا بآبدة من
الفتیا لطیفه وقال علی بن المدینی
ابوحنیفه روی عنه الثوری و
ابن المبارک وحماد بن زید و
هشیم ووکیع بن الجراح وعباد
بن العوام وجعفر ابن عون
وهو ثقه لاباس به وقال
یحیی ابن سعید ربما استحسنا
الشئی من قول ابی حنیفه فناخذ به
قال یحیی وقد سمعت من ابی یوسف
الجامع الصغیر ذکره الازدی (قال ابوعمر)

کیا گیا کہ کیا ابوحنیفہ حدیث کے بارے میں صدوق
(سچ اور صحیح بیان کرنے والے) تھے؟ فرمایا ہاں وہ
صدوق ہیں۔ پھر ان سے پوچھا گیا کہ امام شافعی روایت
حدیث میں سچے نہ تھے؟ فرمایا (یہ تو نہیں کہتا ہوں) میں نہ انکی حدیث
کو پسند کرتا ہوں اور نہ ان کا ذکر پسند کرتا ہوں
ابوعمر ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ امام شافعی کی حدیث
کو ساقط کہنے کے بارے میں کسی نے یحیی بن معین
کی موافقت نہیں کی اور حسن بن علی حلوانی فرماتے
ہیں کہ مجھے شبابہ ابن سوار نے فرمایا کہ امام حدیث
شعبہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے
تھے اور مجھ سے مساور وراق کے اشعار جو ابوحنیفہ
کی مدح میں ہیں سنا کرتے تھے۔ امام حدیث علی بن
مدینی فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ سے سفیان ثوری،
عبداللہ بن مبارک، حماد بن زید، ہشیم، وکیع بن جراح،
عباد بن عوام، جعفر بن عون جیسے ائمہ حدیث نے
حدیث حاصل کی ہے۔ وہ (بلا شبہ) ثقہ ہیں انہیں
کوئی کمی نہیں۔ امام حدیث یحیی بن سعید فرماتے ہیں
کہ بسا اوقات ہمیں ابوحنیفہ کے اقوال پسند آتے ہیں
تو ہم انھیں اختیار کرتے ہیں۔ اور بیان کیا کہ میں نے
ابویوسف تلمیذ ابوحنیفہ سے جامع صغیر پڑھی ہے
یہ تمام روایات حافظ ازدی نے بیان کی ہیں امام
عبدالبر فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے امام ابوحنیفہ سے
روایت کی اور انکی توثیق فرمائی اور انکی مدح و ثنا

الذین رووا عن ابی حنیفه ووثقوه
اثنوا علیه اکثر من الذین تکلموا فیه
(وهذا لیس لامر واقعی بل الذین عابوا علیه فی)
الحدیث اکثر ما عابوا علیه الاغراق
فی الرائ والقیاس والارجاء
وکان یقال یستدل علی نباهة
الرجل من الماضین بتباین
الناس فیه قالوا الا تری
الی علی ابن طالب انه هلك
فئتان محب افرط ومبغض
افرط وقد جاء فی الحدیث
انه یهلك فیه رجلان
محب مطرو مبغض مفتر
وهذه صفة اهل
النباهة ومن بلغ
فی الدین والفضل
الغایة - والله اعلم
(مختصر جامع العلم لابن عبد البرؒ)

کی وہ ان لوگوں سے زائد ہیں جنھوں نے ان کے بارے میں کچھ کلام کیا ہے (وہ بھی کسی واقعی عیب کی وجہ نہیں) بلکہ صرف اسلئے کہ انھوں نے (ایسے مسائل میں جن میں نص قرآن وحدیث وارد نہیں) قیاس سے کام لیا ہے اور انکی طرف ارجا کی نسبت کی گئی ہے اور یہ بات ہمیشہ سے کہی جاتی ہے کہ متقدمین میں کسی شخص کے بارے میں لوگوں کی مختلف رائیں رکھنا اسکی جلالت قدر اور عظمت شان کی دلیل ہے کہا جاتا ہے کہ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا واقعہ خود اسکی دلیل ہے کہ انکے بارے میں دو قسم کے لوگ تباہی میں پڑ گئے ایک ان سے محبت رکھنے والے جنھوں نے افراط محبت کیوجہ سے حدود شرعی سے تجاوز کیا دوسرے وہ جو بغض رکھنے والے جو حدود شرعیہ سے تجاوز کر گئے یہی مضمون حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں محبت سے تجاوز کرنیوالے اور عداوت رکھنے والے ہلاک ہونگے۔ اور جن لوگوں کو حق تعالیٰ دین میں عظمت اور کمال اور اعلیٰ درجہ کی بزرگی سے نوازتے ہیں انکا یہی حال ہوتا ہے کہ کچھ لوگ انکے موافق ہوتے ہیں تو کچھ مخالف بھی ہوتے ہیں)

۱۵۔ حضرت سفیان ثوریؒ اور سفیان عیینہؒ

یہ دونوں بزرگ علماء سلف کے اس اونچے طبقہ میں سے ہیں جنکے حالات ومقالات

نورِ ایمان سے لبریز، علومِ نبوت کے حامل، ہر مسلمان کے لئے اسوہ ہیں میرا خیال ہے کہ اگر موجودہ افکار و حوادث سے فرصت ملی تو انشاء اللہ ان دونوں بزرگوں کے مفصل حالات قلمبند کروں گا واللہ الموافق۔ اسوقت ان حضرات کا ایک باہمی مکالمہ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ثوری سے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے آپ نے فرمایا اُقْلِلْ من معرفۃ الناس لوگوں سے جان پہچان کم کرو۔ میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے کیا حدیث میں نہیں آیا کہ اکثروا من معرفۃ الناس فان لکل مومن شفاعۃ لوگوں سے جان پہچان زیادہ کرو کیونکہ ہر مسلمان کی شفاعت قبول کیجائیگی۔ حضرت سفیان الثوریؒ نے فرمایا کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو جب کوئی مصیبت اور تکلیف پہونچی ہوگی جاننے والوں ہی سے پہونچی ہوگی میں نے عرض کیا بیشک آپ صحیح فرماتے ہیں۔

ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ اس وصیت کے بعد سفیان الثوریؒ کی وفات ہوگئی میں نے انکو خواب میں دیکھا کہ ٹہل رہے ہیں، میں نے ان سے پھر وہی درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیے انھوں نے پھر وہی کلمہ دہرایا کہ جہاں تک ممکن ہو لوگوں سے جان پہچان کم کرو کیونکہ ان سے چھوٹنا بہت دشوار ہے۔

اسکے بعد سفیان بن عیینہ کا یہ حال ہوگیا کہ اپنے دروازہ پر یہ کلمات لکھکر لگا دیئے

جزی اللہ من لا یعرفنا خیرا ولا جزی — اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جو ہمیں پہچانتے نہیں

بذالک اصدقائنا فما اوذینا قط الا منھم — اور ہمارے دوستوں کو یہ جزا نہ دے کیونکہ جب کبھی ہمیں تکلیف پہونچی ہے انھیں سے پہونچی ہے۔

اور اسی مضمون کو ان اشعار میں نظم کیا گیا ہے۔

جزی اللہ عنا الخیر من لیس بیننا ولا بینہ ود و لا نتعارف

(اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جزائے خیر دے جنکے اور ہمارے درمیان نہ کوئی علاقہ دوستی ہے اور نہ ان سے جان پہچان ہے)

فما صابنا ھمٌّ ولا نالنا اذی من الناس الا من نرد و نعرف

(کیونکہ ہمیں جب کوئی غم اور اذیت پہونچی ہے وہ صرف دوستوں اور جاننے والوں ہی سے پہونچی ہے)

(از منہاج العابدین للامام غزالی)

قال تعالیٰ ان هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم

چوں نص بالا دال است بر بودن
قرآن بمتنہ او تفسیرہ الشامل للاسفار الدینیۃ ہادی و رفیق الی اقوم السبیل
و فی سواء الطریق و منجملہ ایں اسفار ایں رسالہ منتخبہ از مواعظ
حضرت سیدنا و مولانا شاہ اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بود کہ مسمی ست

الرفیق فی سواء الطریق

وملقب بہ

کیل یوسفی

وایں جلد دوم است ازاں کہ باعتبار افادۂ علوم و حکم گویا ناطق ست
بقول یوسف علیہ السلام اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْ اُوْفِی الْکَیْلَ لہٰذا باہتمام یکی از خدام
بارگاہ مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ

بہ طبع دوم مطبوع گردید
۱۹۸۲ء
از خانقاہ وصی اللّٰہی ۲۳ بخشی بازار الہ آباد
۱۴۰۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الرفیق فی سواء الطریق

المعروف بہ

تکمیل یوسفی

یعنی حکیم الامۃ واقف طریقت عارف حقیقت محی السنۃ مولانا مولوی قاری حاجی حافظ شاہ محمد اشرف علی صاحب دام ظلہم العالی کی افراط وتفریط سے پاک سچے تصوف کی حقیقت میں عوام وخواص کے لئے مفید نہایت ضروری اور عجیب کتاب، اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپکی اخلاقی اور دینی و دنیوی حالت درست ہوجاوے اور طریق سلوک آسانی سے طے ہوجائے اور دین و دنیا میں پرلطف زندگی حاصل ہو تو اس سے عجیب وغریب تحقیقات کا انکشاف ہوگا اس کتاب کا مطالعہ وہ کام دیتا ہے جو سالہا سال تک کتابوں کا مطالعہ کرنے سے نہیں نکلتا گویا ایک شیخ طریقت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہ بات بالکل صحیح ہے اور بزرگوں کے فرمان کے عین مطابق ہے حضرت حافظ فرماتے ہیں کہ ؎

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است　　صراحیٔ مے ناب وسفینۂ غزل است

ہمارے حضرتؒ فرماتے ہیں کہ "سفینۂ غزل" سے مراد یہی تصوف کی کتابیں ہیں جو حق تعالیٰ کی محبت کی چاشنی اور لطف پیدا کرنے میں کسی غزل سے کم نہیں ہوا کرتیں۔ عربی کا شاعر متنبی کہتا ہے کہ ؎

اعز مکانٍ فی الدنیٰ سرج سابحٍ　　وخیر جلیسٍ فی الزمان کتابُ

دنیا میں سب سے بڑھکر عزت والا مقام کسی عمدہ گھوڑے کی زین ہے اور بہترین رفیق زمانہ میں (دین کی) کتاب ہے) جامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ منکراتِ روزہ

بوجہ قرب رمضان شریف مناسب ہے کہ کچھ احکام اسکے بیان کر دیئے جائیں
یہ تو معلوم ہے کہ روزہ فرض ہے اسلئے تو بیان کی ضرورت نہیں اور ایسے ہی تراویح سنت مؤکدہ
ہونے کی وجہ سے ضروری ہے اسکے بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں، البتہ ضروری مضمون
یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس مہینہ میں کچھ منکرات بڑھا دیئے ہیں اور وجہ اسکی یا تو عدم علم ہے
یا قصور علم یا جانتے بھی ہیں مگر احتیاط نہیں کرتے۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے
ان چیزوں کو بھی حرام کر دیا جو پہلے حلال تھیں کیا یہ اس بات پر دال نہیں کہ جو چیز ہمیشہ سے
حرام ہے اسمیں شدت زیادہ ہو جائیگی۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے تو علت بیان کی روزہ رکھنے کی
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ روزہ اس واسطے ہے کہ تم متقی بنجاؤ۔ اب ہر شخص غور کرلے کہ قبل رمضان
میں اور رمضان میں کچھ فرق اسکی حالت میں ظاہر ہوا؟ اس نے نظر بد کو یا غیبت کو چھوڑ دیا یا نہیں
سو کچھ نہیں دونوں حالتیں یکساں ہیں کسی باب میں بھی کمی نہیں ہوئی۔ اب رہا کھانا سو اسکے
بھی وقت بدل دیئے مقدار میں کچھ تغیر نہیں کیا۔ غرض یہ کہ شارع علیہ السلام کا تو مقصود یہ تھا
کہ منکرات میں کمی ہو مگر لوگوں نے کچھ بھی نہ کیا اہل تحقیق تو کھانے تک میں کمی کر دیتے ہیں
اس مہینے میں بہ نسبت شعبان کے مگر اسکی مقدار کچھ مقرر نہیں ہو سکتی ہے جتنا شعبان میں کھاتے
تھے اس سے کم کر دیا بعض نے صرف بقدر لایموت کھا کر روزہ رکھا جب ہی تو کچھ اثر پایا ہمیشہ
اچھی طرح کھایا ایک مہینہ عبادت ہی کے لئے سہی۔ حاصل یہ کہ ان لوگوں نے اکل میں
بھی کمی کر دی، مگر یہ بات مندوب خواص کے لئے ہے ہر شخص سے نہیں ہو سکتا ہے۔ مگر
معاصی کو تو چھوڑ دو۔ غیر کھانے کے لئے جواز کا مرتبہ تو ہے معاصی کے لئے جواز بھی نہیں، ہم
بخلاف دیکھے دن بھر معاصی ہی میں مشغول رہتے ہیں بلکہ بعضے تو معصیاں میں اور زیادہ ہو جاتے
[illegible] کر کے [illegible] صبح کی نماز اس مہینہ میں اپنے وقت پر ہوتی ہے یا نہیں؟ اس نماز

کی تو وقت سے تاخیر کرنے کی عادت ہوگئی ہے بعض کی تو قضا ہوتی ہے اور قضا نہ بھی ہو تو اسقدر تاخیر تو ہوتی ہے جس سے جماعت فوت ہو جائے، خوش ہیں کہ ہم نے روزہ رکھ لیا بڑا تعجب ہے کہ نماز کو چھوڑ دیا روزہ کیا کفایت کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مغفرۃ کو اس قدر بڑھا دیا کہ دس ضعف ثواب کا وعدہ فرما دیا اور ہم اسقدر گناہ کرتے ہیں کہ حسنات باوجود اتنے بڑھا دیے جانے کے بھی سیئات کے برابر نہیں ہوتیں چاہیے تو یہ تھا کہ حسنات کی تعداد بڑھی ہوئی رہتی اسکو بھی جانے دیجئے برابر تو رہتی کہ پھر بھی حسناً بموجب سبقت رحمتی علی غضبی کے غالب ہو جاتیں اور جب باوجود اضعافاً مضاعفہ ہونے کے بھی نیکیاں گناہوں کے برابر نہیں ہوتیں تو پھر کیا

۲۔ ماہ رمضان کی عبادت کا اثر برکت اعمال پر تمام سال رہتا ہے

اچھا اسکو بھی جانے دیجئے اگر ہم ہمیشہ اس پر قادر نہیں ہیں کہ معاصی کو گھٹا دیں تو رمضان میں تو ایسا کر لیا جائے۔ تجربہ سے ثابت ہوا کہ اس ماہ کی عبادت کا اثر اسکے بعد گیارہ مہینے تک رہتا ہے جو کوئی اس میں کوئی نیکی بتکلف کر لیتا ہے اسکے بعد اس پر بآسانی قادر ہو جاتا ہے اور جو کوئی کسی گناہ سے اس میں اجتناب کرے تمام سال بآسانی اجتناب کر سکتا ہے، اور اس مہینے میں معصیت سے اجتناب کرنا کچھ مشکل نہیں کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں پس جب شیاطین قید ہو گئے معاصی خود ہی کم ہو جائینگے محرک کے قید ہو جانے کی وجہ سے۔ اور یہ لازم نہیں آتا معاصی بالکل مفقود ہی ہو جائیں کیونکہ دوسرا محرک یعنی نفس تو باقی ہے اس مہینے میں وہ معصیت کرائے گا مگر ہاں کم اثر ہوگا کیونکہ ایک ہی محرک رہ گیا اس میں ایک مہینے کی مشقت گوارا کر لی جائے کوئی بات نہیں غرض اس میں ہر عضو کو گناہ سے بچایا جائے۔

۳۔ بقیہ منکرات

ایک زبان ہی کے بیس گناہ ہیں جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ایک ان میں سے کذب ہے جس کو لوگوں نے شیر مادر سمجھ رکھا ہے اور کذب وہ شے ہے کہ کسی کے

نزدیک بھی جائز نہیں پھر اسکو مسلمان کیسا خوشگوار سمجھتے ہیں۔ ذرا بھی لگاؤ کذب کا ہو جائے بس معصیت ہوگئی۔

حکایت: یہانتک کہ ایک صحابیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک بچہ سے بہلانے کے طور پر یوں کہا کہ یہاں آؤ چیز دیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر وہ آجائے تو کیا چیز دو گی؟ تو انھوں نے دکھایا کہ یہ کھجور ہے میرے ہاتھ میں آپ نے فرمایا کہ اگر تمھاری نیت میں کچھ نہوتا تو یہ معصیت لکھ لیجاتی۔ حضرت کذب یہ چیز ہے۔ خیر یہ تو بڑے لوگوں کی باتیں ہیں اگر اس سے احتراز نہو سکے تو کذب مضر سے تو بچنا چاہیئے اور پھر روزہ میں! دوسرا گناہ زبان کا غیبت ہے۔ لوگ یوں کہا کرتے ہیں کہ میاں ہم تو اسکے منھ پر کہدیں منھ پر عیب جوئی کروگے تو بہت اچھا کروگے اور پیچھے تو ظاہر ہے جیسا اچھا ہے! بلکہ اگر منھ پر برا کہوگے تو بدلا بھی پاؤگے وہ شخص تمھیں برا کہہ لیگا یا اپنے اوپر سے الزام دفع کریگا۔ پیچھے برائی کرنا تو دھوکہ سے مارنا ہے۔ یاد رکھو جیسا دوسرے کا مال محترم ہے ایسی ہی بلکہ اس سے زیادہ آبرو ہے، چنانچہ جب آبرو پر آبنتی ہے تو مال تو کیا چیز ہے جان تک کی پرواہ نہیں رہتی، پھر آبرو ریزی کرنیوالا کیسے حق العبد سے بری ہو سکتا ہے؟ مگر غیبت ایسی رائج ہوئی ہے باتوں میں احساس بھی نہیں ہوتا کہ غیبت ہوگئی یا نہیں اس سے بچنے کی تدبیر تو بس یہی ہے کہ کسی کا بھلا یا برا کوئی ذکر ہی نہ کیا جاوے کیونکہ ذکر محمود بھی اگر کیا جاوے کسی کا، تو شیطان دوسرے کی برائی تک پہونچا دیتا ہے اور کہنے والا سمجھتا ہے کہ میں ایک ذکر محمود کر رہا ہوں۔ اور اس طرح ایک خیر اور ایک شر مل جانے سے وہ خیر بھی کالعدم ہوگئی۔ او حضرات اپنے ہی کام بہت ہیں پہلے انکو پورا کیجیے، دوسرے کی کیا پڑی ہے؟ علاوہ ازیں غیبت تو گناہ بے لذت بھی ہے اور دنیا میں بھی مضر ہے جب دوسرا آدمی سنے گا تو عداوت پیدا ہو جائیگی اور پھر کیا ثمرات اسکے ہوں گے اسی طرح زبان کے بھی بہت سے گناہ ہیں سب سے بچنا ضروری ہے ان کے علاوہ ایک گناہ جو خاص روزہ کے متعلق ہے افطار علی الحرام ہے بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس مہینے میں حلال کا کھانا بھی ایک وقت میں حرام ہو گیا اور بعض پھر تو اسے لوگ چھوڑے رہیں اور شام کو حرام سے افطار کریں۔

۴۔ غلطی ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ حلال رزق نہیں ملتا

اور در اصل بعض لوگوں نے خبط میں ڈال دیا ہے یوں کہتے ہیں کہ رزق حلال تو پایا نہیں جاتا سوا اسکے کہ دریا میں سے مچھلی شکار کر کے کھائی جاوے یا سبزی کھا کر یا گھاس چر کر پیٹ بھر لیا جاوے اور کچھ قصے اسکے متعلق مشہور کیے ہیں۔ ایک بزرگ کا قصہ بیان کرتے ہیں کہ انکا بیل لڑتے لڑتے دوسرے کے کھیت میں چلا گیا تو انھوں نے اس کھیت کا غلہ کھانا چھوڑ دیا کہ نہ معلوم دوسرے کھیت کی مٹی جو میرے بیل کے کھر میں بلا اجازت چلی آئی کون سے دانے میں شامل ہوگئی ہو اگر یہ قصہ ہوا ہے تو وہ صاحب حال ہے دوسروں کے لئے انکا فعل حجت نہیں ہوسکتا۔ تعمداً اتنا مبالغہ کرنا تقویٰ کا ہیضہ اسی کو کہتے ہیں۔ جب اتنے شبہ کو کلی حرام میں سمجھا جاویگا اور ظاہر ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہے تو گمان یہ ہوگا کہ حرام سے بچنا مشکل ہے، پس حراموں میں مبتلا ہوگئے اور حلال کو بالکل چھوڑ ہی دیا۔ میں کہتا ہوں کیا کنز و ہدایہ بالکل لغو ہی ہیں جب یہی بات ٹھیری کہ حلال کا وجود ہی نہیں تو ناحق اتنا بسط کیا صرف اتنا کافی تھا الحلال لا یوجد (حلال کا زمانہ میں کہیں وجود نہیں ہے) ہرگز نہیں جس پر کنز و ہدایہ فتویٰ دیدیں وہ حلال ہے۔ میں کہتا ہوں کیا سب علماء حرام خور ہیں۔

ایک بزرگ تھے مولانا مظفر حسین صاحبؒ انکی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ان کو مال حرام دھوکے سے بھی کھلا دیتا تھا تو قے ہوجایا کرتی تھی اور پھر بھی وہ دونوں وقت کھانا کھایا کرتے تھے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حلال کا وجود دنیا میں ضرور ہے ورنہ وہ کیا کھاتے تھے اگر فرض کیجئے مال حرام ہی کھاتے تھے تو طبیعت کو یہ نفرت نہیں ہوسکتی یا یہ کہ ہمیشہ قے ہی کیا کرتے ہوں گے تو کھانا فضول تھا۔ غرض دنیا میں حلال بھی ہے حرام بھی ہے۔ جو مسائل دریافت کرنے سے معلوم ہوسکتا ہے مگر لوگ پوچھتے ہی نہیں۔

۵۔ منشاء اس غلط خیال کا کہ حلال رزق نہیں ملتا

اور یہ فساد پیدا کا ہے سے ہوا کہ لوگوں نے پوچھنا چھوڑ دیا جو جی میں آیا کرتے رہے حتیٰ کہ اسکے عادی ہو گئے۔ اب جو کسی نے منع کیا تو اسکا چھوڑنا نہایت دشوار معلوم ہوا۔ بس کہدیا کہ میاں یہ لوگ تو خوامخواہ ہی کو حلال کو حرام کہدیا کرتے ہیں انکی تو غرض ہی یہی ہے کہ مال نہ بڑھے اور مسلمانوں کو ترقی نہ ہو۔ بس ہوتے ہوتے یہ ذہن میں جم گیا کہ ان کے یہاں تو سب چیز حرام ہے حلال کا وجود ہی نہیں۔ جو حلال تھا وہ بھی حرام ہی سمجھنے لگے اور خوف سے مفتی کے پاس جانا چھوڑ دیا کہ معلوم نہیں ہمارے کس معاملے کو حرام بتا دیں۔ یا حلال بتائیں تو ہماری خاطر ہی سے شاید کہہ دیں اور فی نفسہ حرام ہی ہو گا کیونکہ حلال کا تو وجود ہی نہیں۔ سو یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ جسکو مفتی مباح کہے وہ عنداللہ مباح ہے اسمیں کچھ حرج نہیں۔ شیطان کے بہت سے جال ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ یہ سب حرام ہے۔ پھر بعض لوگ حرام و حلال میں خوامخواہ شبہ کر کے حلال کو بھی چھوڑ دیتے ہیں کہ جب اس میں وسوسہ ہے تو چھوڑ ہی دو چاہے مفتی کتنا ہی کہے کہ یہ حلال ہے مگر وہ اسکے چھوڑنے ہی کو اولیٰ سمجھتے ہیں۔ نہیں اس فعل میں کچھ حرج نہیں جو مباح ہے۔ اہل علم سے پوچھ لو کہ کوئی وجہ اس میں اباحت کی بھی ہے وہ کوئی ظالم نہیں کہ خوامخواہ یہی چاہتے ہوں کہ تم کو دقت میں ڈالیں۔ اور یہ خیال مت کرو کہ حلال موجود ہی نہیں۔ پوچھ لو پھر جس سے وہ منع کریں اسپر عمل کرنے کے لئے ہمت باندھو۔

۶۔ نفس کی کم ہمتی کا عمدہ علاج

اور اگر نفس کم ہمتی ہی کرے تو اس سے یوں کہو کہ یہ جو حکام وقت کے احکام ہیں انکو کس طرح مانتا ہے؟ اسکو حاکم حقیقی کا حکم سمجھکر مانو پھر دوسرے لوگ بھی انشاءاللہ تم سے معارضہ نہ کریں گے

حکایت: میرا ہی خود قصہ ہے کہ کبھی زیور بنواتا تو چونکہ چاندی کے واسطے روپیہ دینے سے ربوا لازم آجاتا ہے اسلئے جب کبھی زیور بنوانے کا اتفاق ہوتا میں چاندی دوسری جگہ سے خرید کر اسے دیتا دو ایک مرتبہ تو اس نے کہا کہ روپیہ دیدو پھر تول کر حساب کر دینا، میں نے اس سے کہدیا کہ یہ میرے دین کے خلاف بات ہے بس اس نے اسکو خوشی سے منظور کر لیا تو لوگ سب مان جاتے ہیں آدمی پکا چاہیئے اور اللہ میاں کیطرف سے اسباب ویسے ہی پیدا ہو جاتے ہیں۔ خیال کریجئے کہ آدمی جب کسی کو ارشاق کا حکم دیتا ہے تو اس پر مامور کی اعانت بھی کیا کرتا ہے۔ حاصل یہ کہ دل کو مضبوط کرو اور اس پر عزم کر لو کہ ہم کوئی کام بلا پوچھے نہ کریں گے ہاں اس پوچھنے سے بعض صورتیں عدم جواز کی بھی نکلیں گی اور آمدنی کم ہو جائیگی تو خوب سمجھ لو اور تجربہ کر لو کہ اس کم ہی میں برکت ہو جاویگی۔ اور اسکے یہ معنی نہیں کہ کم چیز مقدار میں بڑھ جاتی ہے کہ بازار سے ایک من گیہوں لائے اور گھر پر آکر دو من اترے، ممکن تو ایسا بھی ہے۔ ایک صاحب خیر نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ مسجد بنواتے تھے اور تھیلی میں روپئے رکھتے تھے اور کام شروع کیا جب ضرورت ہوتی اس میں ہی سے ہاتھ ڈالکر نکال لاتے یہاں تک کہ سب کام بن گیا۔ حساب جو لگایا تو جتنا روپیہ تھا اس سے کم نہیں ہوا۔ تو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے مگر ہمیشہ ضرور نہیں بلکہ اسکے معنی اور ہیں اور وہی اکثر واقع ہیں اور وہ یہ کہ یہ مقدار قلیل جب تمھارے ہی صرف میں آئے بیماری میں خرچ نہو اور ایسی ہی فضول خرچیوں میں، مقدمات میں، لاطائل تکلفات میں ضائع نہ جائے۔ جو کچھ آئے تمھاری ہی ذات پر صرف ہونا چاہیئے۔ تھوڑا ہو، اس سے بہتر ہے کہ زیادہ آئے اور تم پر خرچ نہ ہو۔

۷۔ رضا حق عمل کا اصل ثمرہ ہے

اور آخر میں کہتا ہوں نہ ہو برکت خود اللہ میاں کی رضا ہی دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔ اللہ میاں ملیں پھر کیا حقیقت ہے کسی چیز کی؟

(باقی آئندہ)

Regd. No. L2/9/AD-111

Monthly WASIYATUL IRFAN MARCH 1982

23, Baxi Bazar, Allahabad-3

[illegible] بکس ایکٹ ۱۸۶۷ء [illegible] ترمیم شدہ کی دفعہ ۱۹ ڈی کے [illegible] کے
مطابق ماہنامہ وصیۃ العرفان کی ملکیت وغیرہ کے بارے میں مندرجہ ذیل تفصیلات شائع کئے جاتے ہیں

(۱) مقام اشاعت — الہ آباد

(۲) وقفۂ اشاعت — ماہوار

(۳) پرنٹر کا نام، قومیت و پتہ — مولوی عبدالمجید - ہندوستانی - ۷۵ جانسین گنج - الہ آباد

(۴) پبلشر کا نام، قومیت و پتہ — صغیر حسن - ہندوستانی - ۸۱ اقبال پور - الہ آباد -

(۵) ایڈیٹر کا نام، قومیت و پتہ — مولوی عبدالمجید - ہندوستانی - ۷۵ جانسین گنج - الہ آباد

(۶) ان افراد کے نام و پتے جو اخبار کے مالک ہوں یا کل سرمایہ کے ایک فیصد سے زیادہ کے حصہ دار ہوں — مولوی احمد متین صاحب ۲۳ بخشی بازار - الہ آباد

میں صغیر حسن اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔

(دستخط) صغیر حسن (پبلشر)

شمارہ ۲ فروری ۱۹۸۲ء جلد ۵

تصوف و احسان ماہنامہ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ ششماہی عشہ دس روپئے

چندہ سالانہ عشہ بیس روپئے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ دو روپئے — مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۲ | ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ مطابق فروری ۱۹۸۲ء | جلد ۵

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۳-۹-۱-۷ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

احباب کو رسالہ سے غایت تعلق کی بنا پر دفتر سے یہ شکایت رہتی ہے کہ رسالہ وقت پر نہیں ملتا اس میں وہ حق بجانب ہیں اس سلسلہ میں بس اتنا ہی عرض کرنا ہے کہ یقین جانیئے کہ ارباب ادارہ کو آپ سے کم تکلیف تاخیر سے نہیں ہوتی۔ ہر چند پوری کوشش اور عزم رہتا ہے کہ نظم قائم ہو جائے اور قائم رہے مگر عرفت ربی بفسخ العزائم کا مشاہدہ وقتاً فوقتاً ہوتا ہی رہتا ہے کیا کیا جائے بس انسان کی مجبوری کا اور کل شی مرہون باوقاتہ کا یقین ہو جاتا ہے۔

جنوری کا شمارہ روانہ کرنے کے بعد ہی سے فروری کی تیاری شروع کرنا چاہی کہ اچانک ہمارے کاتب صاحب علیل ہو گئے اور اب تک اس لائق نہ ہو سکے کہ پورے نشاط کے کام کر سکیں چکر اور درد سر کی وجہ سے پریشان ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد انھیں کامل صحت سے نواز دے اور رسالہ کا کام اپنی نہج پر آجائے۔

یوں الحمد للہ کہ رسالہ سے احباب خوب منتفع اور مستفید بھی ہو رہے ہیں اور اپنے قلبی تاثرات کو لکھکر ہمکو بھی متاثر اور مستعد کار کرتے رہتے ہیں۔ آپ کے نشاط طبع کیلئے دو حضرات کے خطوط پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمایئے اور دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ یہ نظر ہمکو بھی عطا فرما دے۔ آمین

ایک صاحب حضرت قاری صاحب مدظلہٗ العالی کو لکھتے ہیں کہ :-

"میرے مخدوم و مطاع حضرت قاری صاحب قبلہ دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ——— الحمد للہ خیر دارم و عافیت خواہم۔ فقیر نے آج سے قریباً بیس بائیس سال سے اپنے رسالہ کے پورے ادوار ثلاثہ بھی دیکھے اور بالاستیعاب دیکھے الہ آباد سے نکلنے والے ماہانہ رسائل بنام "الاحسان"، "معرفۃ حق" اور "وصیۃ العرفان" کا بالالتزام و مستقل خریدار رہا اور ہوں۔ ماضی قریب و بعید کے ان رسائل نے جو خدمات انجام دی ہیں یہ تاریخ کے صفحات میں ایک زرّیں باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جملہ رسائل کی شہرت و نیک نامی اور ارباب ذوق کی

میں آگئی قدر جانی اور مانگ پیدا ہوئی اصل رسالے کے نگران و سرپرست کی بے لوث و پرخلوص خدمات کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہوتا ہے بلکہ رسالہ کی روح رواں بھی تمامتر اسی کے زیر اثر و نگراں ہے۔

اسی تاثر سے حضرت مصلح الامتؒ کے وصال کے بعد ہر ایک کے ذوق و وجدان میں یہ گمان پیدا ہونا ضروری تھا کہ اب رسالہ کی اہمیت و افادیت معنویت اور لطیت میں ضرور فرق پڑ گیا، پہلی جیسی بات نہیں رہی، اب وہ زبان و بیان نہیں رہا وغیرہ۔ مگر الحمدللہ ثم الحمدللہ حضرت کے بعد بھی انکا فیض و ترجمان ان ہی کے جانشین اور اور منظور نظر حضرت قاری صاحب قبلہ مدظلہم کے طفیل و زیر اثر بحال ہے۔ خدا شاہد و گواہ ہے شروع سے ابتک کے رسائل و معارف اٹھا کر دیکھئے گا آج بھی وہی اسلوب وزبان، وہی انداز و بیان، وہی معارف و حکم کی درافشانیاں اور جگہ جگہ مصالح اور حکمت آموزیاں آپ اس رسالہ کے اندر کبھی عیاں کبھی نہاں ضرور پائیں گے ویسے اسکے بہت سارے مضامین اب بھی ایسے ہیں جنھیں حضرت ہی کے قلم و زبان نے بیان کیا ہے اور نظر ثانی کے بعد مسودے میں موجود و محفوظ ہیں جو مہینوں نہیں برسوں کیلئے مواد فراہم کر گئے ہیں اور سلسلہ بسلسلہ تبییض سے تسوید و تحریر میں لائے جارہے ہیں اللھم زد فزدہ۔

اب کے اکتوبر والے " وصیۃ العرفان " میں تعلیمات مصلح الامۃ علیہ الرحمہ کے تحت عملی زمانہ کام کرنے کی ضرورت " پر جس انداز سے دعوت الی الحق کا پیغام پہونچایا ہے اس سے جی بیاختہ پھڑک اٹھا اور اختتام پیغام پر در مختار کے حوالے سے شیخ عبدالحلیم ابوالقاسم کا واقعہ بہت خوب سنایا ہے، نیز بخاری شریف سے ایک حدیث اور اسکی تشریح حضرت کی زبان و قلم سے اپنے انداز میں منفرد اور ایک بڑے الجھاؤ میں سلجھاؤ کی حقیقت بن نظر آئی۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

حکیم سید افسر پاشا
گلبرگہ - تار محمد آر کاٹ

دوسرے محترم لکھتے ہیں :-

" اس سے پہلے میں نے بعض خطوط میں درخواست کی تھی کہ رسالہ میرے نام جاری کر دیا جائے مگر نہ جانے کیا وجہ ہوئی کہ اسکی جانب التفات نہیں ہوا۔ مجھ سے بھی یہ کوتاہی ہوئی کہ بدل اشتراک ارسال نہ کر سکا اب تو سال تمام ہو چکا ہے، آپ ایک سال کے رسالے مجلد کراتے ہیں ایک جلد میرے نام بذریعہ وی، پی روانہ فرمادیں گھر آیا تو اکتوبر، نومبر، دسمبر کے شمارے یکجا دیکھنے کو ملے، اشتیاق تو تھا ہی ہاتھ میں لیتے ہی سب پڑھ گیا۔ سبحان اللہ کیا مضامین ہیں۔ اکتوبر کے رسالے میں " اتباع سنت ہی اصل راہ ہے " پڑھکر دل کی کلی کھل گئی، حضرت مولاناؒ کی عظمت وجلالت کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اسکا اعتراف کرنا ——— وہ بھی مجھ جیسے حقیر وبے بضاعت کی جانب سے ——— مولاناؒ کی شان میں کسی اضافہ کا باعث ہو تاہم یہ کہے بغیر رہا بھی نہیں جاتا کہ حضرت نے باوجودیکہ حضرات مشائخ وصوفیہ کا خود بھی حد درجہ احترام کیا ہے اور دوسروں سے کرایا بھی ہے، تاہم جہاں کہیں ضرورت ہوئی ہے حضرت نے انکی حقیقی حیثیت اور اصلی مقام ظاہر کرنے میں بلا خوف لومۃ لائم وہ باتیں کہدی ہیں جنھیں اور حضرات نے اس وضاحت کے ساتھ نہیں ذکر کیا ہے چنانچہ اسی مضمون میں اتباع سنت کی عظمت جس انداز سے ذہن نشین کرائی ہے وہ مولاناؒ ہی کا حصہ ہے، اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کے قلب صافی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ومقام کس شان کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ میں نے خوب غور وتدبر کیا اس کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں اور اسے اپنے دوستوں اور طالب علموں سے کہتا بھی رہتا ہوں کہ حضرتؒ یہ جو فرماتے ہیں کہ ' علماء ومشائخ مستقل اور مقصود نہیں ہیں بلکہ پس رو اور مقتدی ہیں، اصل پیشوا اور مقتدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس بات کو حضرت جس انداز سے سمجھاتے ہیں یہ مولانا کا تجدیدی کارنامہ ہے۔ اس مضمون کو اتنی شرح وبسط اور اتنی اہمیت کیساتھ کسی نے پیش نہیں کیا ہے اس باب میں جتنا سوچتا ہوں اور حالات کا ——— خواہ انکا تعلق ماضی سے ہو

پامال ہے ـــــ جتنا مطالعہ کرتا ہوں اس عظیم علم کی عظمت سے قلب و دماغ معمور ہوتا چلا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس علم کے پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے بڑی گمراہیاں پھیلی ہیں بلکہ عالم کا عالم اسی گمراہی میں مبتلا ہے لیکن احساس تک نہیں ہوتا۔ کمال کر دیا ہے حضرت نے واللہ یہ علم اتنا عظیم ہے کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن کہنے اور سننے میں جتنا آسان اور سہل معلوم ہوتا ہے اپنے پھیلاؤ اور وسعت کے لحاظ سے اتنا ہی مشکل اور دقیق ہے اسکی تفصیل کیجائے تو ایک دفتر تیار ہو جائے میں تحریر میں تو بہت کوتاہ ہوں لیکن گفتگو اور تحریروں میں حضرتؒ کا یہ عطا فرمودہ علم ایک رہنما اصول کا کام دیتا ہے۔ زیر نظر مضمون اس مسئلہ پر بہت ہی واضح اور فیصلہ کن ہے۔

میں سوچتا ہوں کہ اس عنوان کے تمام مضامین یکجا ہو جائیں تو استفادہ سہل ہو جائے کیا کروں حالات نے جسمانی طور پر مجھے دور کر دیا ورنہ یہ خدمت میرے لئے بڑی سعادت ہوتی اور شاید میرا کام بن جاتا۔ میں اب بھی اسکی فکر میں ہوں ان شاء اللہ کبھی ان مضامین کو یکجا کر دوں گا۔ دعا فرمائیے۔

اسکے بعد جو مضمون نومبر اور دسمبر میں آیا یعنی "علم بھی ایک بڑی کرامت ہے" یہ بھی بالکل انفرادی شان کا حامل ہے، اسکے مطالعہ سے طبیعت کا ایک بند دروازہ ـــــ جو عرصہ سے بند تھا ـــــ بالکل کھل گیا۔ کرامات حسیہ اور کرامات معنویہ کے سلسلے میں جو اشکال مولاناؒ نے ذکر فرمایا ہے تو دوسرے مبہم انداز میں مجھے بھی تھا اور طبیعت میں ایک الجھن سی تھی مولانا کا جواب پڑھ کر طبیعت پھڑک اٹھی، حق تو یہ ہے کہ مولانا جس موضوع کو لیتے ہیں اسکا حق ادا کر دیتے ہیں۔ شیخ شعرانی کے کلام میں وہ بات بالکل واضح نہ تھی میں اسے حضرت کا وہبی علم تصور کرتا ہوں کہ اتنا دقیق مسئلہ بالکل بے غبار کر دیا۔ اتنی وضاحت کے بعد بھی ممکن ہے بعض لوگ اسکی گہرائیوں کا ادراک نہ کر سکیں۔ کیا کیجئے بات ہی مشکل ہے، لیکن یہ بھی سچ ہے کہ جسکو اشکال رہا ہوگا اسے کامل اطمینان ہو جائے گا۔ دوسری قابل بات یہ ہے

کو علم کے نافع اور غیر نافع ہونے سے عمل کا جو تعلق ہے اس سلسلہ میں اکابر کے کلام کے بعد جو الجھن پیدا ہوسکتی ہے اس کو عمل قلبی اور عمل جوارح کی تفصیل کر کے جس وضاحت سے حل کیا ہے وہ تو بالکل نئی چیز ہے۔ بہت عجیب علم ہے اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے، بالکل اچھوتا ہے، اسقدر نفیس و پاکیزہ کلام ہے کہ وجد آگیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی روح کو عروج کی انتہائی بلندیوں پر پہنچائے ہمارے اخلاف کے لئے وہ سرمایہ چھوڑ گئے ہیں کہ اسکے بعد کہیں نگاہ اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں۔ قرآن و حدیث کو بالکل حل کر دیا ہے۔

حضرت مولانا کا یہ خاص کمال ہے کہ جو باتیں نظر بظاہر بالکل بدیہی معلوم ہوتی اور جنکی تفصیل و تشریح کی جانب کسی کا ذہن نہیں پہونچتا انکی تفصیل و تشریح جب فرماتے ہیں تو بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم نے اسکا صرف عنوان جانا تھا اور اسکے علاوہ کچھ معلوم نہیں تھا۔ اور اب بھی مجھے اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں ہے کہ حضرت کی تشریحات کے تمام گوشوں تک کم از کم میری نگاہ تو نہیں پہونچ اور یہ اس بنا پر عرض کر رہا ہوں کہ مولانا کے ایک ایک مضمون پر مدتوں غور کرنے کے بعد اسکے بعض گوشے اچانک اس طرح کھلتے ہیں کہ پہلے سے دل و دماغ میں انکا کوئی تصور نہیں ہوتا۔

ابھی چند روز کی بات ہے کہ ایک مختصر سے مجمع میں حضرت کا ایک مضمون "اخلاص نیت" کے عنوان پر پڑھکر سنا رہا تھا اس میں انی لاحتسب نومتی کما احتسب قومتی (میں اپنے سونے میں بھی ویسا ہی ثواب سمجھتا ہوں جیسا کہ شب کو قیام کرنے میں) پر گفتگو فرماتے ہوئے بشریت اور ملکیت کے بعض لطیف گوشوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ نکتے مجھے بالکل تازہ محسوس ہوئے حالانکہ وہ مضمون میں کئی بار پڑھ چکا ہوں۔

یہ تاثرات کہاں تک لکھوں، سچ تو یہ ہے کہ اپنی بے علمی اور جہالت کا احساس حضرت مولانا کے مضامین پڑھکر ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی

روح کو خوش رکھے۔ حضرت کے کام کی قدر اگر ہم لوگ کریں تو ظلمات کے بادل چھٹ سکتے ہیں۔ والسلام

(اعجاز احمد۔ غازی پور)

اب آپ ادارہ عرض کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس طرح کے مضامین پیش از پیش پیش کرنے کی سعادت نصیب فرمائے اور اپنے قدردانوں کے طفیل میں ان سے ہمیں بھی مستفید فرمائے۔ آمین۔

ایک بات یہ عرض کرنی ہے کہ گذشتہ دو تین اشاعتوں میں بعض تحریرات حضرت مصلح الامۃؒ وقتی تقاضے کی بنا پر بالخصوص ان لوگوں کے لئے منظر عام پر لائی گئی ہے جو حضرت اقدسؒ کے خیال و مزاج اور مذاق سے واقف نہ تھے تاکہ وہ بھی واقف ہو جائیں باقی اس میں کوئی شک نہیں کہ مدرسۂ دیوبند کے حالات اب ایسے سنگین، نازک اور تکلیف دہ بلکہ نقصان دہ ہو گئے ہیں کہ بظاہر حال ان کے درست ہونے کی صورت نظر نہیں آتی یوں اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ قدرت حاصل ہے جس نے کہ اس دارالعلوم کو عدم سے وجود بخشا وہ اسکی بگڑی بنانے اور اسکو اپنی صورت پر دوبارہ لانے پر اقدر (یعنی زیادہ قادر) ہیں لہٰذا ہمارا وظیفہ تو بس اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کا ہونا چاہیئے۔ ع۔ حافظا وظیفہ تو دعا گفتن است و بس۔

اور یہ جو عرض کیا گیا کہ مدرسہ کے موجودہ حالات اور وہاں کے موجودہ نظام سے سب کو نقصان پہونچ رہا ہے تو ظاہر ہے کہ طلبہ کو تعلیم کا نقصان ہوا۔ قوم کو وعظ و تبلیغ اور افتاء کا نقصان ہوا، اہل تعلق کو بجا طور پر قلبی صدمہ ہوا اور تمام اہل حق کیلئے شماتت اعداء کی وجہ سے روحانی ضیق ہوئی۔ غرض نہ صرف اہل ہند بلکہ تمام اہل اسلام کے لئے وہاں کے موجودہ حالات سبب کوفت ہو رہے ہیں۔ اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلم سے بری ہیں پھر ایسا نہیں ہو سکتا کہ قصور کسی خاص جماعت یا فرد کا ہو اور اسکا خمیازہ ساری امت کو بھگتنا پڑے، کیسے کوئی اور بھرے کوئی ایسا ہرگز نہیں ہے۔

ہم سب سے بھی اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی کچھ ناقدری ضرور ہوئی ہے جبھی یہ سزا اسکو

ملی ہے۔ اسلئے بجائے اسکے کہ اپنی مجلسوں، ہوٹلوں، چوپالوں اور مجمعوں میں بیٹھکر ہم اغیار پر تنقید و تبصرہ کریں، غیبت اور شکایت کے شکار ہوں مفید صورت یہ ہے کہ اپنے ہی قصور کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے حال پر رحم کے طالب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہی کی معافی طلب کریں اور ان ہی سے رحم و کرم کی درخواست کریں جیسا کہ اسی نوع کے اپنے بیان کے حالات کو کسی نے حضرت مصلح الامۃؒ سے کبھی عرض کرکے دعا و مشورہ چاہا تھا تو حضرتؒ نے جو جواب مرحمت فرمایا وہ آج بھی ہمارے لئے شمع راہ بنانے کے قابل ہے۔ تحریر فرمایا کہ :-

"مسلمانوں کے حالات حاضرہ (کے سلسلے میں) میں تو احباب سے یہی کہتا ہوں کہ اپنی ذلت اور تباہی کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ اعمالکم عمالکم، ہم نے اللہ رسول کے طریقہ کو چھوڑ دیا ہے اسلئے نکبت اور ذلت ہمارے لازم حال ہوگئی ہے۔ یہی قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے اور یہی تاریخ بتاتی ہے مسلمان جب اپنے خدا کے مطیع و فرماں بردار رہے سربلند رہے اور جب نافرمانی کی تو سزا دیے گئے، (عسیٰ ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا) اسلئے ہر زمانہ میں تو عموماً اور ایسے وقت میں تو بالخصوص جبکہ اسباب ظاہر ناساعد ہوں تو یہی راہ متعین ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے رو دیں گڑگڑائیں اور پہلے ان سے اپنی خطا کی معافی مانگیں اور یہ دعا کریں کہ اللھم الف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا واھدنا سبل السلام ونجنا من الظلمت الی النور وجنبنا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن وبارک لنا فی اسماعنا وابصارنا وقلوبنا وازواجنا وذریاتنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم (یعنی اے اللہ ہمارے قلوب میں باہم الفت ڈالدے اور ہمارے باہمی معاملات کی اصلاح فرمادے اور ہمکو سلامتی کی راہ دکھلا اور ظلمت سے نجات دیکر نور کیطرف ہمکو لے آ اور ہمکو ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچا اور ہماری شنوائیوں میں اور بینائیوں میں برکت عطا فرما اسی طرح سے ہمارے قلوب میں ہماری ازواج میں اور ہماری اولاد میں برکت

عطا فرما اور ہماری توبہ قبول فرما بلاشبہ آپ توبہ کے قبول فرمانے والے اور رحم فرمانے والے ہیں)
اور یہ دعا کریں اللّٰھم لا تسلط علینا من لا یرحمنا (اے اللہ! ہم پر ایسے کو مسلط نہ فرمایئے جو ہم پر رحم نہ کرے) آخر یہ دعائیں کس وقت کے لئے سکھائی گئی ہیں ؟ لیکن افسوس ہے کہ دوسروں کی تو شکایت ہے اور اپنے پر نظر نہیں اور فاعلِ مختار کی جانب توجہ نہیں (اور افسوس بالائے افسوس یہ ہے کہ جن لوگوں کا فیصلہ ناکافی ہوکر اپنی تکمیل کے لئے ہماری عدالت کا محتاج رہا کرتا ہو آج خود ہمارا معاملہ انکے فیصلہ اور انکی عدالت کا محتاج ہو جائے انا للہ وانا الیہ راجعون اس سے بڑھکر ندامت اور غیرت کا اور کیا مقام ہو سکتا ہے) جو کام نہیں کر سکتے اسکی فکر ہے اور جتنا کر سکتے ہیں اس سے صرفِ نظر کئے ہوئے ہیں (چنانچہ دیکھ لیجئے کہ دور دور کے لوگ بھی حالات مدرسہ کے ذکر و تذکرہ اور جانبین کی غیبت و شکایت، الزام و بہتان سے کس طرح اپنی مجلس کا بازار گرم کئے رہتے ہیں اور اس پر حقیقی رنج اور اصلاح حال کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب حقیقی رجوع سے قلوب بالکل خالی ہیں)

آج اگر یہی ایک بات لوگوں کی سمجھ میں آجائے کہ قرآن شریف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کرنا شروع کر دیں تو ناممکن ہے جو یہ حالات باقی رہ جائیں مگر اس زمانہ میں ان باتوں کو کون کہتا ہے اور اگر کوئی کہنے والا کہے بھی تو سنتا کون ہے (اعجاب کل ذی رأي برأیہ کا دور ہے نہ آج کوئی بڑا عالم، بڑا عالم ہے اور نہ کوئی شیخ طریقت ہی واجب الاحترام رہ گیا ہے)

حالات معلوم کرکے بڑا رنج ہوا اب اسکے بعد بھی (دعا کرانے کے لئے) دعا کی درخواست کی ضرورت رہ جاتی ہے ؟ (ارے بھائی!) بال بال دعا میں مشغول ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری فہم درست فرمائے اور ہم پر اپنا رحم فرمائے۔

(اللّٰھم اصلح امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم ارحم امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم اغفر لامۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔
(۱۔۲) (الخ)

(عبرت و نصیحت)

فرمایا کہ —— حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت معاویہ رضؓ کے خط کے جواب میں انکو لکھا تھا کہ جو شخص کسی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے خالق کو ناراض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو ایذا اور تکلیف دینے کے لئے اسی مخلوق کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کی دو جماعتیں ایسی ہیں کہ جب وہ درست رہیں گی تو سب لوگ درست رہیں گے اور جب وہ فاسد ہو جائیں گی تو سب آدمی فاسد ہو جائیں گے۔ ایک جماعت امراء و ملوک کی ہے اور دوسری جماعت علماء کی۔

نیز حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ علماء کی مثال ایسی ہے جیسے نمک کہ جب کوئی شئے خراب ہونے لگے تو اسکی اصلاح نمک کر دیتا ہے لیکن اگر نمک ہی خود خراب ہو جائے (مثلاً زیادہ ہو جائے) تو اسکی اصلاح کسی چیز سے نہیں ہو سکتی

فرمایا کہ —— صاحب روح المعانی آیۃ شریفہ ولو انہم صبروا حتی تخرج الیہم لکان خیراً لہم کے تحت لکھتے ہیں کہ ان جیسی آیتوں سے دانشمندی کے پھل حاصل کئے جا سکتے ہیں اور محاسنِ ادب کے انوار چنے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ ابی عُبیدؒ کی فضیلت میں انکا یہ قول بیان جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے کسی عالم کا دروازہ نہیں کھٹکھٹایا (بے ادبی سمجھکر) بلکہ کھڑا رہا تا آنکہ وہ خود ہی باہر تشریف لائے۔

---

(۱۳) حسن خلق کا درجہ عبادت سے بڑھا ہوا ہے

فرمایا کہ ——— حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک بندہ اپنے حسن خُلق کی وجہ سے آخرت کے درجات اور وہاں کے منازل کا شرف حاصل کر سکتا ہے حالانکہ عبادت اسکی کچھ زیادہ نہ ہوگی، اسی طرح سے وہ اپنے خلق کی برائی کیوجہ سے جہنم کے نچلے طبقہ میں جائیگا حالانکہ عبادت دیکھو تو اسکی بہت ہوگی۔

اس سے صاف طور سے معلوم ہوا کہ حسن خلق کا درجہ عبادت سے بھی بڑھا ہوا آج بڑے سے بڑے دیندار بھی حسن اخلاق سے عاری ہیں۔ یہ بڑی کمی ہے اسکی جانب مسلمانوں کو خاص توجہ کرائی جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

(۱۴) عقل بہت بڑی دولت ہے

فرمایا کہ- بہت دنوں سے میں یہ سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کی ناکامی کی وجہ انکی عقل کی کمی ہے ایک عرصہ سے یہ بات سمجھ میں آرہی تھی لیکن کوئی مضمون اسکی تائید میں نہ ملتا تھا کہ ان دنوں کتاب الاذکیاء جو علامہ ابن جوزی کی اس موضوع پر نہایت بےنظیر تصنیف ہے نظر سے گذری چنانچہ انھوں نے خطبہ میں فرمایا ہے وصلی اللہ علی المبعوث بجوامع الکلم الیٰ اعقل الامم اس میں انھوں نے اس امت کو اعقل الامم کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے حالانکہ علماء خیر الامم سے تو اس امت کو تعبیر کرتے ہیں لیکن اعقل الامم سے تعبیر کرنا انکے علاوہ اور کسی کو نہیں سنا۔ پھر آگے عقل کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کی معرفت کا آلہ ہے اور اسی کے ذریعہ مصالح کا انضباط اور عواقب کا لحاظ کیا جاتا ہے اور یہی غوامض کے ادراک اور فضائل و کمالات کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ پھر اور آگے چلکر اپنی اس تالیف کی اغراض بیان کی ہیں کہ ایک غرض تو اس سے یہ ہے کہ عقلاء کے حالات بیان کرنے سے انکے مراتب کی معرفت حاصل ہوگی دوسرے یہ کہ

جن لوگوں میں کچھ بھی استعداد ہوگی وہ بھی اس مرتبہ کی تحصیل کی کوشش کریں گے
کیونکہ یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ عاقل کی رویت اور اسکی صحبت سے عقل میں اضافہ
ہوتا ہے۔ اسی طرح سے انکے واقعات اور حالات بھی انکی ملاقات کے قائم مقام
ہوتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اگر مشائخ کی صحبت میسر نہ ہو تو وہ انکے
حالات ہی کا مطالعہ کرے تو اسکا منشا یہی امر ہے جسکو ابن جوزی فرمارہے ہیں، اور
حضرت حافظ جو یہ فرماتے ہیں کہ ؎

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است — صراحیٔ مے ناب وسفینۂ غزل است

(اس زمانہ میں ایسا ساتھی جو کہ بے ضرر ہو (محبت الٰہی کا) جام و سبو ہے اور
اور (یادِ الٰہی پیدا کرنے والی) کتابیں ہیں)۔

اسکا بھی یہ مطلب ہے۔ آگے تیسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس تصنیف سے
مقصد اہل عجب کی تادیب بھی ہے کیونکہ جب وہ ان لوگوں کے "حالات سنیں گے جس کی
تحصیل انکے لئے دشوار ہوگی تو یہ انکے عجب پر ایک ضرب کاری ہوگی (غرض عقلاء کی
حکایات پڑھنے اور سننے سے انسان کی عقل تجربی ضرور بڑھتی ہے، ہاں عقل غریزی
البتہ سب انسانوں میں مشترک ہوتی ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی کتاب "المستطرف"
میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں عقل کے شرف کو یوں عیاں فرمایا ہے
کہ اپنی عجائب قدرت کو بیان فرما کر آخر میں یہ ارشاد فرمایا کہ "ان سب چیزوں میں
اہل عقل کیلئے نشانیاں موجود ہیں" چنانچہ فرمایا ہے کہ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ
وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي
ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ——— اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
ارشاد ہے کہ سب سے پہلی چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وہ عقل ہے، پیدا
کرکے فرمایا کہ یہاں آگے آ وہ آگئی، فرمایا جا پیچھے ہٹ وہ چلی گئی ——— اسکے بعد
اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ میں اپنے عزت و جلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے

تجھ سے زیادہ محبوب تر شے اپنے نزدیک کوئی دوسری نہیں بنائی ۔ تیرے ہی سبب میں پکڑونگا جسے پکڑونگا اور تیرے ہی وجہ سے دونگا جسے جو کچھ دونگا ۔ اور تیرے ہی ذریعہ سے میں مخلوق کا حساب لونگا اور تیرے ہی بقدر میں کسی کو سزا دونگا ۔

یوں عقل چونکہ حق تعالیٰ کا قلب یا دماغ میں پیدا کیا ہوا ایک نور ہوتا ہے اسلئے کبھی اللہ تعالیٰ ہی محض اپنے فضل وکرم سے اسکے بیشتر حصہ سے نواز دیتے ہیں جسکا تعلق نہ کسب سے ہوتا ہے نہ تجربہ سے بلکہ یہ محض موہوب خداوندی ہوتی ہے لہٰذا کبھی کسی کم عمر والے کو بھی اس سے حصہ مرحمت فرما دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

وَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا

اور داؤد اور سلیمان علیہما السلام کا واقعہ بھی یاد کیجئے جبکہ ان دونوں نے کسی کی کھیتی کے بارے میں فیصلہ دیا تھا جبکہ اس میں کسی دوسرے کی بکریوں کا گلہ واقع ہوکر (اسکو بالکل) چر گیا تھا اور ہم ان دونوں کے فیصلے کا مشاہدہ کر رہے تھے مگر ہم نے سلیمانؑ کو بات سمجھا دی (اور انکا فیصلہ بالاتر رہا) یوں دونوں حضرات کو ہم نے حکمت سے بھی نواز تھا اور علم سے بھی

مفسرین اسکا واقعہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس دو آدمی اپنا مقدمہ لائے ایک کا کھیت تھا ایک بکریوں والا تھا۔ کھیت والے نے دعویٰ کیا کہ اسکی بکریاں میرے کھیت میں (یا انگور کے باغ میں) جا پڑیں اور سارا کھیت چر کر صاف کر گئیں حالانکہ میری کھیتی بالکل تیار تھی ۔ مجھے اس سے ایک دانہ بھی نہیں ملا حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا واقعی تم پر ظلم ہوا اب اسکے عوض میں تم اسکی بکریاں لیجاؤ فیصلہ کے بعد دونوں واپس جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت سلیمانؑ سے ملاقات ہوئی آپ نے دریافت فرمایا کہو بھائی کیا فیصلہ ہوا تم دونوں کے نزاع کا ؟ انھوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ سنا دیا آپ نے فرمایا کہ بھائی فیصلہ تو ایسا ہونا چاہئے تھا جس میں فریقین کی رعایت ہوتی ۔ وہ دونوں وہیں سے واپس ہوکر حضرت داؤدؑ کے پاس گئے اور صاحبزادہ کی بات ان سے کہدی (کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ کی عمر

گیارہ سال کی تھی) یہ سنکر حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت سلیمانؑ کو بلایا اور فرمایا کہ کہیے جناب دو فریق کے موافق کیا فیصلہ ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ حضرت یہ بکریاں کھیت یا باغ والے کو فی الحال دلوا دی جائیں (بالکل سے نہیں بلکہ) بکریوں والے سے کہا جائے کہ تم اس میں وہی چیز بو دو جو تمھاری بکریوں نے کھایا ہے اور اسکی نگہداشت بھی تمھارے ہی ذمہ ہے اور کھیت والا بکریاں لیجائے اسکے منافع (دودھ اون) سے فائدہ اٹھائے اور جب کھیتی اتنی بڑی ہو جائے جتنی کہ نقصان کے دن وہ تھی تو کھیت والا اپنا کھیت لے لے اور اسکی بکریاں اسکو واپس کر دے۔ یہ سنکر حضرت داؤدؑ نے فرمایا بیشک جان پدر فیصلہ یہی صحیح ہے ——— تو دیکھئے حضرت سلیمانؑ کی عمر بھی کم تھی تجربہ بھی زیادہ نہ تھا مگر فیصلہ کیسے فہم کا فرمایا وَذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔

(۱۴) شانِ حق گوئی

فرمایا کہ ——— ابن ماجہ کی حدیث میں حضرت اسحاق بن قبیصہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبادۃ بن صامتؓ جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور آپ کے نقیب تھے انھوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ ہو کر روم کے کسی غزوہ میں شرکت کی تو وہاں لوگوں کو دیکھا کہ سونے کے ٹکڑوں کو ڈھلے ہوئے سونے کے سکے (یعنی دینار) کے ساتھ، اسی طرح سے چاندی کے ٹکڑوں کو ڈھلے ہوئے سکے (یعنی دراہم) کے ساتھ ادل بدل اور لین دین کر رہے ہیں (جس میں کمی بیشی یقینی تھی) اس پر حضرت عبادۃ نے ٹوکا اور فرمایا کہ اے لوگو! یہ تو تم لوگ سود کھا رہے ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہ سونے کو سونے سے اسی طرح سے چاندی کو چاندی کے عوض نہ فروخت کرو مگر برابر سرابر کسی جانب زیادتی نہ ہو اور نہ معاملہ ادھار کا ہو بلکہ دست بدست لین دین ہونا چاہیئے۔ یہ سنکر حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ اسے ابوالولید

(یہ کیفیت تھی حضرت عُبادہ کی) مجھے تو اس معاملہ میں سود کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی الا یہ کہ کمی بیشی ہو جائے (باقی دست بدست ہونا اس میں لازم نہیں ہے) اس پر حضرت عُبادہ بن صامت نے فرمایا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ایک بات اور آپ کا ارشاد نقل کر رہا ہوں اور آپ اسمیں اپنی عقل اور رائے لگا رہے ہیں اگر اللہ تعالیٰ مجھے یہاں سے واپس لے گیا تو پھر اس سرزمین میں سکونت نہ اختیار کروں گا جہاں تمہاری امارت ہوگی۔ چنانچہ جب لوگ روم سے واپس آئے تو حضرت عبادہ وہاں سے مدینہ چلے آئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دن اُن سے پوچھا کہ اے ابوالولید! تم یہاں کیسے آگئے؟ آپ نے اپنا واقعہ بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ میں نے تو معاویہؓ کی امارت والی سرزمین میں قدم نہ رکھنے کا عہد کر لیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں اے ابوالولید جاؤ اپنے وطن واپس جاؤ۔ وہ زمین بھی کیسی منحوس اور بُری ہے جہاں تم یا تم جیسا شخص قیام نہ کرے (اور وہاں سے ناراض ہو کر چلا آئے) جاؤ تم وہیں جاؤ۔ اور حضرت معاویہؓ کو لکھدیا کہ بھائی تمہاری امارت ان پر نہیں ہے۔ اور فرمایا لوگوں کو اُسی طریقہ سے معاملہ کرنے پر آمادہ کرو جو عُبادہ بن صامتؓ نے کہا ہے اسلئے کہ حق وہی ہے۔

(۱۵) نیند سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ

فرمایا کہ ——— حدیث شریف میں ہے کہ ان الوضوء لا یجب الا علی من نام مضطجعاً فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله وضو نہیں ٹوٹتا مگر یہ کہ جب آدمی کروٹ کے بل سو جائے۔ اس لئے کہ جب وہ اس طرح سوئے گا تو اسکے بدن کا جوڑ جوڑ ڈھیلا ہو جائے گا (اور احتمال خروج ریح کا ہو جائے گا) یہ حدیث نوم مضطجعاً کے ناقض وضو ہونے میں تو نص ہے اور چونکہ یہ حکم معلل بعلت ہے اور یہاں اس علت کی تعیین و تصریح بھی کر دی گئی ہے لہٰذا بطریق تحقیق مناط کے

نوم مستلقیاً (چت لیٹنا) کو بھی ناقض وضو کہا جائے گا کیونکہ اس میں بھی استرخاء مفاصل (جوڑوں کا ڈھیلا ہو جانا) ہو جاتا ہے باقی نوم ساجداً یا راکعاً یا قاعداً ناقض نہیں کیونکہ ان صورتوں میں علت نہیں پائی جاتی اور بعض نے یہ لکھا ہے کہ نماز میں نوم ساجداً قیاساً تو ناقض تھا لیکن حدیث شریف میں تصریح آئی ہے کہ یہ حالت ناقض وضو نہیں ہے اسلئے قیاس کو ترک کر دیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ اس حالت میں نقض وضو قیاس نہیں ہے کیونکہ اسوقت پورا استرخاء نہیں ہوتا جو کہ علت ہے اور تھوڑا بہت جو ہوتا بھی ہے اسکا اعتبار نہیں۔

(تحقیق) اضطجاع لغت میں کہتے ہیں بہ پہلو خفتن یعنی کروٹ کے بل سونا اور استلقاء کہتے ہیں بر قفا خفتن یعنی گدی کے بل سونا جس کو چت لیٹنا بھی کہتے ہیں اس میں لوگ غلط کر دیتے ہیں کہ اضطجاع چت لیٹنے کو کہدیتے ہیں یہ یہ صحیح نہیں ہے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ انبیاء کی نوم ناقض وضو نہیں ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے متعلق یہ بھی فرما سکتے تھے کہ میں سو گیا تو کیا ہوا میری نوم ناقض وضو نہیں ہے مگر آپ نے بجائے اسکے ایک قاعدۂ کلیہ نوم کے متعلق بیان فرما دیا جس سے اسکی پوری تفصیل سامنے آگئی کیونکہ آپ کی بعثت تشریع ہی کے لئے ہوئی تھی (اور وہ قاعدہ یہی کہ جس حیثیت میں استرخاء مفاصل ہو جائے اس پر سونے سے نوم ناقض وضو ہے اور دوسری حیثیت پر سونا ناقض وضو نہیں ہے)۔ اسکے بعد انبیاء علیہم السلام کی نوم کے متعلق ایک نہایت عمدہ تحقیق السنۃ الجلیلہ سے نکالکر سنائی جو اس قابل ہے کہ محفوظ رکھی جائے۔ ہم یہاں اسکو یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہو ہذا۔

"مسئلہ شریعت است کہ نوم انبیاء ناقض وضو نیست زیرا کہ
فی الحقیقت نوم نیست و ایں حکم اگرچہ خاصۂ انبیاء است اما اولیاء ہم
بمتابعت انبیاء بدیں دولت می رسند و نوم ایشاں نیز ناقض وضو نبود
اما از جہت رعایت شرع تجدید وضو بکنند و خود را در خاصۂ انبیاء شریک نسازند"

(شریعت کا مسئلہ ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی نوم (سونا) ناقض وضو نہیں ہے

اسلئے کہ حقیقۃً وہ نوم ہی نہیں ہے (جس میں آدمی غافل ہو جاتا ہے ہ رسول اللہ
علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا قلب بیدار رہتا ہے) اور یہ حکم اگرچہ
انبیاء کا خاصہ ہے تاہم اولیاء بھی انبیاء کی متابعت کیوجہ سے اس سے مشرف ہیں یعنی ان کی
نیند بھی ناقض وضو نہیں ہے لیکن شریعت کے ادب کی وجہ سے نیز اس خیال سے بھی
کہ غیر ولی دھوکہ میں نہ پڑجائے یہ لوگ نوم کی وجہ سے) وضو کا اعادہ کر لیا کرتے ہیں یعنی نوم
کو اپنے حق میں گویا ناقض ہی سمجھتے ہیں)۔

اشکال : کیا اولیاء کا نوم ناقض وضو نہیں ہوتا اگر ایسا ہے تو پھر اس
عبارت میں اسکو خاصۂ انبیاء کیسے مان لیا گیا ؟

حل ، یہ حکم سب اولیاء کے لئے عام نہیں ہے بلکہ ان اولیاء کے لئے
ہے جنکا نوم حد نعاس سے آگے نہیں بڑھتا اور ایسا نوم عوام کیلئے بھی ناقض وضو نہیں
باقی اولیاء کی تخصیص (او مجموعہ ۱۲) اس معنی کر کی گئی کہ عوام میں ایسا نوم شاذ ہے اور اولیاء میں
ایسا نوم بہ نسبت عوام کے کثیر ہے ۔

پھر اسکو جو انبیاء کا خاصہ کہا گیا ہے وہ اس اعتبار سے ہے کہ انکا نوم تو
عموماً اسی درجہ کا ہوتا ہے حدیث تنام عیناي ولا ینام قلبي (میری صرف آنکھیں
سوتی ہیں قلب میرا نہیں سویا کرتا) کے معنی قریب قریب یہی ہیں اور اولیاء
میں ایسا نوم تبعاً للانبیاء ہوتا ہے پس انبیاء کی تخصیص باعتبار تعمیم کے ہے یعنی انبیاء میں
سب کے سب کا ایسا ہی نوم ہوتا ہے اور اولیاء میں سب کا نہیں ہوتا۔ اور یہ فرمانا
کہ "از رعایت شرع الخ" اور "در خاصۂ انبیاء الخ" اس پر محمول ہے کہ وضو نکرنا ظاہراً
خلاف شرع ہوگا اور صورۃً خاصہ میں شرکت ہوگی ۔ (انتہی)

(السنۃ الجلیلۃ فی الچشتیۃ العلیۃ ص ۱۹۲)

(۱۶) لفظ تصوف کی تاریخ

فرمایا کہ ــــــ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

زمانہ مبارک کے بعد مسلمانوں میں دینی اور علمی رعایت کے لحاظ سے انکا کوئی نام مقرر نہ تھا بس سب کو صحابیٔ رسول کہا جاتا تھا اسلئے کہ اس سے بڑھکر کوئی شرف اور فضل اس زمانہ میں نہ تھا کہ کوئی انسان صحابی ہو جائے ۔ پھر جب دوسرا قرن آیا تو حضرات صحابہ کرام کی صحبت پانے والوں کو تابعین کہا جاتا تھا اور اس زمانہ میں لوگوں نے اسی کو تمام لقب سے افضل اور برتر جانا پھران حضرات کے بعد جو لوگ ہوئے جنھوں نے کہ تابعین کو دیکھا اور ان کے مصاحب ہوئے انکو تبع تابعین کہا جانے لگا بس یہی اسوقت شیخ و مولانا اور مرشد اور مفتی و قاضی اور علامہ کے قائم مقام بلکہ اس سے بڑھکر سمجھا جاتا تھا۔

پھر لوگ اطراف عالم میں پھیل گئے اور لوگوں کے درجات علمی و عملی مختلف ہونے لگے چنانچہ اب اہل خواص کو جنھیں دین و دیانت کا زیادہ اہتمام ہوتا تھا انھیں عابد اور زاہد کے لقب سے یاد کیا جانے لگا ۔ پھر اسکے بعد تو بدعات کا شیوع ہو گیا اور لمبے لمبے القاب چلنے لگے لوگوں کے مختلف فرقے ہو گئے اور ہر فرقہ مدعی ہوا کہ عابد و زاہد قسم کے لوگ صرف ہمارے اندر ہیں ۔ اسوقت خواص اہلسنۃ والجماعۃ نے جو کہ اصلاح نفس کے قائل اور اس پر عامل تھے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے طالب تھے اور غفلت سے اپنے قلب کی حفاظت اور بچاؤ رکھتے تھے انھوں نے اس طلب خدا کے طریق کا نام تصوف رکھا اور خود صوفی کے لقب سے مشہور ہو گئے اور یہ سب کچھ سن دو سو ہجری سے پہلے پہلے ہو چکا تھا ۔ واللہ اعلم۔

(۱۷) مجلسِ مشائخ سے غیر طالب کے اخراج کی وجہ

فرمایا کہ ــــــــــ صاحب رسالہ قشیریہ فرماتے ہیں کہ رُویم نے فرمایا ہے کہ صوفیہ کے پاس تمھارا اٹھنا بیٹھنا زیادہ خطرناک ہے اور دوسروں کی مجلس میں اٹھنے بیٹھنے سے (اور ایسا انکے نقص کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ کمال کی وجہ سے ہے) کیونکہ اور سب جماعتیں تو کچھ نہ کچھ رسوم لیکر بیٹھ جاتی ہیں اور اسی کی تعلیم ہوتی ہے

اور اسی کی تلقین رہتی ہے اور یہ صوفیہ کا گروہ حقائق سے گفتگو کرتا ہے یہاں رسم کی مٹی پلید ہوتی ہے (اور "پیش اہلِ دل نگہدارید دل" کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے) اور ساری دنیا اپنے اپنے نفس سے صرف ظاہر شرع کا مطالبہ کرتی ہے اور خود کو اس سے متصف کر بھی لیتی ہے، اور یہ جماعت (یعنی صوفیہ) اپنے نفوس سے ورع و تقویٰ اور صدق پر مداومت کے طالب ہوتے ہیں لہٰذا جو شخص ان لوگوں کے پاس بیٹھا (جسکا ظاہر تو یہ ہوا کہ ان کے موافق ہے) اور انکی چیزوں حالات و صفات میں سے کسی امر میں بھی انکی مخالفت کی (گویا باطن ظاہر کے خلاف رکھکر منافق ہوا) تو اللہ تعالیٰ اسکے قلب سے ایمان ہی کو سلب کر لیتے ہیں (اس لئے اگر کام کرنا ہو تو انکے پاس جائے ورنہ دور ہی رہے، اسی لئے یہ حضرات غیر طالب کو اپنے یہاں سے نکالتے ہیں اور اسکو باطنی ضرر سے بچانا چاہتے ہیں جسکو لوگ سمجھتے نہیں)

(۱۸) نصیحت میں کبھی کبھی سختی کی بھی ضرورت ہوتی ہے

فرمایا کہ ——— مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے وعظ میں فرمایا کہ اے عورتوں کی جماعت تم لوگ صدقہ کرو اور استغفار کی کثرت کیا کرو اسلئے کہ میں جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ دیکھ رہا ہوں الخ۔
صاحب فتح الملہم لکھتے ہیں کہ دیکھو آپ کی اس نصیحت میں ایک گونہ سختی ہے اور یہ اسی لئے ہے تاکہ مخاطب کے اندر سے وہ رذیلہ بالکل دور ہو جائے جو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اور اس ارشاد میں ایک رہنمائی اس جانب بھی ہوئی کہ کسی ایک شخص کو تنبیہ میں مخاطب نہ بنایا جائے کیونکہ تعمیم عنوان سننے والے پر ہلکا اور آسان گذرتا ہے (جسکی وجہ سے اسکے اندر نفسانی ہیجان نہیں پیدا ہونے پاتا) ۔۔ اور سنئے :۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جو شخص کہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی جانب دعوت دینے کے لئے خود کو تیار کرے اور لوگ اسکی جانب متوجہ ہوں تو

اسکو بھی وہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جیسا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمایا تھا اسلئے کہ یہ شخص اس باب میں انکا پیرو اور مقلد ہے۔ چنانچہ اسے بھی پانچ خصلتیں اختیار کرنی چاہیئے اور اگر ان میں سے ایک بھی ترک کرے گا تو اسکے اندر اسی کے بقدر ضعف سمجھا جائے گا ایک تو یہ کہ لوگوں کو دین کا علم تعلیم کرے، دوسرے یہ کہ لوگوں کو نرمی اور سہولت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔ سختی نہ کرے اور تند مزاجی کو اس میں دخل نہ دے الخ

میں کہتا ہوں کہ شاہ صاحب نے یہ جو فرمایا کہ نرمی کے ساتھ سب کام کرے سختی کو دخل نہ دے تو یہ علاوہ فرائض، کبائر ذنوب اور شعائر اسلام کے ہے کیونکہ باب وصایا میں خود تصریح فرمائی ہے کہ

امر بالمعروف چنانچہ بخاطر ریختند آنست کہ در فرائض و کبائر ذنوب۔ و شعائر اسلام بعنف امر بالمعروف و نہی عن المنکر باید کرد و باکسانیکہ دراں باب تساہل دارند صحبت نباید داشت و دشمن ایشاں باید بود و سائر اوامر خصوصاً در آنچہ سلف با خلف اختلاف کردہ باشند امر معروف و نہی عن المنکر تبلیغ آں حدیث است و بس۔ عنف در آں مستحسن نیست

امر بالمعروف کے متعلق معمول کیا ہو تو اس سلسلہ میں اس عاجز کے قلب میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ فرائض میں اور کبائر ذنوب میں اور شعائر اسلام میں تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سختی کے ساتھ ہی کرنا چاہیئے اور ان لوگوں کی مصاحبت نہ اختیار کرے جو اس باب میں سستی سے کام لیں بلکہ انکا مخالف رہے اور ان سے دشمنی کرے۔ اور دوسرے تمام امور میں بالخصوص وہ مسائل جن میں سلف اور خلف کا اختلاف ہے ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صرف یہ ہے کہ اس بات کو شرعی طور پر پہونچا دے اور بس۔ یہاں سختی البتہ مستحسن نہیں ہے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ ایک عظیم مغالطہ کی اصلاح فرما دی کیونکہ عوام الناس ہی نہیں بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھوں کو اس باب میں مغالطہ ہو جاتا ہے کہ عالم اور واعظ کیلئے لوگ کسی حال میں بھی غصہ اور سختی روا نہیں رکھتے حالانکہ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کہیں کہیں غصہ بھی

مکتوب نمبر ۲۴۸

حال: اللہ پاک کا شکر ہے کہ عزت و آبرو کے ساتھ زندہ ہوں آپ کا جواب موصول ہوا تھا جس نے طمانیت قلب بخشا تھا کئی روز سے آپ کو یاد کرنے کا خیال تھا یہ اللہ تعالیٰ کا کرم اور آپ کی پرخلوص دعاؤں کا اثر ہے کہ آپ کی یاد سے مسرت ہوتی ہے۔ رمضان کے ایام مبارک بخیر و خوبی گذر رہے ہیں کلام پاک کے بھی سننے کا موقع ملا لیکن اس خاص مہینہ میں آپ کی دوری و مہجوری بڑی تکلیف دہ رہی، آپ کی اس خاص کیف ومستی سے لطف اندوز نہ ہو سکا جو آپ جیسے اللہ والوں پر طاری رہتی ہے۔ محبت خدا سے سرشار قلب اپنے گرد و پیش کے لوگوں کو مست بنا ہی دیتا ہے۔ جب اس سائنس کے دور میں روحانی قوت کی وسعت اور کارفرمائی پر غور کرتا ہوں تو مجھے دور حاضر کی تمام مادی قوتیں حقیر نظر آتی ہیں۔ قرآن پاک کی تلاوت میرے لئے روحانی انبساط کا ذریعہ ہے اور پھر دل کے سمندر میں پاک محبت کی ایسی موجیں اٹھتی ہیں کہ ہمہ تن نشاط ہو جاتا ہوں اور اصغر مرحوم کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے

ترا جمال ہو تیرا خیال ہے تو ہے — مجھے یہ فرصت کاوش کہاں کہ کیا ہوں میں

تنہائی سے گھبراتا ہوں تو نماز فجر کے بعد جنگل کی طرف سیر کے لئے نکل جاتا ہوں اور سامنے ہمالیہ کی پہاڑیاں ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی نظر آنے لگتی ہیں اور یہ دل اللہ کی قدرت کے گن گانے لگتا ہے۔

تحقیق: یاد سے مسرت، محبت کے سبب سے ہے اور اسی محبت سے مہجوری تکلیف دہ امر بن رہی ہے۔ میں کیا مست ہوں اور میری مستی کیا چیز ہے لیکن یہ آپ نے صحیح فرمایا کہ واقعی یہ ایام اور یہ لیل و نہار ہیں ایسے ہی کہ مومن اگر اپنے ایمان کی آنکھ سے انہیں دیکھے اور ایمان کے کان سے قرآن شریف کو ان مبارک ایام میں سنے تو اسکو ایسا ہی ہو جانا چاہیئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی اس دولت سے حصہ وافر نصیب فرمائے۔

سائنس کی فضا میں رہتے ہوئے روحانیت سے یہ تعلق مبارک ہو

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہے اللّٰہم زد فزد۔ آپ نے لکھا ہے کہ قرآن پاک کی
تلاوت روحانی انبساط کا ذریعہ ہے تو یہ اسی لئے ہے کہ ؎

در سخن مختفی منم چوں بوئے گل در برگ گل   ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

تنہائی کا مشغلہ بھی خوب ہے جی چاہے تو کبھی کبھی اس پر عمل کر لیا کیجئے ؎

دریں زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است   صراحیٔ مے ناب و سفینۂ غزل است

قریب تبادلہ کے لئے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو زہر آلود فضا سے محفوظ
رکھیں اور سلامتی ایمان و عمل عطا فرمائیں۔ جامی صاحب سے آپکا سلام کہدیا۔

مکتوب نمبر ۲۴۹

میں اپنی تڑپ کا اظہار کس طرح کروں کہ جو مہینہ میں بار بار زیارت
سے آنکھیں شاد کرتا تھا وہ برسوں اب دید کو ترستا ہے۔ آہ خط بھی لکھنے
کی توفیق بھی اسلئے نہیں ہوتی کہ بجز رنج و غم کے اب کچھ حال نہیں رہا۔ حضرتا
سب تکلیفیں بدستور موجود ہیں ایک نئی تکلیف آنت اترنے کی اور پیدا
ہوگئی ہے کہانی لگتا ہوں، پھر بھی خدا کا شکر ہے یہ سب تکلیفیں برداشت
سے باہر نہیں ہیں اور دین میں کوئی نقصان نہیں ہے اور نہ جزع فزع
ہے۔ تراویح میں قرآن سنا۔ جماعت کی نماز، ذکر اور تسبیح کا معمول قائم
ہے۔ دعا میں اور سجدہ میں جی لگتا ہے۔ دعا سے تسکین ہو جاتی ہے
معلوم ہوتا ہے کہ مالک کو اپنا سب حال سنا دیا' اتنا بھی نہ ہوتا تو گھبراہٹ
اور وحشت اور بڑھ جاتی۔ حضرتا! ..... جب سے تنزل ہوئے ہیں
ڈر گئے ہیں۔ اب ہر مہینہ میں کچھ نہ کچھ مجھکو بھیج دیتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ
نے یہ مدد کر دی ہے۔ البتہ .... کا حال ناقابل تحریر ہے۔ دنیا کا تلخ تجربہ
ہر وقت پیش نظر رہتا ہے ؎

ساری دنیا کے ہوئے میرے سوا   میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے

حضرتا! میرے خاتمہ بالخیر کے لئے اور صحت و عافیت کے لئے پھر دعا فرمادیں اسی کے سہارے ابتک چل پھر رہا ہوں، مجبور محض نہیں ہوں، صحت، ناطاقتی اور انتہائی پرہیزکی وجہ سے سفر سے مجبور ہو رہا ہوں الہ آباد میں ۔ ۔ ۔ ۔ کا مکان دو میل کے فاصلہ پر ہے استنے فاصلہ سے حضرت کی زیارت کس طرح ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے، کچھ روز کے لئے وطن جانے کا ارادہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے سب پوچھے آپ کی دعا سے اچھے ہوئے اطوار و اعمال اچھے ہوں تو کارآمد ہے۔

تحقیق: آپ کا خط آیا آپ کی محبت و تڑپ کا اندازہ ہوا میرے خیال میں سب احوال سے بڑھکر یہ حال ہر رنج و غم عشاق کا شیوہ ہے وہ اسی سے دوچار رہتے ہیں۔ آپ کی نئی تکلیف اور تکالیف پر مزید برآں ہے ؎

صبر کن حافظ بہ سختی روز و شب　　عاقبت روزے بیابی کام را

(اے حافظ مصائب زمانہ پر جو روز و شب پیش آتے ہیں صبر کرو (انشاء اللہ) ایک ایکدن تم اپنے مقصود کو پاہی لوگے)

یہ کتنا بڑا خدا کا احسان ہے کہ یہ سب تکالیف برداشت سے باہر نہیں ہیں اور خدا کا خاص فضل جو ہے وہ یہ ہے کہ دین میں نقصان نہیں ہے اور نہ جزع فزع ہے۔ دعا میں اور سجدہ میں جی لگتا ہے۔ دعا سے تسکین ہو جاتی ہے کہ مالک کو اپنا حال سنا دیا۔ یہ اصل عبودیت ہے اسی سے آدمی کی پہچان ہوتی ہے اور خدا کے یہاں اسی سے رتبہ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اخیر تک اس پر قائم رکھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سلمہٗ کی مدد سے جی خوش ہوا۔ ۔ ۔ ۔ کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرے، دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اپنی معیت عطا فرمائے اور ہر حال میں پیش نظر رہے اسکے سامنے سب ہیچ ہے۔ آپ کا عذر مجھکو معلوم ہے جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا ملاقات ہو جائیگی اطمینان رکھئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سلمہٗ کے سلئے بھی دعا کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۲۵۰

حال: بندہ پہلے والے مرض میں پھر مبتلا ہوگیا ہے وہ مرض بدنگاہی اور شہوت ہے اس مرض نے اتنا برا اثر کیا ہے کہ اپنے رشتہ داروں اور ہمسایوں سے بات کرنے میں لحاظ معلوم ہوتا ہے۔ بات کے درمیان بندے سے بدنگاہی ظاہر ہوتی ہے۔ میں شرمندہ ہوکر بات کرنا یا سننا بند کردیتا ہوں۔ کبھی کبھی اپنے محرموں سے بھی ایسا ہوتا ہے۔ اکثر اوقات دل میں بُرے خیالات آکر بدنگاہی میں مبتلا کردیتے ہیں۔ اس مرض میں مبتلا رہنے کے سبب بندے کے دماغ میں اور قلب میں ایک خرابی پیدا ہوگئی ہے وہ یہ کہ کوئی کام کرنے کو جی نہیں چاہتا اور ذرا ذرا سی بات میں کڑوی آواز زبان سے نکل جاتی ہے۔ یہ اس مرض کے سبب سے ہے یا اور کسی وجہ سے ایسا ہوتا ہے، خدا جانے۔ کسی کسی وقت دل میں ایسا خیال ہوتا ہے کہ دونوں آنکھوں کو پھوڑ ڈالوں اور بیزار ہوکر کہتا ہوں کہ اللہ مجھے اندھا کردے تاکہ میں بدنگاہی سے بچوں۔ کبھی کبھی آنکھوں کو مارنے لگتا ہوں، لیکن کسی صورت میں یہ بلا مجھ سے نہیں جاتی۔ کئی دفعہ توبہ کیا اور اقرار کیا کہ آئندہ ایسا نہ کروں گا لیکن پھر اسی گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہوں۔

تحقیق: سنو! جو حالت لکھ رہے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرض اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے۔ خدا کی ناراضی تو الگ رہی، دماغ اور قلب بھی جواب دے رہے ہیں یہ کیا دنیوی سزا کم ہے؟ مجھکو تمہاری اس حالت سے بہت رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دین کی حفاظت فرمائے۔ جلدی خبر لو۔ ایک بات تو یہ ہے، دوسری سنو بہت سہل بات لکھتا ہوں وہ یہ کہ یہ مرض دیکھنے سے بات کرنے سے پیدا ہوتا ہے نہ کسی کو دیکھو نہ کسی سے بات کرو۔ محرم سے بھی نیچی نظر سے کلام کیا کرو وہ بھی بقدر ضرورت ورنہ بلا ضرورت سب ترک کرو۔ اگر اس پر عمل کروگے تو تھوڑے دنوں میں یہ مرض نکل جائیگا انشاء اللہ۔

مطلب یہ کہ یہ تشخیص صرف ذہنی اور اعتقادی ہی نہیں بلکہ ایک عملی پروگرام ہے تو جس طرح سے قلباً لوگ اسکے مصدق ہیں عملاً بھی اس سے کسی مسلمان کو انکار نہونا چاہئے
(قولہ) پھر آخر اس پر عمل درآمد کیوں نہیں ہوتا ؟ — (اقول) عمل اس لئے نہیں ہوتا کہ ایمان میں نقص اور ضعف پیدا ہوگیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اسکی طاقت سے زیادہ احکام کا مکلف نہیں بنایا ہے۔ جو کچھ وہ خیر کرے گا اسکا نفع اسکو ملیگا اور جو شر کمائے گا اسکا خمیازہ اسکو بھگتنا پڑے گا)
(راقم عرض کرتا ہے کہ عمل نہ ہونا دو وجہ سے ہوسکتا ہے یا تو عمل دشوار ہوتا جو خارج از طاقت بشریہ ہوتا ایسا تو ہے نہیں یہ نص اسکا صریح رد کرتی ہے۔ دوسری وجہ عمل نہونے کی لوگوں کی اپنی سستی ۔ ضعف ایمان ، کاہلی ، نفاق ، اور انکی آرام طلبی۔ نفسانی خواہشوں پر چلنا ہو تو اسکی ذمہ داری نہ شرع پر ہے نہ صاحب شرع پر معاذ اللہ ۔ یہ تو اپنے پیر میں خود کلہاڑی مارنا ہے اور بقول قائل ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

کا مصداق بنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسکا علاج کسی کے پاس نہیں ہے اور مرض کا یہی وہ درجہ ہے جسکے متعلق حکیم بقراط فرما چکے ہیں اسکی دوا خدا نے بھی نہیں پیدا کی ہے ؎

مگر وہ مرض جسکو آسان سمجھیں کہے جو طبیب اسکو ہذیان سمجھیں

لہٰذا بات وہیں کی وہیں پہونچتی ہے کہ اگر اسکا علاج ہے تو وہی ایمان و اتباع یا بقول مولانا ندویؒ ایمان و عمل صالح ۔ حاصل یہ ہے کہ یہ سوال تو امت سے کرنے کا تھا نہ کہ مصلحین امت سے ؟)
اسکے آگے مولانا دریا آبادیؒ نے ایک بات اور تحریر فرمائی تھی اسکو بھی سن لیجئے فرماتے ہیں :۔
" مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم و مغفور سے متعلق ایک حکایت مشہور ہے کہ جب اسٹالن کے پاس روس پہونچے تو اسکے سامنے اسلام

کے دستور اساسی پر مؤثر اور مفصل تقریر کی اسٹالن خاموش سنتا رہا جب مولانا اپنا وعظ (یعنی وہی تقریر) ختم کر چکے تو بولا کہ مولانا اس نظام کا عملی نمونہ دنیا کے کسی گوشہ میں بھی موجود ہو تو مجھے اسکا پتہ بتائیے"

راقم عرض کرتا ہے کہ انداز سے کچھ ایسا لگتا ہے کہ مولانا دریاآبادیؒ نے اس واقعہ کو اپنی کہی ہوئی بات کی تائید میں پیش کیا کہ بہت سی اسکیمیں ایسی ہوتی ہیں کہ صرف اسکیم کے درجہ میں نہایت خوشنما اور خوش منظر معلوم ہوتی ہیں لیکن عملی طور پر انکا وجود مشکل بلکہ متعذر رہا کرتا ہے دیکھو مولانا عبیداللہ سندھی کی تقریر محاسن اسلام پر سنکر اسٹالن نے بھی یہی کہا کہ اس مفید حسین اور خوبصورت نظام کا کہیں دنیا میں عملی اور خارجی طور پر نمونہ دکھلائیے۔

مولانا دریاآبادیؒ تو بس اتنا فرماکر خاموش ہو گئے کیونکہ علامہ سندھی کی صرف اتنی ہی گفتگو انکے مفید مطلب تھی باقی میرے علم میں بھی نہیں کہ حضرت علامہ عبیداللہ صاحب سندھی نے آخر اسکا کچھ جواب دیا یا ندامت کے ساتھ لاجواب ہوکر سر نیچا کرلیا۔ مولانا سندھی کی تبحر علمی اور بزرگوں کی صحبت اور ان سے اخذ فیض کا تقاضا تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسکا جواب ضرور دیا ہوگا اور اسلام کے جن محاسن اور اسکے اصول اور نظام کی جس پختگی کو مولانا نے بیان کیا ہوگا اس کا عملی نمونہ خیرالقرون میں تو یقیناً دنیا میں موجود رہ چکا ہے اور اسٹالن اور لینن بھی اس سے خوب واقف ہیں ہاں آج کی دنیا میں طابق النعل بالنعل کسی حکومت کو کامل اسلامی نظام پر پیش کرنا بلاشبہ مشکل ہے تاہم الحمدللہ بہت سی جگہیں ایسی موجود ہیں کہ وہاں اسلام کی برکات اور اسکے انوار آج بھی بقدر عمل اور خلوص کے موجود ہیں، پھر یہ دعویٰ تو کسی نے کبھی نہیں کیا کہ قیامت تک خیرالقرون جیسی خیر باقی رہیگی جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے پھر جو لوگ ان سے ملے ہوئے ہوں گے پھر جو ان سے ملے ہونگے، اور یہ فرمایا کہ دین کے دس

حصوں میں سے آج کے دن اگر تم لوگ نو پر عمل کروگے اور ایک ترک کردوگے تو
تو ہلاک ہو جاؤگے اور ایک زمانہ آخر میں ایسا آئے گا کہ دس حصے میں سے لوگ
اگر نو حصہ ترک کردیں گے اور ایک پر عمل کرلیں گے تو کامیاب ہو جائیں گے آخر
یہ تفاوت کیوں ہوا؟ ظاہر ہے کہ وہ ایمان وہ اخلاص اور وہ جذبہ لوگوں کا نہ
رہ جائیگا اسقدر دین میں ضعف آجائیگا ایمان کمزور ہو جائے گا دواعیٔ عملی کمزور
ہوجائیں گے اور موانع عمل بیشتر ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں تھوڑا
سا عمل بھی بڑا درجہ رکھا کرتا ہے اور معمولی سعی بھی مشکور ہو جایا کرتی ہے آج بھی
دنیا میں مشکلات میں گھرے معمولی کام کرنے والے کو غیر معمولی صلہ دیا جانا رائج
اور جاری ہے۔

پھر اسٹالن نے جو یہ کہا تو کیا وہ یا انکی جماعت آج یہ دعویٰ کر سکتی ہے
کہ جن اصولوں کو ان لوگوں نے بہتر جانکر دنیا میں رواج دیا تھا اور اس وقت
لوگوں نے بھی دل و جان سے اسکو قبول کیا تھا وہی جذبہ اور وہی پابندیٔ نظام
اور وہی روح آج بھی انکی جماعت میں باقی ہے؟ اس بات کا اثبات میں جواب
دینا مشکل ہے۔ باقی جماعتی ترقی جو دیکھی جارہی ہے وہ دوسرے لوگوں
کی کمزوری کے سبب سے ہے نہ کہ ان کے اصولوں کی خوبی اور پختگی کے باعث
جماعت کو جس مساوات کا دعویٰ تھا خود ان کے عوام کو اپنے بڑوں سے انکی شکایت
شروع ہوگئی ہے، مساوات کا صرف ڈھونگ ہے امیر و غریب کی تفریق وہاں
آج بھی موجود ہے افراد میں تبدیلی ضرور ہوگئی ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ہم جیسے
کم علموں کم فہموں کے ذہن میں یہ جواب آسکتا ہے تو مولانا سندھی بآں علم و دانش
یہ سنکر خاموش کیسے ہوگئے ہوں گے غالب گمان ہے کہ انھوں نے ضرور جواب دیا ہوگا
اور دندان شکن جواب دیا ہوگا ہو سکتا ہے کہ ناقلین کے تصرف سے وہ ہم تک
نہ پہونچ سکا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم ؎

الغرض یہاں زیادہ تر جو باتیں مذکور ہوئیں وہ ضمنی تھیں مقصود حضرت اقدس

سکے دینی اور اصلاحی حالات کا بیان تھا کہ اس طرح سے ہر چہار طرف سے شاغل نے گھیر رکھا تھا اور الحمد للہ کام خوب ہو رہا تھا۔ فتحپور کے اکثر لوگ تو صلاح کی جانب متوجہ ہو چکے تھے بیشتر ان میں سے صالح، نیک، خوش اخلاق اور خوش کردار بن چکے تھے اور اپنے اندر دین کا فہم پیدا کر چکے تھے، انکی دیکھا دیکھی طراف کے لوگوں میں بھی حرکت ہو چلی تھی، ہر جانب سے وفود کے وفود اور لوگوں کی جماعتیں آنے لگی تھیں فتحپور کی وسیع و عریض خانقاہ انکے قیام کیلئے ناکافی سی معلوم ہوتی تھی اور اتنی بڑی مسجد بھی ماشاء اللہ کبھی کبھی نمازیوں سے پُر ہو جایا کرتی تھی۔ غالباً توسیع مسجد کا پہلا ہی سال تھا رمضان شریف کا مہینہ تھا باہر سے بھی سالکین آئے ہوئے تھے دین کا کام شباب پر تھا اور فتحپور اپنے مجمع کی رُو سے ایک دیہات اور گاؤں نہیں بلکہ قصبہ سا معلوم ہوتا تھا۔

لیکن انسان صرف کوشش ہی کر سکتا ہے حالات میں کیا انقلاب آ جائیگا اسکا علم تو عالم الغیوب ہی کو ہے، حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ جہاں دین کا کام جس قدر بڑے پیمانہ پر ہوتا ہے وہیں ایک بڑا شیطان بھی ضرور موجود رہتا ہے۔ چونکہ ابلیس اور اسکی جماعت کو دین کا کام بالکل پسند نہیں وہ بھی برابر اس فکر میں رہتا ہے کہ کس طرح سے اس کام کو تباہ و برباد کرے سو جب اللہ تعالیٰ ہی کو منظور ہوتا ہے تو اسکو غلبہ دیدیا جاتا ہے اور ان حالات میں اہل دین کو کوئی شکست بھی نہیں ہوتی بلکہ انکا اجر تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ثابت ہو جاتا ہے نیز ایسے مواقع پر یہ اہل حق کی بظاہر شکست بھی انکے لئے آئندہ کسی فتح کا ہی پیش خیمہ بنتی ہے

چنانچہ یہاں بھی موسم بہار میں دفعۃً خزاں کا جھونکا آیا اور دیکھتے دیکھتے نقشہ ہی بدل گیا یعنی اب جو دیکھنے والوں نے فتحپور کو دیکھا تو بدلا ہوا پایا یعنی ؎

نہ پھول تھا نہ چمن تھا نہ آشیانہ تھا

اس اجمال کی تفصیل تو بڑی طویل ہے پھر ہر موقع پر راقم موجود بھی نہ تھا واقعات و حالات سنے سنائے ہی بیان کئے جائیں گے اور روایت میں فی زمانہ

جو بے احتیاطیاں ہو جایا کرتی ہیں وہ ظاہر ہے اسلئے ہم چند باتوں ہی کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں حالات کی نوعیت کے سمجھنے کے لئے وہ کافی ہیں۔
ہندوستان کے تقریباً ہر گوشہ میں ہی جس طرح سے آج دیوبندیت اور بریلویت کا مسئلہ ایک فتنہ بنکر پھیلا ہوا ہے اس سے حضرت اقدس کا دیار یعنی فتحپور (تال نرجا) بھی نہ بچ سکا تھا، یہاں مولوی علیم اللہ صاحب نامی ایک مقامی میلاد خواں مولوی تھے ہمارے حضرت سے شاید عمر میں کچھ بڑے ہی تھے گاؤں میں انکا حلقہ بلکہ سکہ جما ہوا تھا کہ اس درمیان میں حضرت اقدسؒ کا قیام مستقلاً وطن ہی میں ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے تدریجاً ترقی بھی عطا فرمائی، حضرت کے علم وعمل اور اور حال وکمال کا شہرہ سنکر نیز یہ معلوم کرکے کہ یہ حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ اور مجاز ہیں آپ کی جانب مرجوعہ بڑھا کہ حضرت والاؒ کے سامنے دوسرے مقامی لوگ بالکل ماند پڑ گئے چنانچہ مولوی مستحسن صاحب مدظلہٗ (مولوی محمد یونس صاحب سلمہٗ کرڈی والے کے والد بزرگوار) اپنا واقعہ خود بیان کرتے تھے کہ حضرت اقدسؒ سے متعلق ہو جانے کے بعد میں اکثر فتحپور آتا جاتا رہتا تھا ایک دفعہ گاؤں کے متصل جو نالہ ہے اسکو کشتی سے پار کرکے جب آگے بڑھا تو ایک بزرگ صورت معمر شخص نظر پڑے میں نے سلام کیا انھوں نے جواب دیا اور دریافت فرمایا کہ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ میں نے کہا محمدی ضلع شاہجہاں پور سے، پوچھا کہاں جا رہے میں نے کہا یہیں فتحپور ہی تک آنا ہوا ہے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اسپر انھوں نے فرمایا کہ۔ بھائی اگر وہ وصی اللہ ہیں تو میں بھی تو علیم اللہ ہوں" — اب اس سے انکا مقصد کیا تھا یہ محلِ کلام ہو سکتا ہے اسکی واقعی مراد تو اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے باقی ظاہراً اس سے کیا سمجھا جا سکتا ہے اسکو بھی میں ناظرین کی فہم پر محول کرتا ہوں۔ غرض فریق ثانی کے عوام وخواص سبکی نگاہوں میں حضرت کا وجود کھٹک رہا تھا، لیکن لوگ کر ہی کیا سکتے تھے مجبور تھے بالآخر انکا ظاہری غیظ وغضب کینہ بنکر قلب کے اندر اُتر گیا اور کینہ اور حسد کا سرمایہ بنکر

کسی موقع کے منتظر رہنے لگے۔

اس جماعت کے لئے مزید پریشانی کا یہ امر بھی بنا کہ آہستہ آہستہ مولوی علیم اللہ صاحب کے خیالات حضرت اقدسؒ کی جانب سے نرم ہوتے گئے اور ان کے حالات بدلنے لگے جس کا حقیقی سبب تو اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل ہوا باقی ظاہری سبب یہ ہوا کہ حضرت اقدسؒ کے کریمانہ اخلاق نے ان کے قلب کو جیت لیا یعنی اُدھر سے گالی دیجاتی تھی تو اِدھر سے پھلوں کی ڈالی پیش کیجاتی تھی۔ اپنے بزرگوں کے اسی نوع کے اخلاق دیکھکر یہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

اولئك ابائی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

یہ تھے ہمارے اسلاف ان جیسے اسلاف تم بھی پیش کرو اگر تمہارے یہاں ہوں تو۔

اور لوگ جب حفیظؔ کے سلام کے یہ اشعار پڑھتے ہیں کہ ؎

سلام اسپر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں سلام اسپر کہ جس نے دشمنوں کو بھی قبائیں دیں

تو احباب میں بھی اپنے بزرگوں کے متبع سنت ہونے کے واقعات کو دیکھکر ان پر وجد سا ہو جاتا ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

سارا گاؤں ایک ہی برادری تو تھا اس لئے بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو مولوی علیم اللہ صاحب سے قرب یا قرابت کا تعلق رکھتے تھے اور تھے وہ حضرتؒ والا کے خدام میں سے، راقم الحروف نے بچشم خود دیکھا ہے کہ گرمی کا رمضان ہے ظاہر ہے کہ ہر شخص ٹھنڈے سے ٹھنڈا پانی یا شربت پینا چاہتا ہے، اور یہاں دیہات میں کوسوں برف نایاب لامحالہ لوگ کنوئیں ہی کے پانی پر اکتفا کرتے تھے، اِدھر گوپا گنج سے جو یہاں سے چھ میل کے فاصلہ پر واقع تھا حضرت اقدسؒ کے ایک خادم خاص سیٹھ عبدالرب صاحب نے بطور خود یہ انتظام کر دیا تھا کہ ایک غیر مسلم ملازم کے ذریعہ دس پانچ سیر برف حضرت اقدس کے لئے روزانہ سائیکل سے بھیجدیتے تھے جو افطار سے دس پندرہ منٹ قبل حضرت کو ملجاتا تھا، حضرت اقدس یہ کرتے تھے کہ ایک کٹورہ میں تھوڑی سی برف رکھکر انھیں صاحب کو دیتے (جنکا تعلق اور جنکی

بے تکلفی مولوی علیم اللہ صاحب سے ہوتی تھی) کہ جاؤ یہ برف مولوی علیم اللہ صاحب کو
ے آؤ، ہدیہ محبت کو بڑھاتا ہی ہے (حدیث شریف میں آتا ہے کہ تھادوا تحابوا)
نانچہ حسب قاعدہ ؎

جو پتھر پہ پانی پڑے متصل — تو گھس جائے بے شبہ پتھر کی سِل

س معاملہ نے بھی مولوی صاحب کے قلب کو پگھلا دیا اور اسکی سوزش کو ٹھنڈک
سے بدل دیا جسکا ایک اثر یہ ہوا کہ مولوی صاحب اپنے وعظ وغیرہ میں اب حضرت والا
کے متعلق کچھ کہنے سننے سے بالکل رک گئے اور صرف اتنا ہی نہیں ہوا غائبانہ دعار
ھی دینے لگے اور حضرت کے کام کو سراہنے لگے۔ غرض دل سے خوش ہو گئے
ہاں تک کہ ایک مرتبہ ٹہلتے ٹہلتے خانقاہ اور مسجد کیجانب بھی آنکلے اور دونوں کو اندر
سے دیکھا بات عرصے کی ہوئی یاد آتا ہے کہ کسی نے بیان کیا تھا کہ خانقاہ اور مسجد کو
یکھکر خوش ہوئے اور یہ شعر پڑھا ؎

خوشا مکتب و مسجد و خانقاہے — کہ آنجا بود قیل و قالِ محمدؐ

سی طرح سے دلی قرب بڑھتا رہا یہاں تک کہ ایک دن حضرت اقدسؒ کی مجلس میں
ھی تشریف لائے اور آج یہ پہلا دن تھا کہ انکو حضرت والا کو قریب سے دیکھنے کا
وقع ملا حضرت کا ایمانی و روحانی بیان سنکر بہت زیادہ محظوظ اور مسرور ہوئے اور
رمایا کہ پھر آؤنگا نیز حضرتؒ نے بھی چلتے وقت ہدیہ میں انھیں ایک رومال اور ایک عمدہ تسبیح
نایت فرمائی۔ وہ صاحب جو ان کے لانے میں وسیلہ بنے تھے کہتے تھے کہ ایک دن
ں مولوی علیم اللہ صاحب کی مسجد سے گذرا تو اندر صحن مسجد میں ٹہل ٹہل تسبیح پڑھ رہے
تھے دور سے مجھے تسبیح دکھائی مطلب یہ تھا کہ یہ دیکھو مولانا ہی کی دی ہوئی تسبیح
ستعمال کر رہا ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسا بڑا انقلاب تھا کہ جسکا مشاہدہ اہل دنیا نے کم ہی دیکھا
ور سنا ہوگا یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے سردار کو حضرت اقدسؒ کا محب اور معتقد
نا دیا۔ اب آپ خیال فرمائیے کہ فوج کا کمانڈر ہی جب مقابل سے مل جائے تو پھر

فوج میں رہ ہی کیا جاتا ہے۔ مخالفین کی جماعت میں جو حیرانی اور خلش اس واقعے سے
ہوئی ہوگی اسکو وہی جانتے ہوں گے، چنانچہ ان لوگوں کو فکر ہوئی کہ اب کیا کرنا چاہیئے!
مولوی علیم اللہ صاحب سے تو کسی کی کہنے کی ہمت پڑتی نہ تھی اور اگر کوئی کچھ کہتا بھی
تو وہ ڈانٹ دیتے تھے آخر قبیلہ کے سردار اور بڑے تو تھے ہی۔ لہٰذا جماعتی تجویز
یہ ہوئی کہ اسکی اطلاع بریلی شریف کے پیر صاحب سے کرنی چاہیئے اور مولوی احمد رضا
خانصاحب کے صاحبزادے جو اندنوں صاحب سجادہ تھے اور کبھی کبھی فتحپور تال نرجا
بھی مولوی علیم اللہ صاحب کے پاس انکا آنا جانا ہوتا تھا ان کے گوش گذار
یہ معاملہ کردیں تو وہ اگر منع کردیں گے تو مولوی علیم اللہ وہاں آنا جانا ضرور ترک کردینگے
چنانچہ صاحب سجادہ کی تشریف آوری پر لوگوں نے ان سے تنہائی میں تمام ماجرا
بیان کیا، انھوں نے بھی موقع پاکر مولوی علیم اللہ صاحب سے دریافت کیا کہ سنا ہے
کہ آپ مولوی وصی اللہ صاحب کے یہاں انکی مجلس میں جاتے ہیں؟ مولوی علیم اللہ
صاحب نے فرمایا کہ ہاں جاتا تو ہوں۔ سجادہ نشین صاحب نے فرمایا ایسا نہ کیجئے
اس میں پوری جماعت کی بدنامی ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ وہاں اللہ و رسول
اور بزرگان دین کے ذکر کے سوا اور کوئی بات ہی نہیں ہوتی پھر میں ایسی جگہ جہاں کی
باتیں سنکر ایمان تازہ ہوتا ہو آخر کیوں نہ جاؤں؟ اچھا اگر وہاں نہ جاؤں تو اسکے مقابل
کوئی دوسری مجلس یا نشستگاہ آپ تجویز فرما دیجئے! اسپر وہ لاجواب ہو گئے اور یہ سمجھکر
خاموش ہو گئے کہ اب یہ نہ مانیں گے۔

غرض فتحپور میں ہمارے حضرت اقدسؒ کی فتح پوری تو اسی واقعہ سے ہو چکی
تھی کہ مولوی علیم اللہ صاحب جیسا انسان جو عرصہ دراز تک مخالف رہ چکے تھے بلکہ مخالفت
ان ہی کی وجہ سے اور انکے ہی سہارے انتہا کو پہونچ چکی تھی وہ اب خود حضرت والا
سے محبت فرمانے لگے اور بے تکلف ملنے لگے اور حضرت کے یہاں آنے جانے لگے
بس اب اور فتح کسے کہتے ہیں؟

(باقی آئندہ)

۱۶ - اسم اور مسمّٰی میں قدرتی ربط

امام التابعین حضرت سعید ابن مسیبؒ ابن حزنؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے دریافت فرمایا کہ تمھارا نام کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا حَزَن؛ آپکو یہ نام مکروہ معلوم ہوا کیونکہ حَزن بالفتح کے معنی عربی میں سخت زمین کے ہیں اسلئے فرمایا کہ نہیں تم سہل ہو (یعنی سہل نام رکھو جس کے معنی نرم کے ہیں) حَزن نے کہا کہ میں تو اس نام کو نہ بدلوں گا جو میرے باپ نے میرے لئے تجویز کیا ہے: حضرت سعیدؒ فرماتے ہیں ہمارے دادا کے اس نام پر قائم رہنے کا یہ اثر ہے کہ آجتک ہم سب میں (جو انکی اولاد ہیں) حَزونت یعنی شدت وغلظت کا اثر موجود ہے (اخرجہ البخاری فی الصحیح)

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا بہت اہتمام تھا کہ ہمیشہ نام ایسا رکھا جاوے کہ جسکے معنی مبارک ونافع ہوں، یہانتک کہ ایک مرتبہ آپ سفر میں دو پہاڑوں کے پاس پہونچے لوگوں سے انکا نام دریافت کیا تبایا گیا کہ ایک کا نام فاضح (رسوا کرنے والا) اور دوسرے کا مُخزی (ذلیل کرنے والا) ہے، آپ نے ان دونوں کے درمیان کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار فرمایا۔

اسی طرح ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی کا دودھ نکلوانا چاہتے تھے صحابۂ کرام کی ایک جماعت موجود تھی آپؐ نے فرمایا کہ اس اونٹنی کا دودھ کون نکالے گا؟ جماعت میں سے ایک شخص کھڑا ہوا کہ میں اسکا دودھ دوہوں گا، آپ نے نام پوچھا تو کہا مُرّہ (جس کے معنی ہیں کڑوا) آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ اسکا دودھ کون دوہے گا؟ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ میں آپ نے اسکا بھی نام پوچھا تو اس نے حرب بتلایا (جس کے معنی لڑائی اور جنگ کے ہیں) آپؐ نے اسکو بھی بٹھلا دیا، اور پھر فرمایا کہ اس کا دودھ کون دوہے گا؟ تیسرے ایک صاحب کھڑے ہوئے آپؐ نے انکا نام پوچھا تو

یعیش بتلایا (جس کے معنی رہنے کے ہیں) انکو آپ نے دوہنے کی اجازت دی۔

(مؤطا امام مالک)

معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اسم و مسمّیٰ میں ایک ربط رکھا ہے جس شخص کے لیے جو حالات و افعال علم الٰہی میں مقدر ہوتے ہیں انھیں کے مناسب نام اسکے ماں باپ کے قلب میں ڈال دیتے ہیں۔ امام لغت وعربیت ابوالفتح ابن جنی جو چوتھی صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک طویل زمانہ ایسا کہ میں بہت سے نام سنتا تھا اور اسکے معنی مجھے معلوم نہ ہوتے تھے مگر اس کے حروف و مادہ کی کیفیات سے اسکے معنی متعین کرلیتا تھا پھر تحقیق کرتا اسکے وہی معنی صحیح نکلتے تھے۔

علامہ ابن قیمؒ نے اس واقعہ کو اپنی کتاب تحفۃ الودود فی احکام المولود میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میں نے یہ واقعہ اپنے استاد ابن تیمیہؒ کے سامنے نقل کیا تو انھوں نے فرمایا کہ مجھے خود اس قسم کے واقعات بہت پیش آتے ہیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اسم و مسمّیٰ اور الفاظ و معانی میں ایک خاص ربط تاثیر رکھی ہے، اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے نام رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے جس کے معنی قبیح اور آثار بد پر دلالت کرنے والے ہوں۔ افسوس ہے کہ عام طور پر مسلمان اسکا خیال نہیں کرتے۔ بعض لوگ بالکل مہمل اور بے معنی نام چھجو ممّو وغیرہ رکھدیتے ہیں اور بعض ایسے نام رکھتے ہیں جو آثارِ بد پیدا کرنے والے ہیں۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہا۔

۱۷۔ حکیم ابن قبیصہؒ کا اسلام

یہ بزرگ جلیل القدر تابعی ہیں۔ حضرت معاویہؓ کے عہد میں مسلمان ہوئے اور آپکی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان سے سوال کیا کہ تمھاری عمر میں سب سے زیادہ مصیبت کا دن تم پر کون گذرا ہے۔ عرض کیا وہ دن جس میں مجھے شفیق نے اسپنے

پاس سے نکال دیا تھا۔ پھر حضرت معاویہؓ نے پوچھا کہ سب سے زیادہ عیش و مسرت کا دن تم پر کون سا آیا ہے عرض کیا وہ دن جس میں مجھے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دی۔

(ابن عساکر ص۲۴۳ ج ۴)

(۱۸۔ پیراہن یوسف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان مبارک کی ہیئت

ایں زماں جاں دامنم را تافت است — بوئے پیراہان یوسف یافت است

(اسوقت جاں نے میرے دامن کو چمکا دیا ہے اسلئے کہ اسنے پیراہن یوسف کی خوشبو پالی ہے)

کرتوں کے گریبان کی دو صورتیں مشہور و معروف ہیں ایک آجکل عام طور پر مروج ہے کہ گریبان کا شق سینہ پر رہتا ہے، اور دوسری صورت جو پہلے مروج تھی اور ابھی بعض جگہ اسکا رواج ہے کہ گریبان کا شق دونوں مونڈھوں پر رہے۔

اسمیں گفتگو ہے کہ محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیراہن مبارک کی کیا ہیئت تھی ؟ شیخ الاسلام والسنۃ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ سے جب اسکا سوال کیا تو مندرجہ ذیل تحقیق زیب قرطاس فرمائی :۔

• ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان مبارک کی وہی ہیئت تھی جو آجکل مروج ہے یعنی یہ کہ شق اسکا سینہ پر رہے، کیونکہ سنن ابوداؤد باب فی حَلِّ الْاِزَار میں حضرت معاویہ ابن قرہؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے والد قرہؓ سے نقل کیا، وہ فرماتے تھے کہ میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ہم نے آپؐ سے بیعت کی، آپکی قمیص مبارک کی گھنڈیاں کھلی ہوئی تھیں میں نے قمیص مبارک کے اندر اپنا ہاتھ ڈالا اور خاتم نبوت کو ہاتھ سے چھوا۔

معاویہؓ راوی حدیث کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے میں نے ہمیشہ معاویہؓ

اور اسکے والد قرہؓ کو اسی حالت میں دیکھا کہ گریبان کے بٹن کھلے ہوئے رہتے تھے"

ف: احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ گریبان کھلا رکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی عادت اور سنت تھی، بلکہ یہ ایک اتفاقی واقعہ ہے مگر عشق و محبت کے احکام نرالے ہیں، حضرت قرہؓ نے جس ہیئت میں اول دیکھا تھا اسکا قلب پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ ہمیشہ اپنی یہی عادت بنالی

مرا از زلف او موئے بسند است   ہوس را رہ مدہ بوئے بسند است

(میرے لئے تو محبوب کی زلف کا ایک بال بھی کافی ہے ارے میاں کیوں ہوس کرتے ہو یوں کہو کہ اسکی صرف بو کافی ہے)

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ:-

"ظاہر اس حدیث سے یہی ہے کہ گریبان مبارک کا شق سینۂ مبارک پر تھا (جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اسی حدیث سے گریبان سینہ پر ہونے کے لئے استدلال کیا ہے)۔

نیز عام کتب فقہ میں یہ مسئلہ جزئیہ مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص صرف لانبے کرتے (جو ستر پوشی کے لئے کافی ہو) سے نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع یا سجدہ میں گریبان کے اندر سے اسکی نظر اپنے ستر پر پڑ گئی تو نماز (امام شافعیؒ کے نزدیک) صحیح نہیں ہے۔ یہ مسئلہ بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ ان حضرات فقہاء کے زمانہ میں رواج یہی تھا کہ گریبان کا شق سینہ پر رہے۔

اور یہ مضمون جو مسئلہ مذکور میں موجود ہے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مسندِ احمد اور سننِ اربعہ وغیرہ یعنی بروایت حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ منقول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایک شکاری آدمی ہوں (تہبند باندھکر دوڑنا مشکل ہوتا ہے)، کیا میں ایسا کر سکتا ہوں کہ صرف ایک کرتہ پہن لیا کروں اور اسی میں نماز پڑھ لیا کروں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں،

بجائے گریبان کو بند کرلیا کرو اگرچہ ایک کانٹا ہی اس میں لگا لیا کرو۔

ف: عرب کے کرتے طویل نصف ساق تک ہوتے تھے اور ان میں دائیں بائیں شق (چاک) کھلی نہیں ہوتی تھی اسلئے تنہا کرتا پہننے میں کسی قسم کی عریانی یا ستر کھل جانے کا احتمال نہ تھا۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ:۔

"ان روایات کی وجہ سے میں یہ سمجھا ہوا تھا کہ طریق مسنون اور تعامل سلف گریبان کے بارہ میں یہی ہے جو آجکل مروج ہے۔ پھر الحمد للہ بالکل صاف تصریح اسکی صحیح بخاری میں مل گئی۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر ایک مستقل باب اس عنوان سے رکھا ہے باب جیب القمیص من عند الصدر (یعنی باب اس بیان میں کہ گریبان کرتے کا سینہ پر ہوتا ہے) پھر اس باب میں وہ حدیث بیان فرمائی جس میں بخیل اور سخی کی مثال دو جبوں کے ساتھ دی گئی ہے اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ تنگ جبہ کی مثال کو آپؐ نے اپنے دست مبارک سے اس طرح فرمایا کہ ہاتھ گریبان کے اندر سے نکالے کہ جس طرح یہ ہاتھ اسوقت گریبان کی تنگی کیوجہ سے بندھے ہوئے ہیں اسی طرح بخیل کا ہاتھ تنگ ہوتا ہے۔ حافظ الدنیا علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ نے صحیح بخاری میں فرمایا ہے فالظاهر انه كان لابساً قميصاً وكان طوقه فتحة الى صدره (پس ظاہر یہ ہے کہ آپ اسوقت کرتہ پہنے ہوئے تھے اور اسکے گریبان کا شق سینۂ مبارک پر تھا)۔ پھر فرمایا کہ ابن البطال نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ گریبان، سلف کے کرتوں کے سینے پر ہوتے تھے۔

اور طبرانی نے حضرت زید ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

کو دیکھا کہ ان کے گریبان کی گھنڈیاں کھلی ہوئی ہیں تو آپ نے اپنے دست مبارک سے انکو بند فرما دیا اور پھر فرمایا کہ اپنی چادر کے دونوں طرفوں کو اپنے سینہ پر جمع کر لیا کرو یہ واقعہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا گریبان سینہ پر تھا۔

اور ابن ابی حاتم نے آیہ کریمہ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ میں جیوب کی تفسیر حضرت سعید بن جبیرؓ سے یہ نقل کی ہے یعنی علی النحر والصدر فلا یریٰ منہ شیئ (عورتوں کو حکم ہے) کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر رکھا کریں مراد گریبانوں سے سینہ ہے) الغرض روایات و قرائن صدر سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیراہن مبارک کا گریبان سینۂ مبارک پر تھا اور یہی طریقہ سلف صحابہ، اور تابعین میں رائج تھا۔ وللہ الحمد اولہٗ و آخرہٗ وظاہرہٗ و باطنہٗ۔

۱۹۔ خط و کتابت کی سنت کے متعلق احقر کا ایک خط اور اسکا جواب

مضمون خط: بحضرت سیدی و سندی کہفی و معتمدی و سیلۃ یومی و غدی متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائہٖ بالخیر، السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ بعد تمنائے قدم بوسی عرض ہے کہ ناکارہ غلام مدت سے مجموعۂ امراض بنا ہوا ہے۔ حاضری کا قصد مدت سے کر رہا ہے مگر یہی امراض مانع ہو جاتے ہیں کوئی دعا وغیرہ ارشاد ہو تو احقر پڑھ لیا کرے۔

جواب: الحمد شریف بعد نماز فجر ۲۱ بار یا گیارہ بار پانی پر دم کرکے دن بھر تھوڑا تھوڑا پیا کیجیے۔

مضمون: احقر کی عادت عام طور پر خط لکھنے میں یہی ہے کہ اوپر اپنا نام لکھکر نیچے مکتوب الیہ کے القاب وغیرہ لکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ طریق سنت بھی ہے مگر بڑوں کو اور بالخصوص حضرت والا کی خدمت میں اس طرح لکھنے سے طبیعت ہمیشہ رکتی ہے آج بیساختہ اسی طرح لکھا گیا خیال آیا تو کاٹ دینے کا ارادہ ہوا پھر سمجھ میں

آیا حضرت والا سے منیاقت ہی کروں کہ یہ طبیت کارکن محض رسم و رواج کی بنا پر ہے اور غیر محمود ہے یا منشار ادب ہونے کی وجہ سے؟ امید ہے کہ حضرت والا اس پر متنبہ فرماویں گے۔

جواب: ادب کے خیال سے محمود ہے مگر بالغیر یعنی للادب اور سنت محمود بالذات اور محمود بالذات کو ترجیح ہوگی محمود بالغیر پر تو یہ اصول شرعیہ کے اعتبار سے جواب ہے اور اس میں ایک عقلی مصلحت بھی ہے کہ اخیر میں اپنا نام لکھنے میں بعض اوقات کسی عارض سے ذہول ہو جاتا ہے وقد جربناہ غیر مرۃ (اور ہم نے بھی اسکا بارہا تجربہ کیا ہے) اور ایک طبعی مصلحت بھی ہے کہ مکتوب الیہ کو پہلے ہی سے معلوم ہو جاوے اگر خط بھی نہ پہچانتا ہو یا پہچانتا ہو مگر کسی عذر سے کاتب نے کسی دوسرے سے لکھوایا ہو تو پہچاننے سے مضمون کے ہر جزو سے خاص اثر لیتا رہیگا اور ابہام کی صورت میں اس میں غلطی ہو سکتی ہے پھر آخر میں نام دیکھکر تبدیل کی کلفت ہوگی۔ بہرحال شرعاً و عقلاً و طبعاً ہر طرح یہی طریقہ محمود ہے لیکن اگر کسی کی ان مقتضیات پر نظر نہ جاوے اور وہ اس تقدیم سے بخیال ادب بچے تو اسکو تارک سنت بھی نہ کہیں گے کیونکہ یہ سنت عادت ہے، عبادت نہیں جس پر بالذات وعدۂ اجر اور ترک میں کراہت ہو۔ واللہ اعلم

ضمیمہ: تحریر خط کے بعد عبارات ذیل دیکھی گئیں مناسب معلوم ہوا کہ انکو بھی لکھدیا جاوے

کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی منذر بن ساوی بالبحر بعد ما اسلم بما نصہ فی نصب الرایہ للزیلعی ص۴۲۱ ج ۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن ساوی کو انکے مسلمان ہونے کے بعد خط لکھا جسکو نصب الرایہ میں یوں بیان کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی منذر بن ساوی سلام علیک، فانی احمد اللہ الیک الحدیث وقال العینی فی شرح کتابہ علیہ السلام الی ھرقل وقال الشیخ قطب الدین وفیہ ان السنۃ فی المکاتبات ان یبتداء بنفسہ فیقول

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط ہے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے منذر بن ساوی کے نام۔ تم سب پر سلامتی ہو۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ علامہ عینی نے حضورؐ کے خط کی شرح کرتے ہوئے یہ لکھا کہ آپؐ نے ہرقل کو لکھا۔ شیخ قطب الدین نے فرمایا کہ

من فلان الی فلان وهو قول الاکثرین وکذا فی العنوان ایضاً یکتب کذالک واحتجوا بهذا الحدیث وبما اخرجه ابوداؤد عن العلاء بن الحضرمی وکان عامل النبی صلی الله علیه وسلم علی البحرین وکان اذا کتب الیه بدأ بنفسه وفی لفظ بدأ باسمه وقال حماد بن زید کان الناس یکتبون من فلان بن فلان الی فلان بن فلان۔ اما بعد قال بعضهم وقال یبدأ الصحابة و قال ابو جعفر والنحاس وهذا هو الصحیح قال غیرہ وکره جماعة من السلف خلافه وهو ان یکتب اولاً باسم المکتوب الیه ورخص فیه بعضهم وقال یبدأ باسم المکتوب الیه روی ان زید بن ثابت رضی کتب الی معاویة فبداء باسم معاویة رضی وعن محمد بن الحنفیة وایوب السختیانی انهما قالا لا بأس بذالک وقیل یقدم الاب ولا یبداء ولد باسمائه علی والده والکبیر السن کذالک قلت یرده حدیث العلاء بکتابته الی افضل البشر وحقه اعظم من حق الوالد وغیره (عمدة القاری ص ۱۲۶)

اس سے معلوم ہوا کہ خطوط کی ابتداء میں سنت یہی ہے کہ اپنے نام کو پہلے لکھے یعنی یوں کہ منجانب فلاں ، بنام فلاں کے نام یہی اکثر علماء کا ارشاد ہے اسی طرح سے مضامین کے عنوانات میں بھی کرے اور اسی سے استدلال کیا ہے اور اس حدیث سے بھی جو علاء حضرمی رضی سے منقول ہے جو کہ بحرین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عامل تھے کہ وہ بھی جب خط لکھتے تھے تو اپنا نام پہلے لکھتے تھے۔ حماد بن زید کہتے ہیں کہ لوگوں میں یوں لکھنے کا رواج تھا فلاں بن فلاں کی جانب سے فلاں بن فلاں کے نام اما بعد، بعض علماء نے فرمایا ہے کہ حضرات صحابہ بھی ایسا ہی لکھتے تھے، ابو جعفر اور نحاس نے اسکی تصحیح کی ہے۔ بعضوں نے یوں کہا ہے کہ اسلاف اسکے خلاف کو مکروہ سمجھتے ہیں یعنی یہ کہ پہلے مکتوب الیہ کا نام لکھا جائے بعضوں نے اسکی اجازت دی ہے کہ کچھ حرج نہیں ہے چنانچہ زید بن ثابت رضی نے حضرت معاویہ رضی کو خط لکھا تو انکا نام پہلے لکھا محمد بن حنفیہ اور ایوب سختیانی نے فرمایا ہے کہ اسمیں کچھ حرج نہیں ہے۔ کہا گیا ہے کہ باپ اپنا نام مقدم کرے لیکن لڑکا اپنے نام کو باپ کے اوپر نہ لکھے ایسے ہی بڑی عمر والے سے بھی اوپر نہ لکھے میں کہتا ہوں کہ اس قول کی علاء حضرمی کی حدیث رد کرتی ہے اسلئے کہ انہوں نے افضل البشر صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا تھا اور اپنا نام اوپر لکھا تھا حالانکہ آپکا حق والد وغیرہ کے حق سے بڑھا ہوا ہے۔

روایات وعبارات مرقوم سے معلوم ہوا کہ سنت خط کی یہی ہے اول اپنا نام لکھے پھر مکتوب الیہ کا خواہ مکتوب الیہ چھوٹا ہو یا بڑا اور مسلم ہو یا کافر۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کبھی اسکے خلاف بھی ہو جائے تو قول راجح یہی ہے کہ وہ بھی مکروہ نہیں جیسا کہ اصل تحریر میں لکھا گیا۔ والحمد للہ علی ذالک۔

مال و دولت کے مقابلہ میں کیا اللہ میاں کی کچھ وقعت نہیں سمجھتے ہو؟ حضرت اللہ میاں کی رضا وہ چیز ہے کہ جسکی نسبت ایک بزرگ کہتے ہیں بطو تو بجاں اے آنکہ جز تو پاک نیست (تو ہمارے ساتھ ہے اے وہ ذات کہ تجھ جیسا کوئی کمال والا نہیں) دنیا کے حکام کی صرف خوشنودی کے واسطے کتنے کتنے سفر اور کیا کیا کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے اور پھر انکی خوشنودی دیر پا نہیں ذراسی بات پر بگڑ گئے اور اللہ میاں فرماتے ہیں ہم شکور ہیں، خیال کیجئے اس لفظ کو۔ ایک بادشاہ کے سامنے کوئی چیز لیجائیے اور وہ اسکی منظوری وعدم منظوری کی نسبت کچھ ظاہر نکرے مگر اس میں کوئی عیب نہ نکالے اور خازن کو حکم دیدے کہ رکھ لو تو لیجانے والے کا دماغ آسمان پر پہونچ جاویگا اور سناتا پھرے گا کہ بادشاہ نے ہمارا ہدیہ رکھ لیا' اور اللہ میاں کے یہاں ہم لوگ اپنے اعمال لیجاتے ہیں اور ذرا ان اعمال ہی کو دیکھ لیجئے کہ وہ کس قابل ہیں

۸۔ ہماری نماز کی مثال

ایک نماز ہی کو لے لیجئے اسوقت نظیر کے واسطے کہ کھڑے ہوتے ہیں اللہ میاں سے باتیں کرنے کو آور کرتے ہیں کس سے ؟ گاؤخر سے۔ یا یوں مثال دیجئے کہ ایک بادشاہ نے محض اپنی عنایت سے اپنے غلام کو اپنے دربار میں حاضری کی اجازت دی بلکہ یوں کہیئے کہ زبردستی طلب کیا (ہملوگ ایسے بھلے مانس تو کاہے کو ہیں کہ حاضری کی اجازت سے ہی دربار میں پہونچنے کو غنیمت سمجھیں) زبردستی بلائے ہوئے بلکہ پابزنجیر ہوکر دربار میں پہونچے، اور کام ان سے کیا ہے کہ بادشاہ کو ان پر رحم آیا ہے اور چاہتا ہے کہ ان سے دربار میں کچھ گفتگو کرے کہ درباریوں اور تمام رعایا میں انکی عزت ہوجائے اپنا کچھ نفع مقصود نہیں ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم — بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

(میں نے مخلوق کو کچھ اپنے نفع کی خاطر نہیں پیدا ہے بلکہ اسلئے پیدا کیا ہے تاکہ ان پر انعام و احسان کروں) اللہ میاں کا کیا نفع ہے ہمارے پیدا کرنے یا عزت دینے سے۔ پھر ان حضرات نے

ے اس شعر کا ترجمہ ۔۔۔

کیا مکافات کی اس بلانے کی کہ پہونچتے ہی تو منہ پھیر کر کھڑے ہوگئے اور کانوں میں انگلیاں دے لیں مگر بادشاہ تو کم ظرف نہیں ہے اس گستاخی پر نظر نہیں کرتا اور حکم دیتا ہے اپنے خادموں کو کہ اس بیوقوف کی انگلیاں کانوں سے نکالدو بلکہ ہاتھ باندھ دو کہ پھر انگلیاں کانوں میں نہ دے سکے اور منہ اسکا ہماری طرف کردو۔ اور جلدی سے شفقت آمیز کلمات فرمانے لگا کہ ایک دفعہ تو اسکے کان میں پڑ جائیں دیکھیں تو مانوس کیسے نہیں ہوتا؟ مگر یہ تو قسم کھاکر چلے ہیں کہ الٹا ہی کریں گے چٹ سے پھر انگلیاں کانوں کی طرف بڑھائیں مگر ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ جلدی سے اس خوف سے کہ کہیں محبوب کا کلام نہ کان میں پڑ جائے اس جگہ سے بھاگ گھوڑے کے پاس اصطبل میں جا چھپے وہاں آدمی پکڑنے کے لئے پہونچا گدھے کے پاس جا چھپے، غرض ایک گھنٹہ بھر یہی کیفیت رہی کہ یہ بھاگا کئے اور بادشاہ کے نوکر بلکہ خود بادشاہ (اللہ اکبر) ان کے پیچھے پھرا کیا مگر انھوں نے وہی کیا جو شامت اعمال سے ہونا تھا۔

۹۔ ہماری نماز پر سزا نہ ہونا ہی غایۃ درجہ کی رحمت ہے

اب فرمائیے کہ یہ شخص کسی سزا کا مستحق ہے یا بادشاہ کو اس پر رحم آنا چاہئے؟ یہ تو اس قابل ہے کہ اگر ایک دفعہ بھی اس نے یہ حرکت کی ہے تو توہین بادشاہ کے جرم میں اس کو لے لیا جائے اور کبھی دربار کی حاضری کی اسکو اجازت نہ ہو۔ اب آپ اپنے معاملہ کو اللہ میاں کے ساتھ دیکھ لیجئے کہ اُدھر سے تو حاضری کی اجازت ہر وقت یعنی نفل نماز کیلئے اجازت ہے جب چاہو پڑھو (باستثنار تھوڑے وقتوں کے مگر ہمیں توفیق نہیں ہوتی کہ اس اجازت کو غنیمت سمجھیں، یہاں تک کہ پکڑ کر بلانے کی نوبت پہونچی یعنی فرض نماز کا وقت آیا نہایت کاہلی کے ساتھ گرتے پڑتے پہونچے برا بھلا وضو کیا اور باکراہ نیت نماز کی یعنی سامنے باتیں کرنے کو کھڑے کئے گئے کھڑے ہوتے ہی منہ ایسا پھیرا کہ کچھ خبر نہیں صرف الفاظ زبان پر جاری ہیں دھوکا دینے کے لئے آداب شاہی بجالا رہے ہیں یعنے سبحانک اللّٰھم پڑھا، اللہ میاں نے اس منہ پھیرنے پر نظر نہ کی اور کلام شروع کیا چنانچہ

الحمد للہ رب العٰلمین پر جواب ملتا حدیثوں میں آیا ہے، ذرا سی بھنک کان میں پڑتے ہی ایسے بھاگے کہ سیدھے گھر آ کر دم لیا، کبھی بیوی کے پاس کبھی بچوں کے پاس کبھی مکان میں کبھی طویلہ میں پھرا کئے، مراد اس سے خیالات کا جولانی دینا ہے۔ غرض یہی مسخرا پن کیا کئے یہاں تک کہ بمشکل تمام دربار کی حاضری ختم تک پہونچی یعنی سلام پھیرا، بڑی خیر ہوئی کہ بادشاہ کی ہمکلامی سے بچ گئے جانے وہ کاٹ کھاتا یا کیا کرتا؟ (یہ خبر نہیں کہ کیا کرتا اور کیا ہوتا اور یہ کیا پاتے) صاحبو! اب ان گستاخیوں کی سزا وہی ہونی چاہئے تھی یا نہیں جو مثال میں میں نے عرض کی کہ اگر ایک دفعہ بھی ہم ایسی نماز پڑھتے تو اللہ میاں کے یہاں ہم کو کبھی گھسنے نہیں دیا جاتا اور فوراً دربار سے نکلتے ہی گرفتاری اور حبس دوام کا روبکار جاری ہو جاتا مگر سنئے کہ اللہ میاں سے کیا روبکار جاری ہوا وکان سعیکم مشکورا اس نے دربار میں اتنی دیر کی مصاحبت کو بہت اچھی طرح انجام دیا۔ مرجانے کی بات ہے اچھی طرح تو جیسے انجام دی وہ ہم بھی خوب جانتے ہیں اور جو وہاں حاضر تھے انھوں نے بھی خوب دیکھا بلکہ حاضرین کے سامنے شرم رکھنے کے واسطے (اس قدردانی کے بعد مزید بندہ نوازی کرتے ہیں) اور فرماتے ہیں اُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ (یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا) گویا یہ بیوقوف ہے کتنی گستاخیاں کیں مگر ہم اس آنے کو حاضری ہی میں لکھے لیتے ہیں اور اسکی وہی عزت کیجائے جو باقاعدہ آنے والے کی کیجاتی ہے۔ اب فرمایئے کہ اگر ایک مرتبہ ایسا معاملہ بادشاہ کسی کے ساتھ کرے تو کیا دوبارہ اس شخص کی ہمت پڑ سکتی ہے کہ پھر اسی وحشیانہ طریق سے دربار میں جاوے ہرگز نہیں۔ بلکہ سر سے پیر تک خجالت کے پسینے میں غرق ہو جائے گا۔ مگر ہم ایسے احسان فراموش ہیں کہ ایک دو دفعہ کیا معنی سیکڑوں بار بلکہ ہر روز پانچ بار یہی جفاکاری کرتے ہیں۔ مگر ادھر سے متعلق خیال نہیں کیا جاتا اس پر طرہ یہ کہ ان لنگڑے لولے اعمال (بلکہ اعمال کیسے کہا جا سکتا ہے بد اعمالیوں) میں بھی کمی اور کوتاہی ہے۔ بلکہ خدا تعالیٰ کے محرمات کی طرف میلان ہے۔ صاحبو! ذرا شرماؤ اور عمل کرو اور حرام سے بچو خاصکر

رمضان کے مہینے میں۔

۱۰۔ تلاوت قرآن شریف کامع اپنے حق کے ضروری ہونا

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓىٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یہ آیت سورۂ بقر کی ہے ترجمہ اس کا یہ ہے کہ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسکی تلاوت کرتے ہیں، جیسا حق ہے تلاوت کا۔ ایمان والے یہی ہیں اور جو کتاب پر ایمان نہ لائے وہ خسارہ والے ہیں۔ اسکی دو تفسیریں ہیں مگر دونوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ تلاوت کرنے والوں کی مدح ہے۔ اس آیت میں ہرچند کہ کتاب سے مراد توریت ہے مگر ظاہر ہے کہ توریت کی تلاوت کے قابل مدح ہونے کا سبب توریت کا کتاب اللہ ہونا ہے محض کتاب ہونا نہیں ہے اور چونکہ قرآن پاک افضل کتب ہے تو اسکی تلاوت اور زیادہ قابل مدح ہوگی اور اسی آیت سے اسکی فضیلت بطریق اولیٰ ثابت ہوگئی۔ اس آیت سے قرآن مجید کے تلاوت کرنے کی اور اسکے حقوق ادا کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بات بدیہی ہے کہ تلاوت بلا سیکھے ہوئے اور پڑھے ہوئے کیسے ہوسکتی ہے؟ سیکھنا اور پڑھنا اسکا موقوف علیہ ہے۔ اور مقدمہ ضروری کا ضروری ہوتا ہے۔ اگر آپ باورچی کو حکم دیں کہ کھانا پکا تو اسکا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ ہانڈی چولھے پر رکھکر آنچ دے لا، بلکہ بازار سے گوشت لااور مصالحہ اور اناج لا اور پکانے کے برتن مہیا کر اور آگ جلا تب ہانڈی کو آنچ دے۔ چنانچہ کھانا پکانے کے حکم کے بعد باورچی کا ان سامانوں میں لگا رہنا آپ کے نزدیک اور کاموں کے نکرنے کا عذر سمجھا جاتا ہے اور ان کاموں میں اسکا لگا رہنا پکانے ہی کے حکم کی تعمیل سمجھا جاتا ہے۔ اگر اناج مثلاً نہو اور وہ بیٹھا رہے اور عین وقت پر عذر کرے تو یہ عذر اسکا آپ ہرگز نہ سنیں گے کہ حضور آپ نے مجھے صرف پکانے کا حکم دیا تھا یہ نہیں فرمایا تھا کہ اناج بھی منگانا اس عذر نہ سننے کی کیا وجہ ہے یہی کہ کسی کا حکم اسکے اسباب و

مقدمات کا بھی حکم ہے الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ (یعنی کوئی شے جب ثابت ہوتی ہے تو اپنے لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے) بنا بریں تلاوت کتاب کا مطلوب ہونا اسکے سیکھنے اور پڑھنے کا بھی مطلوب ہونا ہے جو فضیلت تلاوت کی ہوگی وہی فضیلت سیکھنے کی ہوگی اور جسقدر ضرورت تلاوت کی ہوگی اسی قدر ضرورت سیکھنے کی بھی ہوگی غرض قرآن شریف کا سیکھنا ضروری ہوا اور دیکھئے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے صرف یتلون نہیں فرمایا بلکہ حق تلاوتہ کی قید بھی بڑھائی اور اس میں اور اُس میں بڑا فرق ہے۔ مثلاً ایک تو یوں کہیں کہ یہ کام کرلاؤ اور ایک یہ کہ یہ کام خوب سوچ سمجھکر کرلاؤ۔ اس دوسرے حکم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نفس کام کرنے سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے تاوقتیکہ وہ من کل الوجوہ مکمل نہ ہو اس سے نفس امر کی اور زیادہ تاکید ہوجاتی ہے تو آیت میں نفس تلاوت کی اور زیادہ تاکید ہوگئی۔ پھر نفس تلاوت میں تشدید ہوجانے سے اسکے مقدمہ یعنی سیکھنے کے حکم میں بھی تشدید ہوگئی۔ غرض قرآن شریف کا سیکھنا ضروری بلکہ نہایت ضروری ہوا پھر اتنا سیکھنا بھی کافی نہیں ہوگا کہ نفس تلاوت کا ذریعہ ہو بلکہ اتنا سیکھنا چاہیئے کہ حقوق تلاوت ادا ہوں۔ اب سمجھیئے کہ حق تلاوت کیا ہے؟ ہمیشہ یاد رکھیئے کہ جس چیز کی فضیلت بیان ہوا اور جس چیز کی برائی بیان ہو اس کی حقیقت سمجھ لینا چاہیئے اگر وہ چیز اپنی حقیقت پر ہو تو قابلِ فضیلت یا برائی ہو ورنہ نہیں

۱۱۔ حقیقتِ تلاوت

یہاں تلاوت کتاب اللہ کی فضیلت بیان ہوئی لہذا اسکی حقیقت سمجھ لیجئے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنی کتاب اتاری جو مجموعہ ہے اوراد کا اور قصص و حکایات کا اور احکام کا اور جامع ہے تمام بھلائیوں کو۔ قطع نظر تمام خوبیوں سے محض کلام اللہ ہونا اسکا، مقتضی اس امر کا ہے کہ ہم جیسے ناچیز بندوں کی اس تک رسائی بھی نہ ہوتی کہاں وہ کلام مقدس کہاں ہم حقیر بندے۔ دیکھ لیجئے دنیا کے ذرا ذرا سے بادشاہوں کے دربار کی حاضری کیلئے لوگ کتنی کتنی کوششیں کرتے ہیں اور عمریں گذار دیتے ہیں

تب کہیں سلام کرنے کا موقع ملتا ہے اور جس کو ایک دو بات کرنے کا موقع ملگیا وہ اپنے آپ کو کتنا کچھ سمجھنے لگتا ہے اور تمام سلطنت بھر میں اسکی کیا عزت ہوجاتی ہے۔ جب کلام شاہان دنیا کی یہ عزت ہے تو بادشاہ شاہان اور احکم الحاکمین کے کلام کی کیا کچھ عظمت ہونی چاہیئے؛ شاہان دنیا کا کلام دو چار برس کی تمنا اور کوششوں کے بعد میسر ہوتا ہو تو کلام الٰہی اگر کچھ بھی نہیں تو دو چار برس کی محنت کے بعد تو نصیب ہونا چاہیئے مگر نہیں کس درجہ رحمت ہے اللہ میاں کی کہ ہمارے ہاتھوں میں اپنی کتاب دیدی اور اذن عام دیدیا کہ جس کا جس وقت جی چاہے ہم سے باتیں کرے، پھر صرف اذن ہی نہیں بلکہ مطالبہ بھی ہے بندوں سے کہ باتیں کرو۔ اب ہم بندے اپنی ذلت اور احکم الحاکمین کی عزت کو پیش نظر کر کے دیکھیں کہ یہ باتیں کرنے کی فرمائش کیا چیز ہے؛ سوائے اسکے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ محض فضل ہے۔ معلوم ہوگیا ہوگا کہ تلاوت کتاب اللہ کی حقیقت اللہ میاں سے باتیں کرنا ہے۔ اب اس آیت میں فرماتے ہیں کہ تم ہم سے باتیں تو کرو گے مگر قاعدے اور ادب کے ساتھ کرنا یتلونہ حق تلاوتہ ترکیباً تو اخبار ہے مگر مقصداً انشا ہے یعنی تلاوت کرنیوالوں کو چاہیئے کہ تلاوت کے حقوق ادا کریں۔

۱۲۔ تلاوت کے ظاہری و باطنی حقوق اور قرآن کی تعلیم کی جامعیت

جب تلاوت کی حقیقت معلوم ہوگئی تو اب سمجھ لیجئے کہ حقوق دو طرح کے ہوتے ہیں باطنی اور ظاہری، قربان جائیے تعلیم شریعت کے کہ اعمال میں صرف بناوٹ نہیں سکھلائی بلکہ ظاہری حقوق بھی بتائے اور باطنی بھی اور باطنی کو ظاہری سے زیادہ ضروری رکھا۔ مثلاً ماں باپ کے حق ظاہری کو فرمایا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ کہ ان کے سامنے پستی اختیار کرو وضع میں قطع میں، تکلم میں، نشست و برخاست میں غرض ہر چیز میں ان سے

تذلل برتو۔ کسی بات میں ان سے ترفع مت کرو۔ یہ تو حق ظاہری ہے اور حق باطنی کو سبحان اللہ کیسے ذرا سے لفظ سے ادا فرمادیا یعنی من الرحمۃ یعنی ان کے سامنے نری ظاہری پستی پر اکتفا نکرو اسکا کچھ اعتبار نہیں بلکہ اس ظاہری پستی کا منشا رحمت ہو رحمت رقتِ قلب کو کہتے ہیں یعنی انکی خدمت دل سے کرو جیسا کہ ظاہر ان کے سامنے پست کیا ہے باطن کو بھی پست کرو۔ دل کے اندر خشوع بھی ہو اور خضوع بھی ہو قرآن میں کوئی ضروری بات چھوڑی نہیں جاتی یہی خوبی ہے کلام اللہ کی تعلیم کی۔ کسی حکیم یا کسی فلسفی کی تعلیم میں یہ بات نہیں پائی جاتی اور اس پر بھی اکتفا نہیں کیا آگے فرماتے ہیں وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا اوپر تو ان حقوق کی ادا کا حکم تھا جنکی ادا کا علم والدین اور لوگوں کو وقت ادا ہو جائے گا اور اس میں فرمادیا تھا کہ صرف ظاہری بناوٹ نہ ہو انکو بھی دل سے ادا کرو۔ یہاں حکم ہے کہ ان حقوق کو بھی ادا کرو جنکی اطلاع بھی نہ ہو قل رب ارحمھما یعنی ان کے لئے دعا بھی کرو، یہ بھی ایک حق باطنی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ حق تین ہیں ظاہری، باطنی اور ابطن اور تینوں قسموں کی ادا کا حکم ہے۔ اسی طرح حق تلاوت بھی مختلف ہوتے ہیں میں اسکی ایک مثال دیئے دیتا ہوں جس سے اچھی طرح توضیح ہو جائیگی۔

۱۳۔ تلاوت کی ایک مثال

فرض کیجئے کہ بادشاہ کسی کے ہاتھ میں شاہی قانون دیکر کہے کہ اسکو پڑھو تو اسکی حالت پڑھنے کے وقت یہ ہوگی کہ ہر ہر لفظ کو صاف صاف پڑھے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسکا پڑھنا بادشاہ کو ناپسند ہو اور اسکے معنی و مفہوم کو بھی سمجھتا جائے گا ایک تو اس خیال سے کہ عبادت کا لہجہ بلا معنی سمجھے ہوئے ٹھیک نہیں ہو سکتا اور ایک اس خیال سے کہ شاید کہیں بادشاہ پوچھ بیٹھے کہ کیا مطلب سمجھا تو خفت نہ ہو، اور ایک حالت پڑھنے والے کی یہ ہوگی کہ دل میں اس قانون کے احکام کی تعمیل کا بھی

عزم ہوگا اور کسی قرینے سے ظاہر ہونے دے گا کہ میں اسکی پابندی میں کچھ کوتاہی کرتا ہوں بلکہ حال وقال سے یہی ثابت کریگا کہ میں سب سے زیادہ تعمیل کرنے والا ہوں بس اس مثال کو ذہن میں حاضر رکھیے

۱۴۔ تلاوت قرآن شریف کے تین مرتبے ہیں

اور سمجھیے کہ قرآن شریف کی تلاوت میں بھی اسی طرح کے تین مرتبے ہیں ایک مرتبہ الفاظ ظاہری کا ہے یعنی ہر ہر حروف کو علیحدہ علیحدہ صاف صاف اور اپنے مخرج سے ادا کرنا اور ایک مرتبہ معنی کا یعنی مدلول الفاظ کو سمجھ لینا، یہ نہیں کہ خیال کہیں ہے طرح طوطے کی طرح سے لفظا ادا کر دیئے، یہ مرتبہ حق باطنی کا ہے۔ اور ایک مرتبہ اس سے بھی ابطن ہے وہ اسکے احکام پر عمل کرنا ہے جب یہ تینوں باتیں جمع ہونگی تب کہا جاویگا کہ حق تلاوت ادا ہوگیا۔ غرض کل تین حق ہوئے ایک حق ظاہری یعنی تلاوت، دوسرا حق باطنی یعنی معنی سمجھ لینا، تیسرا عمل کرنا یہ بمقابلہ دوسرے کے بھی باطن ہے تو اسکو ابطن کہہ سکتے ہیں کیونکہ یہ معاملہ فیما بینہ وبین اللہ ہے۔ ان تینوں میں وجوداً سب سے مقدم حق ظاہری ہے اور موکد سب سے زیادہ تیسرا درجہ ہے یعنی عمل۔ ان دونوں میں حقیقت اور صورت کا فرق ہے۔ اصل چیز حقیقت ہی ہوتی ہے لیکن وجود اسکا لباس صورت ہی میں ہوتا ہے اسی وجہ سے صورت مقدم ہوتی ہے اور ضروری دونوں ہیں۔ پس حقیقت بلا صورت کے باطل ہے اور صورت بلا حقیقت کے عاطل۔ غرض ثابت ہوا کہ عمل بھی ایک حق ضروری ہے یہ نہیں کہ محض مرتبہ مستحب ہی میں ہے۔ دیکھئے اللہ میاں نے آگے فرما دیا اولٰئک یومنون بہ جو لوگ تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں وہی ایمان رکھتے ہیں یعنی کامل ایمان انھیں کا ہے پس عمل موقوف علیہ ہے کمال ایمان کا اور کمال ایمان کی تحصیل واجب ہے تو ضرور عمل بھی واجب ہوگا۔
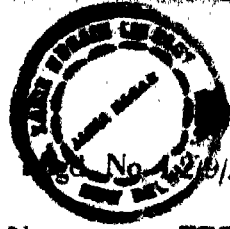
دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

جلد ۵ مارچ ۱۹۸۲ء شمارہ ۲

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۲ بخشی بازار
الہ آباد

حامل مضامین تصوف و احسان ماہنامہ افادات وصی اللٰہی کا واحد ترجمان

چندہ ششماہی عـ۱۰ دس روپے

وصیۃ العرفان

الٰہ آباد

چندہ سالانہ عـ۲۰ بیس روپے

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ — مدیر: عبد المجید عفی عنہ — دو روپے

شمارہ ۳ | جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۲ھ مطابق مارچ سنہ ۸۲ء | جلد ۵

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و مینیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱ اے ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

گزشتہ شمارہ بہت تاخیر سے روانہ ہوسکا مگر خیر خدا کا شکر ہے کہ مہینہ کے اندر ہی اندر روانہ ہوگیا۔ الحمدللہ کہ کاتب صاحب کی طبیعت بھی اب ٹھیک ہوگئی ہے اسلئے امید ہے کہ مارچ کا رسالہ بروقت نظر نواز ہوجائیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

تالیفات مصلح الامۃ حصہ چہارم زیر ترتیب ہے انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اسکی طباعت کا بھی انتظام ہوجائیگا ضخامت ساڑھے چار سو صفحات کی ہوگی ابھی قیمت کا صحیح اندازہ نہ ہوسکا اسکے متعلق پھر عرض کرونگا۔

پانچ روپیہ میں پندرہ قدیم رسالوں کے سٹ کا جو اعلان کیا گیا ہے بعض احباب کی توجہ سے اب اس میں مزید یہ آسانی پیدا ہوگئی ہے کہ صرف پانچ روپیہ کا منی آرڈر آنے پر بھی ایک سٹ بدون کسی مزید ڈاک خرچ وغیرہ کے آپکو دفتر سے مل سکتا ہے اور اگر رجسٹری طلب کرنا ہو تو سات روپیہ کا منی آرڈر بھیجئے پتہ صاف لکھئے اور تصریح کر دیجئے کہ یہ رقم پانچ روپیہ والے سٹ کے لئے ہے (واضح رہے کہ اب رجسٹری فیس سوا دو کے بجائے پونے چار روپئے ہوگئی ہے مگر آپ کو اب سٹ بذریعہ رجسٹری حاصل کرنے کیلئے صرف سات روپئے ہی ارسال کرنے پڑیں گے۔)

یادِ رفتگاں

اس ماہ پے بہ پے کئی حضرات ہم سے جدا ہوکر اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان سبکی مغفرت فرمائے اور انکے پسماندگان کو صبر اور اجر سے نوازے۔ آپ حضرات سے بھی دعا کی درخواست ہے۔ سب سے پہلے [۱] ہمارے رسالہ کے ایک دیرینہ خریدار اور حضرت مصلح الامۃؒ سے شرف بیعت رکھنے والے ایک محب و محترم جناب ڈاکٹر سید مشتاق احمد صاحب علوی کے انتقال کی خبر ملی۔ پھر [۲] جناب مصباح الدین صاحب نقوی کی وفات کا علم ہوا آپ بھی حضرت مصلح الامۃؒ اور رسالہ ہر دو سے متعلق تھے اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے —— اور تیسرے [۳] بزرگ ہمارے حضرت مصلح الامۃ قدس سرہ کے محب و محبوب کے محبوب مولانا محمد ثانی الحسنی کے انتقال پر ملال کی خبر حال میں ملی اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور محترمی جناب علی میاں صاحب ندوی مدظلہ اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل سے نوازے، مولانا ندوی مدظلہ العالی کے لئے بلاشبہ ایک سخت سانحہ ہوا لیکن انسان کے بس ہی میں کیا ہے، مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ کل شئ ھالک الا وجہہ لہ الحکم والیہ ترجعون۔ ادارہ ان سب حضرات کے اعزہ کیساتھ انکے غم میں شریک ہے۔ اتفاق ایسا کہ تینوں سانحے لکھنؤ میں ہی پیش آئے۔ سب کیلئے دعا فرمادیجئے۔

حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ ۲ مارچ کو بمبئی سے الہ آباد تشریف لے آئے۔ (ادارہ)

۱۹۔ علم دین کسی ذی فہم اور دیندار ہی سے حاصل کرنا چاہیئے

فرمایا کہ ـــــ تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ حناط بیان کرتے ہیں کہ حضرت شعبیؒ نے فرمایا کہ علم دین کو تو اس شخص سے لینا چاہیئے جو متقی اور پرہیزگار بھی ہو اور عقل فہم بھی اسکی درست ہو، کیونکہ اگر کوئی شخص صرف عاقل ہوا اور تدین سے عاری ہا تو ایسے شخص کے پاس خود دین کی روح نہیں جائیگی (یعنی لفاظی رونق کے باوجود آپ میں اگر ذوق سلیم ہوگا تو اسکی تحریر آپ کو روحانیت سے خالی نظر آئیگی اور بقول اکبر ؎ زباں گو صاف ہوجاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا۔)

اور اگر وہ شخص دیندار تو ہوا مگر عقل و فہم سے کورا رہا تو کہا گیا ہے کہ وہ دین نہ حاصل کرسکے گا کیونکہ دین کو تو کوئی عاقل ہی کما حقہ حاصل کرسکتا ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں کہ ـــــ آج دیکھ رہا ہوں کہ علم دین کے طالب ایسے ہی لوگ نظر آتے ہیں کہ جنکے اندر نہ عقل ہی ہوتی ہے اور نہ دین ہوتا ہے (ظاہر ہے کہ پھر بھلا ایسوں کو دین ملے تو کیسے ملے؟ نہ اسکے پاس آنے کیلئے دین راضی اور نہ دین حاصل ہونے کا اسکا ظرف متقاضی)

۲۰۔ طریق یعنی تصوف بڑا ہی ذی شرف اور عزت والا فن ہے

فرمایا کہ ـــــ آداب الشیخ والمرید میں لکھا ہے کہ چونکہ طریق (یعنی علم تصوف) بہت ہی شرف اور عزت رکھتا ہے اسی لئے بڑی ہی مشکلات، بہت آفات اور بے شمار قواطع (موانع) اور مہلکات میں ہر چہار طرف سے گھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر چلنا ہر شخص کے بس کی بات بھی نہیں اور نہ ہر ہوسناک اسکا اہل ہی ہے۔ اسپر تو بس وہی شخص چل سکتا ہے جو بہادر اور شجاع اور مقدام ہو یعنی بڑھکر ہر کام میں گھس پڑنیوالا ہو اور اسکے پاس عقل و فہم کے ساتھ علم و سنت کی روشنی ہو (اور خدا کی توفیق شامل حال

ہونا تو ہر نوع ضروری ہے ہی) چونکہ شریعت کے ساتھ ساتھ محبت کو بھی جمع کرنا
جمع اضداد ہی سا ہے اسلئے بڑی ہمت اور عزیمت درکار ہے۔
ع ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن (اور اہل ہوس اور اناڑی کیلئے جام (شیشہ) اور لوہے
سے کھیلنا آسان نہیں ہے) بلکہ اسکے لئے ع شیر مردے باید و دریا دلے دیوانہ
(کوئی شیر مرد ہونا چاہیئے جو کہ دریا دل بھی اور دیوانہ بھی ہو)

۲۱۔ فتنہ کسے کہتے ہیں؟

فرمایا کہ ـــــ طریقۂ محمدیہ میں لکھا ہے کہ فتنہ اسے کہتے ہیں کہ لوگ اسکی وجہ سے ایک اضطراب اور بےچینی میں پڑجائیں، انکے ہر کام میں اختلاف واقع ہوجائے انکا ہر نظم خلل پذیر ہوجائے، لوگ پریشانی الجھن اور انتشار کا شکار ہوجائیں۔ محنت اور مشقت سر آپڑے اور پوری قوم ایک آزمائش اور ابتلا میں واقع ہوجائے جسے برداشت کرنے پر بھی انھیں کوئی دینی نفع نہ ہاتھ لگے۔ مثلاً کوئی فتنہ پرور (مفسد اور فتین) اسٹھے اور لوگوں کو بادشاہ وقت ہی کے خلاف بغاوت پر اکسا دے (جسکی وجہ سے سارے لوگ مصیبت میں پڑجائیں۔) اور فتنہ ہی کا شعبہ یہ بھی ہے کہ امام مسجد لوگوں کو لمبی لمبی نماز پڑھانے لگ جائے (جسکی وجہ سے کاشتکار، مزدور یا ملازم پیشہ) لوگ گھبرا کر اور مفتون ہوکر جماعت سے نماز ہی پڑھنا ترک کردیں، یہ بھی ایک طرح کا فتنہ ہی ہے) یا مثلاً کوئی واعظ مقرر یا عالم صاحب عام لوگوں سے ایسی علمی باتیں بیان کریں جسے وہ یا تو سمجھنے ہی سے قاصر ہوں یا خلاف مراد معنی پر اسکو محمول کرلیں (اور فتنہ میں پڑجائیں)۔ اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ کَلِّمِ النَّاسَ عَلیٰ قَدْرِ عُقُوْلِھِم یعنی لوگوں سے بقدر انکی عقل وفہم کے ہی کلام کیا کرو۔ فتنہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کسی مسئلہ کو سمجھنے کے لئے اسمیں غور وفکر نہیں کیا یا کتاب سے کچھ بیان کرنے کے لئے اسکی عبارت میں تامل نہیں کیا اور اپنی سرسری فہم پر اعتماد کرتے ہوئے اس بات یا اس عبارت سے اپنے سمجھے

ہوئے مفہوم کو دوسرے سے نقل کر دیا (حالانکہ اسکو غلط سمجھ لیا تھا مگر بات تو تمام پھیل گئی اور لوگ اسکی وجہ سے مفتون بھی ہو گئے ۔)

(راقم عرض کرتا ہے کہ واقعی اس امر کا لحاظ نہ کرنا موجب فتنہ ہی ہوتا ہے خود مجھے بھی اسکا تجربہ ہو چکا ہے وہ یوں کہ میرے پاس طلبہ "نورالایضاح" کا سبق پڑھ رہے تھے ایک عامی شخص بھی درس میں آبیٹھے، سبق آیا کہ جن امور کی وجہ سے غسل کرنا مستحب ہے ان میں سے ایک "حجامۃ" بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجامۃ کے بعد غسل فرمایا ہے ۔ حجامۃ عربی میں سینگی لگوانے کو کہتے ہیں طلبہ تو اسکا مطلب سمجھ گئے لیکن ان صاحب نے یہ سمجھا کہ سر کا بال بنوانے کے بعد بھی غسل کرنا مستحب ہے، کیونکہ بال بنوانے کو حجامت بنوانا اور بنانے والے کو ہمارے عرف میں حجام کہا جاتا ہے ۔ یہ غلط معنی اخذ کر کے انھوں نے اسکی اشاعت بھی میرے حوالہ سے شروع کر دی، ایک صاحب نے مجھ سے دریافت کر لیا کہ کیا بال بنوانے کے بعد غسل کرنا مسنون ہے ؟ میں نے کہا نہیں ایسا تو نہیں ہے ۔ کہا کہ فلاں صاحب تو آپ کا نام لیکر کہہ رہے تھے کہ انھوں نے آج سبق میں بیان کیا ہے کہ مسنون ہے بہت دیر سوچنے کے بعد عقدہ کھلا کہ یہ غلط فہمی کہاں سے ہوئی ہے)

اسی طرح سے کسی متروک قول یا ضعیف روایت پر فتویٰ دیدیا (جسکی وجہ سے لوگ فتنہ میں پڑ گئے) یا کسی ایسے قول کو عوام میں نقل کر دیا کہ جانتا ہے کہ لوگ اسپر عمل نہ کر سکیں گے بلکہ اسکا انکار کر دیں گے یا اس بات کی وجہ سے کسی اور طاعت کو ترک کر دیں گے تو ایسوں کے سامنے ایسی بات بیان کرنا بھی انکو مفتون ہی کرنا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے دیہاتیوں، کم علموں، جاہلوں، یا بوڑھی عورتوں یا باندیوں سے یہ کہا کہ بلا تجوید کے (یعنی حروف کو مخارج سے ادا کئے اور غنہ اور اخفاء وغیرہ کئے بغیر) نماز صحیح نہیں ہوتی حالانکہ یہ لوگ ظاہر ہے کہ اس تجوید سے متصف نہیں ہونگے اور نہ انکو حاصل کرنے کی ہمت ہوگی تو (وہ لوگ یہ سمجھکر کہ نہ تو ہم تجوید سے پڑھ سکتے اور نہ بقول مولوی صاحب بدون تجوید کے نماز ہی ہوتی ہے تو نماز پڑھنے سے

فائدہ؟ یہ خیال کرکے) بالکل نماز ہی پڑھنا چھوڑ دیں گے حالانکہ بعض علماء کا اسپر
ہی ہے کہ (قواعد تجوید ضروری تو ہے مگر اسکے خلاف ادا کرنے والے کی بھی)
نماز صحیح ہوجاتی ہے (بالخصوص ایسے معذور قسم کے لوگ جو اوپر مذکور ہوئے) اور
یہ جواز کا قول ضعیف ہے تاہم ہے تو پس اسپر ہی عمل کرلینا ترک نماز سے تو بہرحال
بہتر ہی ہے (اور ان صاحب کے کہنے سے لوگوں نے نماز ہی ترک کردیا تھا جو مناسب
تھا یہی انکا مفتون ہوتا تھا) اسی لئے واعظوں اور مفتیوں (اور اہل تبلیغ) پر
لازم ہے کہ رد اور قبول سعی اور کسل وغیرہ کے باب میں پہلے لوگوں کے احوال اور
ان کی عبادات سے واقفیت حاصل کریں تب ان سے کوئی بات کہیں اور اس
امر کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ ان سے وہی بات کہیں جو ان کے لئے اصلح بھی ہو
اور اوفق بھی ہو یعنی زیادہ مناسب حال ہو اور آسان ہو تاکہ اُن کا کلام اِن کے
حق میں فتنہ نہ بن جائے اور یہی حال امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی ہے کہ
کبھی اسی نوع کی بے اصولی کے سبب امر یا نہی سبب زیادتی منکر ہوجاتی ہے
یا کسی دوسرے کے حق میں ضرر رساں ثابت ہو جاتی ہے پس نیکی برباد گناہ لازم
کا مصداق بن جاتی ہے۔ ہاں اگر یہ سمجھتا ہے کہ بعض لوگ اس مجمع سے اسکی
دعوت اور بات کو قبول کریں گے اور اس پر عمل کریں گے اگرچہ وہ کم ہی ہوں
یا ایسا کرنے سے خود اسی کو کچھ تکلیف ہوسکتی ہے دوسرے کسی کو نہیں ہوگی
اور اسے جو ہوگی وہ اسپر صبر کرلیگا تو ایسے شخص کیلئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ (انشاء اللہ تعالیٰ) اسکو اس میں جہاد کا ثواب
ملے گا۔ بس انہی امور پر اور دیگر مواقع میں اسکے فتنہ بننے نہ ہونے کو قیاس کرو
اور (فتنہ سے خود بھی بچو اور دوسروں کو بھی بچاؤ اور) حق تعالیٰ کے اس ارشاد
وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ کو (یعنی فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت چیز ہے) فتنہ کی
شناعت میں اپنے لئے کافی جانو (یعنی مومن کا قتل گناہ کبیرہ ہے اور حق تعالیٰ
نے فتنہ کو اس سے بھی اشد فرمایا ہے تو اسکی جیسی کچھ قباحت ہوگی ظاہر ہے۔ ونعوذ باللہ

من الفتن ما ظہر وما بطن) ۔ (ہم اللہ تعالیٰ سے ظاہری اور باطنی ہر قسم کے فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں)

۲۲۔ مداہنت کسے کہتے ہیں ؟

فرمایا کہ ـــــ طریقہ محمدیہ ہی میں دیکھا کہ مداہنت اس سستی اور ضعف کا نام ہے جو کسی دینی امر میں انسان سے ظاہر ہو شلاً معاصی اور مناہی (گناہ اور ممانعت کے کام) کو دیکھکر بدون کسی ضرر کا اندیشہ کرتے ہوئے اور اسکو دفع کرنے کی قدرت رکھتے ہوئے بھی اسکے منع کرنے سے سکوت اور چشم پوشی اختیار کرلینا یہ مداہنت فی الدین ہے اور) حرام ہے ۔ چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حق بات کہنے سے سکوت اختیار کرنے والا گویا گونگا شیطان ہے ۔

پھر یہ سمجھو کہ مداہنت کی ضد ہے صلابت اور تصلب فی الدین یعنے دین کے کاموں میں پختگی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنیوالے ہیں اور اس سلسلہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حق بات کہو اگرچہ وہ (لوگوں کو) کڑوی لگے ۔ ہاں اگر اسکا سکوت اس سبب سے ہے کہ اسپنے سے یا کسی غیر سے کوئی ضرر دفع کرنا مقصود ہے تو یہ مداہنت نہیں ہے مدارات ہے جو کہ نہ صرف یہ کہ جائز ہی ہے بلکہ بعض مواقع پر مستحب بھی ہے یعنی بہتر اور مناسب ہے ۔

(طریقہ محمدیہ ص۱۶۲)

۲۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا مسلک کیا تھا؟

فرمایا کہ ـــــ خیر کثیر کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی بعض عبارتوں سے جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ مذاہب اربعہ میں سے مسلک شوافع کو ترجیح دیتے تھے تو یہ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ حضرت محدث دہلویؒ نے خود ہی

بعض تالیفات میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ کسی مذہب کے حق ہونے کا میرے نزدیک دو مطلب ہوا کرتا ہے، ایک تو یہ کہ وہ مذہب نصوص قرآنیہ اور اور احادیثیہ کے ظاہر کے مطابق ہے اور دوسرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ مذہب معانیٔ نصوص اور اسکے بیان سے شارع کا جو مقصود ہے اسکے مطابق ہے۔ سو جہاں کہیں بھی آپ نے امام شافعیؒ کے مسلک کو حق فرمایا ہے تو وہ معنیٔ اول کی رو سے ہے (یعنی یہ مذہب ظواہر نصوص کے مطابق ہے) اور جس بیان سے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی حقانیت ظاہر ہوتی ہے وہ باعتبار ثانی معنی کے ہے (یعنی یہ مذہب نصوص کے بواطن اور شارع کے مقصد کے عین مطابق ہے) واللہ تعالیٰ اعلم۔

چنانچہ مشرب حنفیہ کے حق ہونے پر تو خود انکی اپنی تحریر بھی موجود ہے جس میں آپ نے اپنا اسی مسلک پر ہونا بیان فرمایا ہے ایک مقام پہ لکھتے ہیں کہ :-

کتبہ بیدہ الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم الودود ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود، عفا اللہ عنہ وعنہم والحقہ وایاہم باسلافہم الصالحین العمری نسباً الدہلوی وطناً الاشعری عقیدۃً الصوفی طریقۃً الحنفی عملاً والحنفی والشافعی تدریساً۔ خادم التفسیر والحدیث والفقہ والعربیۃ والکلام ولہ فی کل ذلک تصانیف والحمد للہ اولاً و اخراً وظاہراً وباطناً ذی الجلال والاکرام

(مقدمہ خیر کثیر ص)

اس تحریر کو خود اپنے ہاتھ سے لکھا اس احقر نے جو کہ اللہ کریم و ودود کی رحمت کا محتاج اور طلبگار ہے جسکا نام ولی اللہ احمد بن عبدالکریم بن وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود ہے — اللہ پاک اسکی اور ان سب کی مغفرت فرما دے اور اسکو اور ان سبکو اپنے صالح اسلاف کے زمرہ میں شامل فرما دے۔ (وہ ولی اللہ جو کہ) نسب کے اعتبار سے فاروقی ہے، وطن کے رو سے دہلوی ہے، عقیدۃً اشعری ہے، مشرباً صوفی ہے، عملاً اور مسلکاً حنفی ہے درساً و تدریساً (یعنی تعلیم و تعلّم کے اعتبار سے) حنفیت اور شافعیت کا جامع ہے، اور علم تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور علم کلام کا خادم ہے اور اسکی ان جملہ علوم و فنون میں متعدد تصانیف ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے اول بھی اور آخر بھی ظاہراً بھی اور باطناً بھی جو کہ عظمت جلال اور اکرام و بخشش والا ہے۔

۲۴۔ بعض اسچ بھی قبیح اور مذموم ہوتا ہے

فرمایا کہ۔ طریقہ محمدیہ میں ہے کہ کسی حکیم سے پوچھا گیا کہ وہ سچ جو برا ہوتا ہے کون سا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ انسان کا خود اپنی واقعی تعریف کرنا یہ سچ صحیح ہونے کے بعد بھی قبیح ہے) ہاں اگر اسکی نیت اس کہنے سے تحدیث بالنعمۃ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت جو اسکے اوپر ہے اسکا اظہار مقصود ہو علم و عمل میں اپنی حیثیت اور اپنا مقام اسلئے ظاہر کرنا ہو تاکہ لوگ اس سے علم یا عمل حاصل کریں اور اسکو عالم جانکر اتباع کریں یا عظمت و احترام جو کہ اس کا شرعی حق ہے اسکو لوگ ادا کریں کیونکہ حدیث میں آتا ہے من لم یبجل عالمنا فلیس منا جس نے ہمارے علماء کی توقیر نہ کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔) یا اس سے متعارف ہوکر لوگ اسکی مدد کریں اور اسکو ظلم وغیرہ سے بچائیں یا اسی طرح کے اور جائز مقاصد کی بنا پر اپنی تعریف کر سکتا ہے جبکی حیثیت زیادہ سے زیادہ تعارف کی ہو اپنا تزکیہ اور اپنے اوپر فخر کرنا مطلوب نہ ہو (یہ صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں یعنی یہاں تعریف قبیح نہیں ہے)

۲۵۔ منہ پر تعریف کرنیوالے کے منہ میں خاک جھونکنے کا مطلب

فرمایا کہ۔ مجمع البحار میں ہے کہ حدیث شریف میں یہ جو آتا ہے کہ منہ پر تعریف کرنے والوں کے منہ میں خاک ڈالدو تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اسکی بات کی تردید کردو یا اسکو خائب و خاسر کردو (یعنی اس پر اسے انعام وغیرہ نہ دو) یا واقعی منہ میں خاک ڈالنے کو فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت مقدادؓ اسکو ظاہر ہی پر محمول فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ حضرت عثمانؓ نے انکی تعریف کرنے والے کے منہ پر خاک ڈالدی تھی۔

باقی یہ صحیح ہے کہ مراد یہاں وہ مادح ہے جس نے لوگوں کی تعریف کرنیکو

اپنی عادت اور پیشہ بنا لیا ہو یعنی تعریف کر کر کے ممدوحین سے انعام لیا اس کی کمائی ہو گئی ہو۔ لیکن جو شخص کہ لوگوں کی انکے کسی فعل حسن کی بنا پر تعریف کر دے یا کسی عمدہ بات ہی کی تحسین کر دے تاکہ اور دوسرے لوگوں کو اس کی جانب ترغیب ہو تو یہ شخص مذکورہ بالا مداحین میں سے نہیں شمار ہوگا۔ اور اسکا یہ فعل مذموم نہ ہوگا۔

(مجمع البحار $\frac{136}{12}$)

۲۵۔ نماز تہجد کا ابتدائی وقت

فرمایا کہ — تہجد کے اول وقت کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے اپنے فتاوے میں لکھا ہے کہ اول وقت تہجد کے متعلق حضرات صحابہؓ کے زمانہ ہی سے اختلاف چلا آرہا ہے تمام روایات کو دیکھنے کے بعد جو مسئلہ منقح ہوا وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عکرمہؓ وغیرہ کا مذہب یہ معلوم ہوا کہ تہجد کا اول وقت بعد عشار سو کر اٹھنے کے بعد سے شروع ہو جاتا ہے اور دلیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش فرماتے ہیں کہ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ (اور کسیقدر رات کے حصے میں سو اسمیں تہجد پڑھا کیجئے) اور تہجد فقہ میں کہتے ہیں اسوقت نیند کے ترک کرنے کو جو وقت عادۃً سونے کا ہو لیکن انکے مذہب پر یہ اشکال لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص ساری رات جاگے اور مطلقاً نہ سوئے تو اسس پر سو کر اٹھنا کہاں صادق آیا تو گویا اُسے تہجد کا وقت میسر ہی نہ آئے گا۔ اہل توجیہ نے ان حضرات کے قول کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ مطلب بعد النوم کا یہ ہے خواہ سو کر اٹھے یا نہ سویا ہو لیکن وہ وقت ایسا ہو جسمیں عادۃً سویا ہی جاتا ہو (تو وہ وقت تہجد ہو جائے گا) باقی عمدہ استدلال ان حضرات کا حدیث عائشہؓ سے ہے آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب کے تمام ہی اوقات میں وتر پڑھی ہے یہانتک کہ اختتام آپؐ کے وتر کا سحر کے وقت ہوا ہے۔ لیکن علمار نے فرمایا ہے کہ اسمیں وتر سے نماز تہجد نہیں مراد ہے (یعنی روایت کا یہ مطلب نہیں کہ آپؐ نے

ساری رات نفل نماز (تہجد) پڑھی اور سحر کے قریب وتر پڑھکر اس سلسلہ کو ختم فرمایا بلکہ یہاں وتر حقیقی مراد ہے کہ اسکا وقت نماز عشاء کے بعد سے لیکر ساری رات ہے سحر تک (جب چاہے آدمی اسکو پڑھ لے) اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔

پس اکثر صحابہؓ اور ائمہ کا مختار مذہب جس پر کہ سالکین طریق عبادات کا بھی عمل ہے یہ ہے کہ ـــ اول وقت تہجد نصف شب کے بعد ہوتا ہے خواہ اس سے پہلے انسان کچھ سو چکا ہو یا نہ سویا ہو۔ اور اکثر احادیث جنمیں اس وقت کی فضیلت کا ذکر ہے اس سے بھی اشارۃً اسی نماز کے وقت کا بیان نکلتا ہے مثلاً آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ کس وقت دعاء کرنا بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ آخر شب کے وسط میں۔ نیز مسئلہ ہے کہ عشاء کی نماز آدھی رات تک مؤخر کرنا بلا کراہت جائز ہے اور اس پر سب کا اتفاق بھی ہے۔ اور نماز تہجد عشاء کے تابع نہیں ہے اس پر بھی اجماع ہے تو اس سے نکلا کہ تہجد کا اول وقت وہ ہو جہاں سے عشاء مکروہ ہو جاتی ہے اور وہ نصف شب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ عزیزی ص۴۱ ج ۲)

۲۶۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا مجوزہ نصاب عربی

فرمایا کہ ـــ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے تفہیمات میں طلبہ کیلئے ایک دینی نصاب مرتب فرمایا ہے اور اسکی تحسین وتاکید بھی فرمائی ہے اور اسکو مجرب بھی فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ فرماتے ہیں کہ طریقہ تعلیم جیسا کہ تجربہ سے بھی صحیح اور مفید ثابت ہوا یہ ہو کہ پہلے صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں طلبہ کو پڑھائی جائیں اس طرح سے کہ ہر فن کی تین تین چار چار کتابیں ہوں جیسا طالبعلم کا ذہن ہو اسکے بعد دو کتابیں تاریخ یا فلسفہ کی جو عربی میں ہوں پڑھائیں اور ان کتابوں کے اسباق کے دوران کتب لغات سے لغت نکالنے اور مشکل الفاظ کی وقت کو

مثلاً تعلیل، ترکیب یا حل معنی کر) اسکے اصل مقامات سے حل کرنے کی مشق کرائیں
اس طرح سے جب (صرف و نحو اور ادب و لغت جاننے کے بعد) زبان عربی
اسکو دسترس ہو جائے تو یحییٰ بن یحییٰ کی روایت والی موطا (مالک) اسکو
پڑھائیں اور خبردار اس کتاب کو ہرگز نہ چھوڑیں کہ یہی کتاب علم حدیث کی اصل
(اور علم حدیث ہی گویا مخزن العلوم ہے) اسکو پڑھنے سے بہت ہی فیض ہوتا
چنانچہ الحمدللہ ہمیں بھی اسکی مسلسل سماعت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اسکے بعد
قرآن شریف کا درس اس طرح سے دیں کہ صرف آیات قرآنیہ بلا ترجمہ و تفسیر
(معری کلام اللہ سے) پڑھائیں اور آیت میں (صرف و) نحو کے اعتبار سے
یا شان نزول کی رو سے جو مشکلات یا تفصیلات ہوں انکیں زبانی ان سے بیان
کر دیں۔ اسکے بعد جتنی مقدار ترجمہ پڑھا گیا ہے اتنی ہی تفسیر جلالین سے پڑھاؤ
اس طرح سے قرآن شریف پڑھنے میں بیشمار فوائد ہیں۔ اسکے بعد پھر کسی ایک وقت
صحیحین یا دیگر کتب حدیث میں سے کوئی ایک کتاب پڑھائیں اور فقہ و عقائد او
سلوک (تصوف) کا بھی ایک ایک سبق رکھیں۔ اور دوسرے وقت میں کوئی
عقل و دانش یعنی استعداد بڑھانے والی کتاب مثلاً شرح ملا جامی اور قطبی
وغیرہ پڑھیں پھر خدا جتنا موقع عطا فرمائے تحصیل علوم میں اضافہ فرماتے رہیں
اور اگر ایسا ممکن ہو سکے کہ ایک دن مشکوٰۃ شریف کا سبق ہو جائے اور ایک دن
اسی کے بقدر طیبی شرح مشکوٰۃ پڑھا دیں تو سبحان اللہ کیا کہنا انشاء اللہ تعالیٰ
ایسا کرنا بہت ہی زیادہ نافع ہوگا۔

۲۷۔ فن تصوف کا اثبات اور لفظ تصوف کی تحقیق

فرمایا کہ — سوانح حیات مولانا الٰہ آبادی میں ہے کہ حدیث جبرئیل
میں ابتداءً تین سوال مذکور ہیں ما الاسلام؟ ما الایمان؟ ما الاحسان؟
جس سے یہ بات پوری طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ دین اسلام میں علاوہ ایمان

اور اعمال صالحہ کے کوئی دوسری چیز بھی ہے جو ان دونوں چیزوں کے علاوہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ احسان کا مرتبہ ایمان و اعمال کے بعد کا ہے جو ان دونوں چیزوں کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں اسکا وسیلہ پڑتی ہیں۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

"اسلام اشارت بفقہ است کہ متضمن بیان اعمال و احکام شرعیہ است و ایمان اشارت باعتقاد کہ مسائل اصول کلام اند و احسان اشارت باصل تصوف کہ عبارت از صدق توجہ الی اللہ است و جمیع معانی تصوف کہ مشائخ طریقت بآں اشارت کردہ اند راجع بہمیں معنی است و تصوف و کلام لازم یکدگر اند کہ ہیچ یکے بے دیگرے تمامی نپذیرد۔ چرا کہ کلام بے تصوف و تصوف بے کلام صورت نبندد زیرا کہ حکم الٰہی بے فقہ شناختہ نشود و فقہ بے تصوف تمام نشود۔ زیرا کہ عمل بے صدق توجہ نپذیرد و ہر دو بے ایمان صحیح نگردد۔ بر مثال روح و جسد کہ ہیچ کدام بے دیگرے وجود نگیرد و کمال نپذیرد و ازیں جا فرمود امام مالک رضی اللہ عنہ، مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَفَسَّقَ۔ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ ۔ (اشعۃ اللمعات)

(ترجمہ : یعنی اسلام سے اشارہ فقہ کی جانب ہے جو کہ اعمال اور احکام شرعیہ کے بیان کو متضمن ہے اور ایمان سے اشارہ اعتقاد کی جانب ہے جس میں علم کلام کے سب اصول آ گئے۔ اور احسان سے اشارہ اصل تصوف کی جانب ہے جسکا حاصل ہے صدق توجہ الی اللہ چنانچہ تصوف کے اندر جتنی باتیں کہ مشائخ طریقت نے بیان فرمائی ہیں ان سب کا مرجع اس معنی کی جانب ہے

اور تصوف و علم کلام باہم ایک دوسرے کو لازم بھی ہیں اس طور پر کہ ان میں سے ایک بدون دوسرے کے تکمیل کو نہیں پہونچتا۔ اور یہ اس لئے کہ تصوف بغیر کلام کے اور کلام بغیر تصوف کے حاصل ہی نہیں ہوتا، کیونکہ کسی امر کا حکم الٰہی ہونا بدون فقہ و مسائل کے جانے ہوئے نہیں معلوم ہو سکتا اسیطرح سے کوئی صرف عمل کر کے فقہ کا تقاضا پورا کرے اور اخلاص سے وہ عمل خالی ہو تو کس کام کا (ایسی نماز بھی تو منہ پہ ماری جائیگی) اور یہ عمل و خلوص (گویا فقہ اور تصوف) بدون ایمان کے صحیح نہ ہوں گے بالکل اسطرح جیسے روح و جسم کا حال ہے کہ انمیں سے کوئی ایک بدون دوسرے کے موجود ہی نہیں ہو سکتے اور کمال کو نہیں پہونچ سکتی (حاصل یہ) جس شخص نے تصوف اختیار کیا اور فقہ نہیں اختیار کیا تو وہ زندیق ہوا اور جس نے فقہ حاصل کیا اور تصوف کی جانب توجہ نہ دیا تو وہ فاسق ہوا اور جسنے دونوں کو (فقہ و تصوف کو) جمع کیا وہ البتہ محقق ہوا۔)

مذکورہ بالا عبارت سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ صوفیائے کرام کی تعلیمات کا ماخذ تعلیم اسلام ہے احسان کی جو تعریف شارع نے فرمائی صوفیائے کرام فن تصوف کی تعبیر بھی انھیں الفاظ میں کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن عطار فرماتے ہیں کہ التصوف ھوالاسترسال مع الحق تصوف اس چیز کا نام ہے کہ خدا بندہ کا ہو رہے یعنی اتنا قرب ہو کہ خدا کے علاوہ تمام چیزیں فنا ہو جائیں۔ صوفیائے کرام کی عبادتیں ہمیشہ اس طرح پر ہوتی ہیں کہ گویا واقعی رؤیت الٰہی کی کیفیت ان پر طاری ہو رہی ہے اور مشاہدۂ حق ہو رہا ہے۔

(سوانح مولانا الہ آبادی ص ۳۱۱)

لفظی تحقیق

بعض کی رائے ہے کہ تصوف کا لفظ جامد ہے۔ اور جن لوگوں نے مشتق مانا ہے ان میں سے بعضوں نے کہا ہے کہ صوفی صوفہ سے مشتق ہے صوفہ کہتے ہیں بھیڑ کے بال کو۔ بھیڑ کا بال نرم اور ایک حقیر بے قدر چیز ہے۔ نرمی

ایسی ہے کہ چاہے بٹ کر رسی بنا لیجئے چاہے بُن کر کمبل یا اور کوئی کپڑا تیار کر لیجئے بیقدر ایسا خصوصاً عرب کے ملک میں کہ یوں ہی تراشں کر پھینک دیتے ہیں صوفی بھی حق کے سامنے رام اور نرم اسکے ہر حکم کے لئے گردن جھکائے اپنی ساری قدر و منزلت کو اسکے آگے مٹائے رہتا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ صوف سے مشتق ہے صوف اونی کپڑے کو کہتے ہیں اس فرقہ کے لوگ سب نہیں تو اکثر صوف کا لباس پہنتے ہیں بیشتر کمبل پوش ہوتے ہیں۔

کسی نے کہا صوفی منسوب ہے صوفہ کیطرف صوفہ عرب میں ایک قبیلہ تھا بنی مضر کا جو کعبہ کی خدمت کیا کرتے تھے۔

کسی نے کہا کہ انکو صوفی اسلئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت حق کے نزدیک مقام قرب میں صف اول میں ہیں۔

(سوانح حیات شاہ محمد حسین الہ آبادیؒ ص۳۲۲)

۲۸۔ فقہ کی تعریف

فرمایا کہ — صاحب روح المعانی نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت کہ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (یعنی سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ انکی ہر ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (جہاد) جایا کرے تاکہ یہ باقی ماندہ لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں اور تاکہ یہ لوگ اپنی اس قوم کو جبکہ وہ انکے پاس واپس آویں ڈراویں تاکہ وہ ان سے دین کی باتیں سنکر برے کاموں سے احتیاط کریں) فرمایا ہے کہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ عصر اول میں فقہ نام تھا آخرت کے علم کا اور آفات نفوس اور مفسدات اعمال کے جاننے کا اور دنیا کی حقارت اور آخرت کی نعمت کے شوق اور اسکے انتظار کا اور قلب کے خوف سے لبریز ہونے کا چنانچہ اس پر یہی آیت دلالت کرتی ہے۔ اور جس چیز کے

ذریعہ انتشار اور تحریف کیجا سکے اسی کا نام فقہ ہے، باقی نفقہ طلاق، لعان، سلم اور اجاروں کی تعریف جان لینے کا (اور انکی جزئیات پر عبور ہو جانے کا نام نہیں ہے)

فرقد سبخی نے حضرت حسنؒ سے کوئی بات پوچھی انھوں نے جواب دیدیا اسپر حضرت فرقد سبخی بولے کہ فقہاء کی رائے تو آپ کے خلاف ہے یہ سنکر حضرت حسنؒ نے فرمایا کہ تو مرے اور تیری ماں تجھکو روئے (اہل عرب میں یہ کسی بات سے ناراضگی کا ایک انداز ہوتا تھا) تونے کسی فقیہ کو اپنی آنکھ سے دیکھا بھی ہے (انکی رائے اور بات تو الگ رہی) ارے سکین سن! فقیہ وہ شخص کہلاتا ہے جو دنیا سے زاہد، آخرت کا طالب اور راغب ہو اپنے دین پر بصیرت کے ساتھ واقف ہو، اپنے رب کی عبادت پر مداوم (دوام کرنے والا ہو) پرہیزگار ہو، مسلمان کی آبرو ریزی کرنے سے بچنے والا ہو، ان کے اموال کیجانب نظر اٹھانے سے بے پروا ہو اور جماعت مسلمین کا خیر خواہ ہو۔ (وہ ہے فقیہ تو دیکھو حضرت حسن نے فقیہ کی تعریف میں کہیں) یہ نہیں فرمایا کہ وہ جزئیات فقہ پر حاوی ہو اور مسائل فقہیہ کا محافظ ہو۔ (روح المعانی ص۲۴ ج ۱)

۲۹۔ طہارت کی اقسام

فرمایا کہ —— روح المعانی میں وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (اللہ تعالےٰ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتے ہیں) کے تحت لکھا ہے کہ حضرت سہلؒ سے منقول ہے کہ طہارت تین طرح کی ہوتی ہے ایک علم کی طہارت جہل سے۔ دوسرے ذکر کی طہارت نسیان سے۔ تیسرے طاعت اور عبادت کی طہارت معصیۃ اور گناہ سے۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ طہارت کی بہت سی قسمیں ہیں منجملہ اسکے ایک اسرار کی طہارت ہو خطرات سے، ایک ارواح کی طہارت ہے غفلات سے (غفلت کی جمع)، ایک قلوب کی طہارت ہے شہوات سے، ایک عقول کی طہارت ہے جہالات سے، ایک نفوس کی طہارت ہے کفریات سے۔ ایک بدن کی طہارت ہے زلات سے۔ اور سب سے آخر میں فرمایا کہ اور سب سے آخری اور کامل طہارت ہو اپنے اسرار اور بواطن کو اغیار (غیر اللہ) سے طاہر رکھنا۔ واللہ تعالیٰ حصول الہادی الی سواء السبیل۔ اللہ تعالیٰ ہی سیدھی راہ دکھانے والے ہیں۔ (روح ج۲ جلد ۱)

(مکتوب نمبر ۲۵)

حال : خدمت اقدس میں حاضری کیلئے طبیعت بیقرار ہے دعاء فرما دی جائے کہ جلد جلد نصیب ہو ۔ تحقیق : دعاء کرتا ہوں

حال : اور دعاء فرما دی جائے کہ اس مبارک ماہ کی نعمتوں سے اس گنہگار کو بھی حصہ مل جائے تحقیق : آمین ۔

حال : حضرت والا دو چار یوم گذرے ہونگے کہ شب میں ایک خواب دیکھا جو اپنی نوع کا نرالا اور بہت سی بشارتوں پر مشتمل معلوم ہوتا ہے اس لئے طبیعت بیساختہ عرض کرنے کو چاہتی ہے :۔

" دیکھا کہ حضرت والا کا دولت خانہ اوپر نیچے تمام خوب ہی سجا ہوا ہے طرح طرح کے زریں فرش وقالین اور قسم قسم کے ساز و سامان و پردوں سے مرصع ہے ۔ بالا خانہ پر تمام نہریں جاری ہیں اور نہروں کے دونوں کناروں پر پھولوں اور طرح طرح ہریالی روش در روش بنی ہوئی ہیں، غرض عجیب منظر ہے جو احاطہ بیان میں لانا دشوار ہو رہا ہے ۔

الغرض بالاخانہ کے دکھنی حصہ میں پورب جانب بھائی .... صاحب مع بال بچوں کے مقیم ہیں اور اسکے پچھم احقر مع بال بچوں کے مقیم ہے اور اسکے پچھم بھائی مبین صاحب مع بال بچوں کے مقیم ہیں اور اسکے بعد پچھمی حصہ میں ایک بہت بڑا ہال کمرہ اتر دکھن لمبا مہمان خانہ ہے اور اسکے بعد حضرت اقدس قیام فرما ہیں اور مجلس خوب جوش خروش سے ہو رہی ہے تمام مکان طالبین سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے طالب علم بہت سے ہیں اور افغانستان و ماوراء النہر کے مقتدر علماء بھی بکثرت شریک مجلس ہیں ۔

مجلس ارشاد ختم ہونے پر حضرت والا نے ہم خادموں کو حکم دیا کہ دسترخوان بچھاتے جاؤ ۔ دسترخوان لگا اور حضرت والا ان علماء افغانستان و قندھار و کابل

اور ما ورا النہر وغیرہ کو کھانا کھلا رہے ہیں اور ہم سب خادم ان لوگوں کی ضیافت وغیرہ کر رہے ہیں وہ علما۔ بڑے ذی علم اور بڑے درجہ کے لوگ معلوم ہوتے ہیں مگر سب کے سب حضرت اقدس کے قدموں میں نثار ہو رہے ہیں اور والہانہ پروانہ وار گر رہے ہیں اور طلب میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ایسے بے تکلف معلوم ہوتے ہیں جیسے بہت پرانے خادم وشاگرد۔ تعجب ہو رہا ہے کہ یہ لوگ تو کبھی اس کے پہلے یہاں نہیں دیکھے گئے، آخر کب کی ملاقات ہے۔

پھر معاً یہ خیال ہوا کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو حضرت والا کا نیاز تھانہ بھون میں ہوا ہے اور اسی وقت سے عقیدتمندوں میں سے ہیں اسلئے اتنے بے تکلف ہیں اور مخلص لوگ ہیں اسلئے حضرت والا پر بھی بے انتہا انشراح کی کیفیت ہے۔

الغرض کھانا کھانے کے بعد حضرت والا نے احقر کی جانب اشارہ فرمایا احقر نے ان لوگوں کا ہاتھ دھلایا۔ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ تم لوگ انکے راحت وآرام کا انتظام مہمان خانہ میں کرو اور برتن ان لوگوں کے میں (حضرت والا) خود دھوؤں گا۔ اول وہلہ میں ہم خادمین کو استعجاب ہوا کہ یہ خدمت بھی ہم ہی لوگ کرتے مگر معاً یہ خیال ہوا کہ میں یہ خواب دیکھ رہا ہوں اور اس برتن دھونے کی تعبیر یہ ہے کہ حضرت ان لوگوں کے قلوب کو اور ان کے قالب کو پاک وصاف کریں گے یہ مطلب ان کے برتن دھونے سے ہے غرض حضرت والا نے خود انکے برتنوں کو صاف فرمایا۔

اور وہ لوگ مہمان خانہ میں آرام کر رہے تھے کہ پھر وہ سب لوگ ظہر کی نماز اسی آرام خانہ ہی میں جماعت سے پڑھنے لگے مسجد نہیں گئے۔ اس پر سب لوگوں کو پھر تعجب ہونے لگا اور جس کے جی میں جو تاویل آتی ہے کرتا ہے اور حضرت والا سب کی گفتگو کھڑے خموش سن رہے ہیں اور وہ علما بھی ندامت سے سکتہ میں ہیں اتنے میں احقر نے کہا کہ بھائی آپ لوگ اذان نہ دینے پر کیوں تعجب کر رہے ہیں اذان الحی یکفینا (محلہ کی اذان ہمارے لئے بھی کافی ہے) اس جملہ پر وہ

کابلی مہمان خوشی سے کھل گئے اور مہمان خانہ کے دروازہ پر آگئے“، تو حضرت والا ان حضرات علماء سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں کہ یہ ۔۔۔۔ ۔۔۔ ہیں اس لئے دین کا انتظام انکے سپرد کیا جاتا ہے۔ احقر مارے شرم کے گڑ گیا۔

پھر کسی نے کہا کہ یہ نماز جوان لوگوں نے پڑھی ظہر کی تھی مگر وقت ظہر بھی ہوا ہے کہ نہیں بندہ نے کہا کہ انداز تو ہے کہ ہوگیا ہوگا گھڑی بھی دیکھ لو گھڑی دیکھنے کیلئے خود لپکا تو سوا بارہ سے زیادہ ہو چکا تھا احقر نے حضرت والا سے عرض کیا کہ جی ہاں وقت بھی ہو چکا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا میرا بھی یہی خیال تھا۔

حضرت والا گھڑی کا عجیب وغریب ہی نقشہ تھا بالکل سنہرے رنگ کی ایک بہت بڑی گھڑی پچھم رخ آرام خانہ میں آویزاں تھی اور اسکا ڈائل پلیٹ (سوئی جہاں گھومتی ہے) بلا مبالغہ ایک ایک گز لمبا چوڑا بالکل مربع تھا عجیب خوش رنگ وخوشنما منظر کہ بس دیکھتا ہی رہ جائے اور گھڑی کے سب سے اوپری حصے میں کلس کے اندر لکھا ہوا تھا ساعۃ مدینہ اور اسکے نیچے ڈائل پلیٹ پر ایک سطر میں لکھا تھا اصل قول لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور دوسری سطر میں لکھا تھا صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور پھر اسکے گرد جا بجا اسماء حسنیٰ مثل یا اللہ، یا رحمٰن، یا حافظ یا ناصر، یا عزیز یا مقتدر وغیرہ وغیرہ عجیب دیدہ زیب انداز میں لکھا ہوا تھا۔ پھر اسکے بعد آنکھ کھل گئی ـــ حضرت والا اگر مناسب ہو تو اسکی تعبیر سے بندہ کو بھی نوازا جائے۔

تحقیق: خواب کیا ہے یہ تو بیداری سے بڑھکر صریح ہے عیاناً اسکی تعبیر کا انتظار فرمائیے۔

حال: دعاء فرمائی جاوے کہ جلد حاضری خدمت نصیب ہو اور جلد جلد نصیب ہو۔ آمین

تحقیق: آمین

حال: اور مرضیات باری تعالیٰ پر عمل اور حسن خاتمہ نصیب ہو۔ تحقیق: آمین

(مکتوب نمبر ۲۵۲)

حال حضرت والا نے تاکید فرمایا ہے کہ بغیر اجازت صریح یہاں کوئی نہ آوے اسلئے عرض ہے کہ شرف باریابی کی اجازت مرحمت فرمائی جاوے۔ میں صرف اصلاح کی غرض سے آرہا ہوں دوسرا کوئی مقصد نہیں۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ والد محترم کے قلب کو حضرت کی طرف پھیر دے۔

تحقیق: تم نے یہاں آنے کی اجازت طلب کی ہے تو میں صاف کہدینا چاہتا ہوں کہ اب میں یہاں آگیا ہوں پہلی سی بات اب نہیں ہے کہ جو بھی چاہتا تھا اعتقاد ظاہر کرکے دھوکے سے کام نکالنے کی کوشش کرتا تھا چاہے دھوکہ چل نہ پاتا تھا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بمبئی کے قریب قریب سبھی لوگ الٰہ آباد کو مسافر خانہ بنائے ہوئے ہیں وطن جاتے وقت یا واپسی میں یہاں ٹھہر کر صرف رواروی کی ملاقات ہی کو اپنے ماننے کی سند مان لیتے ہیں اور دین کی راہ کی ایک کارگذاری سمجھ لیتے ہیں حالانکہ انکو کوئی نفع ہاتھ نہیں لگتا۔ لہٰذا میں نے ٹھان لیا ہے کہ یہاں صرف وہی آسکتا ہے جس کے اندر اخلاص ہو اور واقعی دین حاصل کرنے کیلئے تعلق قائم کرے۔ والد کے متعلق دعا کے لئے جو لکھا ہے تو تم خود ہی سمجھ رہے ہو کہ مجھ سے انکو کتنا تعلق ہے مخلص کے حق میں دعا قبول ہوتی ہے۔

(مکتوب نمبر ۲۵۳)

حال: غلام ناکارہ بہ دعا و توجہات حضرت والا بحمد اللہ بخیر و عافیت ہے امید کہ اپنی خیریات سے مطلع فرما کر شاد کام فرمایا جائے۔ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ بطفیل حضرت والا دامت برکاتہم و عمت فیوضہم اپنے راستہ پر لگا رکھا ہے اور اپنا تعلق نصیب فرمایا ہے اور اپنی محبت عطا فرمائی ہے۔ نیز اپنے سب

سے پیارے بندے ہمارے آقا و مولا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت و اطاعت کے جذبے سے دل کو مسرور فرما رکھا ہے۔ حضرت اقدس قبل والا خط جو روانہ کیا تھا ایمیں غلطی کی معافی کے بارے میں حضرت والا کو اطلاع کیا تھا، حضرت والا نے جواباً فرمایا تھا کہ تم نے اس خط میں جو غلطی کی ہے اسکو پہلے تم خود سمجھو پھر مجھکو اطلاع کرو۔ جواب پڑھتے ہی ایک قسم کا خوف طاری ہوگیا۔ حضرت میری معصیت نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ حضرت والا کے جوابات کے فیوض و برکات سے محروم رکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد تو دل میں بے حد خوشی ہوئی کہ حضرت والا نے ایسی دولت مرحمت فرمائی ہے جو اپنی اولاد کو نہیں دی اور دل میں فیوض و برکات کے جذبات گویا اور زیادہ بڑھ گئے اور حضرت والا کے توجہات کا اثر نظر آنے لگا۔

حضرت اقدس! جب خط میں کسی قسم کے ڈانٹ کا جواب آتا ہے تو بہت فائدہ نظر آتا ہے اور حق تعالےٰ کے دربار میں خوب روتا ہوں اور گریہ وزاری سے خوب دعا کرتا ہوں اور نماز و ذکر وغیرہ کو خوب مزہ لیکر پڑھتا ہوں اور دل میں ایک مسرت جیسی معلوم ہوتی رہتی ہے۔

غلطی کے بارے میں جو حضرت نے فرمایا تھا کہ پہلے خود سمجھو اسکے بعد مجھکو اطلاع کرو۔ حضرت اقدس! اس روسیاہ و ناکارہ کی سمجھ میں کیا پھر بھی جو سمجھ میں آیا ہے اس سے حضرت کو اطلاع کرتا ہوں ایک کہ میں نے بغیر حضرت سے اجازت لئے ہی اہلیہ کو سیدی و مرشدی حضرت مولانا شاہ .... صاحب دامت برکاتہم سے بیعت کروا دیا دوسرا یہ کہ میں نے اپنے بھتیجہ کیلئے خط کے کنارے پر تعویذ کیلئے لکھا انھیں دونوں کے بارے میں میں نے معافی طلب کی تھی۔

حضرت! قرآن پاک کے پہلے سیپارہ کا ترجمہ شروع کیا ہے۔ الحمد للہ کچھ کچھ خود بھی سمجھتا ہوں دعا کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ اور زیادہ سمجھ کی توفیق عطا کریں۔

تحقیق: آپ بھی بڑے ہوشیار آدمی ہیں کہ میں نے تو آپ سے ایک سوال کیا (جسکے بارے میں آپ نے لکھا ہے کہ جب ڈانٹ کا جواب آتا ہے تو بہت فائدہ ہوتا ہے) اور آپ نے اسکے جواب میں میری تعریف کرنی شروع کر دی اور مسلسل تعریف ہی کرتے چلے گئے مگر پھر بھی آپ نے آخر میں جو وجہ تحریر کی وہ صحیح نہیں ہے۔

اپنے ہی سلسلہ کے کسی بزرگ سے اگر آپ کے عزیز بیعت ہو جائینگے یا آپ کرا دیںگے تو میں اس سے خفا ہو جاؤں گا؟ سوچئے تو سہی یہ بات کس قسم کی طبیعت کا پتہ دیتی ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے شیخ کے متعلق ایسا خیال کرے تو کیا وہ شیخ کا معتقد ہے؟ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ ابتک اتنا نہ سمجھ سکے کہ اس سے میں خفا ہو جاؤں گا یا خوش ہونگا کہ میرا بار کم ہوا۔ لہٰذا پھر لکھتا ہوں کہ یہ جواب تو صحیح نہیں ہوا اب پھر سے غور کیجئے اور صحیح جواب مرحمت فرمائیے۔ والسلام۔

(مکتوب نمبر ۲۵۴)

حال: چند دن گزرے حضور اقدس میں ایک عریضہ ارسال کر چکا ہوں جب سے اپنی غلطی اور سخت نادانی پر تنبہ ہوا ہے خدا گواہ کہ دل کا عجب حال ہے پہلے کی ساری کیفیتیں ختم ہو گئی ہیں، پہلے ذکر کے وقت بہت انشراح ہوتا تھا مگر اب ہر وقت قبض اور انتشار کی کیفیت رہتی ہے کسی حال میں چین نہیں نہ عبادت میں مزہ ملتا ہے نہ کھانے پینے میں۔ دل کو یقین ہے کہ حضور ابتک اس ناکارہ سے ناراض ہیں اور اسی کا یہ سب وبال ہے یہ بھی یقین ہے کہ حضور

کی تنبیہ محض اس بدعملی اور نادانی کی اصلاح کیلئے ہے اور حاشا کہ ہرگز ہرگز سزا دینے یا تباہ حال بنانے کیلئے نہیں ہے لیکن اپنے اضطراب کو کیا کروں جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ حضور کا دل مجھ سے صاف ہوگیا اور میری نادانی معاف کردی گئی اسوقت تک ہرگز طبیعت کی پریشانی نہ جائیگی۔

تحقیق: میرا دل آپ سے صاف ہے یقین فرمائیے۔ نادانی ہوئی ہی نہیں مگر آپ کی خاطر سے لکھتا ہوں کہ معاف کردیا۔

حال: نہایت ادب کے ساتھ درخواست کرتا ہوں کہ حضور والا اس نادان خام کار کی غلطیاں اور بے ادبیاں معاف فرماکر للہ دستگیری فرمادیں۔

تحقیق۔ معاف کیا۔

حال: اس بدحال پر نظر شفقت رکھیں۔ تحقیق: ضرور

حال: تاکہ یہ ناکارہ بھی آپ کے وسیلہ سے پروردگار عالم کا تقرب اور آخرت کی سرخروئی حاصل کرسکے۔ تحقیق: آمین

حال: خدا شاہد ہے کہ جو نادانی سرزد ہوئی اس میں بھی نیت صرف یہی تھی کہ اس خاطی نے ایک مرتبہ حضور کو دیکھا تھا کہ بہت دنوں پہلے ۔۔۔۔ میں قیام کے زمانے میں وہاں مولانا ۔۔۔۔۔ صاحب تشریف لے گئے تھے اور حضور والا نے انکا بہت احترام فرمایا تھا دل کو یہ خیال ہوا کہ حضور کو جس کی عزت کرتے دیکھا ہے انکی عزت و احترام موجب خیر و برکت ہوگی۔

تحقیق، بہت اچھی نیت تھی بالکل صحیح ہے۔

حال: خدا کی قسم ان سے استفادہ کا تصور بھی نہ تھا اور نہ ہے۔

تحقیق: ایسا استفادہ جو آپنے لکھا ہے ہرگز برا نہیں ہر شخص کا ادب و احترام ضروری ہے۔ یہ مجھکو ناگوار ہی نہیں، مگر آپ غلبۂ حال میں دوسری طرف توجہ نہیں فرمارہے ہیں، پھر زبانی سمجھادونگا یا خود سمجھ میں آجائے گا۔

حال، خداوند کریم حضور کا سایہ ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھیں تحقیق۔ آمین"

ال : ناکارہ کے تصور میں بھی کسی اور بزرگ کی جانب روحانی میلان کا خیال تک نہ پیدا ہوا اور نہ انشاء اللہ کبھی ہوگا۔ میرے لئے حضور والا کی ذات گرامی سب سے بڑھکر ہے، بالخصوص جبکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسکی تصدیق فرمادی ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ غلام کسی کی جانب مائل ہو سکے خدا کی قسم اگر حضور اپنے دست مبارک سے اس خادم کے سر پر خدام حضور کے جوتے رکھواکر بھی الہ آباد میں تشہیر کرائیں تو واللہ یہ خادم اسے بخوشی قبول کریگا اور اس میں اپنی عزت سمجھے گا۔

یہ سچ ہے کہ ابتدائے امر میں اس غلام کو حضور والا کی جانب بحیثیت استاد میلان خاص تھا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے رشتۂ طریقت میں منسلک ہونے کا شوق تھا لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جب سے حضور والا نے اس خادم کو اپنی غلامی میں قبول فرمالیا اسوقت سے اس غلام کو کسی کی جانب کبھی تصور بھی پیدا نہ ہوا اب چاہے آپ سزا دیں یا معاف فرمادیں یہ غلام آپ کا ہے اور آپ ہی کا رہے گا۔

تحقیق : دل سے معاف ہے۔

حال : بعد عید حاضری کا قصد تھا لیکن حصول رخصت میں دقت ہو رہی ہے۔ بعض سرکاری کام جنھیں ماہ مئی کے اندر مکمل کرنا ضروری ہے انھیں کی وجہ سے تاخیر کا احتمال ہے۔ بہر حال اولین لمحات فرصت میں انشاء اللہ یہ غلام حاضر خدمت ہوگا۔ تحقیق : بہتر ہے۔

حال : چونکہ طویل فرصت حاصل کرکے حاضری کا ارادہ ہے اسلئے یہ تاخیر بھی برداشت کر رہا ہوں۔ تحقیق ۔ خیر ۔ حال : چند دنوں سے معتکف ہوں خدا سے دعا ہے کہ میرے حقیر اعمال کو شرف قبول بخشے ۔ تحقیق، آمین

حال : اہلیہ اور بچے سلام عرض کرتے ہیں اور دعاؤں کے طالب ہیں۔

تحقیق : سب کو سلام کہئے، دعا بھی کرتا ہوں۔

باقی سلاطین یا کمانڈر چونکہ فہیم اور دانشمند لوگ ہوا کرتے ہیں اس لئے حق اور صداقت واضح ہوجانے کے بعد پھر انکی طبعی شرافت ابا کرتی ہے کہ حق کے خلاف کوئی اقدام کریں اور عام رعایا یا سپاہی قسم کے افراد اپنی کم علمی اور کج فہمی، نفسانیت اور طبعی شرارت کے پیش نظر ایک گونہ کینہ اور الجھاؤ قائم ہی رکھتے ہیں اور کسی موقع کے منتظر رہتے ہیں اور جہاں اپنی گرفت ڈھیلی پائی نہیں کہ اپنے نفسانی تقاضے کا بروئے کار لانے کی سعی کرنے لگ جاتے ہیں چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ مولوی علیم اللہ صاحب کے ادھر آجانے کو قوم نے اپنی شکست فاش جانا اور سبھی اپنی ذلت محسوس کی اور سمجھانے بجھانے کے بعد بھی جب وہ نہ مانے تو بہت سے ان کے لوگ ان سے بھی دل ہی دل میں ناخوش رہنے لگے۔

اب وہ جس جماعت کے پیشوا ہیں وہ جماعت ہی ان سے ناراض ہے لوگوں کو اگر نیک مشورہ دیتے ہیں اور بھلائی کی راہ دکھاتے ہیں تو لوگ ان کی بات سننے کے لئے تیار نہیں اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اب یہ جماعت بلا امیر کے ہوکر شتر بے مہار ہوگئی اور اسکے افراد کسی ایسے رہبر کی تلاش میں رہنے لگے جس سے انکی مقصد برآری ہوسکے۔ جس طرح کہ ابتک تو اہل حق کی جماعت کے مدمقابل مولوی علیم اللہ صاحب رہے جنکو اب ہم رحمۃ اللہ علیہ کہتے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اسی طرح سے انکی مخالفت ختم ہوجانے کے بعد خلف من بعدھم خلف کے طور پر ایک دوسرے صاحب مدمقابل ہوئے جو کہ پولیس کی ملازمت سے الگ ہونے کے بعد فتحپور آئے تھے یہیں کے باشندے تھے اسلئے یہیں رہنے لگے پولیس میں رہا ہوا آدمی خاموش زندگی کب گوارا کرسکتا ہے اسکو تو کوئی نہ کوئی محاذ درکار ہے تاکہ اسکی افسری قائم رہے یعنی خود افسر ہوجائے اور سب لوگ اسکے ماتحت ہوکر رہیں، مذہبی خیالات سے اسی جماعت کے فرد تھے یہاں لیڈری کی جگہ بھی حسن اتفاق سے خالی تھی اس لئے اس جماعت نے اسکو اپنا لیڈر بنایا، دوسروں کے کندھے سے بندوق چلانا تو زمانۂ حال کا

مانا ہوا کمال ہے اب جو شخص اپنے مقابل جماعت سے لڑنے والا ملجائے تو لوگ اسکی کیوں نہ قدر کریں گے ؟ اب کیا تھا کہیں میلاد کیا جار ہا ہے کہیں کوئی اسکیم بن رہی ہے کہیں کسی کو تنہا پاکر اس پر آوازہ کسا جار ہا ہے اور چھیڑا جار ہا ہے کہیں الکشن کے میدان میں ذاتی انتقام کی کوشش کیجا رہی ہے غرضیکہ مختلف محاذ چھیڑ دیئے ، ادہر یہ سب ہو رہا تھا اور مخالفت اپنی انتہا پر تھی ، اور یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت والا نوراللہ مرقدہ کا کام بھی اپنے شباب پر تھا یہ صاحب جو یوپی سے آئے تھے حضرت مصلح الامۃؒ کے ایک خادم خاص کے حقیقی بھائی تھے ، اللہ کی شان ایک بھائی حضرت کا محب اور ایک بھائی حضرتؒ کا دشمن اور مخالف ۔ اور ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ بھی تھا ایک ہی جگہ رہتے سہتے تھے ۔ اب اندر اندر کھانڈر کو پاکر مخالفین جو اسکیم بناتے رہے ہوں اسکا صحیح علم تو خدا ہی کو ہے باقی حضرت اقدسؒ کے وہ خادم جو اُن لیڈر صاحب کے بھائی تھے وہ کبھی کبھی اپنے لوگوں سے اتنا بیان کرتے تھے کہ آجکل اُنکے بھائی کا دماغ بہت خراب ہو رہا ہے اور ہر وقت اُول فُول بکتا رہتا ہے ۔ حضرت اقدس کے علم میں بھی کبھی کبھی کچھ کچھ باتیں پہونچ جاتیں ورنہ عام طور سے تو لوگ ان سب باتوں کو چھپاتے ہی تھے کہ کہیں حضرت خفا نہ ہو جائیں اور بجائے ان لوگوں کے کچھ کہنے کے ہم ہی لوگوں کو اپنے یہاں سے نہ نکالدیں اور آنا جانا بند کر دیں (اور اس میں شک نہیں کہ یہ ایک بنیادی غلطی تھی جو اپنے لوگوں سے ہوئی کہ کسی فتنہ کا دفعیہ اسکے وقوع سے پہلے کرنے کی نہ تو خود صلاحیت تھی اور نہ حضرت اقدسؒ ہی کے علم میں اسکو لائے ورنہ شاید اس ہنگامہ کی نوبت ہی نہ آتی اور حضرت والا نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ معاملہ کو ختم فرما دیتے ، لیکن ما قدر اللہ کان خدا کو جو منظور تھا ویسے ہی اسکے اسباب ہوتے چلے گئے)

بات بالکل صحیح تھی اُدھر اسکے دماغ میں سرداری کا سودا سمایا ہوا تھا

اور اسکے ملنے کے کچھ آثار بھی اسکو دکھائی دے رہے تھے، ادھر حضرت اقدس کو اندرونی گفتگو اور باہم پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے واقعات سے ناواقف رکھا گیا اور مخالفین کے جو دوسرے فتنہ پرور لوگ تھے وہ بذریعہ غیبت وچغلخوری اسکے دماغ کو اور خراب کئے جارہے تھے یعنی چھوٹی چھوٹی باتیں اسکے بھائی کی جانب منسوب کرکے بھائی کی جانب سے اسکے خیالات خراب سے خراب تر کرتے چلے جارہے تھے، ان تمام حالات نے بالآخر اسکے دماغی توازن کو خراب کرکے رکھدیا یہاں تک کہ وہ اس پر آمادہ ہوگیا کہ گاؤں میں ایک بڑے پیمانہ پر فساد کرادے ایسے طور پر کہ اسکے لوگ تو محفوظ رہیں اور حضرت والا کے ماننے والے لوگ (اہل حق) پیٹے جائیں اور مجروح وزخمی ہوں، چنانچہ اسکے لئے ایک مستقل پلان تیار کیا گیا اور اپنی چالاکی اور اہل حق کی لاعلمی اور حالات سے ناواقفیت سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا اور وہ اسکی بنا پر بزعم خود کامیاب بھی رہا۔

رمضان شریف کے ایام تھے چھٹی یا ساتویں تراویح ہورہی تھی جدید مسجد کی توسیع ہوچکی تھی باہر سے آئے ہوئے سالکین اور طالبین کا خاصا مجمع رمضان گذارنے کے لئے حسب معمول خانقاہ آیا ہوا تھا گاؤں کے لوگوں میں سے جو حضرت اقدس ہی کے ساتھ تراویح ادا کرنا چاہتے تھے وہ موجود تھے اور کمانڈو صاحب کے بھائی صاحب بھی موجود تھے،

اس نے کیا یہ کہ گاؤں کے اندر ہر ہر موڑ پر اپنے آدمی لاٹھی وغیرہ کے ساتھ ہتھیار بند مقرر کردیئے اور اپنے بھائی کے گھر جاکر اسکی عورتوں اور بچوں کو مارنا اور زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کیا وہ سب بچے روتے ہوئے اور فریاد کرتے ہوئے مسجد کیجانب آئے کہ اپنے والد کو صورت حال سے مطلع کریں (یہاں ان لوگوں کو حالات کی رو سے اندیشہ تو تھا ہی) یہ سنتے ہی کہ فلاں شخص نے لاٹھی سے سب کو مارا ہے حضرت کے ان خادم کی حمایت میں انکے گھر کی طرف سے پہنچتے

بے تحاشا بھاگے اور جو جس طرف سے آگے بڑھا اُسکے آدمیوں نے اس پر حملہ کر دیا جسکی وجہ سے یہ لوگ جو مسجد سے گئے تھے زیادہ تعداد میں زخمی ہو گئے اور اصل ملزم فرار ہو گیا بعد میں گاؤں سے اور لوگ بھی جب پہونچے تو چند لوگوں کے سوا سب بھاگ چکے تھے۔ مسجد کے لوگوں نے حتیٰ کہ خود حضرت والا نے بھی فوراً نہ سمجھا کہ آخر یہ کیا قصہ ہے تاہم اجمالی خبر پاکر مولوی عبدالقیوم صاحب مرحوم کو بھیجا کہ آپ جاکے اور دوڑ کے اعلان کیجئے کہ اپنے سب لوگ واپس آجائیں۔ لوگ یہ سنکر واپس تو آگئے مگر اتنی دیر میں جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ یہ فساد تھا جو واقع ہوا حضرت والا اسی تصادم کو بچانا چاہتے تھے کیونکہ یہ حضرت اقدسؒ کے اتبک کے کام پر ایک قسم سے پانی پھیر دینے والا تھا مگر قد وقع ما یخاف ان یکون انا للہ وانا الیہ راجعون (جس بات سے ڈرتے تھے وہ واقع ہو کر رہی' انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ میری عام معلومات تھیں اب مقامی حضرات کا بیان سنیئے:۔

فتحپور کے بعض لوگوں سے معلوم ہوا کہ شمس الدین عرف سُڈیا نامی ایک شخص جو پولیس میں ملازم تھے ملازمت سے آکر جب وہ گھر پر رہنے لگے تو دوسرے لوگوں نے اسکو اپنی جماعت کا لیڈر (نیتا) بنالیا' اہل حق سے خود اسکو بھی مسلک کا اختلاف تو تھا ہی نیز انکے حقیقی بھائی شمس الحق عرف حقن حضرت والؒا کے خادم خاص تھے خانقاہ کے مہمانوں کے کھانے وغیرہ کا انتظام بھی ان سے رہتا تھا' اسلئے اکثر باہم ان میں تو تو مَیں مَیں رہا کرتی تھی، انھیں حالات میں الکشن کے اختلافات رونما ہوگئے، خود ہمارے حضرتؒ تو الکشن وغیرہ میں پڑتے ہی نہ تھے عام لوگوں کو ہدایت فرماتے کہ میں اختلاف اور فتنہ و فساد کو بالکل پسند نہیں کرتا بس اسکے بعد کسی کو کسی بات پر مجبور نہیں کرتا ہر شخص اپنی اپنی دنیوی مصلحت میں آزاد ہے جس کا جو جی چاہے کرے یعنی ووٹ دے یا نہ دے یا جسکو چاہے دے۔ چنانچہ

حضرت والا کے یہاں آنے جانے والے لوگ جن کی جانب تھے شمس الدین اسکے خلاف تھا اور اب معاملہ کریلا اور نیم چڑھا کا مصداق ہوگیا تھا ہروقت دینی بحث کے علاوہ دنیوی تخ تخ بھی لوگوں میں باہم ہونے لگی مزید برآں یہ ہوا کہ وہ شخص جسکی حمایت میں شمس الدین بھی تھا الکشن میں ہارگیا اور اسکی وجہ سے اسکا سابق غم وغصہ پوری جماعت ہی کی جانب سے کینہ بنکر اس کے دل میں اترگیا۔ چنانچہ رمضان شریف کا مہینہ آگیا اور ایک دن وہ قریب ہی کے کسی گاؤں میں گیا ہوا تھا ادھر حضرت والا گاؤں کے لوگوں میں اختلاف کی خلیج کو بڑھتے دیکھکر بستی کے معزز اور چودھری قسم کے لوگوں کے پاس کہلا رہے تھے کہ آپس کا اختلاف بہت بری چیز ہے آپ لوگ اپنے اپنے لوگوں کو سمجھائیں میں تو برابر سب ہی کو کہتا سنتا رہتا ہوں کہ سب لوگ مِل جُل کر رہیں جسکا جو مذہب ہو وہ اس پر رہے مگر باہم اتفاق واتحاد کے ساتھ سب کو رہنا چاہیئے۔

حضرت والاؒ کے اس پیغام پر سمجھدار لوگوں نے لبیک کہا اور قریب تھا کہ الکشن سے مکدر شدہ فضا درست ہوجائے کہ درمیان میں پھر شیطان نے فتنہ طرازی کی ایک نئی صورت پیدا کردی یعنی کسی نے شمس الدین سے وہاں جاکر جہاں وہ گیا ہوا تھا کہا کہ تمھارے خلاف گاؤں میں محاذ بنایا جارہا ہے اور تم کو مارنے کی سازشش کیجارہی ہے (یہ ہے فتنہ کہ صلح کی میٹنگ کو محاذ جنگ سے ظالم نے تعبیر کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔) یہ سنکر وہ چراغ پا ہوگیا اور وہیں سے گاؤں میں اپنے آدمیوں کے پاس کہلا بھیجا کہ سب مسلح ہوجاؤ میں بھی آرہا ہوں اور پھر شب میں عین تراویح کے وقت آکر وہ فتنہ برپا کیا جسکا ذکر پہلے آچکا ہے۔ بعض تحریرات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فتنہ ۱۹ اپریل ۱۹۵۶ء کو پیش آیا۔ واللہ اعلم۔

میں نے گاؤں کی فضا سمجھنے کے لئے ذرا تفصیل سے وہاں کی تاریخ بیان کردی ہے، باقی یہ جھگڑا جو ہوا تو اسوقت نہ تو کوئی دیوبندی بریلوی کا مسئلہ

تھا اور نہ مدرسہ سے متعلق کوئی بات تھی بلکہ نزاع کی ابتدا ر دونوں بھائیوں کا بھی معاملہ بنا تھا جن میں ایک حضرت والاؒ کے خادم تھے دوسرے صاحب دوسری جماعت سے متعلق تھے درمیان میں ریشہ دوانی کرنے والوں کو لڑانے کا موقع مل گیا اور اسکو دیوبندی اور بریلی کا جھگڑا بناکر شہرت دیدی اور ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے حضرت اقدسؒ کا بھی نام اس موقع پر لیا جانے لگا حالانکہ حضرت اقدسؒ کا نزاع سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ حضرت اقدسؒ کا مزاج اور مذاق تو یہ تھا کہ ؎

تو برائے وصل کردن آمدی نے برائے فصل کردن آمدی

بہرحال اپنے لوگوں کی اس نادانی اور ناسمجھی کیوجہ سے لوگوں کے بدنی اور مالی موجودہ پریشانی میں مبتلا ہوجانے کا رنج اور قلق حضرت اقدسؒ کو بھی بیحد ہوا چنانچہ اہل بستی سے سخت ناراض ہوئے اس پر کہ ان لوگوں نے ابتدائی حالات کو حضرت سے کیوں چھپایا؛ اور فرمایا کہ اس جرم میں نہ صرف اہل فتحپور بلکہ پوری برادری کو شریک سمجھتا ہوں لہٰذا سب سے میرا مواخذہ ہے اور میں سب سے ناراض ہوں۔

چنانچہ اس زمانہ میں حضرت والا نے مختلف لوگوں کے پاس جو تحریریں بھیجیں یا پیغام کہلایا حضرت اقدس کا جلال اور غصہ اس کے مضمون سے عیاں ہے، مثلاً برادری کے کسی چودھری کے پاس کچھ لکھوایا اس میں فرمایا کہ :-

"میں نے شروع میں بھی بیان کیا ہے کہ یہ معاملہ ووٹ سے شروع ہوا تھا اسلئے آخر میں پھر یہی کہتا ہوں کہ میں ایک دینی کام کر رہا ہوں (اصلاح و تربیت کا) مجھے اور میرے متعلقین کو دنیوی امور سے کوئی سروکار نہیں وہ آپ لوگ جانیں اور جو چاہے کریں، باقی کوئی صاحب مجھے اس میں شریک کریں نہ مجھ سے کوئی توقع رکھیں اب بات کو میں اخبار میں بھی دونگا تاکہ سب لوگوں کو حقیقت حال سے واقفیت ہوجائے" انتہی

ایک اور صاحب سے کچھ فرمانے کے بعد یوں جواب طلب فرمایا:۔
فرمایا کہ —— "رام لیلا کے موقع پر (بھی آپ لوگوں کی بے عقلی سے تنگ آکر) جب میں گاؤں سے چلا آیا تھا تو آپ لوگوں نے بہت رو گا کر کے مجھ سے وعدہ (اخلاص اور اخلاق وغیرہ اختیار کرنے کا) کر کے گھر چلنے کے لئے کہا تھا اور مجھکو لے گئے تھے۔ اس جماعت میں آپ بھی تھے اس لئے اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیوں مجھے لے گئے تھے؟ جب میں چلا ہی آیا تھا تو آپ کا مقصد حاصل تھا، پھر مجھے کیا اسی لئے لے آئے تھے کہ اس طرح سے میری مخالفت کرو اور مجھے بدنام کرنے کی کوشش کرو الخ اسکا جواب دو"

ایک اور صاحب کو تحریر فرمایا کہ:۔
"اس وقت دو باتیں اور کہتا ہوں ایک تو یہ کہ (اُس نے تھانہ میں جو بیان دیا ہے اس میں) میرے متعلق یہ لکھا دیا گیا تھا کہ —— "یہ با اثر شخص ہیں اور بہت سے اہل ثروت انکے مرید ہیں" —— اس چیز کو میرا عیب گردانا گیا۔ میں نے آجتک ایسا مقدمہ ہی نہیں دیکھا سنا کہ جسمیں کسی کی خوش حالی کو بھی اسکا نقص اور عیب شمار کیا گیا ہو۔ نیز یہ کہ میں تو فقیر نہیں ہوں مگر جو لوگ کہ حقیقی (بزرگ ہوئے ہیں) فقراء گذرے ہیں بہت سے ان میں ایسے بھی ہوئے ہیں کہ ظاہر میں مال و دولت میں بڑے بڑوں سے زیادہ شان وشوکت والے ہوئے ہیں (اس سے بھی معلوم ہوا کہ مریدوں کا یا خود پیر کا شان وشوکت والا ہونا اسکی دنیا طلبی کی بھی دلیل ہوا یا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مالدار ہو اور بزرگ ہو دنیا طلب نہیں سنا ہے کہ ؎

نہ مرد است آں کہ دنیا دوست دارد   اگر دارد برائے دوست دارد

(وہ انسان اللہ والا نہیں جو دنیا کو دوست رکھے ہاں اگر دنیا کو دوست، دوست کی خاطر رکھے تو خیر۔)

اصال باہر سے آنے والے طالبین میں گورکھپور کے مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم اور ان کے برادر خورد مولوی امجد اللہ صاحب مرحوم بھی موجود تھے

انھوں نے اور بعض حضرات سے مشورہ فرمایا اور باہم یہ طے ہوا کہ حضرت اقدسؒ کچھ دنوں کیلئے گورکھپور تشریف رکھیں، واقعہ کے دوسرے دن یا تیسرے دن کار منگوائی گئی اور حضرت والا ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر بجائے دولت خانہ پر تشریف لے جانے کے کار ہی میں بیٹھ گئے اور دونوں مولوی صاحبان گورکھپور والے بھی بیٹھے اور غالباً سیٹھ عبدالرب صاحب بھی ہمراہ ہوئے اور کار روانہ ہوگئی، اب تک کسی کو نہ معلوم ہو سکا کہ حضرت کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔؟ ہم لوگوں نے خیال کیا کہ شاید واقعہ سے ذہن متاثر ہے کہیں آس پاس تفریح طبع کے لئے گئے ہوں گے لیکن جب عصر میں بھی تشریف نہ لائے مغرب میں بھی نہ آئے حتیٰ کہ عشاء تک نہ واپس آئے تو اندازہ ہوا کہ خفا ہوکر کہیں دور چلے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ گھر کے اندر صاحبزادیوں کو اسکا صحیح علم شاید دوسرے دن ہو سکا۔

پھر اسکے بعد مولوی امجداللہ صاحب تشریف لائے اور حضرتؒ کے سب بچوں کو بھی گورکھپور لے گئے۔ اسکے بعد باہر سے آنے والے مہمان بھی ایک ایک کرکے واپس چلے گئے، صرف چند طلبہ اور چند طالبین خانقاہ میں رہ گئے چنانچہ تھوڑے عرصے کے بعد بقیہ طلبہ اور طالبین کو بھی حضرت والا نے گورکھپور ہی میں طلب فرمالیا، راقم الحروف بھی اسی آخری قسط میں تھا۔

رحلت از وطن

وطن کا یہ سانحہ بھی حق تعالیٰ کے ان ہی امور میں سے تھا جنکے متعلق فرمایا گیا ہے کہ عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ یعنی ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو اپنے لئے مضر سمجھو اور در اصل اس میں تمھارے لئے کوئی خیر پنہاں ہو اور بھلائی کا کوئی پہلو مضمر ہو چنانچہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایسا ہی ہوا۔

(باقی آئندہ)

۲۰۔ محبت کا انعام

از مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جب جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کی تشریف آوری سے کئی روز پہلے سے مشتاقانِ جمال، شہر سے نکل کر راستہ پر آ بیٹھتے تھے اور شام کو مایوسانہ واپس ہو جاتے۔ بہت انتظار اور بڑی آرزوؤں کے بعد جب آپ تشریف لائے تو وہ دن اہل مدینہ کے لئے عید ہو گیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینہ اضاء منہا کل شیٔ یعنی جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو آپ کے جمال سے مدینہ منورہ کی تمام چیزیں نورانی ہو گئیں بڑوں کے ساتھ بچے بھی خوشی منا رہے تھے اور لڑکیاں خوشی اور مبارکباد کے یہ سیدھے سادے گیت گا رہی تھیں

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاع

(ہم پر ثنیات الوداع کی گھاٹیوں سے چودھویں رات کا چاند طلوع ہوا لہٰذا ہم پر اس کا شکر واجب ہے جب تک اللہ تعالیٰ کو کوئی پکارنے والا پکارے)

لوگ ہر طرف سے آ رہے تھے اور زیارت کر رہے تھے، انصار میں سے ایک نوجوان طلحہ بن برا، حاضر خدمت ہوئے تو بے اختیار آپ کو لپٹے جاتے تھے اور آپ کے مبارک ہاتھوں کو خوب بوسے دیئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھے جس کام کو چاہیں ارشاد فرمائیں، میں ہرگز کسی بات میں بھی آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ جناب سرورِ عالم اس نوعمری میں انکی اس جرأت کو دیکھ کر ہنس پڑے اور بطور امتحان کے فرمایا کہ جاؤ اپنے والد برار کو قتل کر آؤ طلحہ تو تیار ہی کھڑے تھے اور انکی جاں نثاری کچھ زبانی تو تھی ہی نہیں فوراً تعمیل ارشاد کے لئے چلنے لگے جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرالیا اور فرمایا کہ یہ محض آزمائش تھی مجھکو اللہ تعالیٰ نے قطع رحم کے لئے مبعوث نہیں کیا (یعنی رشتہ داروں کے تعلقات قطع کرنے

اور صلہ رحمی کے خلاف معاملہ کرنے کے لئے مجھکو خدا تعالیٰ نے نہیں بھیجا۔

افسوس ہے کہ اس وفادار عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عمر نے وفا نہ کی جوانی ہی میں وعدہ آن پہنچا اور ایسے بیمار ہوئے کہ زندگی کی امید نہ رہی آخری وقت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو عجب حسرت کا وقت تھا' ایک وفادار خادم اور بے ریا مخلص بستر مرگ پر پڑا ہے اور دنیا سے رخصت ہونے کے لئے تیار ہے' سامنے جان و مال سے زیادہ پیارا سردار اور ماں باپ سے زیادہ شفیق مربی کھڑا صورت کو دیکھ رہا ہے حکم خداوندی سے کچھ چارا نہیں دیکھتا اور باچشم پرآب واپس ہوتا ہے۔

آپؐ نے ان سے علٰحدہ ہو کر بعض لوگوں سے فرمایا کہ طلحہ پر علامات موت ظاہر ہوگئے ہیں اب غالباً یہ زندہ نہیں رہیں گے جب انتقال ہو جائے تو مجھے اطلاع کر دینا تاکہ آکر نماز پڑھوں اور تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا کیونکہ مسلمان کی نعش کا گھر میں ڈالے رکھنا مناسب نہیں۔

بنی عمرو بن عوف کا یہ محلہ جس میں یہ انصاری بیمار تھے مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر مسجد قبا کے اطراف میں تھا اور راستے میں یہودی لوگ آباد تھے' آپؐ وصیت و نصیحت فرما کر دن ہی کو مدینہ منورہ واپس آگئے۔

جس طرح دن کا آخری حصہ جلد جلد گزر رہا تھا اسی طرح طلحہ بیمار کے آخری سانس ختم ہوتے جاتے تھے' رات ہوگئی اور طلحہ کا بالکل آخر وقت آگیا مگر واہ رے محبت نہ اپنے مرنے کا غم ہے نہ عزیز و اقارب کی دائمی مفارقت کا رنج' خیال ہے تو جناب سرور عالمؐ کا اور فکر ہے تو آپ کی حفاظت کی' مرنے سے پہلے ہوش آیا تو اپنے تیمارداروں کو بلا کر فرمایا کہ دیکھنا جب میں مر جاؤں تو تم لوگ خود ہی نماز جنازہ پڑھکر مجھے دفن کر دینا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع نہ کرنا رات کا وقت ہے جگہ دور ہے راستہ میں یہودیوں کے مکانات اور انکا زور ہے وہ ہر وقت ایذا رسانی کی فکر میں رہتے ہیں اور کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے

مبادا وہ اپنی شرارت سے کوئی سازش کریں اور میری وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی گزند پہونچے۔

مرنے کے بعد ایک سچے مسلمان کی اس سے بڑھکر کیا آرزو ہو سکتی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسکے جنازے پر آکھڑے ہوں، نماز پڑھاویں استغفار دعا کر کے اسکو گناہوں سے پاک کر کے جنت میں داخل کرا دیں، آپ کی نماز اور دعا سے قبر میں نور اور روح پر رحمت ہو لیکن عقلمند طلحہؓ نے اس اپنی دینی آرزو کا نہ ہونا گوارا کیا لیکن سید عالم صلی اللہ علیہ کی ذات مقدس کی حفاظت اور آپؐ کو خطرہ سے بچانے کا اسلامی فرض ادا کرنے میں کوتاہی نہ کی۔ کیوں نہو؟ آخر یہ بھی تو انہی انصار میں سے تھے جنکی مدح خود حق تعالیٰ نے اس طرح فرمائی ہے وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؎ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ طلحہ نے ذاتی فوائد پر قومی منافع کو ترجیح دی کیونکہ وجود باجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے لئے موجب ہدایت و برکت تھا اور تمام عالم کے لئے رحمت۔

انصار نے انکی نصیحت پر عمل کیا اور رات ہی کو طلحہ اس پہلی منزل میں پہونچ گئے جس میں آرام یا تکلیف کے ساتھ ہر شخص کو ٹھہرنا ہے اور جسکی راحت و تکلیف کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختصر اور جامع الفاظ نے اس طرح ظاہر فرما دیا ہے اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ (یعنی قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا) صبح کو اس محلہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طلحہؓ کی وصیت اور وفات اور تجہیز و تکفین کی اطلاع دی بقول شخصے سہ

آئے تھے تم کل جیسے بیمار ہجراں چھوڑ کر چلدیا وہ رات سب ہستی کا سامان چھوڑ کر

؎ مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ دوسروں کی مصلحت کو اپنی ذاتی ضرورتوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انکو کتنی ہی تکلیف اور دشواری پیش آوے۔ اگرچہ نزول اس آیت کا انصار کے ایک خاص گھرانے کی نسبت ہوا ہے لیکن مفہوم اسکا عام ہے اور تمام انصار کی صفات و مدح معلوم ہوتی ہے

طلحہ مرحوم کی وفات اور مخلصانہ خیر خواہی کا قلب مبارک پر بہت اثر ہوا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمراہ لیکر محلہ بنی عمرو میں تشریف لے گئے، تشریف آوری کی خبر سنکر حسب عادت بہت سے انصار جمع ہو گئے آپ انکی قبر پر تشریف لائے اور سب حاضرین صف باندھکر آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے اور آپنے دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے یہ وہ حالت تھی کہ طلحہ مرحوم کا بدن نہیں تو روح ضرور وجد کر رہی ہوگی۔ اس سے بڑھکر کیا خوش قسمتی ہوگی کہ دین و دنیا کا سردار دونوں ہاتھ اٹھائے قبر پر کھڑا ہے کامل الایمان مخلص مسلمان آمین کہنے کے لئے تیار ہیں، طلحہؓ کی جاں نثاری اور محبت وایثار علی النفس کا انعام ملنے والا ہے۔ آپ نے وہ دعا فرمائی جو آج تک کسی کے لئے نہیں فرمائی تھی اللھم الق طلحۃ وانت تضحك الیہ وھو یضحك الیك (اے خداوند طلحہؓ سے ایسی حالت میں ملیئے گا کہ آپ انکو دیکھکر خوش ہوں اور وہ آپکو دیکھکر[له])

یقین ہے کہ سید الانبیاء کی درخواست منظور ہوکر خوش نصیب طلحہؓ کو محبت کے صلہ اور انعام میں خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رضامندی کی وہ نعمت مل گئی ہوگی جس سے بڑھکر نہ دنیا میں کوئی دولت و راحت ہے اور نہ آخرت اور جنت میں ہم بھی اس دعا میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الصحابۃ اجمعین وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا سید الانبیآء والمرسلین (آمین)

۲۱۔ نیک بندوں کے وجود سے خلق اللہ کو نفع

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ (اگر اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی وجہ سے دوسرے لوگوں سے عذاب کو دفع نکرتا بلکہ ہر بدکاری

له۔ اللہ تعالیٰ ہنسنے رونے اور تمام حوادث وعوارض بشریہ وجسمانیہ سے پاک ہیں۔ بطریقہ مجاز مراد اس سے اعلیٰ درجہ کی رضا و خوشنودی کے ثمرات وفوائد ہیں۔ ۱۲

کی سزا دیتا تو سب زمین خراب ہو جاتی) ـــــ جس طرح دنیا میں اپنے ایک محبوب کی خاطر اسکے سیکڑوں متعلقین کی رعایتیں کیجاتی ہیں ؎

خورند از برائے گلے خار ہا　　برند از برائے دلے بار ہا

(ایک پھول کی خاطر بہت سے کانٹوں کی چبھن برداشت کرتے ہیں اور ایک کو خوش کرنے کیلئے بہت بار سہتے ہیں۔)

عادۃ اللہ بھی اس بارے میں یہی ہے ع مراعات صد کن برائے یکے

امام الحدیث والتفسیر ابن جریرؒ آیت مذکورہ کی تفسیر میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :ـــ

"اللہ تعالیٰ ایک مرد صالح کی برکت سے اسکے پڑوس میں سو گھرانوں سے بلا و عذاب کو دفع فرما دیتا ہے (ابن کثیر ص ج ۱)

حضرت ابن عمرؓ نے وہ حدیث نقل کرنے کے بعد یہ آیت پڑھی وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ ط ۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :ـــ

ان اللہ لیصلح بصلاح	بیشک حق تعالیٰ ایک (نیک) مسلمان کی برکت
الرجل المسلم ولدہ وولدہ واھل	سے اسکی اولاد اور اولاد کی اولاد کو اور اسکے سب گھروالوں
دویرہ ودویرات وحولہ ولایزالون	اور آس پاس کے گھروالوں کو درست کر دیتا ہے اور وہ
فی حفظ اللہ مادام فیھم (ابن کثیر ص)	ہمیشہ خدا تعالیٰ کی حفاظت میں رہتے ہیں۔

امام التفسیر ابن کثیرؒ نے یہ دونوں روایتیں نقل کرنے کے بعد اگرچہ انکی تضعیف کی ہے لیکن اول تو فضائل اعمال میں بحسب تصریح جمہور محدثین حدیث ضعیف مقبول ہے پھر تعدد طرق سے اس کے ضعف کی مکافات بھی ہو گئی ہے اور مضمون ان احادیث کا قرآن مجید کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دیندار اور نیک مسلمان کا وجود سب مسلمانوں کیلئے موجب برکات ہے خواہ ظاہر میں اس سے نفع حاصل کریں یا نہ کریں۔

۲۲۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ کا

مکتوبِ گرامی

رفعِ سبّابہ کی تحقیق اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کا جواب

حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے چند قلمی مکتوبات جو علوم شریعت و طریقت کے بیش بہا فوائد پر مشتمل ہیں احقر کو مرشد عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کے کتب خانہ سے حاصل ہوئے تھے جن پر حضرت کے قلم کا لکھا ہوا تھا "از ترکہ والد صاحب" آج ان میں سے ایک مکتوب اہل علم کے فائدے کے لئے لکھا جاتا ہے چونکہ مسئلہ علمی ہے عوام کو اسکی حاجت نہیں اسلئے حضرت مرزا صاحب ہی کے فارسی الفاظ میں درج کیا جاتا ہے اردو ترجمہ کی حاجت نہ سمجھی گئی عہ

(احقر محمد شفیع عفا عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند)

نوشتہ بودند کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ در مکتوبے از مکتوبات منع رفع سبابہ کردہ اند تو باوجود دعویٰ محبت بجناب ایشاں رفع سبابہ می کنی و محب را اتباع محبوب لازم است مخدوما سبحانہ جل شانہٗ اتباع کتاب و سنت

آپ نے لکھا تھا کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوبات میں سے (تشہد کے اندر) کلمہ کی انگلی کے اٹھانے کو منع فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ تم ان سے دعوائے محبت کرتے ہوئے (انکے طریقہ کے خلاف نماز میں) انگشت شہادت اٹھاتے ہو؟ حالانکہ ایک محب کو اپنے محبوب کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے تو مخدوم من سنو! اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب و سنت کا اتباع اپنے بندوں پر لازم کیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ یا اسکا رسولؐ

عہ لیکن احقر نے یہ خیال کرکے کہ "الانسان حریصٌ بما منع" انسان کو جس چیز سے روکا جاتا ہے وہ اسکا اور زیادہ مشتاق ہوجاتا ہے نیز حضرت کا یہ مضمون اپنے اندر ایک زبردست اصلاح بھی رکھتا تھا وہ یہ کہ اصل مطاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپکے ارشاد کے مقابلہ میں کسی کا قول واجب الاتباع نہیں ہے تمام علماء آپکے متبع اور پیرو ہیں، اسکا ترجمہ بھی کردیا۔ (راقم جامی)

بر عباد فرض گردانیدہ میفرمائید مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ و رسول علیہ السلام میفرمائید لایومن احدکم حتی یکون هواه تبعًا لما جئتُ به و حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کہ نائب کامل آنحضرت ﷺ اند فرمودہ کہ اسلاف فقیر خود را بر اتباع کتاب و سنت گذاشتہ اند و علماء بر اثبات رفع سبابہ و بر رد ترک آن کتب از احادیث صحیحہ و روایات فقہیہ حقیقیہ تصنیف کردہ اند تا بجائیکہ حضرت شاہ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرزند اصغر حضرت مجدد نیز دریں باب رسالہ تحریر نمودہ اند و در نفی رفع یک حدیث بہ ثبوت نرسیدہ و ترک رفع از جناب حضرت مجددؒ بنا بر اجتہاد واقع شدہ سنت محفوظا از نسخ بر اجتہاد مجتہد مقدم است و بعد ثبوت سنت رفع ترک آن بایں حجت کہ حضرت مجدد ترک فرمودہ اند معقول نیست و حضرت مجدد بر ترک سنت تحذیر کثیر فرمودہ اند و حضرت مجدد ہم مذہب حنفی داشتند و حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ گفتہ اند اذا ثبت الحدیث فھو مذھبی و اترکوا

جب کسی بات کا حکم فرما دیں تو اسکے بعد کسی مومن مرد کو یا کسی مومنہ عورت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس حکم کے خلاف اپنے جی سے جو چاہے کرے ـــــ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک اپنی خواہش کو میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نکردے ۔ اور (سنو) خود حضرت مجدد الف ثانیؒ جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کامل ہیں انھوں نے فرمایا ہے کہ ہمارے اسلاف نے اپنا طریقہ سنت ہی پر رکھا ہے ۔ نیز علماء نے انگلی کے اٹھانے کے اثبات پر اور ترک رفع کے رد پر احادیث صحیحہ اور روایات فقہیہ حقیقیہ کے حوالے سے کتابیں تصنیف فرمائی ہیں یہاں تک (تم سمجھے کہتے ہو) حضرت شاہ یحییٰؒ جو کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں انھوں نے بھی اس مسئلہ پر ایک رسالہ ہی تحریر فرما دیا ہے اور اور اسکے برخلاف نفی رفع کے ثبوت میں ایک حدیث بھی نہیں پیش کیجا سکتی ۔ باقی حضرت مجدد صاحبؒ نے جو رفع ترک فرمایا تو یہ صرف انکا اجتہاد تھا اور اصول ہے کہ جو سنت نسخ سے محفوظ ہو وہ اجتہاد مجتہد پر مقدم ہوا کرتی ہے اور جب رفع کا مسنون ہونا ثابت ہوگیا تو اب اسکا ترک ایسی چیز کی وجہ سے جس سے کہ حضرت مجدد نے ترک فرمایا ہے عقل کے بھی خلاف ہے (اور نقل کے بھی) اور یہ بھی دیکھو کہ حضرت مجدد صاحب خود کتنے بڑے متبع سنت تھے اور ترک سنت پر امت کو بہت ڈرایا دھمکایا ہے اور انکا مسلک بھی حنفی مسلک تھا اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا ہے کہ کسی مسئلہ میں جب کوئی حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا بھی مذہب ہے اور فرمایا ہے کہ میرے قول کو

قولی بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پس امید آنست کہ حضرت مجدد ترک این امر
اجتہادی واخذ باحادیث صحیح متغیر نشوند
واگر گویند کہ حضرت مجدد باآں علم واسع
از احادیث بہ ثبوت رفع چرا آگاہ نبودند
گویم تا زمانِ مبارک حضرت ایشاں
این کتب ورسائل در دیار ہند
شہرت نیافتہ بود واز نظر مبارک ایشاں
نگذشتہ و ترک نمودہ اند وگرنہ ہرگز
ترک رفع نمی فرمودند کہ ایشاں حریص
ترین از اکابر ایں امت بر اتباع سنت
بودہ اند واگر گویند عدم رضا حضرت
رسالت علیہ التحیۃ بایں عمل از کشف
دریافتہ ترک فرمودہ باشند گویم
کہ کشف در امور طریقت معتبر است
ودر احکام شریعت حجت نیست
مع ہذا درآں مکتوب احتجاج بکشف
نکردہ اند وامید آنست کہ ایں مخالفت
جزئی برعایت قاعدۂ کلی ایشاں کہ
بحد تمام ترغیب براتباعِ پیغمبر علیہ السلام
فرمودہ اند مثمر نتائج گردد۔

والسلام

قولِ رسولؐ کے مقابلہ میں ترک کردو (ان سب امور کی روشنی میں)
امید یہی ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ اپنے اس امر اجتہادی کے
ترک کرنے سے اور احادیث صحیحہ کے اختیار کرنے پر ہم سے
ناراض نہ ہونگے (بلکہ خوش ہی ہونگے)۔ اگر تم یہ کہو کہ حضرت مجدد صاحبؒ
باآں وسعتِ علمی جو آپ کو علم حدیث کے باب میں تھی رفع سبابہ
والی حدیث سے کیسے ناواقف رہ گئے تو ہم اسکے جواب میں
یہ کہیں گے کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے زمانۂ مبارک تک یہ
احادیث اور رسائل ہندوستان میں شہرت نہیں پائے ہوئے
تھیں اور حضرتؒ کی نظر مبارک سے نہیں گذری تھیں اسلئے آپنے
رفع کو ترک فرمایا ورنہ تو حضرتؒ جیسے متبع سنت حدیث پاکر
ہرگز ہرگز نہ ترکِ رفع فرماتے کیونکہ امت کے اکابر میں اتباع سنت کے
بارے میں آپکا مقام بلند تر شمار ہوتا تھا۔ اور اگر تم یہ کہو کہ شاید کہ
حضرت مجدد صاحبؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم رضا کو (اس
عمل کے کرنے پر) بذریعہ کشف معلوم کر لیا ہو اسلئے آپ ترکِ رفع فرماتے
رہے ہوں تو میں اسکے جواب میں یہ کہونگا کہ عزیز من! کشف کا اعتبار
طریقت کے امور میں تو کچھ ہو سکتا ہے لیکن شریعت میں تو اسکا کوئی درجہ
ہی نہیں ہے اور نہ یہ کوئی حجت یا دلیل ہے۔ باوجود اسکے یہ دیکھو کہ
حضرت مجدد صاحبؒ نے بھی اپنے اُس مکتوب میں اِس فعل پر اپنے کشف
سے استدلال نہیں فرمایا ہے۔ بہرحال امید ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ کے
محبین کی انسے یہ جزئی مخالفت حضرتؒ ہی کے بتلائے ہوئے ایک
کلی قاعدہ کی رعایت سے جو ہو رہی ہے وہ (انشاء اللہ تعالیٰ) مثمر برکات
واجر و ثواب ہوگی کیونکہ حضرتؒ نے اتباع سنت کی جس محنت و شفقت کے ساتھ
ترغیب دی ہے وہ اظہر من الشمس ہے (اور ہمارا یہ عمل بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے)

۱۵۔ اللہ تعالیٰ کی صفت کبریائی کے لحاظ رکھنے سے کل مفاسد کی اصلاح ہو جاتی ہے

وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اور اسی کے لئے ہے بڑائی سب آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے اور وہ ہر شئے پر غالب اور حکمت والا ہے) بس آیت میں حق سبحانہ تعالیٰ نے خاص اپنی ایک صفت بیان فرمائی ہے کہ اگر اسکو انسان نظر میں رکھے تو کل مفاسد اس سے الگ رہیں۔ خلاصہ اسکا معرفت تعلق انسانی ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ تعلق ان نسبتی ہے جو طرفین کو چاہتا ہے۔ ایک طرف حق تعالیٰ ایک طرف بندہ تو اس تعلق کے پہچاننے کا طریق دو معرفتوں کا جمع کرنا ہے، معرفت حق تعالیٰ کی اور معرفت اپنے نفس کی اور ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ تلازم بھی ہے۔ اگر حق تعالیٰ کو پہچان لیا جائے تو نفس کی پہچان ہو جائیگی اور اگر نفس کا علم ہو جائے تو معرفت حق تعالیٰ ہو جائیگی اسی واسطے کہا گیا ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) اور پہلی معرفت دوسری معرفت سے اسلئے اہم ہے کہ نفس تو حاضر ہے اور اللہ غائب اور غائب کا پہچاننا مشکل ہے حاضر سے۔ اس اہمیت کے سبب اس آیت میں اسی کی تعلیم کی گئی ہے کہ اس میں اپنی ایک صفت ذکر فرمائی کہ اس صفت سے پہچانیں اور وہ صفت کبریا ہے جو تمام صفات کے درجۂ کمال کو شامل ہے اور معنی اسکے بڑائی ہیں جسکو حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور جب یہ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے تو دوسرے میں نہونی چاہئے

۱۶۔ کبر تمام عیوب حتیٰ کہ کفر و شرک کی بھی جڑ ہے

اور جب یہ معرفت نہ رہیگی اور بندہ صفت کبریا کو اپنے اندر لینا چاہے گا تو جو کچھ بھی مفسدتیں اور عیوب پیدا ہوں کم ہیں اور واقع میں ایک یہی صفت کبر ہے کہ جڑ تمام مفاسد کی حتیٰ کی شرک کی دنیا میں جو کوئی بھی کافر ہوا ہے وہ کافر نہیں ہوا مگر اپنے نفس کے کبر سے ورنہ حق مخفی نہیں ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا

ظلم اور علو کو سبب فرمایا ہے جحد کا علو اور کبر ہم معنی ہیں۔ ابو طالب کو ایمان سے کس نے روکا؟ صرف عار نے۔ یوں کہا کہ مرتے وقت ایمان لاؤنگا تو قوم میری کہے گی کہ ابوطالب دوزخ سے ڈر گیا۔ اسکی حقیقت یہی تو ہے کہ جو رفعت قوم پر حاصل ہے وہ نہ رہیگی اس رفعت نے پیچھا نہ چھوڑا یہاں تک کہ کام تمام ہی کر دیا اور کبر کا وجود کسی ایک گروہ میں نہیں بلکہ یہ وہ عام مرض ہے کہ کم و بیش ہر طبقہ کے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور دوسرے عیوب میں تو اکثر جاہل لوگ پھنسے رہتے ہیں تعلیم یافتوں میں وہ عیب کم ہوتے ہیں کیونکہ وہ انکے برے نتائج کو جانتے ہیں لیکن اس میں جاہل عالم سب کم و بیش مبتلا ہیں۔ مشرکین عرب تو جاہل تھے اب اس گروہ کو دیکھئے جو تعلیم یافتہ کہلاتا تھا انکو بھی ایمان لانے میں جو عارج ہوا سو وہی کبر۔ اس مختصر بیان سے بقدر کفایت اسکی توضیح ہوگئی کہ کفر و شرک کا مبنیٰ ہمیشہ کبر ہے۔ اب غور کر کے دیکھئے تو یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ اور بہت سے معاصی کا مبنیٰ بھی کبر ہے جو کفر و شرک سے نیچے ہیں۔ ایسے گناہ کبر سے اس طرح ہوتے ہیں کہ گنہگار اپنے برے عمل کو صرف اس عار کی وجہ سے نہیں چھوڑتا کہ لوگ کہیں گے کہ کیا اتنے روز سے یہ احمق رہا اس کام کو ہمیشہ سے کیوں کرتا رہا جو اب چھوڑنا پڑا اس شخص نے عیب حماقت سے اپنے کو بچایا یہی کبر بڑا مرض ہے۔

تکبر کا علاج

اور علاج بالضد ہوا کرتا ہے۔ یہ مرض پیدا ہوا عدم معرفتِ کبریاءِ حق سے، تو علاج معرفت کبریاءِ حق ہوگا یعنی عظمت حق تعالیٰ کی۔ اسکو حق تعالیٰ نے آیت میں بلفظ حصر اپنے واسطے ثابت کیا ہے ولہ الکبریاء یعنی اسی کے واسطے عظمت ہے۔ بلاغت کے قاعدے سے لہٗ کو مقدم کرنے کا یہی مطلب ہے کہ عظمت مخصوص ہے ذات باری تعالیٰ کے ساتھ۔ یہ صفت دوسرے میں بالکل نہیں ہو سکتی۔ نیز یہ نہیں فرمایا کہ ولہ الکبریاء العظمیٰ کہ بڑی عظمت تو حق تعالیٰ کے لئے

اور چھوٹا موٹا کوئی حصہ اسکا دوسرے کے لئے بھی ثابت ہے بلکہ مطلق کبریا ر کو دوسرے سے نفی کر دیا اسی کو حدیث میں اس لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے العظمۃ ازاری والکبریاء ردائی فمن نازعنی فیہما قصمتہ یعنی عظمت میرا تہ بند ہے اور کبریا، میری چادر ہے جو کوئی ان دونوں کو مجھ سے چھیننا چاہے گا میں اسکی گردن توڑ دوں گا۔ چادر اور تہ بند فرمانا کنا یہ ہے خصوصیت سے معنی یہ ہوئے کہ دونوں صفتیں خاص ہیں میرے ساتھ دوسرا کوئی مدعی ہوگا تو میں اسکو سزا دوں گا۔ جب کبر حق ہوا باری تعالیٰ کا تو اپنے نفس میں اسکا رکھنا مساواۃ ہوئی باری تعالیٰ کے ساتھ دیگر معاصی کے تو حدود ہیں کہ جب تک ان تک نہ پہونچے معصیت نہیں ہوتی مثلاً کھانا کہ جب تک اتنا زیادہ نہ ہو کہ موجب ہو جائے مرض کا اس وقت تک مباح ہے یا بھوکا رہنا جب تک کہ سبب نہ ہو جائے ہلاکت کا جائز ہے۔ مگر کبر وہ معصیت ہے کہ اسکے لئے کوئی حد نہیں بلکہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کبر یعنی جس کے دل میں ذرہ کے برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا بلکہ ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ تشدد ہے اخرجوا من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان یعنی قیامت کے دن حکم ہوگا کہ جس کے دل میں ایک ذرہ بھر بھی ایمان ہے اسے دوزخ سے نکال لو اسے پہلی حدیث سے ملائیے تو کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ وہاں فرماتے ہیں کہ ایک ذرہ بھر بھی کبر جس کے دل میں ہے جنت میں نہ جائے گا یہاں فرماتے ہیں ایک ذرہ بھر بھی ایمان جس کے دل میں ہے جنت میں جائے گا۔ اس سے صاف یہ بات نکلتی ہے کہ ذرہ بھر کبر بھی جس کے دل میں ہے اس میں ذرہ بھر ایمان نہیں ہو سکتا اور ذرہ بھر ایمان جس دل میں ہے اس میں ذرہ بھر کبر نہیں ہو سکتا دونوں بالکل نقیضین ہیں گو اسکی توجیہ یہ ہے کہ جنت میں جانے کے وقت ذرہ بھر کبر نہ ہوگا، لیکن آخر سے بھی تو اس صفت کا مضاد ایمان کسی درجہ میں ہونا ثابت ہوا اب سمجھ لو کہ کبر کس قدر سخت معصیت ہے، اور ہونا چاہیے کیونکہ سب سے بڑا گناہ کفر ہے اور کبر خود

اسکی بھی اصل ہے اور کفر اسکی فرع تو مسلمان کو چاہیئے کہ غور کیا کرے کہ اُسکے دل میں کبر ہے یا نہیں مگر ہماری تو عادت ہوگئی ہے کہ سوچتے ہی نہیں ورنہ معلوم ہوجاتا کہ نہ دیندار ہمارے خالی ہیں کبر سے نہ دنیادار خالی ہیں کبر سے۔ جو دیندار کہلاتے ہیں وہ دین کے پیرایہ میں اس میں گرفتار ہیں اور جو دنیا دار ہیں انکو خبر نہیں کہ کبر کوئی چیز ہے یا نہیں۔ چنانچہ دیندار لوگ نماز پڑھتے ہیں اور اپنے آپ سمجھتے ہیں کہ ہم دنیاداروں سے اچھے ہیں۔ جتنی ترقی ان کو نماز پڑھنے سے ہوتی ہے اس سے زیادہ تنزل اس پندار سے ہوتا ہے۔ دین کے ساتھ ساتھ بدترین دنیا انکے قلب میں دنیں جگہ پکڑے ہوئے ہے اسکا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ نماز میں جب خرابی ہو تو انکو چاہیئے کہ نماز چھوڑ اصل خرابی یہ ہے کہ یہ خرابی نماز میں جب پیدا ہوتی ہے جبکہ حق تعالیٰ کی عظمت قلب میں نہ ہو اور جب عظمت ہو تو دوسری طرف توجہ ہی نہیں ہوسکتی بلکہ حق تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اپنی نماز سے بجائے اسکے کہ آدمی اترا وے الٹا شرمندہ ہوتا ہے۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ کسی بہت بڑے شہنشاہ کے حضور میں ایک نہایت ذلیل آدمی کوئی تحفہ بہت کم قیمت لیجائے دربار کی عظمت و شوکت دیکھکر اسکی کیا حالت ہوگی مختصر یہ ہے کہ اس ذلیل تحفہ کو پیش کرنے پر بھی اسکو قدرت ہوگی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور غنیمت سمجھیگا کہ کسی سزا کا حکم نہ ہو جائے جلدی کسی طرح سے یہاں سے نکل جاؤں۔ ہماری نمازوں کی جو حقیقت ہے وہ خوب معلوم ہے پھر اسکو حق تعالیٰ جیسے احکم الحاکمین کے سامنے پیش کرکے ذرا شرم بھی نہ آنا اسی وجہ سے ہے کہ عظمت و جلالِ حق تعالیٰ سے ہم نے قطع نظر کرلی ہے اور اسی سے یہ خرابی پیدا ہوئی کہ دوسری طرف توجہ ہوئی اور اپنی نماز کو کچھ سمجھکر دوسروں کو حقیر سمجھنے لگے اس تقریر سے بخوبی سمجھ میں آگیا ہوگا کہ نماز پڑھنے اور دین کے احکام بجالانے سے اگر دل میں کبر پیدا ہو تو اس کا علاج یہ نہیں کہ اس عمل کو چھوڑ دیا جائے بلکہ جو سبب ہے اسکو قطع کیا جائے۔

۱۸۔ تکبر کا سبب اور اسکا عموم اور غموض

سبب اس کبر کا تعمیل حکم دین نہیں ہے بلکہ عظمت الہٰی کا دل میں نہ ہونا ہے سو اسکو پیدا کرنا چاہیئے اس سے تعمیل حکم بھی ہوگی اور وہ خرابی جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہے وہ بھی نہ رہے گی، اس غلطی میں بہت سے لکھے پڑھے اور سمجھدار بھی مبتلا ہیں، خوب سمجھ لو۔ غرض ہمارے دیندار بھی کبر میں مبتلا ہیں اور دنیا دار بھی دنیا داروں میں اس طرح کا کبر تو نہیں ہے جو دینداروں میں ہے، ہاں دنیا داروں میں اور طریقے کبر کے ہیں۔ وضع میں، لباس میں، بیاہ شادی میں، کبر میں سب گناہوں سے بڑھکر ایک خرابی اور ہے وہ یہ کہ مسلمان خواہ کسی درجہ کا ہو مگر اس کے دل میں یہ بات ضروری ہے کہ جب کوئی گناہ ہو جائے کر تو گذرتا ہے کسی وجہ سے لیکن کر گذرنے کے بعد دل میں چوٹ ضرور لگتی ہے اور پشیمان ہوتا ہے، مگر کبر کہ یہ گناہ ساری عمر دل میں رہتا ہے اور دل پر صدمہ نہیں ہوتا۔

۱۹۔ غیبت وحسد وغیرہما جو کبر ہی سے پیدا ہوتے ہیں انکا چھوڑنا بھی معین فی العلاج ہے

تو ہر اس عمل کو جو کبر کی فرع ہو چھوڑ دو، جیسے غیبت، حسد وغیرہ۔ غیبت کوئی جب ہی کرتا ہے کہ جب اپنے آپ کو اس سے اچھا سمجھتا ہے جبکی غیبت کرتا ہے۔ کسی مریض کو ہنستا وہی شخص ہے جو خود تندرست ہو اور اگر اپنے آپ کو اس سے بھی زیادہ مریض پائے تو کہیں نہ دیکھا ہوگا کہ وہ اپنے سے کم مریض کو ہنستا ہو یہ اچھا سمجھنا ہی کبر ہے۔ علیٰ ہذا دوسرے کی نعمت کو دیکھکر جو آدمی جلتا ہے اسے حسد کہتے ہیں اسکی بنا بھی اس پر ہے کہ اس صاحب نعمت سے زیادہ اپنے آپ کو اس نعمت کا اہل سمجھتا ہے، یہ بھی اپنے نفس کی بڑائی ہے جسے کبر کہتے ہیں۔ غرض

اکثر گناہوں کو ٹٹولوگے تو بتا کبر ہی پاؤگے لہٰذا سب کو چھوڑ دو حتیٰ کہ معاصی کی اصل ہی دل سے نکل جائے کیونکہ بڑائی کو حق تعالےٰ نے اپنے ساتھ مخصوص فرمایا ہے کسی دوسرے کا اس میں حصہ نہیں تو جو شخص کبر کو نہیں چھوڑتا وہ نہیں پہچانتا کہ یہ کس کا حق تھا اور کس کو دیتا ہے۔ تو اس نے نہ نفس کا حق پہچانا اور نہ حق تعالیٰ کا اس سے بڑھکر جاہل کون ہوگا؟ یہ شخص معاصی سے کبھی چھوٹ نہیں سکتا۔ جس گناہ میں بھی پڑجائے کم ہے کیونکہ معاصی کی جڑ اسکے دل میں موجود ہے، ایک سے بچیگا دوسرے میں پڑجائے گا۔

۲۰۔ کبر کا نہایت مجرب اور کافی علاج

اس واسطے حق تعالےٰ نے ایک ایسا علاج اسکا بتایا ہے کہ جب اسکو مستحضر رکھا جائے تو نہ چھوٹا گناہ ہو نہ بڑا۔ وہ علاج یہ ہے کہ اپنی ایک صفت کو بیان فرمایا کہ جب خیال رکھوگے کہ یہ کسی دوسرے کے لئے کسی وقت اور کسی حالت میں ثابت ہونے نہ پائے تو گناہ خود بخود تم سے چھوٹتے جائیں گے اور وہ صفت عظمت ہے ولہ الکبریاء فی السمٰوٰت والارض یہ اصل کل ہے تمام گناہوں سے حفاظت کی۔ اور جب صفت کبریاء یعنی عظمت مختص ہوئی ذاتِ باری تعالےٰ کے ساتھ تو نفس کے واسطے کیا رہ گیا؟ تذلّل، یہ اصل ہے تمام عبادت کی۔ تو جس شخص نے صفت کبریاء کو مختص مان لیا حق تعالیٰ کے ساتھ اس نے حق تعالیٰ کو بھی پہچان لیا اور نفس کا بھی اس سے بڑھکر کوئی عالم یا محقق ہوسکتا ہے؟ انہی کی شان میں ہے وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی عقلمند لوگ یہی ہیں۔ جب آدمی کے دل سے تمام گناہوں کی اصل نکل گئی اور تمام عبادات کی جڑ جم گئی تو سبھی کچھ اس نے پالیا اسکو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوگی اتنا اور سمجھ لو کہ یہ اصل کلی بہت مختصر الفاظ میں سمجھائی گئی ہے مگر بعض اوقات بلا تفسیر کے اس پر عمل دشوار ہوتا ہے یعنی جب تک ہر ہر عمل کی نسبت معلوم نہ ہو کہ

اسکا نشاتکبر کس طرح ہے اسکا ترک آسان نہیں ہو سکتا۔

۲۱۔ کتب دین کا مطالعہ بھی اعون فی العلاج ہے

اسکے لئے سہل اور مفید تدبیر یہ ہے کہ کتابوں کا مطالعہ کیا جائے بلکہ کسی سے سبقاً سبقاً پڑھ لیا جائے اور جو کوئی نہ پڑھ سکے وہ کسی عالم سے وقتاً فوقتاً سن لیا کرے واقعات کو پوچھتا اور وعظ سنا کرے اور عورتوں کو خاص طور پر یاد رکھنا چاہئے کہ جہاں انکی ہانڈی چولھے کا ایک وقت ہے کتاب کے پڑھنے یا سننے کا بھی ایک وقت ہونا چاہیئے لیکن افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ مستورات کو اس سے بالکل مس بھی نہیں۔ مرد تو کبھی کوئی مسئلہ پوچھ بھی بیٹھتے ہیں مگر عورتوں کو نہ کبھی زبانی پوچھواتے دیکھا نہ کوئی تحریر کسی کی آتی ہے (الا ماشاء اللہ) حالانکہ بعض مسائل عورتوں کے اسقدر پیچیدہ ہیں کہ جواب دینا بھی ہر ایک کا کام نہیں۔ مثلاً پاکی اور ناپاکی کے مسائل کہ فقہ کی تمام بحثوں سے ادق یہ بحث مشہور ہے۔ صورتیں مشکل سے مشکل پیش آتی ہیں، مگر اس پر عمل ہے کہ نہ پڑھی نہ قضا ہوئی۔ کچھ عورتیں تو شرم کے مارے نہیں پوچھتیں اور بعض جو کسیقدر پڑھی لکھی ہیں وہ کسی اردو کی کتاب میں دیکھکر جو الٹا سیدھا سمجھ میں آیا کر گذرتی ہیں۔ حیف کی بات ہے کہ اگر کوئی مرض شرم کا ہو جاتا ہے تو اسکے علاج میں یہ نہیں کرتیں کہ بلا سے جان جاتی رہے مگر شرم نہ جائے، علاج کے لئے سوچکر کوئی نہ کوئی تدبیر ایسی نکال لیتی ہیں کہ شرم بھی نہ جائے اور علاج بھی ہو جائے۔ بیبیو! کسی مسئلہ کا تحقیق کر لینا آجکل کچھ بھی بات نہیں تین پیسے میں چاہے جہاں سے جواب منگالو۔ اگر خود نہ کر سکو اپنے خاوند کی معرفت پوچھوالو یا اور کسی بی بی کے ہاتھ سے لکھوا کر دریافت کر لو اگر نہ خود لکھ سکو نہ شوہر موجود ہو۔ مگر بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ جب ہو کہ جب دین کا خیال ہو۔ اس غفلت کو چھوڑو اور دین کو دنیا سے بھی زیادہ ضروری سمجھو، دنیا ختم ہو جائے گی اور آخرت ختم نہ ہوگی۔ جو طریقہ میں نے

بیان کیا اس سے بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے گھر میں جب مسائل کا تذکرہ ہوگا بچوں کے کان میں پڑیں گے اور ساری عمر انکو یاد رہیں گے۔ جو لوگ تمھارے تابع ہیں انکی اصلاح ہوگی، انکی اصلاح بھی تمھارے ذمہ ضروری ہے حدیث میں ہے کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته (تم میں سے ہر شخص محافظ ہے اور اس اسکے ماتحتوں کے متعلق سوال ہوگا) یعنی ہر بڑے کو چھوٹے کے لئے حضورؐ نے محافظ فرمایا کہ ہر ہر شخص کچھ نہ کچھ ذمہ دار ہے اور انکی جوابدہی اسکے ذمہ ہے اگر نوکرنی تمھاری نماز نہیں پڑھتی تو وہ گنہگار ہے مگر تم بھی اسکے ساتھ گنہگار ہو اور جواب دینا ہوگا کہ اسے نماز کیوں نہیں سکھائی تھی۔ بعض لوگوں نے اسکا جواب یہی اختیار کرلیا ہے کہ ہم نے بہتیری تاکید کی مگر وہ پڑھتی ہی نہیں۔ کیوں بیبیو! اگر کھانے میں وہ نمک کم و بیش کردے تو تم کیا کرتی ہو کیا ایک دو دفعہ سمجھا کر کہ نیک بخت نمک ٹھیک رکھا کر خاموش ہو رہتی ہو اور پھر نمک ویسا ہی کھالیتی ہو جیسا اس نے ڈالا؟ یہ تو کبھی نہ کروگی چاہے نوکرنی رہے یا نہ رہے اسے سمجھاؤ گی پھر ماروپیٹو گی اگر کسی طرح نہ مانے گی تو نکال باہر کروگی۔ بیبیو! دین کا اتنا بھی خیال نہیں جتنا نمک کا جو نماز کے مقابلہ میں بالکل غیر ضروری چیز ہے۔ دین کا خود بھی خیال کرو اور جن پر تمھارا قابو چل سکتا ہے انکو بھی دیندار بناؤ، تمھاری کوشش سے جو کوئی دیندار بنے گا تمھیں بھی اسی کے برابر ثواب ملے گا۔ اسکا طریقہ وہی ہے جو میں نے بیان کیا کہ جہاں دنیا کے دس کاموں کا وقت ہے ایک دین کے کام کا وقت بھی نکال لو۔ جو بی بی خود کتاب پڑھ سکیں وہ کتابوں کو دیکھکر اپنی اصلاح کریں اور جو خود نہ پڑھ سکیں کسی اپنے رشتہ دار سے پڑھوا کر سنیں۔ علماء سے وعظ اپنے مکان میں کہلوایا کریں، جو واقعات پیش آیا کریں انکی پوچھ پاچھ کیا کریں، علماء سے انکی بی بی کی معرفت یا خط کے ذریعہ جواب منگا لیا کریں اس سے دین میں ایسی بصیرت پیدا ہو جائیگی کہ رفتہ رفتہ ہر ہر عمل کی نسبت حکم معلوم ہو جائے گا۔ جب کسی چیز کو برائی معلوم ہو جاتی ہے تو کبھی نہ کبھی تو اس سے بچنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہی ہے۔

ریس رجسٹریشن آف بکس ایکٹ ۱۸۶۷ء (سنہ ۱۹۵۶ء میں ترمیم شدہ) کی دفعہ ۱۹ ڈی کے قاعدہ ۸ کے
ابق ماہنامہ وصیۃ العرفان کی ملکیت وغیرہ کے بارے میں مندرجہ ذیل تفصیلات شائع کی جاتی ہیں

قام اشاعت :- الہ آباد

قفۂ اشاعت :- ماہوار

پرنٹر کا نام، قومیت اور پتہ :- مولوی عبدالمجید - ہندوستانی - ۷ دریابین گنج - الہ آباد

بلشر کا نام، قومیت اور پتہ :- صغیر حسن - ہندوستانی - ۸، اتال پور - الہ آباد۔

یڈیٹر کا نام، قومیت اور پتہ :- مولوی عبدالمجید - ہندوستانی - ۷ دریابین گنج - الہ آباد

ان اصحاب کے نام جو اس رسالے کے مالک یا حصہ دار ہیں یا جو تمام سرمایے کے ایک فیصدی سے زیادہ کے حصہ دار ہیں :- مولوی احمد متین صاحب ۲۳ بخشی بازار - الہ آباد

میں صغیر حسن اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔

(دستخط) صغیر حسن (پبلشر)

زیرِ سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہٗ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ دو روپئے — مدیر: عبد المجید عفی عنہٗ

شمارہ ۴	جمادی الاخریٰ ۱۴۰۲ھ مطابق اپریل ۱۹۸۲ء	جلد ۵

فہرست مضامین

ترسیلِ زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

[رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷ ڈی ۱۱۱]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اس "عرفاں" کے ہیں قدرداں کیسے کیسے

الحمد للہ کہ آپ کا یہ رسالہ اپنے مضامین کی افادیت اور خوبی افادہ کی رو سے لذیذ بھی ہے اور ہردلعزیز بھی، چنانچہ شاذ و نادر کبھی اگر کوئی مہربان کسی وجہ سے یہ لکھ دیتے ہیں کہ میرا رسالہ بند کر دیا جائے تو فکر ہو جاتی ہے کہ آخر کیا بات ہوئی کہ ان محترم نے باوجود اسکی فیضات عالیہ اور اپنی استطاعت مالیہ کے ایسا معاملہ روا رکھا؟ سچ جانیئے کہ اس سے بیحد قلق ہوتا ہے اور اپنے کو بالکل اسکا مصداق پاتا ہوں کہ ؎

بر دلِ "احقر" ہزاراں غم بود — گر ز "عرفاں" "یک خلیلے" کم بود

اپنے ایک رفیق کی جدائی بھی بہت شاق ہوتی ہے ——— مگر اللہ تعالیٰ کی شان کہ جب کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے تو فوراً اسکے بالمقابل کوئی نہ کوئی معاملہ ایسا بھی ضرور سامنے آ جاتا ہے جسکی وجہ سے تسلی ہو جاتی ہے چنانچہ ابھی ماضیٔ قریب میں ایک صاحب کے خط سے افسردہ تھا کہ ایک محب کے خط نے تن مردہ میں جان سی ڈال دی۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے اور دیکھئے کہ انکی زبان گو صاف نہیں ہے لیکن کس درجہ حقیقت کی ترجمان ہے۔ لکھتے ہیں :-

"اس ماہ کا رسالہ دستیاب ہوا پڑھا۔ بہت پسند آیا۔ رسالہ کی تعریف اور خوبیاں بیان کروں ایسے الفاظ مرتب نہیں ہوتے۔ گویا کہ سمندر کو کوزے میں سمونا ہے۔ بہترین کتابت۔ سرورق جاذب نظر اور اپنے دامن میں دینی ہما ہمی لئے ہوئے موجیں مارتا ہوا بیکراں سمندر ہے۔ سچ مانیئے تو "بھا گیا ہے دل کو"۔ رسالہ کی کشش، بلندی، کامیابی آپکی محنت اور کاوشوں کی ضمانت ہے۔ کاغذ کے قلت کے دور میں تندرست (بمعنی عمدہ اور دبیز) اور نفیس کاغذ کا استعمال آپکی لگن، پسند، ذوق، قربانی اور فراخدلی کی دلیل ہے۔ خدا کرے "وصیۃ العرفان" "رہتی دنیا تک جاری رہے" (آمین)

جلد ۴ کا آخری شمارہ پڑھکر لذت ذوق اور بڑھ گیا لہٰذا گذشتہ جلد ۱، ۲، ۳ و ۴ کے تمام شمارے پڑھنے کیلئے اب دل بیتاب ہے، برائے کرم ان ۴۸ شماروں کا مجموعی ہدیہ کتنا روانہ کروں واضح کریں، عین نوازش ہوگی۔ والسلام۔

خیراندیش محمد آدم بچہ - بھروچ - گجرات۔

محترم کی اس تحریر سے اپنی بھی آنکھ کھلی کہ واقعی یہ رسالہ ایک اللہ والے کی مخلصانہ آواز ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو پسند ہے جن حضرات تک پہونچ جائے انکی بس قسمت ہی ہے اور یہ نعمت لائق شکر ہے اس سے بے تعلقی کوئی مستحسن اقدام نہیں ہے اور نہ سود مند ہے۔

(ادارہ)

۳۰۔ علم کی فضیلت

فرمایا کہ شامی میں ہے کہ

فُز بعلم ولا تجهل به ابداً ۔۔۔ الناس موتیٰ واهل العلم احیاءٌ

علم حاصل کر کے کامیابی حاصل کرو اور خبردار جاہل نہ رہنا اسلئے کہ تمام لوگ مانند مُردوں کے ہیں اور اہل علم ہی زندہ کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ احیاء العلوم میں اس شعر میں بجائے ولا تجهل به ابداً کے ولا تبغی به بدلاً آیا ہے یعنی علم سے دنیا کمانے کو مقصود نہ بناؤ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ تمام لوگ مردہ ہیں تو مطلب یہ ہے کہ حکماً مردہ ہیں بے فیض ہونے کے اعتبار سے، نہ مردہ سے کچھ نفع نہ ان سے کوئی فائدہ۔ جیسے مردہ اور مری ہوز مین وہ کہلاتی ہے جس میں کوئی شے اُگے نہیں یعنی محض ردی اور بیکار ہو۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ اَفَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ یعنی اس انسان ہی کو دیکھو کہ جو مردہ تھا پھر ہم نے اسکو زندہ کیا یعنی جاہل تھا پس ہم نے اسکو علم سکھلایا (اس میں بھی جاہل کو مردہ ہی فرمایا ہے) وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ اور ہم نے اسکو نور دیا جسے لیکر وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے اور نور سے مراد یہی علم ہے کَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ (کیا وہ زندہ اور نور والا انسان) اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو کہ تو بر تو ظلمات جہل میں گھرا ہوا ہو (یہاں بھی جاہل کو مردہ اور اسکے جہل کو تاریکی فرمایا ہے) یا مردہ ہیں سے مراد یہ ہے کہ دل کے اندھے ہیں چنانچہ احیاء العلوم میں ہے کہ فتح موصلیؒ نے فرمایا کہ مریض کو نہ کھانا دیا جائے نہ پانی نہ دوا تو کیا وہ مر نہ جائیگا لوگوں نے کہا ضرور مر جائے گا۔ فرمایا کہ اسی طرح سے قلوب کا معاملہ ہے کہ اگر اس سے حکمت اور علم کو تین دن تک روک لیا جائے تو اسکی باطنی موت ہوجائیگی۔ اور حضرت موصلیؒ نے یہ بالکل صحیح فرمایا کہ قلب کی غذا علم و حکمت ہے اور اس سے اسکی حیات وابستہ ہے جس طرح سے کہ جسم کی غذا کھانا وغیرہ ہے لہٰذا جس کو علم نہیں اسکا قلب مریض ہے اور اسکے لیے موت لازم ہے

کسی شاعر نے خوب ہی کہا ہے کہ ؎

اخو العلم حيٌّ خالدٌ بعد موته ‌‌‌ وأوصاله تحت التراب رميمٌ
وذو الجهل ميتٌ وهو ماشٍ على الثرى ‌‌‌ يُظنُّ من الاحياءِ وهو عديمٌ

علم والا زندہ ہے اور مرنے کے بعد اسکو حیات جاوید نصیب ہوتی ہے حالانکہ اسکی ہڈیاں مٹی میں ملکر ریزہ ریزہ ہوگئی ہونگی۔ اور جہل والا انسان مردہ ہے اگرچہ وہ زمین پر چلتا پھرتا نظر آئے بس وہ بظاہر زندوں میں شمار ہوتا ہے فی الحقیقۃ وہ معدوم اور لاشئی کے برابر ہے کہا گیا ہے علم ہر فضیلت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے چنانچہ مملوک (یعنی غلام) کو ملوک (یعنی بادشاہوں) کی مجالس میں پہونچا دیتا ہے (بلکہ صدر مجلس تک بنا دیتا ہے چنانچہ) اگر علماء کا وجود نہو تو یہ امراء نیست و نابود ہو جائیں اور یہ علم بھی صاحب علم کے لئے ایک ایسی حکمرانی ہے جسمیں معزولی کا کوئی خطرہ نہیں اور دنیوی امارت کا حال تو یہ ہے کہ معزولی کے بعد کوئی امیر امیر نہیں رہ جاتا اور کسی عالم کو اگر دنیا والے معزول کر دیں اور چھوڑ دیں تب بھی وہ اپنے علم کی بادشاہت میں سرشار اور مست رہتا ہے (مخلوق کی جدائی سے اسکا کچھ نفع ہی ہے نقصان نہیں ہے)

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ علم مملوک کو ملوک کے برابر کر دیتا ہے غلام کو بادشاہ بنا دیتا ہے اس پر یہ واقعہ سنو۔ احیاء العلوم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم و حکمت ایک شریف کے شرف کو اور دوبالا کر دیتی ہے اور مملوک کا درجہ بڑھا کر اسکو ملوک کی مجالس میں پہونچا دیتی ہے یہ تو آپ نے اسکے شرف دنیوی کو فرمایا اور آخرت تو بہرحال خیر و ابقیٰ ہے ہی وہاں کے ثواب کا تو پوچھنا ہی کیا۔ حضرت سالم بن ابی جعد سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے مولا نے تین سو درہم میں خریدا تھا اور پھر آزاد کر دیا، آزادی کے بعد میں نے سوچا کہ میں کون سا شغل اختیار کروں چنانچہ میں نے علم سیکھا جس کا انجام یہ ہوا کہ ابھی سال بھر بھی نہ گذرا تھا کہ خود میرے گھر امیر مدینہ آیا مجھ سے ملاقات کی غرض سے اور میں نے (اپنے مشاغل علمیہ کیوجہ سے)

کہلا بھیجا کہ مجھے اسوقت ملنے کی فرصت نہیں ہے۔ (شامی ج ۳ ص ۱۴۲)

۳۱۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے

فرمایا کہ ۔۔ اخلاق محسنی میں صبر کے متعلق ایک عجب واقعہ لکھا ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ کسی بادشاہ نے اپنے وزیر کو کسی اہم مشورہ کیلئے طلب کیا، وزیر آیا بادشاہ نے کھڑے ہی کھڑے اس سے بات کرنی شروع کردی اتفاق سے وزیر کے کپڑے میں کوئی بچھو گھسا ہوا تھا اس نے ڈنک مارنا شروع کیا اور اپنے زہرآلود نیش سے اسکو ایذار دینے لگا یہاں تک کہ ڈنک مارتے مارتے اسکا ڈنک بے کار ہوگیا اور اسکا سارا زہر ختم ہوگیا اس درمیان میں اس امیر نے ذرا فرق نہیں آنے دیا اور نہ اسکا کچھ اثر چہرے پر ظاہر ہونے دیا اور لطف یہ کہ گفتگو اسی طرح سے عقل و حکمت کے موافق کی (کہ بادشاہ کو اسکی تکلیف کا احساس تک نہوا) وزیر نے گھر آنے کے بعد اس بچھو کو نکالا اس واقعہ کی اطلاع شدہ شدہ بادشاہ کو بھی ہوگئی اسکو بہت تعجب اور حیرت ہوئی دوسرے دن جب پھر وزیر دربار میں آیا تو بادشاہ نے اس سے کہا کہ ارے بھائی !! اپنے نفس سے دفع ضرر مقدم ہوا کرتا ہے تم نے کل بچھو کی تکلیف کو فوراً کیوں نہ زائل کرلیا؟ وزیر نے جواب دیا حضور والا میں ایسا بے تعلق اور بےمروت نہیں ہوں کہ حضور جیسے ذی شرف بادشاہ کے شرف ملاقات اور لذت مکالمہ کو ایک معمولی سے بچھو کے کاٹنے کیوجہ سے ختم کردیتا، اور یہ کہ اگر آج مجلس بزم میں ایک بچھو کی تکلیف کا سہارا اور اسپر صبر نہ کرسکونگا تو کل کو میدان رزم میں دشمن کی زہرآلود تلوار کا زخم کیونکر سہا جائیگا؟ بادشاہ کو وزیر کا یہ جواب بہت پسند آیا اسکے منصب کو بڑھا دیا (انعام واکرام سے نوزا) چنانچہ اس نے جس قدر اور جس درجہ کا صبر کیا تھا اسی کے بقدر اپنی مراد اور مقصود کو پہونچا کسی نے خوب کہا ہے کہ :۔

۰ اگر تمکو حضرت نوح علیہ السلام جیسا صبر حاصل ہوجائے طوفان کی مصیبت میں تو ساری بلائیں دور ہوجائیں گی اور ہزار سال کی مراد بر آئیگی ۰

اسی نوع کا ایک واقعہ حضرت امام مالکؒ کے درس حدیث اور تادب دین کا بھی
کتابوں میں لکھا ہے کہ درس حدیث دے رہے تھے ادنکو ایک بچھو نے متعدد بار ڈنک مارا مگر تادب حدیث کی وجہ درس بند نہیں فرمایا۔

۳۲۔ بچوں کو انکے فیشن اور اترا پن پر مارنا چاہیئے

فرمایا کہ — تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے، حضرت عکرمہ بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا کوئی بچہ انکے پاس آیا جسکا حلیہ یہ تھا کہ اس نے اپنے بالوں میں کنگھی کر رکھی تھی اور خوب عمدہ نفیس کپڑے پہن رکھے تھے حضرت عمرؓ نے اسکو دُرّہ سے مار مار کر رُلا دیا۔ حضرت حفصہؓ بولیں کہ بچے نے آخر کیا قصور کیا تھا آپ نے اسے کیوں مار دیا؟ فرمایا کہ میں نے اسکو دیکھا کہ اپنے مانگ کی سجاوٹ پر اور حسن لباس پہ اترا رہا ہے اور اسکی وجہ سے مجھے اسکے اندر کچھ عُجب کا شائبہ محسوس ہوا کہ وہ اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھ رہا ہے تو میں نے یہ چاہا کہ اسکو خود اسکی نظروں میں حقیر و ذلیل کر دوں جس کا آسان اور فوری طریقہ اسوقت یہی تھا کہ اسکو ضرب و سرزنش کر کے رُلا دوں۔

(سبحان اللہ! دیکھئے حضرات صحابہ کرامؓ کس کس طرح سے اپنے بچوں کو رذائل نفس سے بچاتے تھے یہ تعلیم تھی اور یہ تربیت تھی جو آج ہم سے رخصت ہو گئی ہے جسکا انجام یہ ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی آج زیبائش دیکھ لیجئے اور پھر اسکی وجہ سے جو فتنے پیدا ہو رہے ہیں انکا برای العین مشاہدہ فرما لیجئے)

(راقم عرض کرتا ہے کہ اسی نوع کا ایک اور واقعہ تنبیہ الغافلین میں فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ نے نقل فرمایا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں شام سے روغن زیتون بڑے بڑے کپّوں میں بھر کر آیا تھا، حضرت عمرؓ پیالہ بھر بھر کر اس کو مسلمانوں میں تقسیم فرمانے لگے، حضرت کے پاس ہی ایک بچہ کھڑا تھا جس کے سر پر کچھ بال تھے جب ایک کپّے سے تیل انڈیل لیا جاتا تھا اور وہ خالی ہو جاتا تھا تو اسکا بچا بچایا تیل اپنے ہاتھ سے پونچھ پونچھکر وہ لڑکا اپنے بالوں میں لگاتا یہ دیکھکر حضرت عمرؓ نے

اس سے فرمایا کہ میاں صاحبزادے میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے سر کے بال کو سلجھانے اور زیتون کے تیل کی جانب بڑی رغبت ہے اور اسکو اپنا ہی مال سمجھ رہے ہو۔)
یہ فرمایا اور خود ہی اسکا ہاتھ پکڑ کر حجام کے پاس تشریف لے گئے اور اسکے بال منڈوا دیئے اور یہ فرمایا کہ یہی تمھارے مناسب حال ہے (یعنی نہ بال رہے گا نہ کسی کے تیل کی جانب رغبت ہوگی)

یہیں سے حضرات مصلحین نے نابالغ بچوں کے لئے مانگ پٹی اور تیل کنگھی کو ناپسند فرمایا اور عملاً سر کے منڈوانے کو بال ہونے سے راجح سمجھا ہے اس سے بہت سے فتنوں کا انسداد مقصود تھا۔ چونکہ اس طریقہ میں نفس کا پورا علاج تھا اسی لئے اہل نفس پر آج بال کا منڈانا موت ہے چنانچہ اہل دین کو بھی اپنے بچوں پر اس باب میں قابو نہیں رہ گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۳۳۔ توبہ سراً کرے یا علانیہ

فرمایا کہ — فتح الباری میں ہے کہ جو شخص کسی ایسی معصیت کا مرتکب ہوا ہو جس میں کہ حد واجب ہوتی ہو تو بعض علما اس طرف گئے ہیں کہ وہ خفیۃً بھی توبہ کرلے تو یہ کافی ہے اور اسکی توبہ صحیح ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ افضل یہ ہے کہ امام وقت کے پاس جائے اور اسکے سامنے اعتراف جرم کرے اور اس سے کہے کہ مجھ پر جو خداوندی حد لازم ہوا سے جاری کیجئے۔ جیسا کہ حضرت ماعزؓ اور حضرت غامدیہؓ کے واقعہ میں ہوا تھا۔ لیکن بعض دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ وہ شخص اگر فاسق معلن ہو یعنی اس فجور کے کام کو کھلم کھلا کیا ہو تب توبہ بھی علی الاعلان ہونی چاہئے ورنہ نہیں۔ یعنی اگر معصیت چھپ کر کی ہے تو اب توبہ بھی سراً کرے تو کافی ہے (کیونکہ علانیہ توبہ لازم کرنیکا مطلب تو یہ ہوگا کہ وہ اپنی معصیت کا اظہار کرے جو کہ منع ہے۔ پوشیدہ طور پر گناہ کرکے نادم ہونے والے نے جب خود ہی اپنی پردہ دری نہ کی تو اللہ تعالیٰ بھی اسکی پردہ دری کو پسند نہیں فرماتے)

۳۴۔ حضرت حبیبؒ کو عجمی کہے جانے کی وجہ

فرمایا کہ ـــ حضرت حبیب عجمی ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں انکو عجمی جو کہا جاتا ہے تو اسکے متعلق روح المعانی میں ہے کہ الاعجمی اور الاعجم اس شخص کو کہتے ہیں جسکی زبان میں لکنت ہو خواہ وہ عرب کا رہنے والا ہو یا عجم کا اسی لئے حضرت زیاد کو بھی زیاد عجمی کہا جاتا ہے حالانکہ وہ عربی النسل تھے، مگر انکی زبان میں لکنت تھی۔ یہی وجہ ہے حضرت حبیبؒ کو بھی عجمی کہے جانے کی۔ یہ حضرت حسن بصریؒ کے شاگرد تھے اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں پر اپنا رحم فرمائے ـــ صاحب روحؒ نے فرمایا کہ میں نے تاریخ میں ایسا ہی دیکھا ہے۔

۳۵۔ کتاب "البدائع والصنائع" اور اسکے مصنف

فرمایا کہ ـــ شامی میں ہے کہ (کتاب بدائع وصنائع جو کہ فقہ وفتویٰ کی ایک مستند کتاب ہے) یہ کتاب بڑے مرتبے والی اور ایک عظیم الشان تصنیف ہے علامہ شامی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانہ کی مروجہ کتب میں تو اسکی نظیر نہیں دیکھی یہ تصنیف ہے امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاشانی کی اور دراصل یہ شرح ہے ان کے شیخ علاء الدین سمرقندی کی کتاب "تحفۃ الفقہاء" کی۔ انھوں نے جب یہ شرح لکھکر اپنے شیخ (یعنی استاد) کی خدمت میں پیش کیا تو وہ بہت ہی خوش ہوئے اور اسے بیحد پسند کیا) چنانچہ اپنی صاحبزادی فاطمہ کا نکاح ان سے کردیا حالانکہ انکی صاحبزادی کا پیغام بادشاہ زادوں کی جانب سے آتا تھا اور حضرت علاء الدین نے انکار فرمادیا تھا (اللہ کی شان اور علم دین کی عظمت دیکھئے کہ بادشاہی گھرانہ ناپسند ہوا اور پسند آیا تو ایک غریب طالبعلم)۔

چنانچہ اب اس رشتہ کے بعد ہوتا یہ تھا کہ جو بھی فتویٰ اس گھرانہ سے صادر ہوتا تھا اس پر صاحبزادی عالمہ فاطمہ کے دستخط ہوتے تھے ان کے والد بزرگوار یعنی حضرت

علاء الدین ثمرقندی کے دستخط ہوتے تھے اور ان ہونہار فاضل یعنی صاحب بدائع کے دستخط ہوتے تھے (بدون ان تینوں حضرات کے دستخط کے کوئی فتویٰ جاری نہیں ہوتا تھا

(شامی ص ۱۷ ج ۱)

۳۶۔ استخارہ پر عمل کرنے کیلئے انشراح کا ہونا شرط نہیں ہے

فرمایا کہ — حضرت مولانا تھانویؒ نے بوادر النوادر میں طبقات شافعیہ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ یعنی شیخ کمال الدین زملکانیؒ جو کہ بقیۃ المجتہدین اور اذکیاء زمانہ میں سے تھے وہ فرماتے تھے کہ جب انسان کسی کام کے لئے دو رکعت نماز استخارہ پڑھ لے تو اسکو چاہئے کہ اس استخارہ کے بعد جو مناسب سمجھے وہ کام کرلے خواہ اسپر اسکو انشراح قلبی ہوا ہو یا نہ ہو کیونکہ (اسکے بعد جو بھی کام کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ) اسی میں خیر ہوگی اور وجہ اسکی یہ ہے کہ) حدیث میں (نمازِ استخارہ کے بعد) انشراح نفس (ہونے) کی شرط نہیں ہے

یہ فرماکر حضرت حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا کہ اسوقت میرے نزدیک بھی ذوقاً یہی اقرب معلوم ہوتا ہے جو طبقات شافعیہ سے نقل کیا گیا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

۳۷۔ لسان نبوت سے طالب دنیا کی مثال

فرمایا کہ ——— مجمع البحار میں ہے کہ حدیث شریف میں یہ جو آتا ہے کہ قوم یاکلون بالسنتھم الخ یعنی آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو اپنی زبان سے کھائیگی جس طرح سے کہ گائے بیل کھاتے ہیں تو مطلب اسکا یہ ہے کہ اور سارے حیوانات تو اپنے اسنان (دانت) سے غذا چباتے ہیں اور گائے بیل زبان سے چباتے ہیں (یعنی کھانے میں اسکو بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں اور ہلاتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے، تو یہ ایک ضرب المثل ہی ہوگئی ہے کہ فلاں شخص گائے بیل کی طرح

کھاتا ہے اور مطلب اسکا یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ بھی کھانے میں لسان کے محتاج ہوتے ہیں اور اپنے چرنے میں رطب و یابس (تر و خشک) اور میٹھے کڑوے کیلئے تمیز نہیں کرتے (یہی حال اس شخص کا ہوتا ہے کہ زبان کی کمائی کھاتا ہے اور جو بھی سامنے آگیا کھالیتا ہے نہ حرام کی اسکو تمیز ہوتی ہے نہ حلال کی نہ جائز کی فکر نہ ناجائز کی بس جس طرح بھی ہاتھ آجائے اڑا ڈالے اور غذا کی تحصیل میں اسکی بھی معین اسکی زبان ہوتی ہے)

۴۰۔ قرب نوافل اور قرب فرائض کے شیون باہم متشابہ ہوتے ہیں

فرمایا کہ — خیر کثیر میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے فرمایا کہ حضرت خضرؑ نے اپنے ان واقعات کے ذریعہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں پیش آئے انھیں یہ تعلیم فرمائی کہ قرب فرائض کے مقامات کے حالات بھی بسا اوقات قرب نوافل کے حالات سے ملتے ہی جلتے اور اسی کے متشابہ ہوتے ہیں۔ جیسے قرب نوافل میں میں نے بچہ کو قتل کر دیا تھا تو آپ نے بھی تو (قرب فرائض میں ہوتے ہوئے) فرعون کو ڈبوا دیا تھا۔ نیز میں نے اگر قرب نوافل کی راہ سے ان یتیموں کی دیوار بدون اجرت کے بنا دی تھی تو آپ نے بھی تو قرب فرائض سے متصف ہوتے ہوئے حضرت شعیبؑ کی بکریاں مفت سفت بلا اجرت کے چرائی تھیں۔ اسی طرح سے میں نے اگر ان غریب مسکینوں کی کشتی توڑ دی تھی (جو بظاہر اسکے غرق کر دینے کے مرادف تھا) تو آپکی والدہ محترمہ نے بھی تو آپ کو ایک بکس میں رکھکر ایک ایسے زبردست دریا میں ڈالدیا تھا۔ (اگر خدا حفاظت نہ فرماتا تو آپ کے ڈوب جانے میں کیا کسر تھی؟ پس دیکھئے جو جو معاملات میں نے قرب نوافل میں کیا تھا جناب کے ساتھ بھی وہی معاملات قرب فرائض میں پیش آئے۔ آخر دونوں میں کیا فرق تھا۔ مگر آپ کو ایک جگہ انکار اور دوسری جگہ تسلیم و اعتراف! یہ کیوں؟)

اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے لئے بشکل نار تجلی فرمائی تو یہ انکی طبع

اور آتش مزاجی اور اخلاق کی صلابت کی وجہ سے تھا اور ان سے دو بدو جو کلام فرمایا تو یہ اسلئے کہ آپ قرب فرائض کے طور پر بہت زیادہ مقرب عند اللہ تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قصہ موسیٰ میں حضرت شعیبؑ کا تذکرہ نہیں فرمایا اسلئے کہ وہ قوم کی بدعات اور شناعات پر اسدرجہ ترشرو نہ تھے جتنا کہ حضرت موسیٰ بلکہ وہ قرب فرائض کی لذت سے لطف اندوز ہوکر ذوق دیدار میں مستغرق تھے اور ہلاکت قوم کے وقت نور حق سے منور اور لباسِ نور میں ملبوس تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (خیر کثیر ص۲)

۳۹۔ جنت میں داخلہ عمل سے ہوگا یا فضل سے

فرمایا کہ — حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک دن فجر کی نماز کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بلال سب سے زیادہ ثواب والا جو عمل تم نے کیا ہو وہ مجھے بتاؤ اسلئے کہ میں نے جنت میں اپنے آگے آگے تمھارے جوتے کی کھڑکھڑاہٹ سنی ہے۔ حضرت بلالؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے کوئی خاص عمل تو ایسا کیا نہیں جو میرے نزدیک ارجیٰ عمل ہو باقی ہاں یہ ضرور ہے کہ دن یا رات میں میں نے جس وقت بھی وضو یا غسل کیا ہے (امید والا) تو اس طہارت سے جسقدر خدا کو منظور ہوا (اور اس نے توفیق دی ہے) نماز ضرور پڑھی ہے اس میں تخلف کبھی نہیں ہوا۔ حضرت بریدہؓ کی روایت میں اسی واقعہ میں یوں ہے کہ مجھے جب بھی حدث پیش آیا (خواہ اصغر یا اکبر) تو میں نے اسکے فوراً بعد طہارت حاصل کی ہے الخ" اور حدیث کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس بس یہی بات ہے (اسی کی وجہ سے تم کو جنت میں دیکھا ہے)

اس روایت کو نقل کر کے صاحب فتح الباری نے اس پر ایک اشکال اور اسکا جواب نقل کیا ہے فرماتے ہیں کہ :-

" ظاہر حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ثواب (یعنی دخولِ جنت) اس عمل کی وجہ سے ہوا" پس اس حدیث میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اس ارشاد میں کہ تم میں سے کسی کو اسکا عمل جنت میں نہ لیجائے گا"
کوئی تعارض نہیں اسلئے کہ اس حدیث میں اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد
میں کہ۔" تم لوگ جنت میں داخل ہو جاؤ بسبب اپنے اعمال کے
جو تم نے کئے ہیں" جمع کرنے کے متعلق جو مشہور جوابات ہیں ان میں
سے ایک یہ بھی ہے کہ اصل دخول اور نفس دخول تو اللہ تعالیٰ کی رحمت
ہی سے ہوگا باقی درجات کی تقسیم اور انکا فرق یہ باعتبار اعمال کے ہوگا۔
یوں اس اشکال کا ایک دوسرا جواب بھی ہے جسے صاحب فتح الباری نے اپنی
کتاب کے جزو اول میں لکھا ہے کہ:۔

"اگر کہا جائے کہ آیہ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ میں اور
حدیث لن یدخل احدکم الجنۃ بعملہ میں جمع کیونکر ممکن ہے؟
تو اسکا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں جس عمل کی نفی ہے وہ اس
عمل کی ہے جو قبولیت سے خالی ہو۔ اور آیت میں جس عمل کو سببِ دخولِ جنت
قرار دیا گیا ہے وہ عمل ہے جو مقارن بالقبول ہوا اور یہ ظاہر ہے کہ قبولیت
جو ہوگی وہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے ہوگی، لہٰذا یوں کہہ سکتے ہیں
کہ دخول جنت ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کیوجہ سے ہوگا (کیونکہ دخول کا سبب
عمل ہے اور عمل کی شرط قبولیت ہے اور قبولیت کی علت رحمت ہے
اور فضل ہے پس دخول کا سبب رحمت اور فضل ہوا)"

میں کہتا ہوں کہ یہاں پر ایک تیسرا جواب ابھی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالےٰ کی
رحمت دخولِ جنت کے لئے علت تامہ ضرور ہے مگر وہ رحمت مرتب ہوگی عمل ہی پر
(پس یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ عمل کو دخول جنت میں دخل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔)
(راقم عرض کرتا ہے کہ اسی مضمون کے مناسب حدیث شریف میں آیا ہوا ایک
واقعہ یاد آیا جسکو فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے اپنی کتاب تنبیہ الغافلین میں نقل فرمایا ہے
لکھتے ہیں کہ:۔

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکان سے باہر تشریف لائے اور یہ فرمایا کہ ابھی ابھی میرے پاس سے میرے رفیق جبرئیل واپس گئے ہیں بیان کر رہے تھے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قسم ہے اس ذات کی جس نے آپکو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ اللہ تعالےٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ پانچسو سال سے ایک پہاڑ کی چوٹی پر قیام کئے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھا اور وہ پہاڑ بہت لمبے چوڑے وسیع سمندر کے درمیان واقع تھا (جہاں کسی انسان کی رسائی مشکل تھی) اللہ تعالےٰ نے اسکے لئے پہاڑ کے نیچے والے حصے میں شیریں پانی کا ایک چشمہ جاری فرما دیا تھا جسمیں سے انگلی کے بقدر پانی کی دھار برابر نکلتی رہتی تھی اور وہیں اسکے پاس ایک انار کا درخت بھی اُگا دیا تھا جس میں سے روزانہ ایک شیریں انار بھی نکلتا تھا وہ عابد یہ کرتا کہ ہر دن اپنی عبادت گاہ سے شام کو اُٹھتا پہاڑ کے نیچے والے حصے میں آتا انار توڑ کر کھاتا شیریں چشمے سے پانی پیتا اور اسی سے وضو کر کے پھر اپنی قیامگاہ پر واپس چلا جاتا اور ساری رات عبادت میں مشغول ہو جاتا (عبادت سے اسکو ایسی نسبت اور اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت ہو گئی تھی کہ) اس نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی یا اللہ مجھے موت جو آئے تو سجدہ ہی کی حالت میں آئے اور زمین کے قبضہ میں میرے بدن کا کوئی حصہ نہ دیجئے گا یعنی میری لاش کو زمین نہ کھا سکے تاکہ میں بروز قیامت سجدہ ہی کی حالت سے اُٹھکر آپ کی پیشی میں حاضر ہو جاؤں ۔

اللہ تعالےٰ نے اسکی یہ دعا قبول فرمالی ۔ چنانچہ ہم (سب فرشتے) آسمان سے آتے جاتے وقت اسکو سجدہ میں پڑا ہوا دیکھتے تھے ۔ حضرت جبرئیل نے فرمایا کہ پھر ہمکو لوح محفوظ کے ذریعہ علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اسکو قیامت میں مبعوث فرما کر اپنے روبرو کھڑا کریں گے اور یہ ارشاد فرمائیں گے کہ میرے اس بندے کو میری رحمت سے جنت میں داخل کر دو اس پر وہ عابد بولے گا کہ نہیں بلکہ اپنے عمل وعبادت کے سبب سے (میں مستحق جنت ہوا ہوں) اللہ تعالیٰ یہ سنکر فرشتوں کو حکم دیں گے کہ

اچھا میرے اس بندے کی عبادت اور میری اس پر جو نعمتیں ہوئی ہیں دونوں میں باہم موازنہ اور حساب کرلو چنانچہ صرف ایک بینائی ہی کی نعمت کے مقابلے میں ان عابد صاحب کی پانچسو سالہ عبادت سوخت ہو جائیگی اور بقیہ جسم کی ساری نعمتیں بلاعوض رہ جائیں گی (یعنی نعمت شنوائی وقوتِ شامہ وقوت مدرکہ دعقل وروح ونعمت انسانیت، اسلام وایمان وصحت وعافیت وقدرتِ عمل اور قوتِ قیام وسجود ویرانے پہاڑ پر نعمت اکل وشرب اور توفیق عمل وغیرہ۔ ان سب نعمتوں کے مقابلہ میں طاعت غائب) لہٰذا حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ (اس نے چونکہ میرا حق ادا نہیں کیا لہٰذا) اسکو جہنم میں داخل کردو۔ یہ سنکر وہ عابد کہیگا کہ اے میرے خدا مجھے اپنی رحمت کے صدقے میں جنت عطا فرما دیجئے۔ حکم ہوگا کہ اچھا اے فرشتو! میرے اس بندے کو میرے پاس واپس لاؤ۔ چنانچہ وہ اللہ تعالےٰ کے سامنے لاکر کھڑا کیا جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے نہایت شفقت کے ساتھ فرمائیں گے کہ اے میرے بندے کس نے تجھے پیدا کیا حالانکہ تو اس سے پہلے لاشئ یعنی معدوم محض تھا کس نے تجھے عدم سے وجود بخشا؟ وہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب آپ نے۔ حق تعالےٰ فرمائیں گے کہ یہ تیرے عمل کی وجہ سے تھا یا میری رحمت کے سبب سے؟ وہ کہیگا کہ بیشک آپ کی رحمت ہی کے سبب سے ایسا ہوا تھا۔ پھر فرمائیں گے کہ اچھا یہ تجھے پانچسو سال تک طاعت کرنے کی قوت طاقت (اور توفیق) کس نے بخشی تھی؟ وہ کہے گا کہ اے میرے رب آپ ہی نے قوت عطا فرمائی تھی۔ حق تعالےٰ فرمائیں گے اور تجھے اتنے بلند پہاڑ کے اوپر وسط چمن میں کس نے ٹھہرایا اور سمندر کے آب شور میں سے شیریں چشمہ اور انار کا درخت جو کہ روزانہ پھل دیتا تھا کس نے بنایا درانحالیکہ انار کا موسم اور دستور یہ ہے کہ وہ سال میں ایکمرتبہ پھلا کرتا ہے۔ اور تو نے مجھ سے یہ خواہش کی تھی اور دعا مانگی تھی کہ میں تجھے سجدہ کی حالت میں موت دوں پس ایسا ہی ہوا تو یہ سب کس نے کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ آپ ہی نے یہ سب کیا اے میرے رب! حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ

ہاں یہ سب میری رحمت کے سبب ہوا پس اسی طرح سے میں تجھے اپنی رحمت ہی سے جنت میں داخل کروں گا۔ یہ کہکر حضرت جبرئیل علیہ السلام بولے کہ بیشک تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان کے فضل ہی سے ہوا کرتی ہیں۔

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ بادی النظر میں نظر اپنے عمل اور طاعت پر جاتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہماری ساری طاعات حق تعالیٰ کی دی ہوئی ہیشگی عطیات کی ادائیگی ہی کے لئے کافی نہیں چہ جائیکہ ان سے ہم آئندہ کسی صلہ اور اجرت کی توقع رکھیں آگے جو کچھ بھی ہوگا وہ خدا کے فضل ہی سے ہوگا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے نجات نہ پا سکے گا۔ حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ اور کیا آپ بھی اپنے عمل کی وجہ سے نجات یاب نہ ہونگے یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہاں میں بھی اپنے عمل کی وجہ سے نجات نہیں پاؤں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت مجھے ڈھانک لے (بس جب ہی تو نجات ہوسکتی ہے) کسی نے خوب کہا ہے ؎

جس جس کو گناہوں نے بخشش کی تمنا ہو ۔۔۔ وہ اپنے گناہوں کی کثرت سے نہ گھبرائے

وہ مائل توبہ ہو میں مائل بخشش ہوں ۔۔۔ میں رحم سے بخشوں گا وہ شرم سے پچھتائے

۴۰۔ بزرگوں کی حکایات خدائی لشکر ہیں

فرمایا کہ ـــــ رسالہ قشیریہ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت جنیدؒ سے دریافت کیا گیا کہ یہ مشائخ کی حکایات اور انکے واقعات بیان کرنے میں مریدین کا کیا نفع ہے؟ فرمایا کہ بزرگوں کی حکایات اور انکے قصص و واقعات کو (جہاد نفس میں) خدائی لشکر سمجھو انکے ذریعہ سالکین کے قلوب کو تقویت اور ہمت ہوتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ یہ بات آپ اپنی رائے سے فرما رہے ہیں یا آپ کے پاس اسپر کوئی شرعی دلیل بھی ہے؟ فرمایا کہ نہیں نہیں دلیل شرعی سے کہہ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ یعنی اللہ تعالیٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرما رہے ہیں کہ یہ جو ہم پیغمبروں کے قصے اور حالات آپ سے بیان کرتے ہیں تو ان سے ہمارا مقصد آپ کے قلب کو تقویت دینا ہوتا ہے (تاکہ آپ کے علم میں آجائے کہ گذشتہ رسولوں کو بھی انکی قوم نے کیسا کیسا ستایا تھا اور انھوں نے محض میری رضا کے لئے کیسی پامردی اور جوانمردی دکھلائی، تکلیفیں سہیں، صبر کیا، انکے لئے تو دعا کی اور میری جانب انکی انابت اور زیادہ بڑھی بالآخر میں نے انھیں کو کامیاب کیا اور آخرت تو متقین کے لئے ہے ہی۔ یہی راہ آپکو بھی چلنا ہے۔ اسی طرح سے بزرگوں کے حالات پڑھنے اور سننے کے بعد ہر سالک کو چاہیئے کہ انھیں حضرات جیسا سودا اپنے سر میں رکھے اور یہ تصور اسکے شوق و عمل کو اور بڑھاتا رہے کہ ؎

اک مجھے سودا تھا دنیا بھر تو سودائی نہ تھی ۔۔۔ میں جو اسپر مرمٹا ناصح تو کیا بیجا کیا

۴۱۔ شرائط قبولیت دعاء

فرمایا کہ ـــــ ریاض الصالحین میں مسلم شریف کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ اس نے بہت طول طویل سفر کیا جسکی وجہ سے پراگندہ حال اور گرد آلودہ بال والا ہوگیا تھا۔ (ایسی مسافرت اور ایسی غریب الوطنی کی حالت میں) اس نے اپنے دونوں ہاتھ دعاء کے لئے اٹھائے اور یارب یارب (کہہ کہکر اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنے لگا، لیکن حال یہ تھا کہ اسکا کھانا حرام تھا، پینا حرام تھا اور حرام غذا سے اسکی پرورش ہوئی تو پھر بھلا اسکی یہ دعاء قبول ہو تو کیونکر ہو؟

صاحب دلیل الفالحین فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ غذاء کی حلت کو بھی دعاء کے قبول ہونے میں خاصا دخل ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ دعاء کے دو بازو ہیں ایک اکل حلال دوسرا صدق مقال، یعنی حلال روزی اور زبان کی سچائی۔

(دلیل الفالحین صفحہ ۳۵ ج ۲)

مکتوب نمبر ۲۵۵

حال: ماہ مبارک رمضان ختم ہوگیا اس میں اس کا حق ادا کر سکتے کا تو وہم بھی نہیں البتہ حضرت والا کے ارشادات اور توجہات کی برکت سے سابق رمضان سے بحمد اللہ کچھ زائد قلب کام میں رہا۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: غفلت اگرچہ لازم حال ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ زیادہ غفلت نہ رہی۔
تحقیق: مبارک ہو۔

حال: تلاوت قرآن کچھ زیادہ نصیب ہوئی۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: اور اللہ کے فضل سے قلب کے ساتھ اکثر آیت پر دل زبان کے ساتھ تھا۔
تحقیق: الحمد للہ۔

حال: مضمون آیت کو سمجھکر زبان روک کر دل سے آمنتُ بہ تحقیق: ما شاء اللہ تعالیٰ

حال: اور آیات بشارت پر زبان روک کر آمنت بہ تحقیق: آمین

حال: وارزقنی منہ نصیبًا تحقیق: آمین

حال: اور آیات انذار پر آمنت بہ واعوذ بک منہ تحقیق: آمین

حال: کلام نفسی کے طور پر کہکر تب آگے بڑھتا تھا۔ تحقیق: خوب

حال: اور تراویح میں الحمد للہ یہی حال تھا کہ جہاں امام سانس لینے کے لئے رکتا تھا میں کلام نفسی کے طور پر حسب مذکور تجدید ایمان اور دعائے نعمائے جنت و تعوذ عقوبات و دوزخ و تعوذ از احوال منافقین کرتا تھا تحقیق: الحمد للہ۔

حال: اگر یہ کوئی حالت اور اچھا عمل تھا تو اللہ کے فضل اور حضرت کے توجہ دلانے کی وجہ سے تھا میرا اس میں کوئی کمال نہیں۔ تحقیق: بیشک۔

حال: اور اگر اس میں کوئی شرعی قباحت ہو مثلاً اثنائے تلاوت میں ہر آیت پر یہ سب نہیں کہنا چاہئے۔
تحقیق: نہیں بہت عمدہ، بلکہ سنت ہے۔

حال : اور دراصل اسکو معلوم کرنے کیلئے بھی یہ حال درج کر رہا ہوں۔ تحقیق۔ ء
حال : تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف کریں۔ تحقیق : آمین۔
حال : اور اپنے مرضی عمل کی توفیق دیں۔ تحقیق : آمین۔
حال : بہر حال اپنے خیال میں تو امسال جو حضرت والا نے بار بار تلاوت
توجہ قلب کے ساتھ کرنے پر زیادہ زور دیا تو احقر نے اسکی تعمیل کرنی چا
قلب میں یہ صورت تجدید ایمان اور توجہ قلب کی آئی
تحقیق : بہت بہت خوشی ہوئی مبارک ہو۔
حال : خدا سے دعا ہے کہ ماہِ مبارک کے احوال جو بضاعۃ مزجاۃ سے زیادہ
محض اپنے فضل سے قبول فرمالے۔ تحقیق : آمین ثم آمین، ثم آمین۔
حال : اور اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔ تحقیق : آمین۔

مکتوب نمبر ۲۵۶

حال : ضروری گذارش یہ ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ حضرت والا کے فضل سے اپنے معمولا
اور ذکر وغیرہ پورا کرلیتا ہوں بفضلہٖ تعالیٰ انشراح بھی پاتا ہوں۔ تحقیق : الحم
حال : اس سے بیحد نفع دیکھتا ہوں۔ تحقیق : الحمد للہ
حال : اور دیکھ رہا ہوں کہ اسی کی بدولت اپنی معرفت اور اپنے سابق کرتوتوں کی
تھوڑی بہت ہوگئی ہے۔ تحقیق : الحمد للہ۔
حال : نیز آنے والی منزلوں کا راستہ کھلتا جارہا ہے۔ اور ان منزلوں کو طے کر
ضرورت خوب ذہن نشین ہوتی جارہی ہے۔ تحقیق : الحمد للہ
حال : غرضکہ نفس کی معرفت بہت کچھ ہوگئی۔ تحقیق : الحمد للہ۔
حال : نفس کی شرارت اور حملوں سے بچنا ساری دنیا کے فتح کرلینے سے ہزار د
دشوار ہے۔ تحقیق : بیشک
حال : بالکل صحیح ہے کہ مسلمان اگر اپنے نفس کے عیبوں کو دیکھے اور اسکو نکالنے کو

میں لگ جائے اور اپنا جانی دشمن سمجھے تو اس مصرعہ پر پورا عامل ہو جائے۔
کار خود کن کار بیگانہ مکن۔

: حضرت ابتو اپنے اندر بڑی کمی محسوس ہوتی ہے یعنی جو ایک مومن کو ملتی ہے یوں تو بہت چیزیں میرے اندر نہیں ہیں مگر ایک چیز لکھ رہا ہوں وہ یہ کہ جس طرح ہم دین کے معاملے میں دعا کرتے ہیں دنیا کے معاملہ میں توجہ نہیں کرتے۔

: بالکل صحیح ہے۔

: جب دنیا کی ضرورت ہوتی ہے تو ظاہری اسباب پر نظر ٹھہر جاتی ہے تو اسکے متعلق نہ کچھ سوچا نہ کیا مگر اب حضرت والا ہی کی برکت سے کچھ احساس ہونے لگا ہے کہ یہ بہت برا ہے جو شرک خفی کہلاتا ہے۔ تحقیق: بیشک۔

: پھر بڑا افسوس ہوتا ہے کہ اتنا نہ ہوا۔ بہت سی چیزیں ہیں جنکو اپنے اندر مفقود پاکر بڑا افسوس ہوتا ہے لہذا وقتی تسلی کے لئے اسکو دل سے نہیں تو زبان ہی سے کرلیتا ہوں۔ بفضلہ تعالیٰ اب دین کی فکر اتنی ہو گئی ہے کہ دنیا کی فکر مضمحل ہو رہی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

: دین کی چیز مسلمان کی گم شدہ چیز ہے بیشک اسکو پاکر اتنا بلکہ اس سے زیادہ خوش ہونا چاہیئے جتنا کہ ایک قیمتی چیز پاکر خوش ہونا چاہیئے غرضکہ طلب پیدا ہو گئی ہے

: الحمد للہ۔

: کم حاصلی کا اعتراف کرتا ہوں۔ تحقیق: الحمد للہ

: دوسری گذارش یہ ہے کہ سب کچھ کر لینے کے بعد سُوار تو اسی وقت ہوگا جبکہ ہم عجب و خود پسندی سے بچ جائیں۔ تحقیق: بیشک

: حضرت والا اکثر اسکا وار ہوتا رہتا ہے۔ سب سے بڑی مہم یہی درپیش ہے یوں تو حتی الوسع دور کرتا ہوں لیکن بس سے باہر معلوم ہوتی ہے۔ حضرت ہی اسکا قلع قمع کریں۔ دعا فرمائیں۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں

: اس سے نجات خصوصیت کے ساتھ ہو جائے اور کام کا ہو جاؤں۔ تحقیق۔ آمین

حال: قرآن پاک کے متعلق ہمارا کیا رویہ ہے اسکا بھی خوب اندازہ ہوا کہ ہم ورق گرد
کرتے ہیں اسکا حق بالکل ادا نہیں کرتے۔ تحقیق: بالکل صحیح ہے۔
حال: دعار فرمائیں اسکا حق ادا ہونے لگے۔ تحقیق: دعار کرتا ہوں۔

مکتوب نمبر ۲۵۷

حال: پچھلے دنوں میں جو تخیلات کا ہجوم ہونے لگا تھا حضرت کی برکت سے حق تعالیٰ
نے اس سے نجات بخشی۔ تحقیق: الحمدللہ۔
حال: اب معمولی خیالات کبھی کبھی آتے ہیں تو لاحول پڑھتا ہوں دفع ہو جاتے ہیں
تحقیق: یہی چاہیئے۔
حال: اللہ تعالیٰ انکو بھی روک دیں۔ تحقیق: آمین
حال: اور قلب کو غیراللہ کے خیال سے محفوظ فرمائیں۔ تحقیق: آمین
حال: حضرت کی دعار اور توجہ کی ہر وقت ضرورت ہے۔
تحقیق: دل سے دعار کرتا ہوں۔
حال: اس وقت تشویش ناک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ بازار کم جاتا ہوں جب
ضرورت سمجھتا ہوں تب جاتا ہوں۔
تحقیق: آپ جیسے آدمی کو یہی چاہیئے۔
حال: اور یہ بھی خیال رہتا ہے کہ راستے میں کوئی معصیت کا قصد نہ ہولیکن
پھر بھی غفلت پیدا ہو جاتی ہے، جسم میں کسل پیدا ہو جاتا ہے اور عبادت
میں تساہل پیدا ہونے لگتا ہے۔
تحقیق: یہ تنبیہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کیطرف سے اپنے خاص بندوں کو لہٰذا اس
سخت اجتناب ضروری ہے۔
حال: کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ عوارض جسمانی سے ایسا ہوتا ہے۔ نقصان ہوتا ہے
اور افسوس ہوتا ہے۔

تحقیق : افسوس تو بہت عمدہ حال ہے۔
حال : حضرت دعاء اور توجہ فرمائیں کہ ایسا نقصان نہ ہو۔ تحقیق : دعاء کرتا ہوں۔
حال : اور تدبیر بھی بتائیں کہ آخر کیا کیا جائے ؟ تحقیق : زبانی بتلاؤں گا۔
حال : حق تعالیٰ حضرت کے فیوض و برکات کو قائم رکھے۔ اور مستفیض فرمائے تحقیق۔ آمین
حال : طالب دعاء و توجہ تحقیق : دل سے دعاء کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۲۵)

حال : اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اپنے شفیق و کریم مرشد کے سایہ میں ماہ رمضان کے روزے نہایت محبت و حلاوت کے ساتھ تمام ہوئے۔ بس یہ جی چاہتا تھا کہ یہ سلسلہ دیر تک رہے۔ یہ ایام بہت دنوں رہیں۔ تاریخ یاد نہیں رکھتا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ دس یا بارہ ہے مثلاً۔ پھر کوئی کہتا کہ آج نو یا گیارہ ہے تو بہت ہی خوشی ہوتی اس طرح پورے یہ عزیز اور محبوب ایام دیکھتے دیکھتے بات کی بات میں ختم ہو گئے اور انکی پوری مہمانداری اور قدر و منزلت نہ ہوسکی۔ سچ عرض کرتا ہوں کہ روزانہ افطار کے وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج کا دن بہت جلد ختم ہو گیا اور شام جلد آگئی۔

پہلے ہی رمضان المبارک کی حاضری میں حضرت والا نے اپنی خاص عنایت سے اندر بلا کر توجہ دلانے کیلئے ایک خاص کیفیت سے جو ملفوظات ارشاد فرمائے کہ لوگوں سے کہدو کہ یہ مہینہ اور مہینوں کی طرح نہیں ہے اس میں خاص اہتمام کی ضرورت ہے۔ انکا قلب پر بفضلہ تعالیٰ ایسا گہرا اثر پڑا کہ مجلس مبارک ہی میں یہ نیت کرلی کہ پورے ایام قلب و جوارح معصیت میں آلودہ نہ ہونے پائیں بالخصوص زبان کا بہت ہی اہتمام کیا۔ تمام دن ہمہ ساعت پوری نگرانی سے حفاظت کرتا۔ حق تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ادعاء سے محفوظ رکھے۔ حضرت والا کی برکت سے اس اہتمام کے طفیل میں حق تعالیٰ سے ایک خاص ممتاز

انس و تعلق محسوس ہوتا اور قلب میں بہت ہی سکون اور ایک قسم کی لذت محبت معلوم ہوتی کہ قلم سے اکا بیان بہت ہی مشکل ہے۔ کلام میں ذرا بھی لغزش کا شبہ ہوتا تو گریہٗ دل سے معافی مانگتا اور یہ سوچتا کہ یہ بھی میرے حق میں عنایت ہی ہے کہ کہیں میرے دل میں عُجب نہ پیدا ہو جائے۔

حضرت والا ادام اللہ فیوضہم کو حق تعالےٰ دین و دنیا کی بے پایاں نعمتوں سے نوازیں کہ کلام اللہ کی ایسی معرفت پیدا فرمائی کہ دل میں پہلے سے کہیں زیادہ عظمت میں اضافہ ہو گیا۔ حضرت نے ہر حیثیت سے خوب سمجھایا۔ تلاوت محض تلاوت تراویح۔ فہم معانی۔ وصول الی اللہ کا واحد ذریعہ بہ تشبیہ کند۔ غرض ہم جیسے نادانوں کو ہر نوع طریق اعتدال و اقتصاد دکھایا۔ بلکہ الحمد للہ ثم الحمد للہ اس طریق پر کسی نہ کسی درجہ میں لا کھڑا بھی کیا۔ پہلے ہی دن فرمایا اور بہت تفصیل سے خوب سمجھا سمجھا کر کہ تراویح میں کلام اللہ کس طرح پڑھنا چاہیئے نہ تو صرف یعلمون تعلمون ہوا اور نہ ہی لوگوں پر گراں۔ پڑھنے میں بھی ایک خاص انداز ہو کہ حروف کو چباتا ہوا معلوم نہ ہو۔ خوش الحانی۔ کیفیت قلب بھی ساتھ ہو خشکی نہ ہو عمدہ یاد ہو ایسے اوصاف کا امام مطلوب شرعی ہے۔ تاکہ مقتدیوں کا دل نماز تراویح میں خوب لگے جسکا نہ بھی جی چاہے وہ بھی شریک ہو جائے۔ جزاکم اللہ تعالےٰ بہت ضرورت کی باتیں معلوم ہوئیں۔ سال میں ایک دفعہ یہ نماز آتی ہے اور ہم کس طرح اپنی غفلت سے خراب کر دیتے ہیں۔ خادم نے اپنے یہاں امام تراویح کو اسی دن خوب سمجھایا۔ انھوں نے بحمد اللہ اس پر عمل بھی کیا ہم سب نمازیوں کو اس سے بیحد نفع ہوا۔ انشاء اللہ یہ باتیں کبھی نہ بھولیں گی۔

اس ماہ میں یہ بھی سوچا تھا کہ کلام اللہ زیادہ سے زیادہ پڑھیں گے اور اسی کو ہم بہت کچھ سمجھتے تھے۔ ایک دن مجلس مبارک میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر جھکائے ہوئے کچھ الفاظ بہت رک رک کر آہستہ آہستہ فرما رہے ہیں نظروں میں حضرت سراپا نور نظر آ رہے ہیں۔ ہر طالب ہمہ تن گوش بنا ہوا ہے

خادم نے بھی کان لگایا تو زبان مبارک پر کیف وکم کے الفاظ جاری تھے۔ احقر نے سمجھا کہ حضرت نے یہ بیان فرماتے کہ ـــــ (لوگ "کم" کا بہت خیال کرتے ہیں کہ آج دس پارے پڑھے اور اتنے پڑھے لیکن کیف " کا مطلق خیال نہیں کرتے کہ دل سے پڑھ رہے ہیں) یہ بیان فرمایا کہ وہاں کوئی گودام سے کہ بوروں کی کثرت تعداد مقصود ہو۔ الحمدللہ یہ جملہ مبارک سنتے ہی دل کھل گیا اور فوراً لن ینال اللہ آیت بصدقہ آں مرشد ذہن میں آکر اسی مسئلہ کو خوب ذہن نشین کردیا اسکے بعد اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ ۔ اور یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ .... لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اس ایک جملہ کی برکت سے خوب شرح صدر ہوگئیں اور اسی وقت حضرت جو فرمایا کرتے ہیں کہ شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر مجاہدہ کی زیادہ ضرورت نہیں پڑتی بلکہ بہت آسانی سے راستہ طے ہوتا ہے خوب خوب سمجھ میں آگیا۔ اور یہ بھی جو فرمایا کرتے ہیں کہ اگر دل لگا کر کام کرو تو وقت زیادہ نہ لگے گا بلکہ اتنا ہی خرچ ہوگا جتنا بے دلی میں، ہاں یہ وقت مفید اور کارآمد ہوجائے گا، خوب دل میں بیٹھ گیا۔

اس ملفوظ مذکورسے جو عطر تصوف اور مقصود دین اور غایت شریعت مطہرہ سے بیحد نفع ہوا اور بہت ہی مسرت ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت نے سب کچھ بتا دیا اور دل نشین کردیا اور بہت بڑی دولت عنایت فرمادی۔ اسی وقت مجلس ہی میں زیادتی کی ہوس دل سے نکل گئی کیونکہ زیادتی میں ہم جیسوں کا دل اتنا ساتھ کہاں دے سکتا ہے۔ اب اپنی کوتاہی کی طرف نظر متوجہ ہوگئی اور نظریہ ہی بالکل بدل گیا حق تعالیٰ سے بار بار استغفار کرتا اور یہی عرض کرتا کہ اسے مولائے کریم اسکو قبول فرما۔ نماز روزہ تلاوت ہر ایک کے بارے میں یہی عرض کرتا کہ اس غفلت کی کوتاہی کو معاف فرماکر قبول فرما رکوع سجدہ میں جس وقت کوتاہی کی طرف ذہن جاتا فوراً حق تعالیٰ سے گڑگڑانے لگتا، اور یہ خیال کرتا

کہ اگر ایک سجدہ بھی قبول ہو جائے تو بیڑا پار ہے۔ سچ ہے سہ

یک زمانے صحبت با اولیاء بہتر از صد طاعت بے ریا

نیز اس ملفوظ سے بھی بڑی گنجلک دور ہوئی کہ تلاوت الگ شئے ہے اور تفسیر و معانی میں غور و خوض الگ۔ بیک وقت دونوں طرف توجہ کیسے ہو سکتی ہے اس کلیہ سے تلاوت نماز بہت ہلکی ہوگئی ورنہ معانی کی طرف توجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ خشوع جاتا رہا اور تلاوت کی مقدار کم ہوتی تھی اب کام آسان اور ہلکا ہوگیا۔

للصائم فرحتان میں طبعی خوشی کو شرعی خوشی بتا کر حضرت نے بحید مسرور و محظوظ فرمایا۔ تمام روزہ اور افطاری سب کو فرحت ہی فرحت بنا دیا حضرت کی باتیں سنتا تھا اور دل میں کہتا تھا کہ یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح نسبت اور یہ ہیں علوم نبوت اور یہ ہے اس ماہ مبارک کا سایہ اور اس ماہ میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت فجزاکم اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین۔

تقریباً پورے رمضان شریف کلام اللہ کے بارے میں حضرت کے بیان نے دل میں ایک تڑپ پیدا فرما دی کہ کاش یہ کند وصول ہاتھ آجائے اور مالک کے کلام کی ظاہر و باطن پورے طور پر معرفت نصیب ہو جائے اور تعلق کلام الٰہی اور صدق نیت اپنا حال بن جائے۔ ایسے کریم و رحیم شیخ کی جوتیوں کے طفیل میں حق تعالیٰ کی ذات پاک سے کسی شئے کی توقع دور نہیں نظر نہیں آتی بصد التجا عرض ہے کہ دعاء فرمائیں۔ **تحقیق**: دعاء کرتا ہوں۔

حال: حق تعالیٰ اس عاجز و بیکس کو اپنی خاص و عام عنایات سے حصہ عطا فرمائیں۔ اور ہر حال میں سچائی عنایت فرمائیں۔

تحقیق: آمین — یہ سارا خط ایسے مضامین سے مملو ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو اس کو اپنا حال بنانے کا داعی اور مبلغ ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسا ہی کر دے۔

نتیجتاً فرجا میں حضرت اقدس کے قیام کی بنیاد ایسی مستحکم تھی کہ بظاہر اس میں
ذل پیدا ہو جانا ممکن نہ تھا۔ مکان پختہ بن چکا تھا، خانقاہ کی توسیع اور استحکام
گیا تھا اور آخر میں مسجد بھی نہایت ہی عالیشان اور وسیع ترکیبا چکی تھی گاؤں کا
عقیدہ طبقہ دل و جان سے فدا تھا، باہر سے آنیوالے مسترشدین کی تعداد روزافزوں
اطراف واکناف کے قصبات اور گاؤں سے وفود آآکر سلسلہ میں داخل ہو رہے
تھے بظاہر نقشہ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کا سامنے تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی
مصلحت چونکہ ہمارے سب امور پر غالب ہے اسلئے ادھر سے کچھ اور ہی سامان کیا جارہا
تھا یوں اللہ کا معاملہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے تاہم بعد میں پیش آنے والے حالات سے
اندازہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ایسا زبردست شیخ اور ایسا مصلح امت ایسی کوردہ
میں گھر کر رہ جائے یہ مناسب نہیں انھیں کسی بڑی جگہ جانا چاہئے اور ایسی جگہ جانا
چاہئے جہاں کے لوگوں میں دین کی طلب ہو، اور محبت خداوندی کی تڑپ ہو۔ چنانچہ
تدریجاً علم الٰہی میں اسکے لئے پہلے گورکھپور تجویز ہوا، پھر الہ آباد اور پھر یہاں سے علی گڑھ
پور، فتحپور اور لکھنؤ وغیرہ میں فیض پہونچا اور بالآخر بمبئی تک یہ سلسلہ پہونچکر ختم ہوگیا
یا الف سے لیکر یا تک کام کو پورا فرمادیا گیا (یا رسے تو بمبئی کی یا متعین ہے باقی الف
سے مراد چاہئے تو اعظم گڈھ کا الف لے لیجئے یا الہ آباد کو سمجھ لیجئے، اور اس الف و یا کی
نسبت ذہن یوں منتقل ہوا کہ اسی سلسلہ کے چند اشعار ایک بار حضرت نے سنائے تھے اور
فرمایا تھا کہ حضرت تھانویؒ نے ان اشعار کو اپنے کسی وعظ میں پڑھکر یہ فرمایا تھا
بھلا کوئی شاعری کرے تو ایسی تو کرے وہ اشعار یہ تھے ؎

ابو بکرؓ یکسو علیؓ ایک جانب — خلافت کو گھیرے ہیں با صد صفائی
الف اور یا کی طرح انکو جانو — کہ محصور ہے جس میں ساری خدائی
یہ تشبیہ ہے واقعی تو جگہ بھی — الف اور یا نے بہ ترتیب پائی
یہ اول خلیفہ کے اول میں آیا — وہ آخر خلیفہ کے آخر میں آئی

یہاں گو تقلید نہیں بدلا تاہم مقامات میں تبدیلی ہوتی رہی۔ چنانچہ کبھی وہ مرکز اعظم گڈھ

بنا کبھی گورکھپور کبھی الہ آباد تو کبھی بمبئی ہوگیا۔ اور اس میں شک نہیں کہ اس تبدیلی
سے حضرت اقدسؒ کا فیض دوبالا ہوگیا اور لائق فائق اہل علم اور اہل دول مخاطبیہ
کی وجہ سے حضرت کے کمالات باطنی خوب ظاہر ہوئے۔ گورکھپور رئیسوں کا شہر کہلا
ان لوگوں نے یہی سمجھ رکھا تھا کہ پیر کو ہماری کوٹھیوں پر آنا چاہئے، وہاں ہم اس
اعزاز و اکرام کے لئے دست بستہ حاضر رہیں گے لیکن حضرتؒ کے قیام گورکھپور سے
انکی اس سلسلہ میں اصلاح فرمائی اور کم از کم لوگوں نے اتنا تو سمجھ ہی لیا کہ دین بھا
دنیا کے ایک قیمتی شئے ہے لہٰذا اسکو حاصل کرنے کے لئے ہمیں خود اپنے
خاک میں ملانا چاہئے۔ ہاں تو پھر بھی ہاتھ کا میل کہلاتا ہے لوگوں نے تو اپنے مزع
علم کو بھی خاک میں ملا دیا ہے تب جاکر باطنی دولت ان کے ہمکنار ہوئی ہے بہ
فرماتے ہیں ؎

درخاک بیلقاں برسیدم بعابدے ۔۔۔ گفتم مرا بتربیت از جہل پاک کن
گفتا برو چوں خاک تحمل کن اے فقیہ ۔۔۔ یا ہرچہ خواندۂ ہمہ در زیر خاک کن

فرماتے ہیں کہ میں نے مقام بیلقان میں ایک عابد کی زیارت کی اور ان سے عرض
کہ حضرت باطنی تعلیم و تربیت فرما کر (خدارا) مجھ ناچیز کو جہالت کے مرض سے نکال دیجئے
اور پاک فرما دیجئے انھوں نے فرمایا کہ جاؤ اور مٹی کی طرح تحمل کرنا سیکھ کر آؤ (کہ غرور
کتنی لتیائی جاتی ہے اور اسکے صلہ میں کس قدر انواع و اقسام کے پھل اور میوے
اور سب ہی طرح کے اجناس ہم کو تحفۃً پیش کرتی ہے) اور یا نہیں تو یہ کرو کہ اسے
پندار علم کو خاک میں دفن کر کے آؤ۔

اللہ والے کہاں نہیں ہوتے لیکن خدا تعالیٰ تک پہونچانے والے بزرگ
کم ہی ہوتے ہیں۔ حضرت اقدس کو دیکھکر گورکھپور والوں کی بھی آنکھ کھلی کہ ہاں بزرگ
ایسے ہوا کرتے ہیں۔ بزرگوں سے کوئی کوئی بزرگ جلالی بھی ہوتے ہیں وہ جب
کسی سے کوئی امر خلاف ملاحظہ فرماتے ہیں تو پھر بددعا بھی کر دیتے ہیں، ایسے بزرگ
سے بھی یہاں کے لوگوں کو پالا پڑ چکا تھا۔ خود حضرتؒ ہی سے سنا فرماتے تھے

ب دن میں مولوی امجد اللہ صاحب کے ساتھ رکشے پر جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک شخص
ا ہوا نظر پڑا مولوی صاحب نے کہا کہ اسکو دیکھ لیجیے اسکا عجیب واقعہ ہے۔ یہ رئیس زادے
ھے انکی بڑی حویلی تھی کسی بزرگ سے تعلق تھا وہ برابر ان کے یہاں آتے جاتے تھے
ب دن یہی صاحب اپنی بیٹھک میں بیٹھے احباب سے گفتگو کر رہے تھے کہ سامنے
سے یہ بزرگ آتے نظر پڑے بس فوراً بجائے بڑھکر استقبال کرنے کے وہ صاحب
ر کے اندر چلے گئے یعنی اپنے اس رویہ سے ان بزرگ کے اس وقت آنے پر
یا ایک طرح کی ناگواری ظاہر کی چنانچہ اسکو ان بزرگ نے محسوس کر لیا ایک شعر
ھا اور وہیں سے اسلئے پاؤں واپس ہو گئے۔ فرمایا کہ ؎

خانقاہے بلند و ہمت پست — اے خدا ہر دو را برابر کن

یلی تو اتنی بڑی ہے اور ہمت ایسی پست ہے (لا حول ولا قوۃ الا باللہ) اے خدا
دونوں کو برابر کر دے۔ انھوں نے تو جملہ ایسا فرمایا تھا کہ وہ اسکے لئے دعا بھی
ن سکتا تھا کہ آئندہ اسکی ہمت اسکی حویلی کی طرح بلند ہو جاتی لیکن چونکہ دکھے ہوئے
ں سے فرمایا تھا اسلئے انکا یہ کلمہ بھی بد دعا بن گیا اور اسکے بعد روز بروز انکی حالت
تی ہی چلی گئی چنانچہ اب یہ حال ہے کہ نانِ شبینہ کے محتاج ہو گئے ہیں اور
سی طرح سے مارے مارے پھرتے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا ان سے اس واقعہ کو
نکر بڑی عبرت ہوئی۔

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ منصب پالینا بھی آسان ہے کہ انسان خدا تعالیٰ
کے آگے گڑگڑا کر کے کسی کے متعلق کچھ کہدے اور وہ اسکی وجہ سے کسی آزمائش میں
ں پڑ جائے لیکن انکی بزرگی سے انکو فیض کیا پہونچا؟ حضرت اقدس کے اندر
ان جلالی دیکھی اور شان جمالی بھی دیکھی۔ کیسے کیسے متکبروں کی اصلاح ہو گئی
ور کتنے خدا کے بندے جو خدا سے بھٹکے ہوئے تھے راہ راست پر آ گئے اور ہے بھی
عاملہ یہی کہ ؎

نشا پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے — مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

ہمارے حضرت اقدس نے اہل گورکھپور میں سے بہتوں کو بھایا، کتنوں ہی کی شخصی اور ذاتی اصلاح فرمائی، کتنے گھرانوں کے اختلافات و نزاعات کا خاتمہ فرمایا۔ چنانچہ اہل گورکھپور نے بھی پھر حضرت کو کتنا مانا اسکا کچھ اندازہ ناظرین کو وہاں سے ہجرت فرمانے کے بعد وہاں کے لوگوں کے حالات سے ہوگا کہ نہ معلوم کتنے طالبین تو بس ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہے۔

حضرت اقدسؒ کو وطن سے گورکھپور لے جانے والے چونکہ مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم تھے اسلئے قیام بھی حضرت والا کا مولوی صاحب موصوف کی کوٹھی میں ہوا۔ پھر چند دنوں کے بعد جب عورتیں اور بچے بھی گورکھپور پہونچ گئے تو بچوں کا قیام مولوی امجد اللہ صاحب کے مکان میں تجویز ہوا جو اسی کے متصل تھا اور مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم کے مکان کی حیثیت خانقاہ کی سی ہوگئی یعنی کوٹھی کے اندرونی حصہ میں حضرت والاؒ کا قیام تھا اور باہر کے بڑے ہال میں آنے والے مہمان مقیم ہوتے تھے پھر کچھ دنوں کے بعد جب خانقاہ فتحپور سے حضرت والا نے سب طلبہ اور طالبین کو بلالیا تو طلبہ کا قیام تو مدرسۂ سعیدیہ کے بعض کمروں میں کر دیا گیا اور طالبین نے بڑے ہال میں اپنا اپنا بستر بچھایا۔ بس مجلس کے اوقات میں لوگ بستروں کو سمیٹ کر کنارے کر دیتے تھے اسی ہال میں ایک جانب تخت بچھتا اس پر گاؤتکیہ اور تپائی رکھی جاتی اس پر تشریف فرما کر حضرت مجلسی افاضہ فرماتے پھر مجلس کے بعد سارا ہال طالبین خانقاہ اور آمد و شد رکھنے والوں کے لئے بمنزلہ مہمان خانہ کے ہوجاتا تھا۔ اس ہال کے ایک گوشہ میں مکان کے اندر جانے کا دروازہ تھا جو گھر کے ایک نہایت طویل و عریض دالان میں کھلتا تھا۔ دالان عبور کر کے دوسری جانب حضرت والاؒ کا کمرہ یعنی آرامگاہ اور خلوت خانہ تھا چنانچہ حضرت اقدس کبھی کبھی اپنے کمرہ سے نکلکر اسی دالان میں ٹہلا کرتے تھے جس کے دونوں جانب گملوں کی روش نے اسے بھی مختصر سا چمن بنا دیا تھا، اور کبھی کبھی ٹہلتے ٹہلتے ہال میں کھلنے والے دروازے تک تشریف لے آتے اور وہیں سے جھانک کر مقیمین کا عمومی جائزہ لیتے کہ کون کیا کر رہا ہے۔ اس خیال

سے لوگ یہاں نہایت ہی سنجیدگی کے ساتھ قیام کرتے تھے چنانچہ ہنسی اور قہقہہ تو الگ رہا آپس میں باتیں بھی نہایت آہستہ آہستہ کرتے تھے کیونکہ ہر آن یہ اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کہیں حضرت والا نہ آجائیں ۔ نہ شور و شغب تھا نہ گپ کی مجلس جمتی تھی نہ سگریٹ بازی ہوتی بلکہ لوگ ہر وقت نہایت متانت اور سکون سے رہتے تھے ۔ باتیں اگر ہوتی بھی تھیں تو مجلس کی اور لکھنا پڑھنا بھی جو جاری تھا تو حضرت کے ملفوظات اور تعلیم کا ۔

حضرت والا کے مکان کے دالان میں چہل قدمی فرمانے کے سلسلے میں دو واقعے یاد آگئے ۔ ایک تو یہ کہ حضرت والاؒ کے خدام میں سے ایک خادم تھے حاجی مطیع اللہ صاحب گورکھپوری مرحوم انکو اللہ تعالیٰ نے جسمانی ساخت میں بہت کچھ حضرت والا سے مشابہت عطا کر رکھی تھی پھر لباس اور ٹوپی میں انھوں نے شیخ کی متابعت اختیار کر لی تھی اسلئے بعض مرتبہ حاجی صاحب کو اچانک دیکھکر لوگ سمجھتے کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں اور سہم جاتے قریب آنے پر معلوم ہوتا کہ یہ تو حاجی صاحب ہیں ۔ ایک دن مولوی نثار اللہ صاحب نے حاجی صاحب کی موجودگی میں حضرت والا سے فرمایا کہ حضرت ! یہ حاجی صاحب بہت اچھے آدمی ہیں لیکن ان میں بس ایک خرابی ہے وہ یہ کہ یہ ذرا دھوکے باز ہیں ۔ یہ سنکر حضرت کو تعجب سا ہوا ، اتنے میں مولوی صاحب موصوف نے اس دھوکے کی تشریح یوں فرمائی کہ حضرت بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ سامنے سے حاجی صاحب تسبیح لئے ہوئے آتے ہوتے ہیں تو ہم لوگ ڈر جاتے اور سہم جاتے ہیں یہ خیال کر کے کہ حضرت تشریف لا رہے ہیں بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نہیں بلکہ یہ حضرت ہیں ، یہی انکا دھوکا ہے جو ہم سب کو پریشان کر دیتا ہے ۔ یہ سنکر حضرت والا تو ہنس دیئے اور حاضرین بھی اس لطیفہ سے محظوظ ہوئے ۔ پھر معاملہ جب حضرت سے مشابہت ہی کا تھا تو جس طرح سے حاجی صاحب کو لوگ حضرت والاؒ سمجھ لیتے تھے اسی طرح بالعکس بھی ایک معاملہ ہوا وہ یہ کہ ہمارے دوست حکیم وصی احمد صاحب (مالک علی گڑھ دواخانہ گورکھپور) ایک خوش مزاج اور مزاح پسند انسان ہیں کبھی بچپنے میں گھوسی کے مدرسہ میں بھی پڑھ چکے تھے اس لئے حضرت اقدس سے قدیمی تعارف تھا

اور دلی محبت تھی گورکھپور تشریف آوری پر حضرت اقدس کی خدمت میں صبح شام، دوپہر جب بھی موقع ملتا حاضر ہوتے رہتے تھے، ایک دن دوپہر کو آئے حضرت والا کھانا کھا کر اسی دالان میں چہل قدمی فرما رہے تھے حکیم صاحب نے دور سے سمجھا کہ یہ حضرت نہیں ہیں بلکہ حاجی مطیع اللہ صاحب ہیں اور سمجھا کہ حضرت والا اپنے کمرہ میں آرام فرما رہے ہوں گے یہ خیال کرکے اپنے مخصوص مزاج اور ظریفانہ طبیعت کے مطابق زمین کے قریب جھک کر وہاں سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے زبان سے بڑی زور سے کہا "اقاہ جناب حاجی صاحب السلام علیکم" یہ کہتے ہوئے معانقہ کے لئے ہاتھ بھی بڑھایا جب قریب ہوئے تو دیکھا کہ حضرت اقدس ہیں۔ یہ دیکھکر حکیم صاحب کی تو گویا جان ہی نکل گئی بالکل دم بخود ہی تو ہوگئے، اور بڑی لجاجت سے عرض کیا حضرت بڑی گستاخی ہوئی معاف فرما دیجئے! بڑی بے ادبی ہوئی معاف فرما دیجئے! حضرت والا نے حکیم صاحب کے سر کو اپنے ہاتھ سے پکڑ کر ہلاتے ہوئے فرمایا کہ جان کے تو ایسا نہیں کیا تھا نا؟ کہا حضرت نہیں بالکل نہیں مجھے حاجی مطیع اللہ صاحب کا دھوکا ہوگیا۔ حضرت نے فرمایا جاؤ اب نہ ایسا کرنا۔ خیر یہ دونوں واقعے تو والان پر ضمناً یاد آگئے تھے۔ عرض یہ کرنا تھا کہ حضرت اقدس کے گورکھپور تشریف آوری کی اطلاع آناً فاناً شہر میں اور اطراف میں ہوگئی اور اب گویا یہاں دینی بہار کا موسم ہی آگیا مجلسیں ہونے لگیں اور ہر طبقہ (رؤسا، تجار، اہل دفاتر نیز عوام) وقتاً فوقتاً آنے لگے اور آآ کر فیضیاب ہونے لگے۔ مجلس کا وقت مقرر ہوا اور وقت مقررہ پر باقاعدہ مجلس ہونے لگی جس میں اہل طلب جوق در جوق شرکت فرمانے لگے۔

اہل وطن سے حضرت کا کچھ مواخذہ تھا اس کے باوجود حضرت اقدس کی جدائی کا ان پر جو اثر تھا ظاہر تھا، فتحپور کا مکان خالی ہوگیا خانقاہ خالی ہوگئی مسجد خالی ہوگئی، محبین اور مخلصین اب جو ادھر سے گذرتے تو بغیر روئے نہیں گذر سکتے تھے اللہ تعالیٰ کی مصلحت سب پر غالب ہے اس میں دم مارنے کی مجال کسی کو نہیں بہرحال سینہ پر پتھر باندھکر لوگ کبھی کبھی خانقاہ میں بھی جاتے اور نماز پڑھتے پانچوں وقت

مسجد میں آتے ہی تھے۔ چنانچہ تھوڑا عرصہ گذرنے پر اعزہ و اقربا یا مخصوص خدام نے گورکھپور حاضری کی ہمت کی ڈرتے ڈرتے مولوی ثناء اللہ صاحب مرحوم کی کوٹھی میں قدم رکھا کسی سے کہلا بھیجا کہ فتحپور سے فلاں فلاں حاضر ہوئے ہیں بس پھر کیا تھا حضرت پر ایک اثر ہو جاتا جس کو دیکھنے والے ہی جانتے تھے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ حضرت والا لوگوں کے اصلاحی مقصد کے پیش نظر کڑی سے کڑی گرفت فرماتے حتی کہ جو شخص واسطہ بنتا وہ پریشان ہو جاتا کبھی کبھی سنا ہے کہ ایسا بھی ہوا کہ گورکھپور کے مخصوص لوگ واسطہ ہوئے ہیں اور حضرت اقدس کے غصہ اور ناراضگی کو دیکھکر اسی لہجہ میں ان وطن سے آنے والوں سے اسی لہجہ میں انھوں نے بھی گفتگو کرلی (مثلاً یوں کہدیا کہ آپ لوگ یہاں کیوں آتے ہیں جبکہ حضرت والا کو ایذار ہوتی ہے؟ کچھ دنوں نہ آئیے تو کیا حرج ہے بلا وجہ آپ لوگوں کے آنے کی وجہ سے حضرت والا سخت تکلیف میں پڑ جاتے ہیں اور انکا اچھا خاصا سکون مکدر ہو جاتا ہے)۔ میں نے سنا کہ جب حضرت اقدس کو اسکی اطلاع ہوئی کہ واسطہ صاحب نے میرے گاؤں کے لوگوں کو بطور خود اس اس طرح ڈانٹا ہے تو خود ان سے اس پر مواخذہ ہوگیا۔ یعنی یہ کہ حضرت والا کا کہنا سننا تو اصلاح کے لئے ہوتا تھا باقی حضرتؒ ان لوگوں کی محبت کو جانتے تھے اور وطن میں جو جو قربانیاں حضرت کے لئے ان حضرات نے دی تھیں اسکا عُشر عشیر بھی کوئی دوسرا نہیں دے سکا تھا اسلئے حضرت انکی محبت کی قدر فرماتے تھے اور دوسرے لوگ اعتدال پر نہ رہتے اگو منشار انکا بھی حضرت کی راحت رسانی ہی ہوتی تھی مگر ذرا لہجہ ترش اور الفاظ سخت فرما جاتے جسکا اثر ان آنے والوں پر تکلیف دہ ہوتا اسلئے یہ طرز بھی حضرت کو پسند نہ ہوتا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ واقعی حضرت کے کسی سے مواخذہ کرنے کی حالت میں کسی کا واسطہ بننا کچھ کھیل نہیں تھا اسکا بھی پورا امتحان ہو جاتا تھا خود حضرتؒ فرماتے تھے کہ واسطہ بنانے میں میری مصلحت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ شخص سامنے ہوگا تو شاید مجھے ہی غصہ آجائے تب کام بن نہ سکے گا اور سامنے ہونے کی صورت میں

وہ مرعوب بھی ہو کر سوالات کا جواب بھی نہ دے سکے گا، اس لئے واسطہ کے ذریعہ سے سوال و جواب کرتا ہوں اس میں دونوں کی مصلحت ہوتی ہے، اور یہ بھی کہ مواخذہ والے کا تو دماغ پریشان ہوتا ہے واسطہ والے صاحب کو چاہئے کہ بات کے سمجھنے سمجھانے میں اسکی اعانت کریں۔ چنانچہ ہم لوگوں کی کج فہمی کم عقلی سے کبھی ایسا بھی ہوجاتا تھا کہ واسطہ خود شیخ بن جاتا تھا یہی حضرت کو ناگوار ہوتا، اس پر کبھی کبھی تو مجرم کی معافی ہوجاتی اور واسطہ صاحب شکنجہ میں آجاتے تھے۔

بہرحال وطن سے آنے جانے والوں سے مواخذہ بھی ہوتا رہا مگر اہل محبت یہ سمجھ کر برابر آتے بھی رہے کہ ؎

داغ جاتے تو ہیں مقتل میں پہ اول سب سے … دیکھئے وار کرے وہ ستم آرا کس پر

جانتے تھے کہ حضرت سخت ناراض ہو جائیں گے تو ڈانٹ پڑے گی اور ہوسکتا ہے کہ چھیڑیا بھی دیئے جائیں اور دو چار تھپڑ بھی لگ جائے مگر انکا حال تو یہ تھا کہ ؎

تو ہو کے ترش رو سجھے گالی ہزار دے … یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

جس طرح سے اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہوتا ہے کہ مومنین میں سے اہل فسق اور اہل غفلت پر خود تو نکیر فرمائی ہے انکو زجر بھی فرمایا ہے لیکن عام مخلوق کو اسکی اجازت نہیں دی کہ وہ کسی بے عمل مسلمان کی غیبت یا شکایت کریں یا اسکے عیوب کا تجسس کریں یا اسکو حقیر جانیں اسی طرح سے یہ حضرات مشائخ بھی جو متخلق باخلاق اللہ ہوتے ہیں اپنے موافق اور مخالف کو پہچانتے ہیں اور انکو سمجھکر ان کے ساتھ کوئی معاملہ فرماتے ہیں۔ کسی پر نکیر بھی فرماتے ہیں تو اسکی اصلاح کے لئے، غصہ بھی ہوتے ہیں تو اس کے نفع کے لئے اور خود تو یہ معاملہ فرماتے ہیں مگر اسکو بالکل پسند نہیں فرماتے کہ دوسرے لوگ انھیں اپنی نظروں سے گرا دیں اور حقیر گردانیں چنانچہ یہاں بھی موافقین اہل وطن سے حضرت ناراض تھے اور ظاہر ہے کہ انکی ادنی ناسمجھی سے حضرت والا کو کس قدر زبردست نقصان پہونچا، کیسی ایذا ہوئی کہ وطن ہی کو خیرباد کہنا پڑا اور یہ سب جانتے ہیں کہ وطن کا ترک کس قدر تکلیف دہ اور نفس پر شاق ہوا کرتا ہے۔

۲۳- اعجاز ابراہیمی کی ایک جھلک
بعض غلامانِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر
(حضرت ابو مسلم خولانیؒ کی عجیب کرامت)

حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ جو طبقۂ تابعین میں بلند پایہ بزرگ ہیں ان کا ایک عجیب واقعہ حدیث و تاریخ کی نہایت مستند کتاب حلیۃ ابی نعیم تاریخ ابن عساکر تاریخ ابن کثیر وغیرہ میں محدثانہ اسانید کے ساتھ مذکور ہے جس کے دیکھنے سے سرورِ کائنات فخر موجودات نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی جامعیت کمالات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے کہ جو معجزات و کمالات انبیاء سابقین کو عطا ہوئے تھے اسی قسم کے بعض کمالات اور خوارقِ عادات اللہ تعالےٰ نے آپکی امت کے افراد پر ظاہر فرما کر اہل علم پر ظاہر فرما دیا کہ ؎

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(آپ یوسفؑ کا حسن، عیسیٰؑ کا احیاء موتیٰ، موسیٰؑ کا ید بیضا رکھتے ہیں پس یہ حضرات جو چیزیں الگ الگ رکھتے تھے آپکی ذات میں سب مجتمع ہیں)

مسیلمہ کذاب کا نام شیطان کیطرح ایسا مشہور ہے کہ غالباً بہت سے عوام بھی اس سے واقف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اس کا اعلان کیا کہ میں بھی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نبوت ہوں۔ یمن میں اسکا نشو نما ہوا بیوقوفوں اور محروم القسمت گمراہوں کی ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ ہو گئی یہاں تک کہ اطراف یمن پر چھا گئی اور لوگوں کو جبر و اکراہ سے اپنے باطل مذہب کی طرف دعوت دینے لگی

ایک روز مسیلمہ کذاب نے حضرت ابو مسلم خولانیؒ کو گرفتار کرا کے اپنے سامنے حاضر کیا اور دریافت کیا تم اسکی شہادت دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ حضرت ابو مسلم خولانیؒ نے کہا میں سنتا نہیں ہوں۔ اس نے پھر کہا کہ تم اسکی شہادت دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟ ابومسلم نے فوراً کہا کہ بیشک۔ اس نے پوچھا کیا تم اسکی گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابومسلم نے فوراً جواب دیا کہ میں سنتا نہیں۔ پھر پوچھا کیا تم اسکی شہادت دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں تو فرمایا کہ ہاں۔ اسی طرح پھر تیسری مرتبہ دونوں جملے دریافت کئے اور یہی دونوں جواب سنے۔

غصہ میں آکر حکم دیا کہ ایک عظیم الشان انبار سوختہ کا جمع کرکے آگ روشن کرو اور ابومسلم کو اس میں ڈال دو۔ اس حزب شیطان نے حکم پاتے ہی یہ جہنم کا نمونہ تیار کر دیا۔ اور ابومسلم کو بے دردی کے ساتھ اس میں ڈالدیا مگر جس قادر مطلق نے حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے دہکتی آگ کو ایک پرفضا باغ اور برداً و سلاماً بنا دیا تھا وہ حیّ و قیوم آج بھی اپنے رسول کی محبت میں جاں نثاری کرنیوالے ابومسلم کو دیکھ رہا تھا اس نے اس وقت پھر معجزہ ابراہیمی کی ایک جھلک دنیا کو دکھلا دی اور پیروان نمرود کی ساری کوششیں خاک میں ملا دیں، حضرت ابومسلم رحمۃ اللہ علیہ صحیح و سالم اس آگ سے برآمد ہوئے تو مسیلمہ کذاب کے ساتھی خود مذبذب ہونے لگے اور مسیلمہ نے اسکو غنیمت سمجھا کہ کسی طرح یمن سے باہر چلے جاویں۔

ابومسلم رحمۃ اللہ نے اسکو قبول کیا اور یمن کو چھوڑ کر مدینۃ الرسول کی راہ لی مدینہ طیبہ پہونچے تو مسجد نبوی میں داخل ہو کر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنا شروع کر دی اچانک حضرت فاروق اعظمؓ کی نظر ان پر پڑی تو بعد فراغت نماز دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں انھوں نے عرض کیا یمن سے (مسیلمہ کذاب کا یہ واقعہ کہ کسی مسلمان کو اس نے آگ میں جلا دیا ہے بہت مشہور ہو چکا تھا اور حضرت فاروقؓ بھی اس سے متاثر اور حقیقت دریافت کرنے کے مشتاق تھے) ان سے پوچھا کہ آپ کو اس شخص کا حال معلوم ہے جس کو مسیلمہ نے آگ میں جلا دیا ہے؟

ابومسلم نے غایت ادب سے صرف اپنا نام لیکر عرض کیا کہ وہ شخص عبداللہ بن ثوب (یعنی خود) ہی ہے۔ حضرت فاروق اعظم نے قسم دیکر فرمایا کہ کیا واقعی آپ ہی کو اس نے آگ میں ڈالا تھا؟ انھوں نے بقسم عرض کیا کہ میں ہی اسکا صاحب واقعہ ہوں۔

حضرت فاروق رضؓ یہ سنکر کھڑے ہو گئے اور ان سے معانقہ کیا، پھر روتے رہے اور اپنے ساتھ لے گئے، اور صدیق اکبرؓ کے اور اپنے درمیان بٹھلایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے اسوقت تک زندہ رکھا کہ اپنی آنکھوں سے میں نے ایسے شخص کی زیارت کرلی کہ جس کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا ہے جو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا تھا۔

تنبیہ: قادیانی، مرزا غلام احمد کے پیرو آنکھیں کھولیں اور دیکھیں کہ مسیلمہ کذاب کا دعویٰ ان کے گرو کے دعوے سے کچھ زیادہ شدید نہیں تھا کیونکہ وہ بھی نبوت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر نہ تھا صرف اپنے آپ کو بھی مرزا کی طرح نبی کہلانا چاہتا تھا مگر صحابہ اور تابعین نے اسکے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ واللہ الہادی۔

۲۴۔ امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا حکیمانہ مکتوب

سنن ابی داؤد میں سند کے ساتھ مذکور ہے کہ ایک شخص نے امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں تقدیر کے متعلق سوالات تھے آپ نے اسکے جواب میں جو حکیمانہ خط لکھا ہے اسکا ایک ایک جملہ آب زر سے لکھے جانے کے لائق اور ورد زبان اور حرز جان بنانے کے قابل ہے چونکہ اسکے پرشوکت الفاظ بھی نہایت دل آویز ہیں اسلئے اصل عربی خط مع ترجمہ کے لکھا جاتا ہے

امابعد: اوصیك بتقوی اللہ والاقتصاد فی امرہ واتباع سنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم وترك ما احدث المحدثون بعد ماجرت بہ سنۃ وکفوا مؤنتہ فعلیك بلزوم السنۃ فانہا لك	حمد و صلوٰۃ کے بعد تمھیں اللہ تعالےٰ سے ڈرنے اور اسکے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرنے کی اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی وصیت کرتا ہوں اور جو چیزیں ایجاد کرنے والوں نے ایجاد کیں باوجودیکہ اسکے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طریقہ جاری فرما دیا تھا اور امت کو اس مشقت سے سبکدوش کر دیا تھا، ان چیزوں کے چھوڑنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تم اتباع سنت کو لازم پکڑو اسلئے کہ وہی خدا تعالیٰ

باذن الله عصمة ثم اعلم انه
لم يبتدع الناس بدعة الا قد
مضى قبلها ما هو دليل عليها او عبرة
فيها فان السنة انما سنها من قد علم
ما في خلافها و لم يقل ابن كثير
من قد علم من الخطاء و الزلل و الحمق
و التعمق فارض لنفسك ما رضي
به القوم لانفسهم فانهم على علم
وقفوا و ببصر نافذ كفوا و لهم
على كشف الامور كانوا اقوى و بفضل
ما كانوا فيه اولى فان كان
الهدى ما انتم عليه لقد
سبقتموهم اليه و لئن
قلتم انما حدث بعد
هم ما احدثه الا من
اتبع غير سبيلهم و
رغب بنفسه عنهم
فانهم هم السابقون
فقد تكلموا فيه بما
يكفي و وصفوا منه
ما يشفي فما دونهم
من مقصر و ما فوقهم
من محسر و قد

کے حکم سے تمہارے لئے تمام ہلاکات سے نجات کی کفیل ہے
اور خوب سمجھ لو کہ لوگوں نے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی مگر اس طرح
کہ سنت رسول میں اسکی برائی اور قباحت کی دلیل موجود ہے
یا اس میں خود عبرت ہے اسلئے کہ طریق سنت کو اس ذات حق تعالےٰ
نے جاری کیا ہے جس نے پہلے یہ معلوم کر لیا تھا کہ اس
طریق کے خلاف میں خطا و لغزش اور حماقت و تکلف ہے
پس تمہیں چاہیئے کہ اپنے لئے وہی طریقہ اختیار کرو جس کو قوم
(سلف صحابہؓ) نے اپنے لئے پسند کر لیا تھا اسلئے وہ جس حد
پر ٹھہرے علم کے ساتھ ٹھہرے اور انھوں نے جس چیز سے
لوگوں کو روکا ایک دوربین نظر کی بنا پر روکا اور بلاشبہ
وہی حضرات دقیق حکمتوں اور علمی الجھنوں کے کھولنے پر
قادر تھے اور وہ جس کام میں تھے اس میں سب سے زیادہ
فضیلت کے وہی مستحق تھے۔ پس اگر ہدایت اس طریق میں
مان لی جاوے جس پر تم ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم فضائل
میں ان سے سبقت لے گئے (جو بالکل محال ہے) اگر تم
یہ کہو کہ یہ چیزیں ان حضرات کے بعد پیدا ہوئی ہیں (اس لئے ان
سے یہ طریقہ منقول نہیں) تو سمجھ لو کہ ان کو ایجاد کرنے والے
وہی لوگ ہیں جو ان کے راستہ پر نہیں ہیں اور ان سے
علٰحدہ رہنے والے ہیں کیونکہ یہی حضرات سابقین ہیں جو
معاملات دین میں اتنا کلام کر گئے ہیں جو بالکل کافی ہے
اور اسکو اتنا بیان کر دیا ہے جو شفا دینے والا ہے۔ پس ان
کے طریقہ سے کمی و کوتاہی کرنے کا بھی کوئی موقع نہیں ہے
اور ان سے زیادتی کرنے کا بھی کسی کو حوصلہ نہیں ہے۔ اور

؎ ۔ اس جگہ راوی حدیث ابن کثیر نے قدؔ علم کا لفظ نہیں بلکہ کوئی اور لفظ کہا ہوگا۔ دوسرے راوی ربیع اور حماد نے

فمنهم قوم دونهم فجفوا وطمع عنهم اقوام فغلوا وانهم بين ذلك لعلى هدى مستقيم	بہت سے لوگوں نے انکے طریقہ میں کوتاہی کی وہ مقصد سے دور رہ گئے اور بہت سے لوگوں نے ان کے طریقہ سے زیادہ کا ارادہ کیا وہ غلو میں مبتلا ہو گئے اور یہ حضرات افراط و تفریط اور کوتاہی کے درمیان ایک راہ مستقیم پر تھے۔
(ابو داؤد کتاب السنۃ ص ۲۸۵ ج ۲ و کتاب الاعتصام ص ۴۲ ج ۱ و بذل المجہود ص ۱۹۲ ج ۵)	

اس خط میں کس قدر وضاحت کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسی چیزوں سے اجتناب چاہیئے جن سے یہ حالات پیدا ہوں کہ ہم نے وہ فضیلت حاصل کر لی ہے جو ہمارے اسلاف کو حاصل نہ ہو سکی تھی، کیونکہ یہ ایک مہلک غلطی ہے

۲۵۔ کثرت وقلت

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا ایک کلمۂ حکمت

آجکل دنیا میں کثرتِ رائے کی حکومت ہے لوگوں نے دنیوی امور سے گذر کر دینیات میں بھی یہی اصول بنا لیا ہے مگر اسلاف امت اسکے متعلق کیا رائے رکھتے تھے وہ اس جملہ سے بوضاحت معلوم ہو جاتی ہے، حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں:۔

اتبع طرق الهدى ولا يضرك قلة السالكين واياك وطرق الضلالة ولا تغتر بكثرة الهالكين	تم راہِ ہدایت کا اتباع کرو اگرچہ اس پر چلنے والے کم ہوں تو وہ تمہارے لئے مضر نہیں۔ اور گمراہی کے راستہ سے بچو اور ہلاکت میں پڑنے والوں کی کثرت سے دھوکہ مت کھاؤ۔
(کتاب الاعتصام للشاطبی ص ۹۶ ج ۲)	

اور علامہ شاطبی فرماتے ہیں:۔

وهذه سنة الله في الخلق ان اهل الحق في	اور اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے بارے میں یہی سنت (عادت جاریہ) ہے کہ اہل حق (ہمیشہ) بمقابلہ

جنب اهل الباطل قليل بقوله تعالى وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ وقوله وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ (اعتصام جلد ا صـ ۱۱)	اہل باطل کے تعداد میں کم رہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں اگرچہ آپ اس پر حریص ہوں"۔ اور ارشاد ہے۔ "اور میرے بندوں میں شکرگذار لوگ بہت کم ہیں"۔

اور حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:۔

اسلكوا سبيل الحق ولا تستوحشوا من قلة اهله (اعتصام صـ ۲۰ / ۱)	تم حق کے راستہ پر چلو اس سے نہ گھبراؤ اہل حق تعداد میں کم ہیں۔

۲۶۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ اور عطا بن ابی رباحؒ

ابن بطال نے شرح بخاری میں امام اعظم ابو حنیفہؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک رتبہ مکہ مکرمہ میں انکا اور حضرت عطا بن ابی رباحؒ کا اجتماع ہوگیا۔ عطا بن ابی رباح نے پوچھا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اہل کوفہ میں سے ہوں۔ عطا ابن رباح نے فرمایا اچھا آپ اس بستی کے رہنے ہیں جنھوں نے دین میں تفرقہ ڈالا اور پارٹیہ بنالیں؟ امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کہا ہاں میں اس بستی کا رہنے والا ہوں۔ پھر عطا بن رباحؒ نے پوچھا اچھا آپ ان مختلف اصناف میں سے کس صنف میں داخل ہیں؟ امام صاحبؒ نے فرمایا:۔

ممن لا يسب السلف ويؤمن بالقدر ولا يكفر احداً بذنب۔	میں ان لوگوں میں سے ہوں جو سلف صالح میں سے کسی کو برا نہیں کہتے اور تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں اور کسی شخص کو کسی گناہ کی بناء پر کافر نہیں کہتے۔

عطا ابن ابی رباحؒ نے فرمایا آپ نے حق کو پہچان لیا ہے اسی پر قائم رہیئے۔

(کتاب الاعتصام للشاطبی صـ ۴۲ ج ۱)

۲۷- امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا پہلا خطبہ

عمر ثانی افضل التابعین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جس وقت امارت و خلافت کا بار ان کے دوش مبارک پر آیا تو سب سے پہلے خطبہ جو ایک عظیم مجمع کے سامنے دیا یہ تھا جس کا ایک ایک لفظ یاد رکھنے اور حفظ کرنے کے قابل ہے۔

" حمد و صلوٰۃ کے بعد واضح ہو کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اور نہ تمہاری کتاب (قرآن) کے بعد کوئی دوسری آسمانی کتاب ہے اور نہ تمہاری سنت کے بعد دوسری کوئی سنت (طریقہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک مقبول) ہے اور نہ تمہاری اس امت کے بعد کوئی امت ہے۔

خوب سمجھ لو کہ حلال صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کی زبانی ہمارے لئے حلال فرما دیا اور وہ قیامت تک حلال رہے گا۔ اسی طرح حرام صرف وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے ذریعہ (صراحۃً یا اشارۃً) ہمارے لئے حرام کر دیا۔

خوب سمجھ لو کہ میں اپنی طرف سے کوئی نئی بات ایجاد کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض اتباع (سنت) کرنیوالا ہوں۔ اور معلوم کر لو کہ میں (حقیقی) قاضی (فیصلہ کنندہ) نہیں بلکہ احکام کو نافذ کرنے والا ہوں۔ (یعنی میرا کام صرف یہ ہے کہ قانون الٰہی سے جو امر ثابت ہو اسکو نافذ کر دوں)

اور خوب سمجھ لو کہ میں صاحب خزانہ نہیں بلکہ (محض) ایک کارکن ہوں کہ مال کو جس جگہ رکھنے کے لئے امر الٰہی آتا ہے اس میں رکھ دیتا ہوں۔ اور میں تم سے بہتر نہیں بلکہ میں تم سے زیادہ بار عظیم کا متحمل ہوں۔ خبردار! کسی مخلوق کی اطاعت میں حق تعالےٰ کی معصیت جائز نہیں۔

(اعتصام ص ۱۰۲ ج ۱)

۲۷ - فائدہ عجیبہ

فقہ مالکیہ کی مشہور کتاب فیض الرحمٰن میں بحوالہ حیوٰۃ الحیوان مذکور ہے کہ علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ جو شخص اس پر مداومت کرے کہ جب جوتا پہنے تو پہلے دایاں اور پھر بایاں پہنے اور جب نکالے تو پہلے بایاں پھر داہنا نکالے وہ تلی کے درد سے مامون رہے گا

(فیض الرحمٰن ص ۲۴۱)

۲۸ - کافروں اور مجرموں کے ساتھ مسلمانوں کا حسن سلوک

اس سلسلہ کے تاریخی واقعات اگر جمع کئے جاویں تو ایک ضخیم دلچسپ کتاب تیار ہو جاوے۔ اس وقت صرف دو واقعے مختصر لفظوں میں لکھے جاتے ہیں :-

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ : حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے چار قیدیوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر قتل کرا دیا تو ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو مرغی کو بھی اس طرح مارنا جائز نہیں سمجھتا۔

(مسند احمد)

غزوہ روم کے زمانے میں بہت سے قیدی، افسر تقسیمات کی زیر نگرانی تھے، ان میں سے ایک عورت کو زار و نزار روتے ہوئے دیکھا گیا حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ ادھر سے گذرے تو سبب دریافت کیا بیان کیا گیا کہ اس کا بچہ اس سے چھین کر علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ آپ نے فوراً اس کے بچے کو واپس دلوا دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر سخت وعید فرمائی ہے کہ ماں سے اس کے بچے کو جدا کیا جاوے۔

(مشکوٰۃ)

اس صورت میں اگر ذرا سی بھی ہمت سے کام لوگے تو دن دونی رات چوگنی ترقی ہوگی اور اسی میں شدہ شدہ تمام مفاسد کی جڑ یعنی کبر بھی قلب سے نکل جائے گا۔ اسی کو حق تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے۔ اور تمام مفاسد کا علاج بتادیا کہ اس ایک صفت کو حق تعالیٰ کے لئے مخصوص مان لو یہ صفت کسی اور کے لئے نہیں ہوسکتی، وہ صفت کبریاء ہے۔ یہ ایک جڑ ہے جس کے ہزاروں شعبے ہیں۔ اجمالاً نہیں بلکہ تفصیلاً اس کے تمام شعبوں کو حق تعالیٰ کے ساتھ خاص کردو اور میں یہ نہیں کہتا کہ سب کے سب متبحر مولوی بن جاؤ بلکہ جہاں تک موقع ملے غفلت نکرو جیسا روپیہ اور زیور جمع کرنے کا شوق ہے یہ یقینی بات ہے کہ تمام بیبیاں اپنا دل بھر کے روپیہ اور زیور نہیں پاسکتیں، مگر غریب ہے تو امیر ہے تو ہر بی بی کی کوشش ضرور ہے زیور اور روپیہ مل جاوے۔ جتنی کوشش سے ایک مقدار روپئے کی مل سکتی ہے اتنی کوشش سے بلکہ اس سے کم سے دین کی بہت بڑی مقدار مل سکتی ہے، ہمت نہ ہارو کچھ نہ کچھ ہو ہی رہے گا، تم ایک حصہ کماؤگی تو خدا تعالیٰ کی طرف سے دس حصے مرحمت ہوں گے۔

۲۲۔ کبر پر وعید، اور توقف وقوع وعید سے دھوکا نہ کھانا اور خائف رہنا

آگے اس مضمون کو حق تعالیٰ نے وھوالعزیزالحکیم سے موکد کیا انلوگوں کے چونکانے کیلئے جو اس مفسدے سے کسی طرح بچتے ہی نہیں اور اپنے عیب پر انکی نظر پڑتی ہی نہیں، جب انکو سمجھانے اور انکی بھلائی سوجھانے سے ان پر اثر نہیں ہوتا تو فرماتے ہیں کہ میں عزیز یعنی غالب بھی ہوں اگر تم کہنا نہ مانوگے تو میرے ہاتھ سے بچکر کہیں جا نہیں سکتے۔ جیسی چاہوں گا سزا دوں گا۔ اور اگر کسی برے عمل پر فوراً سزا نہ ملے تو مطمئن مت ہو جاؤ میں حکیم بھی ہوں کسی مصلحت سے مہلت دیتا ہوں۔ بعض لوگ رشوت لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں تو رشوت سزاوار ہے۔ صاحبو! اس دھوکے میں نہ رہو خدا کے غضب کو مت بھولو۔ اول تو دنیا ہی

میں سزا ملیگی اور اگر دنیا میں کسی مصلحت اور حکمت سے ٹل ہی گئی تو آخرت تو دار الجزار ہے ہی وہاں کی سزائیں اور زیادہ سخت ہیں۔ وہاں کی سزا سے تو دنیا ہی کی سزا بھگت لینا اچھا ہے۔ وہاں کے احوال و آفات کو سوچتے رہنا چاہیئے تصریح موجود ہے ولتنظر نفس ما قدمت لغد یعنی چاہیئے کہ خیال رکھے ہر شخص کہ کل کے لئے کیا سامان کیا ہے اور اسی کی یاد دلانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں زورُالقبور واکثروا ذکر ھاذم اللذات یعنی قبروں پر جایا کرو اور لذتوں کو مٹانے والی چیز یعنی موت کو بہت یاد کیا کرو (اس سے عورتیں یہ فتویٰ نہ نکال لیں کہ قبرستان میں جانا جائز ہے۔ عورتوں کے پردے سے نکلنے میں بہت سی خرابیاں ہیں۔ مراد تذکرۂ آخرت و قیامت ہے۔ جس طرح سے بھی ہو کسی معتبر کتاب میں قیامت کے حالات پڑھیں یا سنیں) اور یہ موت اور قیامت کی اجمالی حالت کافی نہیں کہ کوئی موت موت کی تسبیح پڑھا کرے بلکہ موت کو یاد رکھنا یہ ہے کہ جب کوئی کام کرے سوچ لے کہ بعد موت اس پر کوئی جواب دہی تو میرے ذمہ عائد نہ ہوگی۔ ہمیشہ اسکا خیال رکھو۔

۲۳۔ حق تعالیٰ کا مطیعین کے لئے دو بڑی دولتوں کا وعدہ فرمانا اور انکے حصول کا طریقہ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ترجمہ آیت شریفہ کا یہ ہے کہ جو شخص نیک عمل کرے مرد یا عورت اور وہ مومن ہو پس بیشک ہم اسکو پاکیزہ زندگی عطا فرمائیں گے اور بیشک ہم انکو انکا اجر بدلہ میں دیں گے بسبب انکے اچھے اعمال کے۔

اس آیت شریفہ میں حق تعالیٰ نے اپنے مطیع بندوں کے لئے اطاعت پر دو بڑی دولت کے عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے، اور نیز اسکے حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتلایا ہے۔

۲۴۔ دنیا میں کوئی شخص طلب سے خالی نہیں اور باوجود تعدد طرق کے مطلوب ایک ہے

اول ایک مضمون بطور مقدمہ سمجھنا چاہیے اسکے بعد آیہ کریمہ کا مضمون بخوبی ذہن نشین ہو جاویگا' دنیا میں جتنے عقلاء ہیں کہ جن کے افعال کی غایت ہوتی ہے ان میں ہر ایک شخص ایک شے کا طالب ہے کوئی مال کا طالب ہے کوئی جاہ کا کوئی صحت کا کسی کو درویشی مطلوب ہے کوئی علم کا دیوانہ ہے کسی کو تجارت میں لطف آرہا ہے کوئی اولاد کی دھن میں ہے کوئی مکانات کی تعمیر کا شوق رکھتا ہے کسیکو باغ لگانے کی حرص ہے۔ غرض کوئی ایسا نہیں جو طلب سے خالی ہو۔ بعضے ان ہی میں خدا کے بھی طالب ہیں۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اشیاء متعددہ مختلفہ کے طالب ہیں لیکن اگر غور کیا جائے اور نظر کو عمیق کر کے دیکھا جائے تو فی الواقع ہر شخص کا مطلوب صرف ایک شے ہے اختلاف اسکے تعیین طرق میں ہے۔ کسی نے سمجھا کہ وہ شے تجارت سے حاصل ہوگی وہ تجارت میں مشغول ہو گیا کسی نے خیال کیا کہ علم سے اسکی تحصیل ہوگی وہ علم کا طالب بن گیا' کسی نے اولاد میں اس مطلوب کو گمان کیا وہ اولاد کا شیفتہ ہو گیا۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ ہر شخص کا مقصود جدا ہے اور تم کہتے ہو کہ سب کا ایک ہی مقصد ہے اختلاف طرق میں ہے اسلئے اسکو ایک مثال سے سمجھنا چاہیئے۔

۲۵۔ سبکا مطلوب شے واحد ہونیکی مثالیں اور اس شے واحد کی تعیین

ایک شخص کے پاس دس سائل آئے' ایک نے روٹی طلب کی' دوسرے نے چاول پختہ مانگے' تیسرے نے پیسہ مانگا' چوتھے نے روپیہ' پانچویں نے غلہ چھٹے نے آٹا ساتویں نے کوڑیاں' آٹھویں نے چنے بھنے ہوئے' نویں نے کچے چاول' دسویں نے حلوا۔ پس اس مثال میں بظاہر مطلوب ہر ایک کا جدا ہے لیکن درحقیقت مطلوب واحد ہے طرق مختلف ہیں۔ مقصود پیٹ بھرنا ہے۔ کسی نے

سمجھا کہ پکانے کا کون قصہ کرے اس نے پکی ہوئی روٹی مانگی کسی نے خیال کیا کہ
کچی جنس ملیگی تو اپنی مرضی کے موافق پکا کر کھائیں گے، کسی نے یوں ہوس کی کہ روپیہ
ملیگا تو جنس بھی اپنی مرضی کے موافق خرید کر پکائیں گے۔ اس مثال سے آپ کو
مختلف کا جمع کرنا آسان ہوگیا ہوگا۔ اسی طرح ان لوگوں کے مقصود کو دیکھنا چاہیئے
کہ انکا مقصود کیا ہے تو غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کو شے واحد مطلوب ہے
اور وہ لذت وراحت ہے طرق کا اختلاف ہے کسی نے سمجھا کہ روپے کے حاصل ہونے
میں مزہ ہے وہ اسکا طالب بن گیا، کسی نے سمجھا کہ جاہ میں مزہ ہے، کسی نے اولاد
میں لطف دیکھا، کسی نے تجارت میں۔ کسی کی سمجھ میں آیا کہ دنیا کے مزے تو سب
فانی ہیں، مزہ اصلی تو آخرت میں ہے الیٰ غیر ذٰلک من الطرق (علاوہ انکے اور
بھی طرق ہو سکتے ہیں) مگر حاصل سب کا ایک ہے کہ قلب کو چین ہو، راحت
ہو، مسرت ہو، انبساط ہو۔ دوسری مثال اور لیجئے کہ تاجر مختلف اشیاء کی تجارت
کرتے ہیں کوئی بساطی ہے کوئی بزاز ہے کوئی بقال ہے، کوئی لکھنؤ میں تجارت کرتا
ہے کوئی کلکتہ میں کوئی بمبئی میں۔ تو یہ سب ایک شے کے طالب ہیں وہ شے
کیا ہے؟ نفع مگر اسکے طرق مختلف ہیں۔ کسی نے سمجھا کہ بزازی کی دکان میں
نفع ہے کسی نے خیال کیا کہ بساط خانہ میں بہت نفع ہے اس نے اسی کو اختیار
کرلیا۔ کسی نے سمجھا کہ لکھنؤ میں چکن اچھی ہوتی ہے وہ وہاں جا پہونچا، کسی نے
خیال کیا کہ کلکتے میں تجارت سے بہت نفع ہوگا وہ وہاں پہونچ گیا۔ چنانچہ اگر
کسی تاجر سے کہا جاوے کہ تمکو جو نفع کلکتہ میں ملے گا وہی نفع تمکو ہم یہاں
دیتے ہیں وہ ہرگز کلکتہ نہ جاوے گا۔ کیونکہ مقصود اسکو حاصل ہوگیا۔ غرض یہ امر
اب بالکل واضح ہوگیا کہ لوگ بظاہر اشیاء مختلفہ کے طالب ہیں مگر حقیقۃً مطلوب ایک ہے

۲۶۔ لذت وراحت کے حاصل کرنے میں راؤں کا اختلاف

اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس مطلوب یعنی لذت وراحت کے حاصل کرنے

میں رائیں مختلف ہیں۔ کسی کی رائے تجارت کی ہے، کسی کی زراعت کی ہے اور گاہے آپس میں ایک دوسرے کو خاطی بتاتے ہیں۔ چنانچہ جو تجارت کرتا ہے وہ احیاناً زراعت کرنے والے کو خطا پر بتاتا ہے اور زراعت کرنے والا تاجر کو خاطی بتارہا ہے، اور ان ہی طالبین میں بچے بھی ہیں وہ بھی اس مطلوب یعنی لذت و راحت کے حاصل کرنے میں مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں لڑکیاں گڑیاں کھیلتی ہیں، لڑکوں میں کوئی گیند کھیلتا ہے، کوئی کنکوا اڑاتا ہے، کوئی ریتے کا مکان بناتا ہے۔ اور انکے مکان کو ہم بیہودہ شغل سمجھتے ہیں اور ہم جو قرض لے لیکر مکان بناتے ہیں اسکو بیہودہ نہیں سمجھتے۔ وجہ یہ ہے کہ اپنے مکان کو پائدار سمجھتے ہیں اور معتد بہ راحت کا آلہ۔

۲۷۔ لذت و راحت کے درجے اور افراد

پس معلوم ہوا کہ اس مقصود کے، باوجود اسکے کہ واحد ہے، درجات مختلف ہیں ایک معتبر اور قابلِ شمار اور دوسرے غیر معتبر اور ناقابلِ شمار۔ اور مجموعہ تقریر سے دو امر معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقصود کے طرق میں اختلاف ہے دوسرے یہ کہ اس مقصود یعنی لذت و راحت کے افراد بعض قابل شمار ہیں اور بعض نہیں ہیں۔

۲۸۔ راحت کا کون فرد معتبر ہے اور یہ کہ اسکا فیصلہ کرنیوالا کون ہے

اب یہاں دو امر تنقیح طلب ہیں کہ مقصود یعنی لذت و راحت کا کون فرد حقیقۃً معتبر ہے دوسرے یہ کہ اسکا طریقہ تحصیل کا کیا ہے پس اسکا فیصلہ ایسا شخص کرسکتا ہے جو حقائق اشیاء اور آثار اشیاء سے من کل الوجوہ واقف ہو اور نیز وہ خود غرض نہ ہو کیونکہ کسی کا علم اگر ناقص ہوگا یا کوئی خود غرض ہوگا تو وہ ہرگز ان دو امر کے متعلق فیصلہ نہیں کرسکتا۔ تو اب دیکھنا چاہیے کہ جس میں یہ دو صفتیں علیٰ وجہ الکمال موجود ہوں وہ کون ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مخلوق میں یہ دونوں صفتیں ناقص ہیں جو عالم

نظر آتا ہے اس سے زیادہ اور عالم موجود ہے، وفوق کل ذی علم علیم (ہر علم والے سے بڑھکر ایک علم والا ہوتا ہے)۔ اور استغنا، اور بے غرضی کی صفت میں بھی مخلوق ناقص ہے جس کو دیکھئے وہ خود غرض ہے۔ اگر کہا جاوے کہ بعضے ہمدردان قوم ایسے ہیں کہ دوسروں کو بلا غرض نفع پہونچاتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں بعضے ثواب کے طالب ہیں اور بعضوں کی ایسی طبیعت ہوتی ہے کہ دوسروں کو نفع پہونچا کر ان کے دل کو ٹھنڈک اور راحت پہونچتی ہے یہ ازاحۃ رقت جنسیت (یعنی ہمجنس کی تکلیف اور ترس کو دور کرنا) بھی ایک غرض ہے۔ اسی طرح ماں باپ اور جملہ اقربا بھی جو کچھ کرتے ہیں سب اپنی شفائے قلب کیواسطے کرتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ بعضے لوگ ایسے طور سے دیتے ہیں کہ نہ دینے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لینے والا کون ہے اور نہ لینے والے کو دینے والے کا حال معلوم ہوتا ہے اس میں کون سی غرض ہے؟ جواب یہ ہے کہ یا تو اسکو ثواب مطلوب ہوگا اور اگر ثواب مطلوب نہ ہوگا تو نفس عطا سے اسکے دل کو حظ ہوگا یہ بھی ایک غرض مطلوب ہے۔ بالجملہ مخلوق میں ایسا کوئی نہیں جو علم اور استغنا رکی صفت علی وجہ الکمال سے موصوف ہو ایسی ذات پاک تو حق تعالیٰ ہی کی ہے۔ علم کی تو انکے وہ شان ہے کہ عالم الغیب والشہادۃ ہیں اور بے نیازی ایسی ہے جیسا مولاناؒ فرماتے ہیں ؎

من نکردم خلق تا سودے کنم　　　بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

(میں نے مخلوق کو اسلئے نہیں پیدا کیا کہ اس سے نفع حاصل کروں بلکہ اسلئے پیدا کیا ہے کہ بندوں پر جود و سخا کا معاملہ کروں)

اور خدا تعالیٰ کو اپنا نفع مقصود نہیں ہوسکتا اسلئے کہ نفع جو ہم کو مقصود ہوتا ہے تو اسکے معنی یہ ہیں کہ ہمارے اندر ایک نقصان تھا اس نفع کے حاصل ہونے سے اسکی تکمیل ہوگئی۔ اور حق تعالیٰ کی ذات خود کامل و اکمل ہے اگر حق تعالیٰ کو بھی اپنا نفع مقصود ہو تو نعوذ باللہ ذات باری میں نقصان اور استکمال بالغیر لازم آتا ہے۔ بہرحال نہ خدا تعالیٰ کے برابر کسی کو علم ہے اور نہ کوئی ایسا بے غرض ہے [illegible]

ان دونوں مسئلوں کا فیصلہ حق تعالیٰ ہی سے کرانا چاہیئے۔

۲۹۔ راحت کے فردِ معتبر کی تعیین اور اس کا طریق تحصیل

چنانچہ کلام اللہ کی ان آیات میں ان دونوں امروں کا فیصلہ کر دیا کہ بطور حاصل ارشاد ہے کہ اسے بندو تم جو اپنے مقصود یعنی راحت کو مختلف چیزوں میں ڈھونڈھتے ہو کوئی مال میں راحت و لذت کا طالب ہے کوئی بیوی بچوں میں اپنے مطلوب کو تلاش کرتا ہے کوئی جاہ میں کوئی مکانات میں مشغول ہے ہم تم کو راحت حقیقی کی تحصیل کا ذریعہ بتاتے ہیں وہ یہ ہے من عمل صالحاً الخ مطلب یہ ہے کہ جو شخص نیک کام کرتا ہے اور اس میں شرط یہ ہے کہ وہ مومن ہو یعنی عقیدہ اسکا درست ہو ہم اس کو مزہ دار زندگی عطا فرما دیں بسبب احسن ان اعمال کے جو کیا کرتے تھے۔ اس ترجمہ سے دونوں امر تنقیح طلب جو اوپر مذکور ہوئے معلوم ہو گئے یعنی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مقصود معتبر کیا ہے اور اسکا طریق تحصیل کیا ہے۔ مقصود دو چیزیں ہیں حیات طیبہ اور اجر۔ اور اسکا طریق بھی دو چیزوں کا حاصل کرنا ہے عمل صالح اور عقائد صحیحہ۔

۳۰۔ لذت و مسرت کی تکمیل اَجرِ اخری سے ہو گی

اور حیات طیبہ اور اجر کا حاصل ایک ہی ہے یعنی لذت اور مسرت کیونکہ حیات طیبہ جسکو فرمایا ہے اسکی تکمیل اجر اخروی سے ہو گی اسلئے کہ جس حیات کے بعد اجر نہ ہو وہ حیات طیبہ نہیں اسلئے کہ جب اسکو معلوم ہے کہ یہ آرام و راحت دنیا ہی میں ہے اور بعد حیات دنیوی کے پھر تکالیف کا سامنا ہے تو وہ حیات بھی مزیدار نہ ہو گی کیونکہ خوف آئندہ موجودہ مسرت کا تباہ کن ہے۔ مثلاً کوئی شخص نہایت ہوادار، شاندار اور پر لطف کمرے میں ہے اور کھانے پینے کی اشیاء سب موجود ہیں اور آرام کے سب سامان مہیا ہیں لیکن اس پر ایک مقدمہ فوجداری کا قائم ہے اور اسکو یہ معلوم ہے کہ فلاں دن میرے لئے پھانسی کا

حکم ہوگا تو اسکو یہ زندگی اور یہ ظاہری تمتع وبال جان ہوگا اور ہر شے اسکو خار نظر آئیگی اسی طرح دنیا کا حال ہے کہ یہاں خواہ کتنا ہی آرام ہو جب یہ معلوم ہو کہ یہ فانی ہے تو کیا لطف ہے۔

۳۱۔ دنیا خواہ ملے یا نہ ملے ہر حالت میں پریشان کرنیوالی ہے

اور دنیا تو خواہ ملے یا نہ ملے ہر صورت میں پریشان کرنے والی ہے سا

اذا ادبرت کانت علی المرء حسرۃ

وان اقبلت کانت کثیر ھمومھا

اگر نہ ملے تو نہ ملنے کا افسوس اور حسرتؔ رہتی ہے اور اگر ملے تو طرح طرح کے افکار اور ہموم ہوتے ہیں۔

حکایت: ایک شخص سے کسی نے پوچھا کہ تمھارے یہاں خیریت ہے وہ سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ خیریت ہوگی تمھارے یہاں، ہمارے یہاں تو بفضلہ تعالیٰ کچھ بچے چھوٹے بڑے موجود ہیں آج یہ بیمار ہے، کل اسکو بخار ہے، کوئی مرتا ہے کوئی جیتا ہے۔ جس کے یہاں کوئی نہ ہو اسکے یہاں خیریت ہوتی ہے۔ غرض دنیا میں پریشانی ہی پریشانی ہوتی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو واقعی مصیبت کی جگہ ہے کسی طرح چین نہیں ایک مقصود اگر حاصل ہوتا ہے تو دوسرے کی فکر ہوتی ہے۔ مثلاً شادی بھی ہوگئی مال و دولت سب کچھ ہے اولاد نہیں ہے تو اولاد کا ہر وقت فکر کہ اولاد ہو، یہی دھن ہے یہی فکر ہے۔ شب روز اسی میں گذرتا ہے۔ کبھی خیال ہوتا ہے کہ یہ سب جائداد وقف کردوں، کبھی خیال ہوتا ہے کہ کسی کو متبنیٰ بناؤں۔ خدا خدا کرکے اولاد ہوگئی اب شب و روز اسی دھن میں ہیں کہ کسی طرح یہ جلدی پرورش ہو جائے اسکا ختنہ دھوم دھام سے ہو۔ اور اسکی شادی ہو۔ اللہ اللہ کرکے اولاد والی بھی ہوگئی اور شادی بھی ہوگئی اب رات دن یہی فکر ہے کہ اولاد کے اولاد نہیں ہے اسی غم میں گھلتے ہیں غرض ساری عمر عزیز اسی میں صرف ہو جاتی ہے اور کوئی وقت اللہ کیلئے مشغول ہونیکا نہیں ملتا

شمارہ ۵ مئی ۱۹۸۲ء جلد ۵

مکتبہ وصیۃ العلوم ۲۳ بخشی بازار الہ آباد

حاملِ مضامینِ تصوف و احسان ماہنامہ افاداتِ وصی اللٰہی کا واحد ترجمان

زیرِ سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ۲ دو روپئے | مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۵ | رجب المرجب ۱۴۰۲ھ مطابق مئی ۱۹۸۲ء | جلد ۵

فہرست مضامین

ترسیلِ زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و نیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲ - ۵ - ۱ - ۷ - ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

عرصہ سے رسالہ ہٰذا کے "پیش لفظ" کا عنوان صرف دو باتوں کیلئے مخصوص سا ہو کر رہ گیا ہے۔ ایک تو احباب کی جانب سے رسالہ کی پسندیدگی کا اظہار اور دوسرے ادارہ کی جانب سے زراعانت کے روانگی کا مطالبہ۔ ان میں سے اول تو ناظرین کے حسن ذوق اور انکی کریم الخلقی کا مظہر ہوتا ہے اور دوسرا ہماری بدخلقی کا ترجمان بنتا ہے۔ لیکن ہمارا یہ عیب ایسا ہے کہ اسکا علاج آپ ہی حضرات کے ہاتھوں میں ہے یعنی معاملہ صاف رہے تو یہ کوتاہی بھی معاف رہے۔ ہمارے اس طرز پر احباب کی دو رائیں ہیں بعض کا کہنا ہے کہ ایک ایسے دینی رسالہ کے لئے یہ دنیوی مطالبہ زیب نہیں دیتا بعض دوسرے حضرات یوں فرماتے ہیں کہ نہیں جی ضرور لکھنا چاہیئے۔ چنانچہ تجربہ بھی کچھ ایسا ہی ہوا کہ جب جب بھی لکھا تو دس بیس نے ضرور توجہ فرمائی ہے۔ اور اگر احباب کے علم میں کوئی نسخہ ایسا ہو کہ طالبین رسالہ بدون طلب چندہ کے بھی رسالہ نکالا جا سکتا ہو تو وہ ضرور ہمیں بھی اس سے آگاہ فرما دیں انشاء اللہ تعالیٰ ویسا ہی کیا جائے گا۔

ہم تو رسالہ بطور تبلیغ دین کے کم از شاہنہ سے نکالنا چاہتے ہیں لیکن کریں کیا کہ جس دنیا میں رہنا ہے اس نے ہمیں بھی مجبور کر دیا ہے۔ رسالہ کا چندہ تین سال قبل بیس روپیہ ہوا تھا وہی چل رہا ہے لیکن گرانی ہے کہ اپنی سابق رفتار سے بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ زر شاہنہ میں اضافہ کی ہمت یوں نہیں پڑی کہ بیس کا ملنا ہی مشکل ہو رہا ہے زیادہ ہوگا تو کیا ہوگا؟ لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس سال تو گاڑی چلا ہی دی۔ آگے بھی اللہ ہی مالک ہے۔ یا تو اللہ تعالیٰ گرانی ہی کو رفع فرما دینگے یا احباب کی ہمت ہی کو دوبالا فرما دیں گے۔

بہرحال جن حضرات کا چندہ نہ آیا ہو وہ جلد روانہ کریں اور رقم ارسال فرماتے وقت کوپن پر بھی رقم کی مد اور اپنا نام و پتہ ضرور لکھ دیا کیجئے۔ نیز یہ کہ رسالہ کا کوئی اکاونٹ بینک میں نہیں ہے اسلئے رقوم بذریعہ منی آرڈر ہی ارسال فرمائی جائے تو بہتر ہے۔ سٹ ۱۵ موجود میں طلب فرما سکتے ہیں حضرت قاری صاحب مدظلہ الٰہ آباد میں تشریف رکھتے ہیں اور الحمدللہ خیریت سے ہیں۔

والسلام (ادارہ)

۲۴۔ اپنے کو کبیر سمجھنا اور کبیر متعال کو بھول جانا کافر کی صفت ہے

فرمایا کہ ــــــ تفسیر مظہری میں ایۃ لَا یُحِبُّ الْمُتَکَبِّرِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ تکبر کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا کے تحت نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص جنت میں نہ داخل ہوگا جس کے قلب میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا۔ اسی طرح سے دوزخ میں وہ شخص نہ داخل ہوگا جس کے قلب میں رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا۔

ایک صحابی نے یہ سنکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! انسان چاہتا ہے کہ اسکے کپڑے اچھے ہوں (تو کیا یہ بھی کبر ہے) آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ کبر نہیں ہے (یہ تو صفائی ستھرائی کی بات ہے) اور اللہ تعالیٰ خود بھی جمیل ہیں جمال کو پسند فرماتے ہیں۔ کبر یہ ہے کہ انسان حق سے سرکشی کرے اور لوگوں کو حقیر جانے۔ حدیث میں الفاظ بطر الحق اور غمص الناس کے آئے ہیں اسلئے نہایہ میں بطر الحق کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حق فرمایا ہے مثلاً توحید اور اللہ کی عبادت اس کو یہ شخص باطل قرار دے ایک قول یہ بھی ہے کہ حق سامنے آنے پر اس سے تکبر کرے اور اسکو تسلیم کرنے سے انکار کرے۔ ایک قول یہ ہے کہ حق سے روگردانی کرے اور اسکو قبول نہ کرے۔ صاحب نہایہ فرماتے ہیں حاصل ان سب اقوال کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت کو اپنے اوپر لازم نہ جانے چہ جائیکہ اللہ تعالےٰ کے انعامات اور اکرامات کا جو اس پر ہیں انکار کرے، خدا کا فضل نہ جانے بلکہ خود کو انکا مستحق سمجھے۔ اور غمص الناس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو حقیر جانے اور اپنے کو ان سے بڑتر سمجھے۔

صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں کہ حدیث میں ایمان کو کبر کے مقابلے میں (یا کبر کو ایمان کے مقابلے میں) جو لایا گیا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ مومن اپنے وجود اور اسکے توابع سارے کمالات کو خدا کی دین اور اسکی جانب سے مستعار سمجھتا ہے اور خود کو ان سے عاری، غیر مستحق اور نااہل جانتا ہے اس لئے انکی وجہ سے تکبر بھی

نہیں کرتا (کہ پرائے مال پر اتراتا کیا؟) برخلاف اسکے کافر اپنے وجود اور اپنے اوپر کی ہوئی سب نعمتوں اور دیئے ہوئے سب کمالات کو اپنی چیز سمجھتا ہے اسلئے اسپر تکبر کرتا ہے اپنے کو بڑا سمجھتا ہے اور کبیر متعال کو بھول جاتا ہے۔ چنانچہ تصوف میں جس کو فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ یہی ہے کہ اپنی ذات کو فانی جاننے اور وجود سے بلکل خالی سمجھے اور تمام وجود کو بلکہ خود کو مستعار من اللہ جاننے کہ یہی حقیقی ایمان کا تقاضا ہے۔ ؎ تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

۴۳۔ بزرگوں کی باتیں سمجھ میں نہ آنے یا یاد نہ رہنے کا مرضِ عام اور اسکا علاجِ تام

فرمایا کہ ـــ شیخ احمد ابوالعباس مرسی کے ملفوظات میں دیکھا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اے لوگو! جو باتیں تم نے مجھ سے سنی ہوں اور اسے سمجھ بھی لیا ہو تو بس اسکو (اپنے قلب و دماغ میں) امانت کے طور پر محفوظ کرلو بوقت ضرورت اللہ تعالے تمھیں خود وہ باتیں یاد دلا دیں گے۔ اور میری جن باتوں کو تم نے سنا تو ہو لیکن سمجھا نہ ہو (تب بھی فکر نہ کرو) بلکہ اس کے ذکر و بیان کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرو اور تم یہ کرو کہ اپنے قلب کے آئینہ کی صفائی میں دل و جان سے لگ جاؤ (انشاء اللہ تعالےٰ) بروقت تمھیں ہر چیز معلوم ہوجایا کریگی (یعنی اللہ تعالیٰ تمکو اسکی وجہ سے بصیرت، فراست اور علم لدنی عطا فرمائیں گے جو تمھارے لیئے ہر مشکل کا حل ثابت ہوگا)

(راقم عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ حضرت شیخ نے کیا عمدہ بات فرمائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان بس بزرگوں کی بات کو غور سے سننے کا مکلف ہے اور کوشش اس امر کی کرے کہ اسکو سمجھ بھی لے رہا یہ کہ وہ یاد کیسے رہیں یہ چیز چنداں غم و فکر کی نہیں اس سے زیادہ ضروری شے ہے کہ اپنے قلب کا آئینہ مصفا کرے اور پھر خدا کی نصرت کا تماشا دیکھے)

۴۴۔ صادق اور مدعی ہر طبقے میں ہوتے ہیں

فرمایاکہ ــــ لوگ غیر محقق اور بے راہ رو لوگوں کو دیکھکر تصوف ہی پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ ایک طرف اگر اس جماعت میں کچھ مدعی اور دنیا دار لوگ گھس گئے ہیں تو ایک جماعت ان میں محققین اور اہل حق کی بھی توموجود ہے۔ اور یہ بات کس جماعت میں نہیں ہے۔ علمار کی جماعت میں جس طرح علمار باللہ ہوتے ہیں جن کے بارے میں خدا کی شہادت موجود ہے کہ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں وہ علمار ہی ہیں اسی طرح سے ایک بڑی تعداد علمار سُوء کی بھی توموجود ہے۔

اس مضمون کو صاحب سمط المجید نے خوب بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں کہ مومنین کے بہت سے مراتب ہیں انھیں کے منجملہ ایک مرتبہ تصوف بھی ہے اور جس جماعت نے اسکو لیا ہے انھیں صوفیہ کہا جاتا ہے۔ انکا وصف خاص یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کو دنیا کے مقابلے میں ترجیح دیتے ہیں اور اختیار کرتے ہیں اور حق کو خلق کے مقابلے میں لیتے ہیں اور ہر مرتبہ ہی کے لوگوں کا معاملہ یہی ہے کہ انکی دو قسمیں ہیں ایک اہل حقیقت اور دوسرے اہل دعویٰ جنکو حقیقت سے مس نہیں ہے۔ (جب یہ حال ہے تو صرف تصوف ہی کو مورد طعن بنانا اور سب جماعتوں کو گوارا کرنا انصاف سے بعید ہے)

۴۵۔ تحقیق جذر اصم

فرمایاکہ ــــ ردالمختار میں ہے کہ (حساب میں جو شئے کسر بولی جاتی ہے اس کسر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسکو فلاں عدد کا فلاں جزو کے عنوان سے بھی بیان کرسکیں اور اسکا اپنا مستقل نام بھی ہو جیسے ⅕ کہ اسکو (خمس پانچواں حصہ) بھی کہہ سکتے ہیں اور پانچ میں کا ایک جزر (جزر من الخمس کے) عنوان سے بھی

تعبیر کر سکتے ہیں اسکو کسرِ منطق یا جذر منطق کہتے ہیں۔ اور ایک قسم یہ ہے کہ یہ فلاں عدد کا فلانا جزء ہے اس عنوان سے ہی اسکو تعبیر کر سکیں اور اسکے لئے کوئی الگ سے نام نہ ہو جیسے عربی میں گیارھویں حصے کو جزء من احد عشر گیارہ میں سے ایک کے عنوان ہی سے بس تعبیر کر سکتے ہیں الگ سے اسکا کوئی نام نہیں ہے اس دوسری قسم کو جذر اصم کہتے ہیں۔

۴۶۔ لوگوں میں تبدیلی ہو جائیگی

فرمایا کہ مؤطا امام مالک کی حدیث میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعو نے ایک شخص سے فرمایا کہ میاں سنو! تم اسوقت تو ایک ایسے زمانہ میں ہو کہ جسمیں علماء اور فقہاء کی کثرت ہے قاری قرآن کی قلت ہے۔ معانی قرآن کی اس زمانہ حفاظت کیجاتی ہے اور اسکے الفاظ کی طرف چنداں اہتمام نہیں ہے (بس سیدھے سادے طور سے پڑھا جاتا ہے۔ سوال کرنے والے (فقیر اور بھک منگے) کم ہیں (اللہ تعالیٰ کے نام پر) خرچ کرنے والے بہت ہیں۔ نیز اس زمانہ میں نماز کو لوگ طو کرتے ہیں اور خطبہ کو مختصر کرتے ہیں۔ اور خواہشات و خیالات اور دور دراز کی اسکیمیں بنانے سے زیادہ عمل کا اہتمام کرتے ہیں — لیکن آئندہ لوگوں میں ایسا زما آئیگا کہ علماء (ربانی اور فقہائے محققین) کی کمی ہو جائیگی اور قرآن شریف کو (نئی نئی قرأ سے) پڑھنے والوں کی کثرت ہو جائیگی (یعنی لوگ اسکو بس ایک تفریح اور تغنی ساتھ پڑھ پڑھکر نقل مجلس بنالیں گے) حروف قرآن کی بڑی سجاوٹ رہے گی (یعنی غین قاف تو خوب درست رہے گا) مگر اسکی حدود (معانی اور مقصد خداوند) کو ضائع کیا جائیگا۔ مانگنے اور سوال کرنے والوں کی کثرت ہو جائیگی اور دینے بہت کم ہو جائیں گے۔ لوگ اس زمانہ میں خطبات (عیدین و جمعہ وغیرہ) کو خوب لمبا لمبا پڑھیں گے اور نمازیں مختصر ادا کیا کریں گے۔ اور خواہشات اور امنگیں خوب خوب (شیخ چلی کی طرح) بنائیں گے اور عمل غائب ہو جائے گا۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس زمانہ میں بالخصوص پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے اس سے آپؐ کا منشا معلوم ہوتا ہے کہ کیا چیز آپؐ کو پسند تھی اور کیا امور ناپسند تھے۔ طالب کے لئے اصلاح کا ایک باب اس سے کھل سکتا ہے۔ چنانچہ اسی کے عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ مدارس کی تعمیر اور عمارت کا تو بہت اہتمام کیا جائے اور نظم تعلیم غائب ہو یعنی نہ اسکی فکر کہ اساتذہ دیندار حاصل کئے جائیں نہ اسکا اہتمام کہ طلبہ کی صورت شکل خُلق و عمل سنت و شریعت کے مطابق بھی ہے یا نہیں۔ بہ نظر انصاف اگر دیکھئے گا تو اپنا یہ زمانہ تقریباً وہی زمانہ پائیے گا جس کے متعلق حضرت ابن مسعودؓ نے بطور پیشین گوئی کے فرمایا تھا کہ "آئندہ ایک زمانہ ایسا آئیگا الخ"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی مضرتوں سے بچائے اور ایسے دور میں راہِ سنت پر چلنے کی اور اسکی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

۴۷۔ خود انسان کو اپنے طور پر کیسا ہونا چاہیئے

فرمایا کہ ــــ کتاب السمیر المہذب میں ہے کہ سب سے پہلی چیز جو انسان کے لئے لازم اور ضروری ہے یہ ہے کہ وہ اپنی عقل کو علوم اور معارف کی غذا ہمیشہ اور مسلسل دیتا رہے اسلئے کہ انسان کی جتنی زیادہ قیمت بڑھ جائیگی اور مرتبہ اسکا جس قدر بلند تر ہوجائے گا اسی قدر وہ اپنے جملہ شیونِ حیات (حالات زندگی) میں علوم کا محتاج ہوتا جائیگا لہٰذا اس جوہر سے اسے ہمیشہ خود کو پُر رکھنے بلکہ اسکو روز افزوں ترقی دینے کی ضرورت ہے۔

نیز خود اسکو بھی اپنی قدر پہچاننا ضروری ہے کیونکہ سب سے عمدہ خصلت انسان کے لئے یہی ہے کہ وہ اپنی قدر کو خود پہچانے اسلئے کہ جس شخص نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔ روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اور نفس کے پہچاننے کا مطلب یہ ہے کہ

اپنے مبلغ علم کو جان لیا اور خدا نے اسکو جس قدر عقل و فہم عطا فرمائی ہے اسکو جان لیا یعنی اپنی ذکاوت، ذہانت، یادداشت، روشنئ طبع، حسی اور مادی قوتوں کو جان لیا اور اپنے ادبی مقام یعنی اپنی لیاقت علمی اور مہارت فنی کو سمجھ لیا۔ نیز یہ جان لیا کہ مجالس احباب اور محافلِ اہل دانش میں اسکا کیا مرتبہ ہے اسکو مجملاً یوں سمجھو کہ اس نے اپنی جملہ صفات اور عادات کو خوب سمجھ لیا یہاں تک کہ اب اسکو اپنے نفس کی جانب سے دھوکا نہیں ہونے کا۔ اور نہ وہ کسی غرور میں پڑنے والا یا اپنے اندر ایسی چیز کا دعویدار کبھی نہ ہوگا جو اس میں نہیں ہے (یہ ہے اپنے نفس کا عارف اور یہ ہے انسانی کمال چنانچہ) جس شخص کا کسی ایسے شخص سے سابقہ پڑے گا جو مذکورہ بالا معنوں میں اپنے نفس کا عارف ہوگا اسکو خود اندازہ ہو جائیگا کہ کسی غیر عارف، مغرور اور مدعی اور یونہی ڈینگ ہانکنے والے کا اس سے مقابلہ کیا؟ کہاں وہ اور کہاں یہ دونوں میں کوئی نسبت نہیں، پہلا شرف کے اعلیٰ مقام پر فائز اور دوسرا نہایت ہی بے وقعت اور قعر مذلت میں گرا ہوا انسان ہے۔ چنانچہ پہلا شخص جو کبھی کلام کرے گا علم کی روشنی میں کرے گا اسلئے اسکا احترام کیا جائے گا اور دوسرا بلا سمجھے بوجھے بات بک دیگا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگوں میں حقیر و ذلیل سمجھا جائیگا۔ اول شخص انھیں اوصاف کا مدعی ہوگا جن سے وہ متصف ہے پس اس سے لوگ حسن ظن رکھیں گے اور یہ حضرت اپنی لیاقت سے زیادہ کا دعویٰ کریں گے انجام یہ ہوگا کہ انکا امتحان ان کے خلاف شاہد ہوگا اور وہ رسوا و ذلیل ہو جائے گا۔ اسی طرح پہلا انسان اپنے علم اور طاقت بھر کوشش کریگا اور کامیاب ہو جائیگا اور یہ صاحب اپنی بساط سے اونچا اڑنا چاہیں گے اور اڑ نہ سکیں گے گر پڑیں گے اور ذلت سے ہوگی۔ وہ عارف اپنے علم اور تجربہ کو لیکر چلے گا چنانچہ بقدر ان دونوں کے اپنا مقصود پا لے گا اور یہ احمق اندھی اونٹنی کی طرح بس ٹامک ٹوئیاں مارتا رہے گا اور کچھ نہ حاصل کر سکیگا الحاصل پہلے شخص کی تمام تر مساعی اغلب حال میں صائب ہی رہیں گی اور دوسرے صاحب کی ساری کوششیں ناکام ہی ثابت ہوں گی ان حالات میں بلا شک لوگ

دونوں میں اچھی طرح سے تمیز دے لیں گے۔ پس اول کی تعریف و مدح میں رطب اللسان ہوں گے اور دوسرے پر لاحول پڑھیں گے۔ (السمیر المہذب ص۸)

۴۸۔ حقیقی تصوف کتاب اللہ اور سنت سے ثابت ہے

فرمایا کہ ــــ بعد کے لوگوں نے جو اعمال اور افعال محدثانہ طریق میں داخل کر دیئے ہیں انکا اصل طریق پر کوئی اثر نہیں پس جن امور مخترعہ کی بنا پر کچھ لوگوں نے نفس تصوف ہی کا انکار کر دیا ہے وہ امور تصوف ہی کب ہیں؟ ان پر تو ہر زمانہ میں علماء اہل حق اور صوفیاء محققین نے نکیر فرمائی ہے لیکن ان حضرات میں سے کسی نے اصل تصوف کا انکار نہیں کیا ہے اس لئے کہ وہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے آپ کا ارشاد ہے الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ یعنی احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم انکو دیکھ رہے ہو الخ ــ

اسی احسان اور اخلاق کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تفہیمات میں لکھتے ہیں کہ ھما اصلا الدین الحنیفی الذی ارتضاہ اللہ لعبادہٖ یعنی یہی احسان و اخلاص دین حنیفی کی اصل ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے اختیار فرمایا اسکے ذرا آگے لکھتے ہیں کہ ھو بالنسبۃ الیٰ سائر الشرائع بمنزلۃ الروح من الجسد و بمنزلۃ المعنی من اللفظ وقد تکفل بہ الصوفیہ رضوان اللہ علیہم یعنی یہی اخلاص تمام شریعت کی روسے بمنزلہ روح کے ہے جسم کے لئے اور ایسا ہے جیسا لفظ کے لئے معنی ہوں اور اس فن کی کفالت کی ہے حضرات صوفیہ صافیہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے۔

نیز ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ "نسبتہائے صوفیہ غنیمت کبریٰ است" پھر اسی نسبت کے مختلف عنوان ہو گئے کوئی اسکو تصحیح المعاملۃ بینہٗ و بین اللہ تعالیٰ (اپنے اور اللہ کے درمیان معاملات کو درست کرنا) سے تعبیر کرتا ہے کوئی اسکو احسان

کہتا ہے۔ حضرت شیخ سعدیؒ اسی کو دل زندہ و نفس مردہ سے تعبیر فرماتے ہیں ان تمام تصریحات سے معلوم ہوا کہ حقیقی تصوف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

۹۴۔ مومن بھولا بے نفس بھی ہوتا ہے اور فہیم و محتاط بھی

فرمایا کہ — حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ مومن بھولا بھالا اور کریم الخلق ہوتا ہے اور فاجر دھوکے باز اور دنی الطبع ہوتا ہے۔ نیز ایک روایت میں آتا ہے مومن ہوشیار، ذہین، سمجھدار اور محتاط ہوتا ہے۔ ایک تیسری حدیث میں آتا ہے کہ مومن بالکل سیدھا سادا نرم خو ہوتا ہے یہاں تک کہ اسکی نرمی اور خوش خلقی کی وجہ سے لوگ اسے احمق، ناسمجھ اور بیوقوف سمجھ لیتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ مومن اپنی کریم النفسی اور حسن خلق کی وجہ سے اپنے بھائی کے محاسن اور اسکی خوبیاں ہی پیش نظر رکھتا ہے تاکہ اسکے قلب میں اس کی توقیر پیدا ہو اور محبت و احترام کا داعیہ ابھرے۔ رہا منافق جو کہ کج خلق اور کم ظرف ہوتا ہے وہ برابر اپنے بھائی کی خطاؤں اور اسکے عیوب ہی پر نظر رکھتا ہے (کائیاں ہوتا ہے اسلئے لوگ اسکو عقلمند سمجھتے ہیں)

حضرت عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا کہ مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے بھائی کے معاذیر (عذر) کو قبول کرتا ہے اور منافق ہمیشہ اسکی لغزشوں ہی کی تلاش میں رہتا ہے (احیاء ربع الثانی ص۱)

(اس سے معلوم ہوا کہ مومن بے وقوف اور احمق نہیں ہوتا بلکہ اپنی نیک مزاجی کی وجہ سے فتنہ و فساد سے دور رہتا ہے، سیدھا سادہ ہوتا ہے اسی کو دنیا والے بے وقوفی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ انتہائی سمجھدار اور عاقل ہوتا ہے

۵۰۔ عاقل کون شخص ہے ؟

فرمایا کہ — منافقین میں کا ایک گروہ ایسا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذار دیتا رہتا تھا اور زبان سے آپکی برائی کرتا تھا لیکن جب کوئی اسکو اس سے منع کرتا تو کہتا تھا ھُوَ اُذُنٌ یعنی آپ سب کی سن لیتے ہیں۔ اگر ہماری شکایت پہونچے گی تو ہم انکار کردیں گے آپ اسکو بھی سن لیں گے۔ اور اس سن لیں گے سے انکی مراد یہ ہوتی تھی کہ جو بات بھی اور جس شخص سے بھی سنیں گے اسکی تصدیق فرمالیں گے، بدون فرق کئے ہوئے کہ آیا وہ علامات صدق پائے جانے کی وجہ سے قابل قبول ہے بھی یا ایسی ہے کہ امارات کذب پر مشتمل ہونے کی بناپر لائق توجہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکے اس خیال کا رد فرمایا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّکُمْ یعنی وہ تمھاری بھلی اور حق بات کے صرف سننے والے ہیں اور جس کا سننا کہ ضروری ہے اسکے علاوہ اور باتوں کے سننے والے نہیں ہیں۔ آگے اللہ تعالےٰ نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْکُمْ اسکا مطلب یہ ہے کہ اور تم میں سے جو لوگ ایمان کا اظہار کرتے ہیں تو چونکہ آپ کا وجود سراپا رحمت ہے اس لئے انکے اعذار کو آپ سن لیتے ہیں اور قبول بھی فرمالیتے ہیں وہ بھی کچھ انکی تصدیق کرتے ہوئے نہیں بلکہ ان پر رفق و ترحم فرماتے ہوئے اور ان کے پوشیدہ راز کو طشت از بام نہیں فرماتے اور انکی پردہ دری آپ کو پسند نہیں (یہ وجہ ہے کہ آپ جھوٹے اعذار کو بھی سنتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں) ان ظالموں نے آپ کے خلق عظیم کا یہ ناجائز فائدہ اٹھایا اور چونکہ آپ نے بالمشافہہ ان کی بات کو رد نہیں فرمادیا اپنے ذاتی کرم اور خلق مکرم کی بنا پر کیونکہ آپ سراپا رحمت تھے تو اسکی وجہ سے ان لوگوں نے کہا آپ کے متعلق جو کچھ کہ کہا (اس سے بڑھکر اور حمق کیا ہو سکتا ہے)

چنانچہ بعض حضرات سے دریافت کیا گیا کہ "عاقل کون ہے ؟" انھوں نے

فرمایا کہ جو باتوں کو تو سمجھتا ہو لیکن مصلحتِ وقت کی بناء پر، اس سے ایسا ناواقف بن جائے کہ صاحب معاملہ سمجھے کہ انھوں نے بات کو سمجھا ہی نہیں (حاصل اسکا یہ ہوا کہ اِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ پر اسکا عمل ہوتا ہے جس طرح سے تم ہمارے ساتھ مذاق کرتے ہو ہم بھی تمھیں بیوقوف بناتے ہیں) اور انھوں نے یہ شعر پڑھا کہ ؎

واذا الكريم آتيته بخديعة ۔۔۔ فرأيته فيما تروم يسارع

واعلم بانك لم تخادع جاهلاً ۔۔۔ ان الكريم بفضله يتخادع

اور جب تم کسی شریف کریم النفس شخص کے ساتھ کوئی چال بازی کا معاملہ کرو تو تم اسکو اپنے مقصود کے حصول میں معین و مددگار اور اپنے سے زیادہ کارپرداز پاؤ گے۔

لیکن یہ سمجھ لو کہ تم کسی جاہل کو دھوکا نہیں دے رہے ہو۔ بلاشبہ ایک کریم انسان اپنی طبعی شرافت کی رو سے بتکلف دھوکا کھا جانے والا جیسا بنجایا کرتا ہے (اور یہ اسکے خلق اور عقل کا تقاضا ہوتا ہے)

(مسائل السلوک بیان ف ۱۲۰ ج ۲۲)

۵۱۔ عمل بر سنت پر اعتراض کرنے والے کو تنبیہ

فرمایا ـــــ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت طلب کرے تو اسکو منع نہ کیا کرو یہ حدیث سن کر حضرت عبداللہ (راوی حدیث) کے صاحبزادے بلال نے کہا کہ بخدا میں تو عورتوں کو مسجد جانے سے روکوں گا۔ انکی اس بات پر حضرت عبداللہ بہت ہی ناراض ہوئے اور انکو ایسی گالی دی کہ (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے ویسی گالی کبھی ان کے منھ سے نہیں سنی تھی اسقدر جلال آگیا تھا۔ اور یہ فرمایا کہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کر رہا ہوں کہ آپ نے فرمایا کہ ان کو منع کرو

اور تو اسکے بالمقابل کہتا ہے کہ میں تو ضرور منع کرونگا۔

شرح عمدۃ الاحکام میں ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے صاحبزادے پر جو انکار کیا اور انھیں گالی تک دی اس سے مسئلہ مستنبط ہوا کہ سنت کے مقابلہ میں جو اپنی رائے سے اعتراض کرے یا خواہشات نفس پر عامل ہو اسکو سرزنش کرنا مناسب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باپ اپنے لڑکے کو تغیر منکر کے باب میں تادیب کر سکتا ہے اگرچہ لڑکا بڑا ہو اور بالغ ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اسی طرح سے عالم اپنے شاگرد کو لایعنی بات پر گرفت کر سکتا ہے۔ اب فتویٰ ممانعت ہی کا ہے صحابیؓ کی ناراضگی مقابلہ پر تھی۔

۵۲۔ ایک کے جرم پر مجمع کو عتاب

فرمایا کہ ــــ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسجد میں دیوار پر بزاق (تھوک) دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب اہل مسجد پر بہت خفا ہوئے ــــ فتح الباری سے اسکو سنا کر فرمایا کہ دیکھئے علماء ایک حدیث سے کسقدر مسائل نکال لیتے ہیں اس حدیث سے مسئلہ نکالا کہ ایک شخص کی حرکت پر سارے مجمع سے عتاب کرنا جائز ہے اور وجہ اسکی یہ بیان فرمائی کہ تاکہ آئندہ ان صحابی سے یا کسی دوسرے سے ایسی حرکت نہ ہو۔ میں کہتا ہوں یہ بالکل ٹھیک ہے عتاب عام کی یہ مصلحت بھی ہو سکتی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے اسلئے عتاب فرمایا ہو کہ گو کیا ایک نے تھا مگر سب اسکے اس فعل پر راضی تھے اور جو شخص کسی فعل پر راضی ہو اسکا حکم بھی مثل کرنے والے ہی کے ہوتا ہے اسکی نظیر قرآن شریف سے بیان کرتا ہوں سنئے :۔

قرآن شریف میں ان یہود کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ الآیہ حالانکہ یہ قتل موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا تھا تو علماء یہاں تصریح فرماتے ہیں کہ ان کے فعل کا مخاطب ان کو اسلئے بنایا کہ یہ لوگ بھی اپنے آباء و اجداد کے ان افعال پر خوش تھے اور راضی

سے بیزار نہ تھے واللہ تعالیٰ اعلم۔

۵۳۔ فضلِ خداوندی کا ایک واقعہ

"تو مجھے آج اپنی والدہ سے بھی زیادہ شفیق پائیگا"

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت کعب احبارؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن ایک آگ نکلیگی اور سب لوگوں کو ہانک کر موقف کی جانب لیجائیگی لوگ اسکی مصیبت کی وجہ سے بیہوش، حیران اور حواس باختہ ہونگے کہ قیامت آگئی اب دیکھنا چاہیئے کہ ہمارا کیا حشر ہوتا ہے؟ اسی درمیان میں حق تعالےٰ تجلی فرمائیں گے جس کے نور سے ساری زمین روشن ہوجائیگی اور لوگ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے چنانچہ ایک ماں کی نظر اپنے لخت جگر اور نورِ نظر پر پڑے گی جس کو وہ دنیا میں از حد چاہتی تھی اور اس پر دل و جان سے قربان اور شفیق و مہربان تھی۔ اسکو پہچان کر آواز دے گی کہ اے میرے جگر کے ٹکڑے! سن یہاں آ! بتا کیا میرا بطن تیرے لئے ایک مدت تک قیام کرنے کی جگہ نہ تھی؟ اور کیا میری گود مہینوں تیرے لئے جھولا اور آرام گاہ نہیں بنی رہی؟ اور کیا میری چھاتی تیرے لئے دودھ کا برتن نہیں بنا رہا؟ یہ سنکر وہ کہے گا کہ والدۂ محترمہ! بات تو سب صحیح ہے لیکن آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔ اپنا مقصد بیان فرمائیے زیادہ گفتگو کا نہ موقع ہے نہ فرصت۔ ماں کہے گی کہ بیٹا اپنے گناہوں کے بارے میں دبی جارہی ہوں اس بوجھ سے ایک گناہ تو لیلے تاکہ کچھ تو ہلکی ہوجاؤں لڑکا کہے گا کہ اماں یہاں تو ہر شخص اپنے اعمال بد کی وجہ سے خود ہی مصیبت میں مبتلا ہے دوسرے کی کیا مدد کر سکتا ہے؟ اماں اگر میں تمہارا بوجھ لے لوں تو میرا بوجھ کون لیگا؟ ماں بیٹے میں یہ باتیں ہوتی ہونگی کہ حق تعالیٰ کی جانب سے ایک منادی لڑکے کا نام لیکر پکارے گا کہ اے فلاں

ابن فلاں اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب کے لئے حاضر ہو اپنا نام سنکر اسکا چہرہ فق ہو جائیگا اور حق تعالےٰ کے روبرو حاضری کے تصور سے تمام بدن پر کپکپی طاری ہو جائیگی اور وہ مارے شرم کے پانی پانی ہو جائے گا ماں جب اسکو اس حال میں دیکھے گی تو پوچھے گی بیٹا تم کو مزید پریشانی کیا پیش آگئی وہ کہے گا کہ خدا تعالےٰ کے سامنے پیش ہونے کا حکم ہوا ہے۔ تو ہائے میری اماں! اب یہاں سے بھاگ کر کہاں جاؤں؟ اور خدا کے سامنے جاؤں تو کیا منھ لیکر جاؤں؟ اب میرے لئے خلاصی کی کیا سبیل ہے؟ کچھ تو ہی بتلا؟ یہ گفتگو ہو ہی رہی ہوگی کہ دو فرشتے آکر اسکو گرفتار کرلیں گے اور کھینچتے ہوئے اسکو لیجائیں گے۔ ماں یہ دیکھکر بلبلا جائے گی اور اپنے بچے کو سینہ سے لگالیگی اور اپنے سر کے بالوں سے اسکو چھپالے گی اور پوری طاقت سے فرشتوں سے اسکو چھڑانے کی کوشش کریگی لیکن اسکی طاقت جواب دے جائیگی اور وہ فرشتے اسکو لے کر چلے جائیں گے۔ یہ جب بے بس ہو جائیگی تو رونے لگے گی اور پکار کر کہے گی کہ بیٹا! خدا کی قسم اگر میرے پاس کوئی ذریعہ ہوتا تو ان فرشتوں کو تجھے نہ لے جانے دیتی۔ پھر روتی ہوئی اسکو رخصت کردیگی اور کہے گی کہ بیٹا جس ذات نے تجھے حساب وکتاب کے لئے طلب کیا ہے اسکا واسطہ دیکر کہتی ہوں کہ اگر تم نجات پا جانا تو خدارا اپنی بوڑھی ماں کو نہ بھولنا اسلئے کہ بڑی مصیبت میں ہوں اور بڑی پیاس لگی ہے۔

وہ دونوں فرشتے اس شخص کو سدرۃ المنتہیٰ تک لیجائیں گے وہاں جو فرشتہ دربانی کے لئے مقرر ہوگا وہ دریافت کریگا کہ تمھارا کس امت سے تعلق ہے؟ یہ عرض کریگا کہ میں امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیۃ کا ایک فرد ہوں فرشتہ یہ سنکر کہے گا کہ سبحان اللہ! کیا کہنا امت محمدیہ کا، تمھارے لئے خوشی اور مسرت ہو اسکے بعد وہ نور کے میدان میں داخل ہو جائے گا اور سمجھ ہی میں نہ آئے گا کہ کدھر جائے داہنے جائے یا بائیں جائے، آگے جائے یا پیچھے جائے اور بدن پر

کپکپی بدستور طاری رہے گی کہ استنے میں رب اعلیٰ کی جانب سے ندا آئیگی کہ میں تیرا رب ہوں۔ بس یہ سنتے ہی تمام اعضاء کو قرار آ جائے گا اور قلب حق تعالیٰ کی جانب یکسوئی سے لگ جائے گا ارشاد ہوگا کہ اے شخص قسم ہے میرے عزت و جلال کی تو آج کے دن مجھکو اپنی والدہ سے بھی زیادہ شفیق و مہربان پائیگا جبکہ اس نے تجھے اپنے سینے سے چمٹا لیا تھا اور سر کے بال سے چھپا لیا تھا پھر اس سے فرمائیگا کہ اے میرے بندے اپنا نامۂ اعمال پڑھ چنانچہ وہ پڑھے گا جب کسی معصیت پر سے گذرے گا تو اسکو آہستہ سے پڑھے گا اور جہاں جہاں نیکیاں آئی ہونگی انکو زور سے پڑھیگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ تو نے گناہ کو آہستہ اور نیکی کو زور سے کیوں پڑھا؟ اس سوال کے جواب سے عاجز اور شرمندہ ہوکر وہ رونے لگے گا اور عرض کرے گا کہ پروردگار! آپکو تو اسکی وجہ معلوم ہی ہے اور آپکی مخصوص شان اور خاص صفت ہی یہ ہے کہ آپ بھلائیوں کو ظاہر فرماتے ہیں اور معاصی اور عیب کو چھپانے والے ہیں۔ پھر حق تعالےٰ فرمائیں گے کہ اے میرے بندے تو نے دنیا میں تو مخلوق سے چھپ کر گناہ کے کام کئے اور مجھ سے مقابلہ کرکے میرے سامنے علی الاعلان کیا کیا تجھے یہ معلوم نہ تھا کہ مجھے سب خبر ہے اور تیرا ہر کام دیکھ رہا ہوں۔ اس پر وہ عرض کریگا کہ پروردگار جواب سے عاجز ہوں اور شرم سے سرنگوں ہوں۔ جواب طلبی معاف فرمائیے چاہیئے تو مجھے دوزخ میں بھیجدیجئے۔ اللہ تعالیٰ یہ سنکر فرمائیں گے کہ (بس مجھے تو تمھارا جرم تمکو بتانا تھا) اگر تجھکو دوزخ میں بھیجدوں تو میرا کرم کیا کام آیا اور میری جود وسخا کس وقت کے لئے ہے اور میری مغفرت کا اور کون اہل ہے۔ یہ فرماکر حکم دیگا کہ اے فرشتو! میرے اس بندے کو جنت میں داخل کردو محض میرے فضل سے اور محض میری رحمت سے۔ جب وہ نجات پائیگا تو وہاں سے کیا ہوا وعدہ یاد آئیگا چنانچہ اللہ تعالیٰ سے کہیگا کہ اے اللہ! دنیا میں میری والدہ تھی جس نے مجھے پالا پوسا تھا اور اسکے مجھ پر بڑے احسانات ہیں اسنے مجھے پیشی میں آتے دیکھ لیا تھا مجھ سے خواہش کی ہے کہ میں آپ سے اس کے لئے سفارش چاہوں تو پروردگار آپ سے

یہ گذارش ہے کہ میرے لئے جو جنت کا حکم صادر فرمایا ہے وہی جگہ بجائے میرے میری والدہ کو دیدی جائے وہ غریب بہت ہی مصیبت میں ہے۔ حق تعالیٰ کا کرم جوش میں آئے گا فرمائیں گے کہ اے میرے بندے! میں آج تجھ میں اور تیری والدہ میں جدائی نہیں ڈالوں گا اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اسکو اور اس کی والدہ کو دونوں کو جنت میں میرے کرم اور رحم کی وجہ سے داخل کردو۔ جب اسکو اپنی ماں سے اتنی محبت ہے تو میں تو ارحم الراحمین ہوں۔ انتہیٰ

(تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھکو انشاء،
ادھر سے ایسے گناہ پیہم اُدھر سے وہ دمبدم عنایت)

(حق تعالیٰ کی نظر کرم کو متوجہ کرنے والا ایک مضمون)

میں نور کے تڑکے میں جس وقت اٹھا سوکر　　اللہ کی رحمت کے دروازے کھلے پائے
آتی تھی ندا پیہم جو مانگنے والا ہو　　ہاتھ اپنے عقیدت سے آگے مرے پھیلائے
جس جس کو گناہوں سے بخشش کی تمنا ہو　　وہ اپنے گناہوں کی کثرت سے نہ گھبرائے
وہ مائل توبہ ہو، میں مائل بخشش ہوں　　میں رحم سے بخشوں گا وہ شرم سے پچھتائے
جو رزق کا طالب ہو میں رزق اُسے دونگا　　جو طالب جنت ہے جنت کے لئے آئے
وہ کشت طلب بوئے میں بارش رحمت ہوں　　میں دیکھ نہیں سکتا کھیتی کوئی مُرجھائے

یہ سن کے ہوئے جاری آنکھوں سے مری آنسو
قسمت ہے محبت میں رونا جسے آجائے

وہ کافر نعمت ہے جو نیند میں غافل ہو　　جب نور کے تڑکے میں اللہ یہ فرمائے
یہ نور کا عالم ہے در کھولدے رحمت کے　　جھونکا جو ادھر آئے جنت کی ہوا لائے
پرنور مجھے کردے اس نور کے ساغر سے　　پیمانہ ہستی بھی اس نور سے بھر جائے

آقا ئے گدا پرور حاضر ہوں ترے در پر
میں اور تو کیا مانگوں تو ہی مجھے مل جائے

(از صوفی)

(مکتوب نمبر ۲۵۹)

حال: کیا کروں اور کیسے کروں کہ یہ زہریلا مادّہ جو تعلق اور اختلاط مع الانام سے ناگزیر طریقوں سے پیدا ہو جاتا ہے اور بزعم خود کمالات کے خواب دیکھنے لگتا ہے اور مزید براں غضب یہ ہے کہ حمق اور جہل کے سحر سے مفتوں اور مسحور ہونے کے باعث اپنے اس نقصان عظیم کی جانب اصلا التفات بھی نہیں ہوتا مکمل طریقہ سے مرتفع ہو جائے تاکہ آخرت کے عذاب و ذلت و رسوائی اور حق تعالے کی ناراضگی سے مکمل نجات ہو۔

تحقیق:۔ حدیث شریف میں ہے بحسب امرأمن الشر ان یشا ر الیه بالاصابع فی دین او دنیا الا من عصمه الله ای حب الریاسة والجاه فی قلوب الناس یعنی کسی انسان کی برائی کے لئے یہی کافی ہے کہ اس کی جانب دین یا دنیا کی وجہ سے انگشت نمائی کیجائے۔ بجز اسکے کہ اللہ تعالیٰ ہی جسکو محفوظ فرمائیں۔ شارح کہتے ہیں کہ مراد اس سے لوگوں کے قلوب میں کسی کا عظیم المرتبہ ہو جانا اور جاہ طلبی ہے۔

اسی کو مثنوی میں مولانا روم نے یوں بیان فرمایا ہے، مولانا کا یہ ارشاد گویا اسی حدیث کی شرح ہے فرماتے ہیں کہ؎

اینش گوید گاہ عیش و خرمی آنش گوید گاہِ نوش و ہمدمی

یعنی ایک کہتا ہے کہ آپ تو گویا زمانۂ عیش خرمی ہیں دوسرا کہتا ہے کہ آپ زمانۂ حلاوت و ہمدمی ہیں یعنی ہمارے عیش و حلاوت کے اسباب آپ ہی کی ذات مقدس میں مجتمع ہیں۔ گویا آپ ہی زمانہ ہیں۔

او چو بیند خلق را سرمست خویش از تکبر میرود از دست خویش

یعنی وہ بیچارہ جب ایک مخلوق کو اپنا سرمست و عاشق دیکھتا ہے بس تکبر کی وجہ سے اپنے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے یعنی اس سے نکلنا اس کے

اختیار میں نہیں رہتا۔

او نداند کہ ہزاراں را چو او   دیو افگند است اندر آب جو

یعنی اسکو اتنی خبر بھی نہیں کہ اس جیسے ہزاروں کو شیطان نے ورطہ ضلالت میں دھکا دیدیا ہے یعنی اپنے متکبر ہونے کی بھی خبر نہیں۔ جب مرض ہی کی خبر نہیں تو علاج کی فکر کیا ہوگی؟ یہ عام حالت ان لوگوں کی بیان فرمائی ہے جن سے لوگوں کو تعلق ہوتا ہے اور لوگ ان سے حسن ظن رکھتے ہیں اور یہ باطن کے مریض ہیں اور اپنے روگ کی خبر نہیں، لوگوں کے حسن ظن کو اپنے کمال کی سند اور دلیل سمجھتے ہیں اور اصلا اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

حال: بجان و دل یہ ناکارہ ملتجی ہے کہ حضور والا خصوصی طریقہ سے اس ناکارہ و بے شعور کی اپنی رحمانی حفاظت میں تا دم آخر تعلیم و تربیت جاری رکھنے اور عین منشا رگرامی کے بموجب اپنے جملہ حرکات و سکنات سے حق تعالےٰ کی مرضیات میں مابقیٰ حیات گذارنے اور بالآخر صلاح و فلاح کی نعمت عظمیٰ سے مشرف ہونے کی دل سے دعا رفرمائیں۔ تحقیق: دعا رکرتا ہوں۔

حال: — حضرت والا کی دلی دعاؤں کے صدقہ میں جملہ معمولات کی ادائیگی کی توفیق کے ساتھ رمضان مبارک کے ایام اپنی فہم ناقص میں حسن و خوبی گذر رہے ہیں۔ تحقیق: الحمدللہ

(مکتوب نمبر ۱۶۰)

حال: — آپ کے نوازش نامہ کے مبارک الفاظ جو آپ نے بندہ کے خط کے جواب میں تحریر فرمائے کہ (الحمدللہ اسکے ثمرات بہت جلد عطا ہوں گے) ان میں سے ایک ثمرہ یہ مرتب ہوا کہ اللہ جل مجدہٗ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے مجھے اس دفعہ قرآن مجید سنانے کی توفیق عطا فرمائی۔ چند پارے یعنی حوامیم (جن سورتوں کے شروع میں حٰمٓ آیا ہے) کے سوا باقی کوشش کرکے سنایا گیا

یہ ایک عجیب کرشمہ ظاہر ہوا جو بندہ سے کئی سال گذر گئے میسر نہ ہو سکا اس دفعہ صرف دو ماہ شعبان اور رمضان میں میسر اور نصیب ہو گیا۔ یہ چیز میری بساط سے باہر تھی اسے محض فضل خداوندی اور آپ کی دعا، و توجہ کا ثمرہ تصور کرتا ہوں باقی جو کمی رہ گئی ہے اس کے لئے بھی دعا کا طالب ہوں۔ انشاء اللہ تعالےٰ محنت جاری رکھوں گا۔ اب کچھ قرآن مجید سے پہلے کی نسبت زیادہ انس ہو گیا ہے اسی وجہ سے رمضان المبارک میں عریضہ نہ لکھا معافی کا خواستگار ہوں۔ اب ۲۸ رمضان المبارک کو ختم قرآن مجید کے بعد سابقہ اوراد اور وظائف مثلاً کلمۂ طیبہ اور درود شریف صلوٰۃ ابراہیمی حسب معمول جاری کر دیا ہے۔ رات کی تسبیح کا کم ناغہ ہوا ہے محض یہ خیال کرتے ہوئے جیسے کہ آپ نے تلاوت قرآن مجید کے متعلق وصیۃ الاخلاق میں لکھا ہے کہ جملہ اذکار سے افضل ہے اس لئے بقایا اوراد کا اکثر ناغہ ہی رہا دیگر قلبی کیفیت میں خاص تبدیلی جو واقع ہوئی وہ یہ ہے کہ مجھے اپنے عیوب و نقائص، گناہ و لغزشیں صاف صاف نظر آتی ہیں جس کی وجہ سے غلطی سرزد ہونے کے بعد قلب نفس کو ملامت بھی کرتا ہے، ندامت بھی ہوتی ہے یہاں تک کہ استغفار نصیب ہو جاتا ہے۔ آگے پروردگار عالم کی نشانی یہی ہے مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (جو شخص برے اعمال کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ کو غفور رحیم پائیگا) آپ کی مزید توجہ کا محتاج ہوں۔ معاملات بھی بہت حد تک اب ٹھیک ہو رہے ہیں البتہ ایک کلفت وہ زمین والی ابھی باقی ہے۔

جناب صاحبزادہ صاحب سے بھی خط و کتابت جاری ہے ان کے پند و نصائح بھی از بس مفید ہوتے ہیں۔ رمضان المبارک سے قبل ایک دن تقریر میں یہ مضمون بیان کیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يصلون علی النبی کہ اللہ میاں اور ملائکہ صلوٰۃ بھیجتے ہیں لہٰذا اہل ایمان بھی ایسا ہی کریں لیکن سورۂ توبہ میں خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ

اِنَّ صَلٰوتَکَ سَکَنٌ لَّھُمْ آپ صلوٰۃ بھیجئے یعنی دعا ر کیجئے ان کے لئے جن سے صدقہ وصول کرتے ہیں تاکہ ان کے مال پاک ہوں صدقہ کی ادائیگی اور وصولی سے، تزکیہ نفس بھی نصیب ہو کیونکہ مال کی محبت کہ ہمارے دو صد روپیہ ادا کرنے سے مال میں کمی آئیگی اس کے عوض آپ کی دعا ر کفایت کرے گی کیونکہ وہ سَکَنٌ لَّھُمْ ہے۔ مختصر یہ کہ سابقہ آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرنے کا حکم ہے اور اس توبہ والی سورہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ صدقات کے اداکنندگان کے لئے صلوٰۃ کہیں تاکہ ان کے مال کا نعم البدل ہو گویا اب بھی صارفین مال کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پہونچتی ہے اس مسئلہ کی تصدیق چاہتا ہوں۔ نیز یہ کہ اسی رات خواب میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی زیارت سے مشرف ہوا یہ کہ آپ تشریف لائے ہیں اور میرے بائیں جانب بیٹھ گئے ہیں، زیارت سے تو تسکین میسر ہوئی لیکن بائیں جانب بیٹھنے سے قدرے تشویش ہوئی اسکی وضاحت مطلوب ہے تاکہ اطمینان ہو۔

تحقیق: الحمدللہ بخیریت ہوں، یہ معلوم کرکے بہت مسرت ہوئی کہ آپ نے بہت دنوں کے بعد امسال قرآن شریف سنایا انشاء اللہ تعالیٰ اب آسان ہی رہے گا۔ قرآن شریف کے ساتھ انس کو جو لکھا ہے مبارک ہو مومن کی اس دنیا میں یہی تو پونجی ہے۔ بیشک آپ نے صحیح سمجھا تلاوت قرآن شریف سب اذکار سے بڑھکر ہے اسکی وجہ سے اور دوسرے اذکار کا اگر وقت کم ملا یا نہیں مل سکا تو یہ ناغہ نہیں شمار ہوگا یہ تو آپ نے ایک ذکر کو دوسرے ذکر سے بدل دیا اور الحمدللہ نعم البدل پایا۔

میں تو آجکل اسی بات کو لوگوں کو سمجھا رہا ہوں کہ ہماری خرابی کی اصل وجہ یہی قرآن شریف سے بے التفاتی ہے۔ آج ہم اسکی قدر پہچان لیں تو آج کامیاب ہو جائیں۔ دینی اور دنیوی زندگی دونوں سنور جائے۔

قرآن شریف نے ہمکو ہماری بھی معرفت کرائی ہے یعنی ناس کی بھی معرفت

کرائی ہے اور رب الناس کی تجلی ہے

چیست قرآں اے کلام حق شناس رونمائے رب ناس آمد بہ ناس

قرآن کیا ہے؟ ایک کلام ہے جو انسان کو انسان کی معرفت کراتا ہے اور رب الناس کی جانب سے انسانوں کے پاس رب کا آئینہ ہو کر آیا ہے
اسی کے ذریعہ عمل ملتا ہے اور اسی کے ذریعہ مومن کو ایمان کلی ملتا ہے۔ دل سے تلاوت کرے تو انسان بدون کسی اور مجاہدہ کے خدا تعالیٰ تک اسی کے ذریعہ سے پہونچ سکتا ہے یہ خدائی کمند ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان میں ہے اور مخلوق کے لئے خالق تک رسائی کا آسان ذریعہ ہے۔

آپ نے لکھا ہے کہ عیوب اب صاف صاف نظر آنے لگے ہیں یہ حال مبارک ہو آدھا کام ہو گیا۔ علماء نے لکھا ہے اللہ تعالیٰ کو جب کسی بندہ کی اصلاح منظور ہوتی ہے تو اسکو اسکے عیوب کا بصیر بنا دیتے ہیں اور اگر یہ منظور نہیں ہوتا تو آدمی اپنے نفس کے عیوب سے اندھا رہتا ہے حالانکہ وہ شہتیر جیسے ہوتے ہیں اور دوسرے کے عیوب پر نظر اور تنقید اس کے لازم حال ہو جاتی ہے گو وہ مانند تنکے ہی کے کیوں نہ ہوں۔ اس لئے میں نے لکھا ہے کہ یہ نفرت مبارک ہے اسکو اور بڑھانا چاہیئے اسی سے اصلاح ہوگی۔

آپ کی زمین کا مسئلہ مجھے یاد ہے اللہ تعالیٰ آمیں پوری کامیابی آپ کو عطا فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں شبہ کیا ہے؟ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ہفتہ میں دو بار آپ کی امتیوں کے اعمال نامے آپ پر پیش ہوتے ہیں ان میں اچھے اعمال کو دیکھکر آپ خوش ہوتے ہیں اور برے اعمال سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ نیز یہ کہ آپ نے تو قیامت تک آنے والوں کے لئے دعا فرمائی ہیں جو جو شخص قیامت تک اپنے کو ان اوصاف سے متصف کرے گا جن پر وہ دعائیں ہیں وہ اسکا مصداق اور مستحق ہوگا اللّٰھم انصر من نصر الدین واخذل من خذل المسلمین۔ (اے اللہ دین کی نصرت کرنیوالے کی نصرت فرما اور دین کو رسوا کرنیوالے کو ذ

خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی مبارک ہو۔ اگر ایک امام اور ایک ہی مقتدی ہو تو امام کی جگہ بائیں ہی جانب ہوتی ہے اس میں اشکال کیا ہے؟ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بائیں جانب نہ تھے بلکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی طرف تھے اسلئے کہ داہنا اور بایاں اصل کا اور صدر مجلس کا معتبر ہے۔ آپ کے تمام مقاصد کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب خواب کے بائیں جانب تشریف لاکر بیٹھنے کی تعبیر بیان فرمائی ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنا وہ تو ایک تعبیر حَسَن ہے ہی لیکن پھر آخر میں خود ان صاحب خط کو لطیف تنبیہ کے ساتھ انکی تعبیر کی غلطی ظاہر فرماکر اسکو جس حسن تعبیر سے ادا فرمایا ہے وہ بھی حسن ادب کا ایک اعلیٰ و عمدہ نمونہ ہے اور جو لوگ ایسے حضرات کو بھی معاذ اللہ مخالف رسول سمجھتے ہیں ان کے لئے افسوس کا مقام اور عبرت کا سامان ہے)۔

مکتوب نمبر ۱۶۱

حال: یہ عاجز عرصہ ۱۲ سال سے تحصیل علوم سے فارغ ہوکر درس و تدریس کا شغل رکھتا ہے مگر جیسا کہ حضرت والا پر مخفی نہیں ہے کہ علم ظاہری موجب یقین نہیں ہوتا

ایھا القوم الذی فی المدرسہ کلما حصلتموہ وسوسہ

(اے قوم جو مدرسہ میں پڑھنے پڑھانے والی ہے سنو کہ جو کچھ تم نے یہاں حاصل کیا ہے سب وسوسہ اور خیال سے زیادہ نہیں ہے)

وہم تخیل اور شکوک کے بحر میں مستغرق ہوں، قلبی تمنا ہے کہ کوئی ایسا ہادی ملے جو اس ورطہ ضلالت سے نکالکر بحر ہدایت کے ساتھ ہمکنار کرے۔ ہاں بیشک یہ صحیح ہے کہ مَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا (جس کو خدا ہی گمراہ کردے آپ اس کے لئے کوئی مرشد رہنما نہ پائیں گے)

درگاہ ایزدی میں نہایت ہی خشوع و خضوع سے دعا رکرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ دولت روحانی سے مالا ل فرمادیں۔ آمین۔

میرے مخلص دوست ۔۔۔۔۔ نے اس دفعہ کی ملاقات میں اپنے تاثرات سے مجھے متاثر کیا آنجناب کے متعلق مجھے رہنمائی فرمائی نیز آپ کا مکتوب گرامی عطا فرمایا اسکو من اولہ الی آخرہ پڑھنے کا شرف حاصل ہوا جس سے طلب میں مزید ترقی ہوئی اس میں شک نہیں کہ میں ظاہراً آپ سے بعید ہوں مگر حقیقت یہ ہے کہ طلب کیوجہ سے میں اپنے آپ کو آپ کے نزدیک تصور کرتا ہوں ؎

قرب روحی ز تو من دارم وبُعد بدنی ہمچوں در حب نبیؐ حال اویس قرنیؓ

(مجھے آپ سے روحانی قرب بھی ہے اور بدنی بعد بھی جسطرح سے کہ نبی کی محبت میں اویس قرنیؓ کا حال تھا پس نہایت ادب سے ملتجی ہوں کہ آنجناب مجھے اصلاح حال کے لئے مکاتبت کی اجازت مرحمت فرمادیں سلوک سیکھنے کا بھی از حد شوق ہے اس کے لئے حضرت والا کی خدمت میں درخواست کروں گا ع بر کریماں کارہا دشوار نیست

تحقیق: —— آپ نے یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ علم ظاہری موجب یقین نہیں ہوتا ؎

ایہا القوم الذی فی المدارسہ کلما حصلتموہ وسوسہ

بالکل صحیح لکھا ہے لیکن مدرسہ میں رہ کر اگر کسی کو یہ علم آجائے تو پھر کیا ہے پھر تو اس کو سب ہی کچھ حاصل ہوگیا۔ دولت روحانی اور رفیق طریق کے حصول کے لئے دعا رکا جو طریقہ آپ نے اختیار فرمایا ہے نہایت عمدہ اور مؤثر ہے انشاء اللہ تعالیٰ اسکے بعد تخلف ہی نہ ہوگا آدمی مراد پا ہی لیتا ہے۔ جب مولوی ۔۔۔ صاحب کے ذریعہ سے آپکا تعارف ہوا بس کافی ہے، اب اسکے بعد پھر آپ دور نہیں ہیں اس سلسلہ میں آپکا یہ شعر بہت پسند ہوا کہ ؎

قرب روحی (ز تو من) دارم وبُعد بدنی ہمچو در حب نبی حال اویس قرنی

یہ طریق چونکہ باطنی ہے لہٰذا اس میں ظاہری اور بدنی بعد مضر نہیں قلبی اور روحانی قرب کافی ہے اور وہی معتبر ہے توکلاً علی اللہ تعلق اصلاحی منظور ہے مکاتبت کی اجازت دیتا ہوں۔

مگر جو ایذائے قلبی و روحانی حضرت والا کو پہونچی تھی وہ اس قدر زیادہ تھی کہ اسکے مقابلہ میں ترک وطن جیسا مرحلہ بھی معمولی اور آسان تھا۔ پس گو حضرت والا بطور خود ان سے خفا تھے لیکن اسکا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہر شخص انکو ملامت اور ہر شخص کو کرے کیونکہ بہت سے حضرات ان میں صاحب نسبت اور پابند اوقات بھی تھے اسی طرح سے صاحب معمول اور بے قصور بھی تھے لیکن عموم مواخذہ میں وہ بھی ماخوذ تھے اب انہیں کون کس درجہ کا تھا ظاہر ہے کہ اسکو تو حضرت اقدسؒ ہی سمجھ سکتے تھے، اس لئے کسی دوسرے کو اجازت نہ تھی کہ اپنی جانب سے کسی کو کچھ کہے ہاں جبکو حضرت والا خود ہی کسی کے معاملہ میں واسطہ بنا دیں تو اسکے لئے بطور نصح نصیح کے یا صلاح و مشورہ کے کچھ کہنے سننے میں مضائقہ نہ تھا۔

اس طور پر حضرت والا کے گورکھپور آجانے پر بھی وطن کے محبین اور مخلصین برابر آتے رہے اور حضرت اقدسؒ سے برابر ملتے رہے اور معافی طلب کرتے رہے اور حضرت اقدس سے اپنے اس ناقابل تلافی نقصان کا ذکر کر کے روتے بھی رہے اور ایسی جلیل القدر نعمت سے محروم ہو جانے پر کف افسوس بھی ملتے رہے۔ حضرت والا بھی بالآخر انکی آہ و فغاں سنکر اور ان کے قلبی رنج و غم کو محسوس فرماکر متاثر ہوتے اور نرم ہو جاتے اور پھر انھیں تسلی دیتے اور ہجرت کے فوائد ان سے بیان فرماتے اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنے کی تلقین فرماتے معتقدین محبین اور طالبین کے ساتھ تو حضرت اقدسؒ کا یہ معاملہ رہا —— اور مخالفین و معاندین نے اس اتنے ظلم و ستم پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ فساد کرنے کے بعد مقدمہ کا بھی سلسلہ شروع کر دیا یہاں تک کہ حضرت اقدسؒ کے نام کو بھی شامل مسل مقدمہ کر لیا گیا اسلئے کہ ان کو وکلا نے یہ مشورہ دیا کہ تمہارا مقدمہ بہت کمزور ہے تم لوگ سزایاب ہو جاؤ گے، لہٰذا اس سے بچت کی شکل صرف یہ ہے کہ کسی بڑے آدمی کا نام مثلاً مولانا ہی کا نام داخل مقدمہ کرو تاکہ صلح پر بات آجائے ظاہر ہے کہ حضرت مولانا کچہری جانا پسند نہ فرمائیں گے باہم صلح ہو جائیگی اور تم لوگ سزا سے بچ جاؤ گے۔

یہاں مجھے روداد مقدمہ بیان کرنا نہیں ہے اور اب اسکے بیان سے کوئی فائدہ بھی نہیں لیکن فساد کی تفصیل اور بانی فساد کا ذکر ہم نے نام لیکر اس لئے کیا ہے تاکہ آپ کے پیش نظر خدا کی شان اور حضرت اقدس کی کھلی ہوئی کرامت آجائے کیونکہ مولوی علیم اللہ صاحب کی طرح یہ سپاہی صاحب بھی مقدمہ ہو جانے کے کے بعد تائب ہو گئے تھے اور اسوقت حضرت والا گورکھپور سے الہ آباد تشریف لا چکے تھے وہ صاحب یہیں آئے روئے گائے اور معافی چاہی، حضرت والاؒ نے اپنے کرم سے استنے بڑے مجرم کو دل سے معاف فرما کر سنت یوسفیؑ کی یاد تازہ فرمادی انھوں نے بھی عزیز مصر ہونے کے بعد اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (جاؤ تم پر آج کے دن کوئی ملامت نہیں ہے تمھیں اللہ بخشے اور تمھارا قصور معاف فرمائے وہ سب رحم فرمانے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے)

اسکے توبہ کی اور حضرت اقدس کے معاف فرمانے کی داستان ذرا طویل بھی ہے اور کسی قدر سبق آموز بھی اسلئے ہم اسکا مفصل بیان انشاء اللہ تعالیٰ قیام الہ آباد میں کریں گے یوں کہنے کو تو کسی شاعر نے محض شاعری کے طور پر کسی موقع پر یہ کہا تھا لیکن ہم نے تو اپنے حضرت مصلح الامۃؒ کے حالات میں شمس الدین مرحوم کی توبہ کو اسی کا پورا مصداق پایا کہ ؎

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

اور یہ اندازہ ہوا کہ حالات و بیان کے سلسلہ میں کسی ایسے شخص کا کوئی سابقہ واقعہ بیان کرنا جو پہلے دور جہالت و مخالفت سے گذر کر بعد میں مخلص ہو گیا ہو بڑا مشکل ہوتا ہے کیونکہ گذشتہ حالات کا تقاضا ہوتا ہے کہ اسکے بیان میں مطلقاً ادب و تعظیم کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا جائے لیکن چونکہ علم میں یہ بھی ہوتا ہے کہ آئندہ تو یہ شخص راہ راست پر آگیا تھا اسکے ساتھ بے ادبی کو بھی جی نہیں چاہتا، چنانچہ ان مہربان

موصوف کا (جنکی وجہ سے حضرتؒ نے اپنا وطن چھوڑا تھا) اصلی نام تو شمس الدین خاں تھا لیکن جیسا کہ اہل دیہات کا قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ سیدھا نام کسی کا نہیں بننے بلکہ اسے کچھ توڑ مروڑ ہی دیتے ہیں چنانچہ اسی قاعدہ کے مطابق گاؤں کے لوگ انھیں عام طور پر سُدی یا بطور محبت کے سُدیا کہکر پکارتے تھے، تہمل ہونے میں تو دونوں یکساں تھے کہ سُدی بھی شمس الدین کا ناتمام جزو تھا اور سُدیا اسی کا بگاڑا ہوا ایک لفظ تھا، اس لئے میں نے کہیں کہیں انھیں شمس الدین مرحوم کو ان کے معروف فی القریہ نام سے بھی تعبیر کر دیا ہے، آئندہ حالات میں جہاں کہیں شمس الدین آئے گا تو اس سے یہی حضرت مراد ہوں گے۔

غرض جب حضرت والا گورکھپور تشریف لے آئے تو خود حضرتؒ ہی نے اپنی تشریف آوری کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے دیکھا کہ اب یہاں (وطن میں) رہ کر سکون کے ساتھ اپنا کام نہ کر سکوں گا یہ لوگ مجھے بھی اپنی ہی جماعت میں لے لینگے اور مجھے دین کا کام کرنا ہے اس لئے ان دنیا داروں سے دوری اختیار کرو جب ہی کچھ کام کر سکو گے چنانچہ وطن سے چلا آیا۔

اور کرمفرماؤں نے اعظم گڈھ میں مقدمہ دائر کرکے ایڑی چوٹی کا زور اس پر صرف کیا کہ کسی طرح سے حضرت والا کو بھی عدالت میں طلب کرالیں لیکن اللہ تعالے نے نصرت فرمائی اور مخالفین اپنی اس کوشش میں ناکام رہے اور حضرت والا کو نہ صرف یہ کہ عدالت میں نہ جانا پڑا بلکہ سرے سے حضرتؒ کا نام ہی مقدمہ سے خارج کر دیا گیا۔ چنانچہ مولوی علیم اللہ صاحب کی خانقاہ میں حضرت والا کی مجلس میں تشریف آوری ان کے لئے پہلی شکست تھی تو یہ عدالت کی عدم حاضری دوسری شکست تھی جس کے ذریعہ خدا نے حضرت والا کا بول بالا اور ہجرت کو ابتدار فتح کا پیش خیمہ اور تکمیل فتح (یعنی فتح پوری) کا مقدمہ بنایا۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

مانا مظلوم ہو کر کسی کا عدالت حاضرہ میں چلا جانا کچھ عیب بھی نہیں لیکن مخالفین نے کچھ ایسی ہوا باندھ رکھی تھی کہ گویا حضرت کو طلب عدالت ہی کرالینا انکی عین کامیابی

تھی اللہ تعالیٰ کو چونکہ اپنے مخلص بندوں کی لاج رکھنی ہوتی ہے ارشاد ہے
وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ وہی صالحین اور نیکو کاروں کا معین اور مددگار ہوتا ہے
اسلئے اس موقع پر بھی مخالفین کو شکست فاش ہوئی اور بری طرح زک اٹھانی پڑی
کہ حاضری تو بجائے خود رہی اصل مقدمہ سے نام ہی خارج ہوگیا' باقی چلنے کو
تو مقدمہ چلتا رہا جس سے حضرت اقدس کا اب نام کا بھی تعلق نہیں رہ گیا تھا
صرف اہل بستی اپنے مقدمہ کی پیروی کرتے رہے اور حضرت والا سکون واطمینان
کے ساتھ گورکھپور میں اپنا کار منصبی ادا فرمانے لگے اور مقامی حضرات کے علاوہ
ہند کے اطراف واکناف سے لوگوں کو آنے میں اور حضرت سے زیارت وملاقات
میں بہت آسانی پیدا ہوگئی' یہ خدائی حکمت تھی جس نے اس طور پر حضرت والا کو
یہاں لا پہونچایا

(گورکھپور کا تقریباً ۱½ سالہ قیام)

(رمضان ۱۳۷۵ھ تا ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ مطابق اپریل ۱۹۵۶ء تا نومبر ۱۹۵۷ء)

جیساکہ عرض کرچکا ہوں وطن سے سفر کے وقت مولوی نثاراللہ صاحب مرحوم
مولوی امجداللہ صاحب مرحوم ہمراہ تھے ہی اس لئے حضرت والا نے گورکھپور میں
انھیں حضرات کے مکان پر قیام فرمایا۔ تھوڑا عرصہ مزید گذرنے پر حضرت نے راقم سے
فرمایا کہ تم بھی اپنے بچوں کو یہیں بلالو' چنانچہ مولوی امجداللہ صاحب ہی کے مکان
کے ایک حصہ میں میرے متعلقین کا بھی قیام ہوا، اندنوں مجلس حضرت والا اپنے
شباب پر تھی جس میں شہر کے ہر طبقہ کے لوگوں کا آہستہ آہستہ آنا ہونے لگا یعنی
عمائدین اور رؤسا شہر بھی ہوتے تھے، تاجرین کا خاصا طبقہ ہوتا، انگریزی اسکول
کے مدرسین اور طلبار بھی ہوتے، پروفیسر اور لکچرار صاحبان بھی تشریف لاتے،
شہر کے معزز اطبار، علمار اور ذی احترام حضرات بھی آتے اور آئے دن
لکھنؤ، تھانہ بھون، بریلی، الہ آباد، بنارس، غازی پور، بلیا، مئو، اعظم گڈھ سے

بعض اہل علم حضرات بھی تشریف لاتے رہتے۔ ان کے علاوہ شہر کے عوام کا مرجوعہ بھی خاصا ہونے لگا تھا جسکی وجہ سے بڑا ہال روزانہ ہی قریب قریب بھر جاتا تھا جسمیں ہر روز صبح آٹھ بجے سے نو بجے تک مجلس عام ہونے لگی۔

مجلس کا انداز وہی تھا جو وطن میں تھا کہ کتابوں کے حوالے سے بلکہ ان کے صفحات کھول کھول کر مضامین نکالتے اور حاضرین کو سناتے اور اسکے لئے کچھ روح المعانی، احیاء العلوم، فتح الباری اور حجۃ اللہ البالغہ ہی لازم نہ ہوتی بلکہ اصلاحی کام گلستان، بوستان، اخلاق محسنی اور تصوف کی ضرورت مالابد سے بھی بیان فرماتے تھے۔

اس درمیان میں جب جب یہ واقعہ ہوتا کہ وطن سے کوئی صاحب تشریف لے آتے تو پھر مواخذہ اور عتاب از سر نو شروع ہو جاتا اور اچھا خاصا جمالی ماحول شانِ جلالی میں تبدیل ہو جاتا۔ چنانچہ یہ معاتبہ اور مواخذہ اوقاتِ مجلس کے علاوہ دو پہر یا شام کو بھی جاری رہتا اور حضرت کا انداز مواخذہ بھی وہی ہوتا جو وطن میں تھا بڑی زور سے تڑپتے گرجتے اور مارے غصہ کے چہرہ سرخ ہو جاتا اور بولتے بولتے منھ سے کبھی کبھی جھاگ بھی نکل پڑتی تھی۔ جب کبھی یہ کیفیت زیادہ ہو جاتی تو اکثر مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم ہی سامنے آتے اور کسیکی تو ہمت ہی نہ پڑتی تھی مولوی صاحب ہی حضرت سے نہایت عاجزی سے عرض کرتے کہ حضرت بس کیجئے، آپ کو تکلیف ہو جائے گی اور اس صاحب واقعہ کو سامنے سے ہٹا دیتے۔ اس نوع کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے تھے یہ نقشہ بھی اہل گورکھپور کے لئے کیا مرد کیا عورتیں سب کے لئے جدید ہی تھا اور عجیب بھی۔

چنانچہ ایک دن مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم نے (حضرت والا کو نشاط کی حالت میں پاکر) عرض کیا کہ حضرت کل آپ فلاں صاحب پر خفا ہو رہے تھے اور زور زور سے انکو ڈانٹ رہے تھے اسکی آواز میرے گھر میں بھی جا رہی تھی (جس مکان میں حضرت کا قیام تھا اسی سے متصل دوسرے مکان میں مولوی نثار اللہ صاحب

رہتے تھے اس طرح پر کہ اگر درمیان کے دروازے کھول دیئے جائیں تو دونوں مکان گویا ایک ہی معلوم ہوتا) اہلیہ نے سنا اور اسکو سنکر وہ بہت ڈر اور سہم گئیں اور گھبرا گئیں اور کہتی تھیں کہ مجھے تو اختلاج ہونے لگ گیا تھا۔ مولوی صاحب نے تو بطور تفریح کے ایک واقعہ بیان کیا چنانچہ حضرت والا اسپر بڑی زور سے ہنسے بھی لیکن حضرت والا کی طبع حساس تھی اسکا دوسرا اثر بھی لیا اسوقت تو سنکر خاموش ہو گئے مگر دل ہی دل میں یہ طے کر لیا کہ اب کسی پر اس طرح سے مواخذہ نہیں کروں گا اور چند دنوں کے بعد غالباً مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم ہی کے ذریعہ اہل مجلس سے اصلاح پر دل سے متوجہ نہ ہونے کے سلسلہ میں کچھ عام جواب طلب ہوا اسی سلسلہ میں مولوی صاحب نے یہ بھی آکر حاضرین سے کہا کہ حضرت والا نے فرمایا ہے کہ " میں نے تو اپنے کو بدل لیا ہے اب آپ لوگ اپنے کو کب بدلیں گے ؟" اس اپنے کو بدلنے سے مراد حضرت کی وہی مواخذہ میں نرمی فرمانا تھی اور اسکے ذریعہ سے ہم لوگوں سے عمل کا مطالبہ تھا کہ جیسے مواخذہ میں نرم کرتے ہو تو تم بھی عمل میں سخت ہو جاؤ۔ لیکن خیال یہ ہے کہ حضرت والا نے یہ کیوں فرمایا اسکو بہت دنوں تک کسی نے نہیں سمجھا تھا خود حضرت ہی نے ایک دن اسکی وضاحت فرمائی تو وجہ سمجھ میں آئی سچ ہے ؎ بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست۔

گورکھپور کے قیام میں چند حضرات نے خصوصی طور پر حضرت والا کی خدمت میں اپنے کو پیش کر رکھا تھا۔

۱۔ ایک تو یہی مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم تھے ماشاء اللہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ساتھ ساتھ دین سے بھی خوب ہی خوب نوازا تھا اتنا بڑا شخص جو ایم۔ ایل۔ اے بھی رہ چکا ہو اور اپنے وقت میں کسی کو خاطر میں نہ لاتا ہو حضرتؒ کے آگے جس تواضع سے پیش آئے وہ ہم جیسوں کے لئے باعث عبرت ہے ؎

تواضع زگردن فرازاں نکوست — گدا اگر تواضع کند خوئے اوست

(تواضع بڑے لوگوں کی جانب سے ہو تو زیب دیتی ہے باقی فقیر اور غریب اگر تواضع کریگا تو کیا کرے گا)

قرآن شریف کے حافظ تھے اور حافظہ بھی بے مثل تھا، فارغ اوقات میں بس تلاوت قرآن ہی فرماتے تھے، قرآن شریف سے گویا عشق تھا، بڑے ہی خوش مزاج، خوش مذاق اور خوش پوشاک اور خوش خلق انسان تھے مدینہ شریف میں مکان بنوالیا تھا خیال تھا کہ ہجرت کر کے وہیں آخری ایام گذاریں گے۔ جن دنوں حضرت والا کا قیام الہ آباد میں تھا ہجرت کے خیال سے گورکھپور سے سفر کر کے حضرت سے آخری ملاقات کرنے کے لئے الہ آباد تشریف لائے، حضرت اقدس بھی بہ نفس نفیس انکو رخصت کرنے کے لئے اسٹیشن تشریف لے گئے، ہم سب خدام بھی گئے اسوقت عظمت و محبت شیخ کا جو مظاہرہ مولوی صاحب مرحوم نے فرمایا ہے آج بھی وہ نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے حضرت اقدس سے آخری مصافحہ اور معانقہ چشم گریاں اور دل بریاں کے ساتھ کرتے کرتے حضرت کے قدموں میں گر گئے، اور حضرت کا جوتہ حضرت کے پیروں سے نکالکر اپنے سینے سے لگالیا اور بھرے پلیٹ فارم میں اپنے سر پر رکھ لیا چنانچہ جاننے والوں نے دیکھا کہ نعم الامیر علی باب الفقیر کا یہ مصداق تھے۔ اور حضرت والا نے انتہائی مسرت کے ساتھ انھیں دعائیں دیں اور خوشی خوشی رخصت کیا یہ محبت اور عشق کے جذبات اور حالات ہیں ہر ایک کو نہ میسر نہ ہر ایک کو اسکی قدر ہے

سرّ دِ غم عشق بو الہوس را ندہند　　　سوز دلِ پروانہ مگس را ندہند

(سرّ عشق (حقیقی) کا غم اہل ہوس کو نہیں عطا فرماتے نہ پروانہ کے دل کا سوز مکھی کو بخشتے ہیں)

اللہ کی مرضی کہ مدینہ شریف میں جاکر بیمار ہوئے قلب کے مریض تھے دورہ شدید پڑا لوگوں نے علاج کے لئے ہندوستان آنے کا مشورہ دیا چونکہ یہاں کے علاج سے پہلے نفع ہوتا رہا تھا کوئی یہ کہنے والا نہ ملا کہ جب مدینہ شریف مرنے ہی کیلئے آئے ہیں تو پھر یہ رجعت قہقری کیسی ؟ لیکن ماشاء اللہ کان خدا ہی جو چاہتا ہے ہوتا ہے بمبئی اترے تو حالت نازک سے نازک تر ہوگئی جہانسی پہونچتے پہونچتے اس عالم فانی

سے عالم جاودانی کو رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بالآخر لکھنؤ میں نعش اتار دی گئی اور وہیں انکی آخری آرام گاہ بنا نا تجویز ہوا اللہ تعالیٰ کو منظور یہی تھا۔ واقعی خدا تعالیٰ کو جو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے۔ انسان کیا کیا خیال قائم کرتا ہے لیکن اسکی بے کسی و بے بسی مولوی صاحب کے اس واقعہ سے نمایاں ہے۔ خود مدینہ میں رہنے بلکہ مرنے کا ارادہ کیا لیکن خمیر لکھنؤ کی تھی چار وناچار وہاں سے آنا پڑا اور اپنے وطن بھی نہ پہونچ سکے۔ مولانا محمد علی جوہر کا شعر قدرے تغیر کے ساتھ انکے حسب حال ہوا کہ ؎

ماراد یارِ ہند میں مجھکو وطن سے دور رکھ لی مرے خدانے مری بیکسی کی لاج

بہرحال ع۔ خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

۲ — گورکھپور کے خدامِ خاص میں سے دوسرے بزرگ ہمارے محترم اور عزیز مولوی امجد اللہ صاحب مرحوم تھے۔ آپ یوں تو مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم کے برادرِ خورد تھے لیکن حضرت اقدس سے تعلق کے باب میں آپ کو تقدم کا شرف حاصل تھا چنانچہ اپنے برادرِ محترم مولوی نثار اللہ صاحب کو حضرت سے روشناس بلکہ متعلق ہونے میں واسطہ آپ ہی بنے تھے گورکھپور کے بڑے رؤسا میں سے شمار تھا لیکن بڑے ہی خلیق۔ منکسر المزاج۔ مہمان نواز غریب پرور تھے اور ہر ایک سے نہایت ہی خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے تھے۔ جب حضرت کے متعلقین کا آپکے مکان پر قیام تجویز ہوا تو نہ صرف آپ ہی بلکہ آپ کا سارا گھرانہ ہی حضرت والا کی محبت کی وجہ سے سب گھر والوں کی راحت رسانی میں پیش پیش نظر آتا تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب مرحوم کی حسن تربیت نے آپ کی سب صاحبزادیوں کو بھی حسن خلق کے زیور سے آراستہ کر رکھا تھا جسکی وجہ سے حضرت کے متعلقین کو سچ پوچھئے تو گورکھپور میں وطن ہی جیسی راحت ملی اور ترک وطن کا جو زخم قلب میں ہو گیا تھا ان سب کے اخلاق اور خدمات نے اس پر مرہم رکھدیا تھا۔ پورے طور پر انصارؓ کی سنت ادا کی اور مہاجرین کو پردیس، پردیس ہی نہ معلوم ہونے دیا۔

۳۰- فائدہ فقہیہ

لہو لعب اور گانے بجانے وغیرہ کی ایسی چیزیں جنکا استعمال شرعاً ناجائز انکو گھر میں رکھنا بھی ناجائز اور مکروہ ہے اگرچہ انکا استعمال نہ کیا جاوے خلاصۃ الفتاوی صـ۳۲۸ ج ۴ ولو امسك فی بیته شیئاً من المعازف هی کره ویاثم وان کان لایستعملها لان امساك هذا الاشیاء یکون للهو عادة۔
۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں ایسی چیزیں بھی رکھنا مناسب نہیں جن سے ون کے اخلاق و اعمال یا عقائد وغیرہ پر برا اثر پڑے اور اسی لئے فقہا ء اللہ نے اہل باطل کی کتابوں کو اپنے گھر میں رکھنے سے منع کیا۔ یہ جزئیہ فتاوی میں کہیں نظر سے گذرا ہے مگر اسوقت حوالہ یاد نہیں اور تتبع کی فرصت نہیں

۳۱- مفسر قرآن قاضی بیضاوی

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ جنکی تفسیر بیضاوی عام طور پر دارس میں زیر درس شیخ تاج الدین سبکیؒ نے طبقات شافعیہ میں بذیل تذکرہ انکا ایک دلچسپ عبرت خیز واقعہ نقل کیا ہے
موصوف اپنے فضل و کمال اور خداداد شہرت و وجاہت کی بناء پر ل میں شیراز کے قاضی تھے مگر انقلاب زماں اور معاصرانہ کاوشوں کیوجہ سلطان وقت نے انکو وہاں سے معزول کر دیا۔ معزول ہونے کے بعد ریز پہونچے وہاں ایک عالم کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور کنارہ پر جگہ بیٹھ گئے اثناء درس میں مدرس نے بطور امتحان ایک نکتہ غریبہ اس ل سے بیان کیا کہ موجودین میں سے اسکو کوئی حل نہ کر سکے گا بلکہ اس کے ال کو بھی سمجھ سکے گا۔ چنانچہ سب حاضرین سے خطاب کرکے کہا کہ اگر تمھیں ت ہو تو اسکو حل کرو ورنہ کم از کم اسکے اشکال ہی کی تقریر کرو و کہو کہ ورنہ

سب حیران تھے کہ کیا جواب دیں کہ اچانک قاضی بیضاوی نے اسکا جواب دینا شروع کیا مدرس نے کہا میں اسوقت تک جواب نہ سنوں گا جب تک پہلے یہ معلوم کرلوں کہ تم اشکال بھی سمجھ گئے ہو۔

قاضی بیضاوی ؒ نے اشکال کی تقریر کردی اور بیان کیا کہ آپ نے نکتہ کے بیان میں فروگذاشت کی ہے اسکی صحیح تقریر یہ ہے اور پھر اسکا حل نہایت صاف بیان کردیا۔

اس کے بعد اسی کی مثل ایک معمہ اپنی طرف سے پیش کرکے مدرس صاحب سے حل طلب کیا مدرس اس کے حل میں حیران رہ گیا۔ اتفاقاً اس مجلس میں وزیر سلطان بھی حاضر تھے یہ واقعہ دیکھکر بیضاوی کی عظمت اسکے قلب میں بڑھ گئی (اگرچہ وہ اس وقت تک بیضاوی کو پہچانتے نہ تھے) اور فوراً قاضی بیضاوی ؒ کو انکی جگہ سے اٹھاکر اپنے پاس لے آئے اور ان کے حالات دریافت کئے کہ آپ کون ہیں اور کہاں سے کس غرض سے آئے ہیں؟

موصوف نے حالات بیان کئے کہ میں بیضا کا رہنے والا ہوں قضاء شیراز کی طلب میں یہاں حاضر ہوا ہوں، وزیر نے انکا بہت اکرام کیا اور خلعت وانعام دیکر رخصت کیا۔

اور بعض ارباب تاریخ نے واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ قاضی بیضاوی شیخ محمد بن محمد کتانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ وزیر کی خدمت میں میری سفارش کردیں کہ وہ مجھے پھر شیراز کی قضا پر بحال کردیں۔ شیخ موصوف ایک مقبول بزرگ تھے ایک روز وزیر سے انکی ملاقات ہوئی تو قاضی موصوف کی سفارش ان الفاظ میں کی "یہ ایک مرد صالح اور عالم فاضل ہے اسکی درخواست یہ ہے کہ جہنم میں آپ کا شریک ہوجائے یعنی یہ چاہتا ہے کہ ایک مصلے کی جگہ اس کو بھی جہنم میں مل جائے (مجلس حکومت اسقدر خطرناک ہے کہ وہ اکثر جہنم کا سبب بن جاتی ہے اسلئے شیخ محمد نے اسکو جہنم سے تعبیر کیا)۔ قاضی بیضاوی اس عجیب

ح کی سفارش سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی درخواست ہی واپس لے لی
پھر ہمیشہ شیخ کی خدمت میں رہنے لگے اور انھیں کے اشارہ سے یہ تفسیر بھی
ہے جو ہمیشہ مقبول خواص و عوام رہی ہے۔

۳۲ - مومن کی دنیا

ما پروریم دشمن و ما می کشیم دوست　　کس را چرا و چوں نہ رسد در قضائے ما

امام احمدؒ نے نوف بکالی سے ایک عجیب حکایت نقل فرمائی ہے
یا کہ ایک مرتبہ دو شخص مچھلیوں کے شکار کی غرض سے چلے اُن میں سے ایک
رتھا دوسرا مسلمان کافر اپنا جال ڈالتے وقت اپنے معبودوں کا نام لیتا جسکی
سے اسکا جال مچھلیوں سے لبریز ہو کر آتا اور مسلم اپنا جال ڈالتے وقت اللہ
ک و تعالیٰ کا نام لیتا لیکن کوئی مچھلی اسکے ہاتھ نہ آتی، اسی طرح غروب
اب تک دونوں شکار کرتے رہے آخرکار اس مسلمان کو بھی ایک مچھلی ہاتھ لگی
ن وائے ناکامی کہ وہ مچھلی بھی اچھل کود کر پانی میں جا پڑی یہاں تک کہ یہ بیچارہ
ب مسلمان شکارگاہ سے ایسا خائب و خاسر لوٹا کہ اس کے ساتھ کوئی شکار نہ تھا۔ اور
ر ایسا کامیاب آیا کہ اسکا کشکول مچھلیوں سے پُر تھا۔

اس عجیب و غریب حیرت ناک واقعہ سے فرشتۂ مومن کو سخت افسوس ہوا
بارگاہ خداوندی میں عرض کیا "اے میرے رب یہ کیا بات ہے کہ تیرا ایک
ن بندہ جو تیرا نام لیتا ہے ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اسکے ساتھ کوئی شکار
ں ہوتا اور تیرا کافر بندہ ایسا کامیاب واپس آتا ہے کہ اسکا کشکول مچھلیوں سے
یز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتۂ مومن سے خطاب فرمایا کہ اے فرشتہ آ!
. اس مرد مومن کے عالیشان مقام کو دکھلا کر جو اسکے لئے جنت میں پہلے سے
تھا ارشاد فرمایا کہ کیا اس مقام کو حاصل کر لینے کے بعد بھی میرے اس مومن بندہ
ہ رنج و تعب جو دنیا میں مچھلیوں سے ناکامی کے باعث پہونچا تھا باقی رہ سکتا ہے

ہم ہی دشمن کو پالتے ہیں ہم ہی دوست کو قتل کرتے ہیں کسیکو ہمارے معاملات میں چوں و چرا کرنے کا حق نہیں ہے۔

اور کافر کے اس بدترین مقام کو دکھلا کر جو اس کے لئے جہنم میں تیار کیا گیا تھا ارشاد فرمایا کہ کافر کی وہ چیزیں جو اسکو دنیا میں عطا کی گئی ہیں اسکو جہنم کے دائمی عذاب سے نجات دلا سکتی ہیں؟ فرشتے نے جواب دیا کلا واللہ یا ربّ یعنی اے رب العزت ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(ف) سبحان اللہ حق تعالیٰ کے نزدیک ایمان کا کتنا بڑا مرتبہ ہے۔ مسلمانو! اسکی قدر کرو کسی دنیوی مصیبت کی وجہ سے پست ہمت اور ملول مت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے دنیا کے عوض جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جن کے مقابلے میں دنیاوی نعمتیں کوئی وقعت نہیں رکھتیں۔

دوم: اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابی العباس ابن المسروق سے مروی ہے فرمایا کہ میں نے یمن میں ایک شکاری کو دیکھا جو دریا کے بعض کناروں پر مچھلی کا شکار کر رہا تھا اس کے ہمراہ ایک بچی بھی تھی، شکاری جب کوئی شکار کرتا تو اسے بچی کے جھولے میں ڈال دیتا اور شکار میں مصروف ہو جاتا۔ ادھر وہ لڑکی شکار کردہ مچھلیوں کو پانی میں ڈالتی جاتی ایک مرتبہ اس نے مچھلیوں کی طرف التفات کیا تو اسے کوئی مچھلی نظر نہ آئی! بچی سے دریافت کیا کہ اے بیٹی تم نے کس وجہ سے ایسا معاملہ مچھلیوں کے ساتھ کیا؟ لڑکی نے جواب دیا اے اباجان ایک مرتبہ میں نے آپکو سنا حدیث بیان فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مچھلی جال میں نہیں پھنستی مگر جب کہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو جاتی ہے اس لئے میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ایسی شے کو لقمہ بناؤں جو خدا کی یاد سے غافل ہو

لڑکی کے اس جواب کو سنکر وہ شخص بے اختیار رو پڑا اور جال کو ہاتھوں سے پھینک دیا۔

(ف) سبحان اللہ پہلے لوگوں کے دلوں میں کس قدر خدا اور اسکے رسول کی عظمت ومحبت پوشیدہ تھی مرد تو مرد عورتیں اور بچیاں بھی کیسی متقی اور پرہیزگار ہوتی تھیں

افسوس ہے کہ آجکل ہمارے پرفتن دور میں دینداری اور پرہیزگاری کا روز بروز کھا ہوتا جا رہا ہے اب فیصدی ایک بھی خدا کے نیک اور دیندار بندے نظر نہیں آتے۔ مسلمانو! ان واقعات سے عبرت پکڑو اور موجودہ زمانے کے نت نئے فتنوں سے جو کہ حشرات الارض کی طرح پھیلے جا رہے ہیں اپنے آپکو بچاؤ اور اگلے لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی پوری پوری کوشش کرو انشاءاللہ تم بھی ان کے مرتبہ کو پہونچ جاؤ گے۔

۲۳- بدعات و محدثات

حضرات صوفیائے کرام کی نظر میں

بدعات اور محدثات کے ایجاد کرنے والے اور ان پر عمل کرنے والے عموماً حضرات صوفیاء کرام اور مشائخ طریقت کی پناہ لیتے ہیں اور انہی کی طرف منسوب کرتے ہیں یہاں تک کہ بہت سے عوام اس خیال میں ہیں کہ طریقت و شریعت دو متضاد چیزیں ہیں، بہت سے احکام جو شریعت میں ناجائز ہیں اہل طریقت انکو جائز قرار دیتے ہیں اور یہ ایک خطرناک غلطی ہے کہ اس میں مبتلا ہونے کے بعد دین و ایمان کی خیر نہیں کیونکہ انسان کو تمام گمراہیوں سے بچانے والی صرف شریعت ہے جب اسکی مخالفت کو جائز سمجھ لیا گیا تو پھر ہر گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے اسی لئے مناسب معلوم ہوا کہ حضرات صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت کے ارشادات' بدعات کی مذمت اور اتباع سنت کی تاکید میں بقدر کفایت جمع کئے جاویں تاکہ عوام اس دھوکے سے بچ جائیں کہ مشائخ طریقت بدعات کو مذموم نہیں سمجھتے یا اتباع سنت میں تساہل ہیں۔

اس سلسلہ میں علامہ شاطبی نے اپنی کتاب الاعتصام صفحہ ۱۲۶ ج ۱ میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے جسمیں صوفیائے متقدمین کے ارشادات دربارۂ مذمت بدعات

جمع کئے ہیں ہمارے لئے انکا ترجمہ کردینا کافی ہے۔ وھٰذا ۔

۳۴۔امام طریقت حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی بدعتی کے پاس بیٹھتا ہے اس کو حکمت نصیب نہیں ہوتی۔

۳۵۔حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے کسی شخص نے دریافت کیا کہ حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمانے کا قرآن کریم میں وعدہ فرمایا ہے، فرمایا اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ مگر ہم بعض کاموں کے لئے زمانہ دراز سے دعا کر رہے ہیں قبول نہیں ہوتی اسکا کیا سبب ہے؟ آپنے فرمایا تمھارے قلوب مرچکے ہیں اور مردہ دل کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ اور موتِ قلب کے دس سبب ہیں:۔

اوّل یہ کہ تم نے حق تعالیٰ کو پہچانا مگر اسکا حق ادا نہیں کیا۔ دوسرے تم نے کتاب اللہ کو پڑھا مگر اس پر عمل نہیں کیا۔ تیسرے تم نے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ تو کیا مگر آپ کی سنت کو چھوڑ بیٹھے۔ چوتھے شیطان کی دشمنی کا دعویٰ کیا مگر اعمال میں اسکی موافقت کی۔ پانچویں تم کہتے ہو کہ ہم جنت کے طالب ہیں مگر اس کے لئے عمل نہیں کرتے۔ اسی طرح پانچ چیزیں اور شمار کرائیں۔

اور غرض اس حکایت کے نقل سے یہ ہے کہ ابراہیم بن ادہمؒ ترک سنت کو موتِ قلب کا سبب قرار دیتے ہیں۔

۳۶۔حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ اخلاق و اعمال اور

تمام امور و سنن میں حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جاوے۔ اور فرمایا کہ لوگوں کے فساد کا سبب چھ چیزیں ہیں ایک کہ عمل آخرت کے متعلق انکی ہمتیں اور نیتیں ضعیف ہوگئی ہیں۔ دوسرے یہ کہ انکے اجسام انکی خواہشات کا گہوارہ بن گئے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ان پر طول امل غالب آگیا ہے یعنی دنیوی سامان میں قرنوں اور زمانوں کے انتظام کرنے کی فکر میں لگے رہے حالانکہ انکی عمر قلیل ہے چوتھے یہ کہ انھوں نے مخلوق کی رضا کو حق تعالیٰ کی رضا پر ترجیح دے رکھی ہے پانچویں یہ کہ وہ اپنی ایجاد کردہ چیز کے تابع ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ بیٹھے۔ چھٹے یہ کہ مشائخ سلف اور بزرگان متقدمین میں سے اگر کسی سے کوئی لغزش صادر ہوگئی تو ان لوگوں نے اسی کو اپنا مذہب بنا لیا اور انکے فعل کو اپنے لئے حجت سمجھا اور انکے باقی تمام فضائل و مناقب کو دفن کر دیا۔

اور ایک شخص کو آپ نے نصیحت فرمائی کہ تمھیں چاہیئے کہ سب سے زیادہ اہتمام اللہ تعالیٰ کے فرائض و واجبات کے سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کا کرو اور جس چیز سے تمھیں اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ان کے پاس نہ جاؤ کیونکہ حق تعالیٰ کی عبادت کا وہ طریقہ جو اس نے خود تعلیم فرمایا ہے اس طریقہ سے بہت بہتر ہے جو تم خود اپنے لئے بناتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ ہمارے لئے اس میں زیادہ اجر و ثواب ہے جیسے بعض لوگ خلاف سنت رہبانیت کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔

بندہ کا فرض یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے آقا کے حکم پر نظر رکھے اور اسی کو اپنے تمام معاملات میں حَکَم بنائے اور جس چیز سے اس نے روک دیا ہے اس سے بچے۔

آجکل لوگوں کو حلاوت ایمان اور طہارت باطن سے صرف اس چیز نے روک رکھا ہے کہ وہ فرائض و واجبات کو معمولی چیز سمجھ کر ان کا اتنا اہتمام نہیں کرتے جتنا کرنا چاہیئے۔

۳۷۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مشرف ہوا آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے بشر تم جانتے ہو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے سد اقران پر فوقیت و فضیلت کس سبب سے دی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول میں واقف نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس فضیلت کا سبب یہ ہے تم میری سنت کا اتباع کرتے ہو اور نیک لوگوں کی عزت کرتے ہو اور اسے بھائیوں کی خیر خواہی کرتے ہو اور میرے صحابہ اور اہل بیت کی محبت رکھتے

۳۸۔ حضرت ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت ابوبکر دقاق قدس سرہ جو حضرت جنیدؒ کے اقران میں سے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اس میدان میں سے گزر رہا تھا جہاں چالیس سال تک بنی اسرائیل قدرتی طور پر محصور رہے اور نکل نہ سکتے تھے جس کو وادی تیہہ کہا ہے اس وقت میرے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ علم حقیقت علم شریعت سے مخالف اچانک مجھے غیبی آواز آئی کل حقیقة لا تتبع بالشریعة فهو کفر جس حق کی موافقت شریعت نکرے وہ کفر ہے۔

۳۹۔ حضرت ابو علی جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ کی نیک بختی کی علامت یہ ہے کہ اس پر خدا اور رسول اطاعت آسان ہو جائے اور اس کے افعال مطابق سنت کے ہو جاویں اسکو نیک لوگوں کی صحبت نصیب ہو جاوے اور اپنے احباب واخوان کے اسکو حسن اخلاق کی توفیق ہو اور خلق اللہ کے لئے اسکا نیک سلوک عام ہو اور مسا کی غمخواری اسکا شیوہ ہو۔ اور اپنے اوقات کی نگہداشت کرے (یعنی ضائع ہونے

وما قضیٰ احد منہا لبانتہ لا ینتہی ارب الا الیٰ ارب

کسی شخص اس بیوفا دنیا سے اپنی حاجات کو کبھی بھی پورا نہیں کیا ایک حاجت ختم نہیں ہوتی کہ دوسری سامنے آجاتی ہے یہی سلسلہ لگا رہتا ہے)
بخلاف اس شخص کے کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو وہ پھر بہ نسبت اس شخص کے راحت
میں ہے اسکا تو یہ حال ہے ؎

لنگکے زیر و لنگکے بالا نے غم دزد و نے غم کالا

(ایک لنگی نیچے پہنے ہوئے ہے اور ایک کو اوڑھ رکھا ہے (مثل احرام کے) بس اسکو نہ چور کا ڈر اور نہ سامان کی فکر)
حکایت :۔ ایک رئیس تھے ان کے ایک بچہ تھا اتفاقاً وہ بیمار ہو گیا تمام جائداد و
سامان انکو تلخ معلوم ہوتا تھا۔ یہ حالت دنیا کی ہے۔ سچ ہے۔ ع
وان اقبلت کانت کثیرا ہمومہا (جب وہ آتی ہے تو صدہا فکر و غم ساتھ لیکر آتی ہے)

۳۲۔ حاصل تعیین مقصود و تعیین طرق

حاصل یہ کہ اگر تمام نعمتیں میسر بھی ہوں اور آخرت میں اسکے لئے کچھ نہ ہو
تو سب ہیچ ہے۔ اس لئے حیاتِ طیبہ بھی اسی وقت ہوگی جبکہ اجر بھی ہو اسیواسطے
فلنحیینہ الخ کے ساتھ ولنجزینہم الخ فرمایا۔ حاصل دونوں کا حیات کاملہ ہوئی۔ خلاصہ
یہ ہوا کہ گویا حق تعالیٰ بطور حاصل ارشاد فرمارہے ہیں کہ اسے دنیا میں بھٹکنے والو!
تم میں سے ہر ایک جو مقصود معتد بہ کا طالب ہے ہم بتاتے ہیں مقصود معتد بہ
حیات کاملہ ہے۔ اور اس کے طرق میں تم جو غلطیاں کر رہے ہو تو اس کے طرق کو
بھی متعین کرتے ہیں وہ اطاعت اللہ اور رسول کی ہے۔ گویا تمام آیۃ کا حاصل
یہ ہوا کہ اطاعت کا ثمرہ و نتیجہ لطف دائم ہے۔ یہ ایک دعویٰ ہے اور یہ ایک ایسا
دعویٰ ہے کہ اگر ہم اسکا صدق مشاہدہ بھی نہ کرتے تو بھی ہمکو بلا تامل تصدیق
کرنا چاہیئے اسلئے کہ یہ ایک ایسی ذات کا فیصلہ ہے کہ جس کا علم کامل ہے اور بےغرض
اور مستغنی بالذات ہے چہ جائیکہ اسکا صدق ہمکو کالشمس فی نصف النہار
نظر بھی آرہا ہے اور مشاہدہ روز بروز اسکو پختہ کرتا جاتا ہے جیسا کہ ہم اس کو

آئندہ چل کر بیان کریں گے

۴۳۔ آیت میں حیات طیبہ سے کیا مراد ہے

اسوقت فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً کی تفسیر کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے کہ اس میں اختلاف ہوا ہے کہ حیات طیبہ سے کیا مراد ہے؟ دنیا کی حیات یا برزخ کی کیونکہ عالم تین ہیں۔ عالم آخرت، عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت کو مشاہدہ نہیں کیا مگر اہل ملت میں بلکہ حکماء فلاسفہ قدماء میں بھی اسکے منکرین کم ہیں حتیٰ کہ سوائے اہل اسلام کے اور لوگ بھی اسکے قائل ہیں اس لئے اسکا کوئی نمونہ دنیا میں بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۴۔ عالم برزخ کی تحقیق اور اس کے متعلق شبہات کا دفع مع مثال

بخلاف برزخ کے کہ حتیٰ کہ اہل اسلام میں معتزلہ نے اسکا انکار کیا ہے اور حدیثوں میں جو آیا ہے کہ جب آدمی مرتا ہے تو قبر میں دو فرشتے منکر نکیر آتے ہیں انکا معاملہ مختلف ہوتا ہے اگر بندہ مومن ہوتا ہے اسکے پاس نہایت اچھی صورت میں آتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں وہ پسندیدہ جواب دیتا ہے پھر اسکے لئے قبر کشادہ ہوجاتی ہے حتیٰ کہ جہاں تک اسکی نگاہ جاتی ہے اسکو ایک وسعت نظر آتی ہے اور اسکو کہا جاتا ہے نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ مانند عروس یعنی دلہن کے سو رہ اور اگر وہ کافر ہوتا ہے اسکے پاس نہایت ہولناک صورت میں آتے ہیں اور جو سوال اس سے کیا جاتا ہے وہ جواب میں لا ادری یعنی میں نہیں جانتا کہتا ہے اسکے لئے قبر تنگ ہوجاتی ہے اور اس کو اسقدر دباتی ہے کہ اسکی پسلیاں ادھر کی ادھر اور ادھر کی ادھر ہوجاتی ہیں گرزوں سے اسکو مارتے ہیں اور سانپ اور بچھو اسکو ڈستے ہیں۔ غرض

انواع انواع کے عذاب میں مبتلا رہتا ہے معتزلہ اور ہمارے تو تعلیم یافتہ ان احادیث کا بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو قبر کو کھود کر دیکھتے ہیں نہ اس میں فرشتہ ہے نہ گرز ہے نہ وسعت ہے نہ سانپ ہیں نہ بچھو ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کو بھیڑیا کھالے یا دو شیر کھا لیویں تو وہاں کس طرح یہ سوال و جواب ہوں گے اور کیسے وہاں وسعت ہوگی اور وہاں سانپ بچھو کہاں ہم تو صریحاً دیکھتے ہیں شیر اور بھیڑیئے کے پیٹ میں نہ سانپ ہیں اور نہ بچھو ہیں نہ گرز ہیں۔ بات یہ ہے ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ ... چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

(یہ بہتّر فرقوں کی جنگ کے مسئلے کو چشم حقیقت بین سے تو حل کرو ورنہ لوگوں نے تو جب حقیقت کو نہ جانا تو افسانے کا طور اختیار کرلیا)

وجہ یہ کہ خود علم نہیں اور علماء کی اتباع سے عار آتی ہے حالانکہ سلامتی کی بات یہ ہے کہ اپنے سے زیادہ جاننے والے کا دامن پکڑے۔ کاش ہم سے پوچھ لیتے تو پتہ لگ جاتا ان تمام شبہات کا منشا یہ ہے کہ قبر نام اس گڑھے کا رکھ لیا ہے حالانکہ قبر سے مراد احادیث میں یہ گڑھا نہیں ہے بلکہ مراد قبر سے عالم برزخ ہے اور عالم برزخ اس گڑھے کے ساتھ مخصوص نہیں' بلکہ برزخ اس حالت کا نام ہے جو آخرت اور دنیا کے درمیان کی حالت ہے۔ اگر قبر میں دفن کر دیا وہی اسکا برزخ ہے اس سے وہاں ہی سوال و جواب عذاب و ثواب ہوگا اور اگر بھیڑیئے اور شیر نے کھالیا اسکے لئے وہی برزخ ہے اور اگر جلا دیا تو جہاں جہاں اسکے اجزاء ہیں اس سے وہاں ہی یہ سب واقعات پیش آویں گے لیکن چونکہ شریعت میں دفن کرنے کا حکم ہے اسلئے' عالم برزخ کو قبر سے تعبیر فرمایا ہے حاصل یہ کہ قبر کے متعلق جس قدر شبہات ہیں وہ سب اس پر مبنی ہیں کہ قبر کی حقیقت نہیں سمجھے اسی استبعاد کی وجہ سے چونکہ اسکا بکثرت انکار کیا جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسی حکمت سے اسکا ایک نمونہ دنیا میں پیدا فرمایا ہے۔ وہ کیا ہے؟ خواب یعنی سونا' سوتے ہوئے آدمی دیکھتا ہے کہ سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ دریا

میں ڈوب گیا ہے کسی نے لٹھ مارا ہے اور اسکو الم محسوس ہو رہا ہے حالانکہ وہ
نرم نرم بستر پر لیٹا ہوا ہے اور اگر گرمی ہے پنکھے ہو رہے ہیں خس کی ٹٹیاں لگ رہی
ہیں۔ یا دیکھتا ہے کہ وہ مسند پر سریر آرائے سلطنت ہو رہا ہے اور باندیاں اور
غلام صف بصف دست بستہ کھڑے ہیں اور طرح طرح کے آرام و راحت کے
سامان ہیں حالانکہ وہ زمین پر لیٹا ہوا ہے نہ تکیہ ہے نہ بستر ہے نہ کوئی پرسان ہے
بیمار ہیں سخت درد میں مبتلا ہیں۔ یہ سونے والے اگر ان حکایات کو بیان کرتے ہیں
تو ان سے کوئی دلیل عقلی کا ان واقعات پر مطالبہ نہیں کرتا بلکہ اگر کوئی دلیل عقلی
پوچھے بھی تو اسکو احمق بنایا جاتا ہے اور اسکو وہ سونے والا کہتا ہے کہ معلوم ہوتا
ہے تم کبھی سوئے نہیں خدا کرے تم سوؤ تو تم کو یہ سب باتیں معلوم ہو جائیں گی پس
ہمارا بھی یہی جواب کہ جب مرو گے معلوم ہو جائے گا۔ بقول شخصے ؎

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتم کہ چو ما شوی بدانی

(کسی شخص نے کسی عاشق سے پوچھا کہ عاشقی کیا چیز ہوتی ہے اسنے کہا کہ جب میری طرح ہو جاؤ گے جان لوگے)
غرضکہ خواب برزخ کا پورا نمونہ ہے کہ جیسے ہم سونے والے کو دیکھتے ہیں کہ وہ
آرام سے لیٹا ہے حالانکہ وہ سخت تکلیف کا مشاہدہ کر رہا ہے یا یہ کہ یہ تکلیف میں ہے
اور خواب میں مزے لوٹ رہا ہے اسی طرح مردے کا حال ہے کہ اگر قبر کو کھود کر
دیکھا جائے کہ جس طرح دفن کر آئے تھے اسی طرح ہے لیکن وہاں کے واقعات
اس پر سب گزر رہے ہیں لیکن اس تقریر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بس معلوم ہو گیا کہ
برزخ کے واقعات خواب جیسے ہیں جس طرح خواب کی کوئی اصل نہیں اسیطرح
یہ بھی فی الواقع کوئی شے نہیں۔ مردے کو یہ واقعات محض متخیل ہوتے ہیں
اسلئے کہ ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ خواب نمونہ ہے یعنی خواب مشابہ برزخ کے ہے
مماثل نہیں کہا۔ عالم برزخ کے واقعات حقیقت رکھتے ہیں۔ تحقیق اسکی یہ ہے
کہ یہ تو ظاہر ہے کہ روح اس جسم سے مفارق ہو جاتی ہے اس لئے اس جسم کو تو نہ
ثواب تکلیف آرام کچھ نہیں ہوتا ہاں جسم سے تعلق قدیم کی وجہ سے ایک تعلق خاص ہوتا

ہے جیساکہ آدمی کو اپنے گھر سے یا کپڑے سے کہ وہ گھر یا کپڑا اس سے مفارق ہے لیکن اس سے تعلق ہے اور اسی تعلق کی بنا پر مردے کے جسم کو اگر کوئی مارے تو روح کو ایک قسم کی کوفت ہوتی ہے۔ پس اس جسم عنصری کے ساتھ اس سے زیادہ کوئی تعلق نہیں رہتا مگر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عذاب وثواب کا مورد جسم ہی ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ برزخی ثواب وعقاب اور تمام برزخی واقعات اور سوال وجواب کے لئے روح کو ایک اور جسم عطا ہوتا ہے اور اسکو جسم مثالی کہتے ہیں یہ تکلیف وراحت سب اسکے ساتھ پیش آتے ہیں اور جسم مثالی کی حقیقت یہ ہے کہ سوائے اس عالم ظاہر کے ایک اور عالم ہے کہ صوفیہ کا اسکا انکشاف ہے اور نیز اشارات کتاب وسنت سے بھی اسکا وجود معلوم ہوتا ہے اس میں عالم میں تمام اشیاء اور تمام اعمال وافعال کی صورتیں ہیں خواب میں جو کچھ آدمی دیکھتا ہے وہ بھی اسی عالم کی صورتیں دیکھتا ہے مثلاً خواب میں دیکھتا ہے کہ میں کلکتے گیا ہوں اور وہاں کوٹھیاں بنگلے اور بازاروں کی سیر کر رہا ہوں تو یہ صورتیں چونکہ عالم مثال میں موجود ہیں اسلئے وہ خواب میں نظر آتی ہیں میں نے ایک رسالہ مسمی الفتوح فی احکام الروح لکھا ہے اس میں روح کے متعلق مفصل بحث لکھی ہے اسکے دیکھنے سے انشاء اللہ سب شبہات جاتے رہیں گے۔

بہرحال اس تقریر سے مقصود یہ ہے کہ ایک عالم اور ہے جسکا نام برزخ ہے۔ کل تین عالم ہوئے عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت اس میں اختلاف ہے کہ حیات طیبہ سے مراد کونسی حیات ہے حیات برزخیہ یا حیات دنیویہ؟ میں کہتا ہوں دونوں مراد ہوں اور ولنجزینھم کو آخرت کے ساتھ خاص کیا جاوے اس تقدیر پر حاصل آیت کا یہ ہوگا کہ جو شخص عمل صالح کرے اور عقائد بھی اسکے صحیح ہوں اسکو ہم دنیا میں اور بعد مرنے کے برزخ میں مزیدار زندگی عطا فرما دیں گے اور آخرت میں بعد قیامت کے ان کے نیک اعمال کی وجہ سے اجر کی جزا دیں گے

اور ایک توجیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حیات طیبہ سے مراد حیات دنیوی ہو اور برزخ اور آخرت لَنَجْزِيَنَّهُمْ میں داخل ہو کیونکہ برزخ میں جو کچھ ہوگا وہ بھی جزا ہوگا۔

۳۵۔ جو لوگ خدا تعالیٰ کے مطیع ہیں انکے لئے حیات طیبہ دلائل اور مشاہدہ سے ثابت ہے

خلاصہ یہ کہ دو چیزوں کا وعدہ ہے اول حیات طیبہ دوسرے اجر جو مکمل ہے حیات طیبہ کا۔ ان میں سے ایک یعنی حیات طیبہ کو تو ہم دلائل سے ثابت کر سکتے ہیں بلکہ مشاہدہ کرا سکتے ہیں۔ دلیل تو یہ ہے کہ قاعدۂ عقلی ہے کہ تجربہ سے جب ایک شخص کا صدق ثابت ہو جائے تو اسکو ہر امر میں صادق مانا جائیگا ہر امر پہ دلیل کا مطالبہ اس سے نہ کیا جائیگا جبکہ حق تعالیٰ کے اخبار کا صدہا جگہ صدق ہم نے مشاہدہ کر لیا تو یہ خبر بھی بلا تامل صادق ہے مشاہدہ یہ کہ لوگ دو قسم کے ہیں مطیع اور غیر مطیع دیکھ لیجئے کہ ان میں سے راحت و آرام میں کون ہے ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ غیر مطیعین طالبین دنیا ہر وقت پریشانی میں ہیں کسی وقت انکو چین نہیں بخلاف مطیعین کے کہ وہ جس حالت میں ہیں راحت میں ہیں

۳۶۔ بعض احکام پر عمل کرنیوالا مطیع نہیں ہے

شاید ہر شخص کہے کہ میں مطیع ہوں اسلئے کہ نماز پڑھتا ہوں روزہ رکھتا ہوں اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص کہے کہ فلاں بہت خوبصورت ہے کیونکہ اسکے رخسار ایسے ہیں سر ایسا ہے، آنکھیں ایسی ہیں، ایک شخص دور سے دیکھنے آیا دیکھا تو میاں نکٹے ہیں تو انکا سارا حسن و جمال اس ناک نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے اور عقلاء اسکو ہرگز حسین نہ سمجھیں گے ایسے ہی ہم لوگوں کا دین ہے کہ دو ور چار باتیں اسلام کی لیکر سمجھتے ہیں کہ ہم دیندار ہیں تو ایسے دیندار دل

کی نسبت وعدہ نہیں ہے اگر کوئی پورا دیندار ہو، ایمان اور عمل اسکا کامل ہو تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ اسکو مزیدار زندگی عطا ہوتی ہے بلکہ کامل الاطاعۃ کے پاس تک پریشانی نہیں آتی

۳۷۔ اطاعۃ کاملہ یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں درست ہوں

اطاعۃ کاملہ میں ایک جزو اور بھی قابل تنبیہ ہے وہ یہ کہ اطاعۃ کاملہ کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ بس ظاہر درست کریں یعنی صوم وصلوٰۃ و حج و زکوٰۃ اور معاملات کی پابندی کریں بس کامل فرماں بردار ہو گئے خواہ اخلاق کسی درجہ میں ہوں تو یاد رکھنا چاہئے کہ ایسا شخص بھی کامل دیندار نہیں ہے۔ کامل دیندار وہ ہے جس کا ظاہر اور باطن دونوں آراستہ ہوں۔ واللہ ہم میں جو دیندار کہلاتے ہیں ان میں سے بہت لوگوں کی حالت یہ ہے السنتھم احلی من السکر وقلوبھم قلوب الذئاب (یعنی انکی زبان تو شکر سے زیادہ میٹھی اور دل ایسے جیسے بھیڑیئے کا دل ہوتا ہے) نماز کے بھی جماعت سے پابند ہیں روزے کا بھی اہتمام ہے داڑھی بھی بڑھائی ہے نیچا کرتہ ہے غرض تمام وضع شرعی سے آراستہ ہیں لیکن اخلاق کے اعتبار سے صفر ہیں۔ قلب میں کبر، عجب، حقد، غضب وغیرہ کی بلائیں موجود ہیں۔

۳۸۔ تواضع حقیقت میں یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو سب سے کم سمجھے نہ صرف یہ کہ ہر ایک کے سامنے نرمی سے پیش آوے

اور بعضے ایسے ہیں کہ متکبر ہیں لیکن اپنے کو متواضع سمجھتے ہیں حالانکہ وہ تواضع کی حقیقت ہی سے واقف نہیں۔

حکایت:۔ جیسے ایک شخص کریما پڑھتے تھے اس میں تواضع کا بیان آیا استاد نے پوچھا تواضع جانتے ہو کیا شے ہے؟ تواضع یہی ہے کہ کوئی اپنے گھر آئے

اسکو حقہ پان دیدیا اسکو کھانا کھلا دیا، اسکی آؤ بھگت کرلی۔ آجکل بڑے بڑے سمجھدار تواضع کی حقیقت اسی قدر سمجھے ہوئے ہیں اور جو زیادہ سمجھدار ہیں وہ جانتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ ہر ایک کے سامنے نرمی سے پیش آوے۔

صاحبو! تواضع یہ نہیں ہے نہ ایسے شخص کو حقیقۃً متواضع کہتے ہیں ایسے شخص کو متواضع کہنے کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی نقال کسی تحصیلدار کی نقل کرے اسکو کوئی بیوقوف تحصیلدار ہی سمجھنے لگے۔ تواضع حقیقت میں ایک صفت کا نام ہے وہ یہ کہ آدمی اپنے دل میں اپنے نفس کو سب سے کم سمجھے یہ صفت دنیا میں بہت مفقود ہے ایسے تو بہت نکلیں گے جو تقریراً تحریراً اپنی مذمت کرتے ہیں۔ بعضے کہتے ہیں میں بڑا نالائق ہوں بڑا ناکارہ ہوں، بعضے اپنے کو حقیر فقیر عاصی پر معاصی لکھتے ہیں، لیکن جب وہ یہ کلمات فرما دیں اسوقت اگر کوئی کہدے کہ ہاں صاحب آپ بڑے نالائق ہیں پھر دیکھئے کیا حالت ہوتی ہے سنکر تلملا ہی تو جائیں گے، وضعداری سے چاہے چپ ہو رہیں گے مگر دل میں تو یہ آئیگا کہ اس کو کھا جائیں۔ ہاں اگر دل میں ذرا بھی برا نہ مانیں اور کچھ تغیر نہ ہو تو واقعی متواضع ہیں۔ یہ بڑا عمدہ امتحان ہے مگر ایسے کہاں ہیں، آجکل تو ظاہری نیازمندی خشوع و خضوع سب کچھ ہے لیکن دل میں کچھ نہیں بس یہ حالت ہے ؎

از بروں چوں گور کافر پر حلل وز دروں قہر خدائے عز و جل

(باہر اور اوپر سے دیکھو تو کافر کی قبر کی طرح آراستہ پیراستہ اور اندر اسکے حق تعالیٰ کا عذاب موجود ہے)

از بروں طعنہ زنی بر بایزید وز درونت ننگ میدارد یزید

(یہ ایسا ہی ہے کہ اپنے ظاہر کو دیکھتے ہوئے تو تم ایسے بنے ہوئے ہو کہ ویسے بایزید بسطامی بھی نہ ہونگے اور باطن تمہارا ایسا کہ یزید کو بھی ننگ آئے)

(ان دونوں مثالوں کے ذریعہ حضرت مولاناؒ نے ظاہر اور باطن کے تخالف کو بیان فرمانا چاہا ہے کہ یہ دورنگی نفاق ہے اس میں ظاہر کو سنوار لیا گیا ہے حالانکہ اعتبار باطن کا ہے کہ قلب ہی نظر گاہِ خالق ہے)

دینی اصلاحی ماہوار رسالہ

وصیۃ العرفان

شمارہ ۶ جنوری ۱۹۸۲ء جلد ۵

زیرِ سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبدالمجید عفی عنہ | دو روپئے

شمارہ ۶	شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ مطابق جون ۸۲ء	جلد ۵

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

(آہ! شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ)

ماہ جون کا رسالہ طباعت کیلئے جا ہی رہا تھا کہ اچانک ایک عزیز نے غیر مصدقہ طور پہ یہ خبر سنائی کہ شاید پاکستان ریڈیو نے کہا ہے کہ مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کا وصال ہوگیا ہے جی نہ چاہتا تھا کہ یہ خبر صحیح ہو لیکن ماشاء اللہ کان دوسرے دن یعنی ۲۶ مئی کو اخبار قومی آواز لکھنؤ میں آہی گیا کہ ۲۴ مئی کو حضرت شیخ الحدیث صاحب کا وصال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یوں تو موت بھی حق ہے اور بعث بعد الموت پر بھی اپنا ایمان ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موت العالم موت العالم یعنی ایک عالم کی موت سارے عالَم کی موت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اور کسی عالم کے متعلق اگر اس جملہ کو مجاز پر محمول کیا جائے تو کیا جائے لیکن حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق تو یہ مقولہ بالکل حقیقت ہی بنکر سامنے آگیا ہے کہ بلاشبہ آپ کی جدائی سے سارا عالم ہی تاریک ہوگیا۔ آج دنیا کا شاید ہی کوئی خطہ ایسا ہوگا کہ جہاں حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ سے لوگوں کو تعارف نہ حاصل ہوا یا آپ کی دینی کتب کے فیض سے وہ جگہ خالی ہو وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ ہمارے شیخ الشیوخ حضرت اقدس حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ کے درسًا خواجہ تاش تھے اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے محبوب خادم تھے اسی لئے خود حضرت شیخ الحدیث صاحب کا نمایاں وصف علم حدیث کی خدمت تھی چنانچہ آپ نے درسًا وتدریسًا اور تعلیمًا و تصنیفًا علم حدیث کی جو خدمت فرمائی ہے وہ اپنے دور میں آپ ہی کا حصہ تھا۔ سب سے پہلی تحریر جو ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ نے حضرت شیخ الحدیث کو بھیجی تھی اس میں بھی آپکی اسی خدمت کو سراہا تھا، فرمایا کہ :-

" اللہ تعالیٰ نے جس دینی کام کے لئے آپ حضرات کو منتخب فرمایا ہے وہ دوسروں

(بقیہ صفحہ [illegible])

۵۴۔ جوانی کا زمانہ ہی تحصیل کمال کا زمانہ ہوتا ہے

فرمایا کہ ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَهْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا یعنی کیا آپ اصحاب کہف اور رقیم کے واقعہ کو ہماری نشانیوں میں سے بہت زیادہ عجیب سمجھ رہے ہیں؟ (ایسا تو نہیں ہے ایسے کتنے عجائبات ہیں جو ہم اہل زمانہ کو وقتاً فوقتاً دکھلاتے ہی رہتے ہیں) واقعہ انکا یہ ہے کہ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا آپ یاد کیجئے اسوقت کو جبکہ چند نوجوان ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے اور انھوں نے یہ دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو اپنے پاس سے رحمتِ خاص عطا فرما اور ہمارے معاملہ کو درست اور باصواب فرما اور ہم کو ہدایت یاب بنا۔

بیان القرآن میں لفظ فتیہ کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ موقع ضمیر کا تھا لیکن انکی جگہ اسم ظاہر اسلئے لائے ہیں کہ تنبیہ اور اشارہ اس طرف ہو جائے کہ وہ لوگ جوان تھے ۔ اب خواہ عمر کے اعتبار سے انکی جوانی مراد ہو تو اس سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ ان کے اندر طلب حق شباب پر تھی کیونکہ جوانی کی عمر جو کہ لہو لعب میں مشغولی کی عمر ہوتی ہے اسوقت انکا یہ حال تھا کہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے ایسا اقدام کیا ۔ اور یا اخلاق کے اعتبار سے جوانی مراد ہو مطلب یہ کہ انکی قوت عملیہ بھی نہایت کمال پر تھی اور یہ ظاہر ہے کہ جس طرح سے کسی کام کے پیدا ہونے کے لئے صدق طلب کی ضرورت ہے اسی طرح سے اتمام کار کے لئے قوت عملیہ بھی درکار ہے ۔ چنانچہ روح المعانی حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی نبی بنایا تو جوان عمر ہی میں بنایا اور جس عالم کو بھی علم سے نوازا تو جوانی ہی میں ۔ اور اسکے استدلال میں آپ قرآن شریف کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں ۔ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ انھوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو ان بتوں کی برائی کرتے ہوئے سنا

اسکو ابراہیم کر کے پکارا جاتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ مُوسٰى لِفَتٰهُ اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھ والے جوان سے فرمایا۔ وَاِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ اور وہ اصحاب کہف کچھ نوجوان لوگ تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے (روح ص ۲۰۲ ج ۵)

(اس سے معلوم ہوا کہ جوانی کو حق تعالیٰ کی نعمت سمجھنا چاہیئے اور اسوقت کو کام میں لانا چاہیئے)

۵۵۔ تحقیق "رقیم"

فرمایا کہ — روح المعانی میں ہے ابن منذر وغیرہ نے ابن جبیرؓ سے روایت کیا ہے کہ لفظ "رقیم" جو اصحاب کہف کے قصہ میں آتا ہے یہ ایک تختی تھی پتھر کی لوگوں نے اس میں اصحاب کہف کا قصہ لکھ رکھا تھا اور اسکو کہف کے دروازہ پر رکھ چھوڑا تھا ایک قول یہ ہے کہ وہ پتھر کی تختی تھی جسمیں اصحاب کہف کے نام لکھکر کہف کے باہر کی چہار دیواری پر اسکو رکھدیا تھا سُدی سے یہی مروی ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ وہ رانگ کی تختی تھی جس میں ان کے واقعات لکھے ہوئے تھے جسے تانبے کے تابوت (بکس) میں رکھکر کہف کے دہانے پر رکھ چھوڑا تھا۔ ایک چوتھا قول یہ بھی ہے کہ وہ سونے کی تختی تھی جس میں ان کے نام وغیرہ لکھے تھے اور وہ اسی دیوار کے نیچے دفن تھی جس کو خضر علیہ السلام نے (بلا اجرت لئے ہوئے سیدھی کر دی تھی)۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ وہ ان لوگوں کے پاس ایک کتاب تھی جسمیں وہ شریعت درج تھی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں لوگ چلتے تھے — ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے جو دین رائج تھا وہ شریعت اس میں درج تھی۔

یہ لفظ عربی ہے جو فعیل کے وزن پر ہے اور مفعول کے معنی میں ہے یعنی رقیم بمعنی مرقوم، لکھی ہوئی چیز۔ اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رقیم فلسطین کی ایک وادی کا نام ہے جو کہ ایلہ کے قریب واقع تھی اور

اور ان حضرات کا غار (کہف) اسی وادی میں تھا۔ (لہٰذا انکا دونوں ہی نام ہوا اصحاب کہف بھی اور اصحاب رقیم بھی) (روح ج ۱۵ ص ۱۹۳)

۵۶۔ ہر طرح کا کمال اور کبریائی خدا تعالیٰ ہی کیلئے ثابت ہے

فرمایا کہ — روح المعانی میں ہے کہ آیۂ کریمہ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا یعنی آپ فرما دیجئے کہ تمام خوبیاں اسی اللہ پاک کے لئے خاص ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے نہ کوئی سلطنت میں اسکا شریک ہے نہ کمزوری کیوجہ سے کوئی اسکا مددگار ہے، آپ اسکی خوب بڑائیاں بیان کیا کیجئے۔ علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ اس میں جو تفصیل فرمائی ہے وہ تقسیم حاصر کے قبیل سے ہے یعنی ایسی دلیل سے ہے جو کہ جملہ احتمالات کو حاوی ہے اس سے الگ ہو کر کوئی صورت نہیں بنتی۔ کیونکہ (حمد اگر انعام فرمانے کی وجہ سے ہو تو مانع انعام کوئی ایسی ذات ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ سبحانہ سے بھی بڑھکر اور اونچی ہو۔ یا اس سے کم تر ہو۔ یا اسکے مثل ہو۔ یہی تین احتمالات ایسے ہیں کہ اب چوتھا کوئی احتمال نہیں اور کلام کی بنا میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب ترقی رکھی گئی ہے یعنی ادنیٰ سے شروع فرما کر اعلیٰ پر ختم فرمایا پس اس طرح سارے احتمالات کا خاتمہ ہو گیا یعنی اللہ کیلئے انعام فرمانے سے کوئی امر مانع نہیں ہے لہٰذا اسی کی جانب سے قلت ہے اور اسی کی جانب سے کثرت ہے۔ اور اسی کی ملک میں قلیل، دقیق اور جلیل سب شئے ہے۔ عظیم ہے اسکی کبریائی اور بڑی ہیں اسکی نعمتیں۔ چنانچہ اسی امر پر دلالت کرنے کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کامل ہیں اور ما سوا سب ناقص ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی بڑائی اور کبریائی کے بھی مستحق ہوئے چنانچہ اس پر وکبرہ تکبیرا کا عطف فرمایا گیا۔ تکبیر عرب کے نزدیک تعظیم اور اجلال کے معنی میں بلیغ ترین لفظ ہے چنانچہ ما قبل سے ثابت شدہ مضمون کے بعد

بجیر کا حکم فرمانا اور مقصد سنگ کے ساتھ اسکی تاکید لانا جس میں کوئی تعیین نہیں ہے اسکی کہ کس طرح اسکی تعظیم کیجائے اس سے اسطرف اشارہ فرمانا مقصود ہے کہ خدا کی تعظیم ایسی شے ہے کہ نہ تو وہ عبارت میں سما سکتی ہے یعنی نہ تو الفاظ ہی اسکے لئے کافی ہو سکتے ہیں اور نہ تو قوت بشریہ ہی کے بس میں اسکا احاطہ ہے اگرچہ انسان تنزیہ و تمجید میں کتنا ہی مبالغہ کرلے اور عبادت و تحمید میں کتنی ہی کوشش کرلے اسکا حق ادا نہیں کرسکتا لہٰذا انجام یہی ہوگا کہ وہ عجز کے قدموں کے ساتھ قصور کی پستی میں کھڑا کا کھڑا رہ جائے گا اور اپنی عاجزی کا اعتراف کرے گا کہ حق تعالیٰ شانہ کی تعظیم کا حق کیسطرح بھی ادا نہیں کرسکتا۔ (روح ص۱۸۱ ج ۱۵)

(دوسرا کون اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عبادت کا حق ادا کر سکتا ہے جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ما عرفناك حق معرفتك ہم آپ کو جیسا کہ آپ کی معرفت کا حق ہے نہ پہچان سکے اور فرمایا کہ ما عبدناك حق عبادتك یعنی ہم آپ کی عبادت جیسا کہ عبادت کا حق ہے نہ ادا کر سکے)

۵۰۔ مفتی اور قاضی کا فرق

فرمایا کہ :- صاحب درمختار نے شیخ قاسم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ مفتی اور قاضی میں بس یہ فرق ہے کہ مفتی ایک حکم شرعی کو صرف بتلا دیتا ہے (اب صاحب معاملہ اس پر عمل کرے یا نہ کرے۔ اور قاضی ایک حکم شرعی کو نافذ کرتا ہے اور صاحب معاملہ کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کرتا ہے

(راقم عرض کرتا ہے کہ شاید اسی فرق کی ایک شق یہ بھی ہو کہ مفتی سے جو صورت حال بیان کی جائے گی وہ اسکا صرف حکم شرعی بتلا دیگا اب یہ کہ وہ سوال واقع کے موافق بھی ہے یا خلاف واقعہ ہے مفتی کو اس سے کوئی سروکار نہیں یہی وجہ ہے کہ مفتیوں کے جوابات میں بظاہر اختلاف سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ ذرا سا سوال بدلا نہیں کہ حکم اور جواب بدل جائیگا اسلئے کہ جواب تو سوال کے تابع ہوتا ہے

اور قاضی کی حیثیت جج کی سی ہے وہ معاملہ کی حقیقت تک پہونچنے کی کوشش کریگا اور شہادت لیگا پھر شاہد سے جرح وغیرہ کرکے حکم کا فیصلہ شرعی بیان کرے گا اور اسکا فیصلہ حتمی اور لازم ہوا کرتا ہے۔ صاحب معاملہ کے لئے اس سے انکار کی کوئی صورت نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم)

اسکے متعلق صاحب رد المحتار یعنی شامی لکھتے ہیں کہ یہ جو فرمایا کہ قاضی اور مفتی میں کوئی فرق نہیں ہوتا سوا اسکے کہ ایک مخبر حکم ہوتا ہے اور دوسرا ملزم حکم۔ تو مطلب اسکا یہ ہے کہ اس اعتبار سے واقعی کوئی فرق نہیں ہے کہ اپنی رائے سے نہ یہ فتویٰ دے سکتا ہے اور نہ وہ حکم کر سکتا ہے بلکہ ہر حادثہ اور واقعہ میں دونوں کو وہی کرنا اور کہنا چاہیئے جسے علماء نے ترجیح دی ہے اور جس قول کو اصوب یا اوط کہا ہے اگرچہ یہ صحیح ہے کہ مفتی صرف مخبر اور قاضی ملزم ہوتا ہے، باقی ان حضرات کی مراد یہ نہیں ہے کہ دونوں میں کسی اعتبار سے کوئی فرق ہی نہیں ہے۔

(شامی ص۳۶۲ ج ۳)

۵۸ - تنہا اور جماعت سے نماز پڑھنے میں فرق

فرمایا کہ — حدیث شریف میں ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں تنہا نماز پڑھنے سے پچیس گنا یا ستائیس گنا ثواب زیادہ ملتا ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں کہ یہ پچیس اور ستائیس کا فرق باعتبار خشوع اور کمال کے ہے یعنی اگر خشوع زیادہ اور نماز کامل ہے تو ستائیس گنا ثواب ملیگا اور اور کم ہے تو پچیس گنا ہی ملے گا۔ اسکے بعد صاحب مجمع فرماتے ہیں کہ (جہاں اس قسم کا اختلاف آیا ہو تو آدمی کو چاہیئے کہ اسکا اعلیٰ فرد حاصل کرے اور ادنیٰ پر قناعت نہ کرلے کیونکہ) بہت سے درجات میں سے کمتر درجہ پر قناعت وہی شخص کرتا ہے جو کہ یا تو اسکے انعام عظیم کا مصدق نہ ہو یا احمق ہو کہ سودمند تجارت کرنے اور زیادہ نفع حاصل کرنے کے طریقے ہی سے ناواقف ہو۔ ورنہ تو اگر آدمی مصدق ہو

کہ فلاں نعمت اتنی عظیم ہے یا عقلمند ہے تجارت میں نفع کے طریقوں سے واقف ہے تو وہ کبھی کم درجہ پر قناعت نہیں کریگا بلکہ زیادتی ہی کا طالب رہیگا۔ لہٰذا ہم اگر دین میں اپنی ترقی کا اہتمام نہیں کرتے تو اسکی دو ہی وجہ ہوسکتی ہے یا تو ہم معتقد نہ ہوں ایمان میں ضعف ہو یا عقل سے حصۂ کامل ملا ہو کہ اپنے نفع اور نقصان کو سمجھتے ہی نہ ہوں۔

۵۹۔ ذکر و عبادت مطلوب اصلی ہے یا حکومت؟

فرمایا کہ حجۃ اللہ البالغہ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ حکومت اسلامی بھی نماز روزہ کی اقامت (یعنی اقامتِ دین) کے لئے ہے یعنی حکومت مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ مقصود بالذات یہی عبادت ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْن یعنی ہم نے جن و انس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور جبکہ نماز جو کہ اہم العبادات ہے اس سے غرض خدا کی یاد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِكْرِیْ یعنی نماز کو میری یاد کے لئے قائم کرو۔ تو معلوم ہوا کہ مقصود تمام عبادات سے ذکراللہ ہے یعنی خدا کی یاد۔ اسی لئے ذکر اللہ کو حدیث شریف میں خیر الاعمال بھی فرمایا گیا یعنی سب اعمال سے بڑھکر عمل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپؐ نے حضرات صحابہؓ سے فرمایا کہ میں تمھیں خیر الاعمال کی اطلاع نہ دوں؟ جو کہ تمھارے بادشاہ کے نزدیک پاکیزہ ترین عمل ہے اور سب اعمال سے زیادہ تمھارے درجات کو بڑھانے والا ہے اور تمھارے لئے سونے چاندی کے خرچ کرنے سے بڑھکر ہے اور اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے دشمن (دینی) سے لڑو اور انکی گردنیں مارو اور وہ تمکو قتل کریں۔ صحابہؓ نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ آپ نے فرمایا کہ وہ عمل ذکر اللہ ہے (حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۸۵)

نیز حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی مجاہد وہ شخص ہے جو اپنے

نفس سے جہاد کرے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان جس کے ہاتھ اور زبان سے محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے کہ لوگ جس سے اپنی جان و مال پر مامون رہیں۔ اور مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے اللہ تعالیٰ کی طاعت میں اور مہاجر وہ ہے جو خطایا اور ذنوب (گناہ) سے طاعت کی جانب ہجرت کرے۔ اسکے تحت محشی لکھتے ہیں کہ مجاہد کی تعریف یہ جو فرمائی تو اسلئے کہ در اصل یہی جہاد ہے بلکہ جہاد اکبر ہے اور یہی سبب بنتا ہے انسان کے لئے جہاد اصغر کرنیکا (اسکے بغیر دعوے جہاد، نرا دعویٰ ہے جو حقیقت سے خالی ہے) بیہقی وغیرہ نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں غازیوں کی ایک جماعت آئی آپ نے ان سے فرمایا کہ آؤ بھائی خوب آئے (خوش آمدید) تم لوگ جہاد اصغر سے فارغ ہو کر جہاد اکبر کیجانب آگئے۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ جہاد اکبر کیا؟ آپؐ نے فرمایا کہ انسان کا اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کرنا جہاد اکبر ہے۔

صاحب روح المعانی تجاھدوا فی اللہ حق جھادہ یعنی اللہ تعالےٰ کے راستہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ جہاد کی تین قسمیں ہیں ظاہری اور کھلم کھلا دشمن سے جہاد کرنا جیسے کفار سے لڑنا۔ دوسرا جہاد شیطان سے لڑنا (کہ وہ بھی ہمارا دشمن ہے اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسکو دشمن بناؤ) اور تیسری قسم جہاد کی اپنے نفس سے (رذائل دور کرنے اور فضائل کی تحصیل کے لئے) جہاد کرنا ہے۔ اور یہ ظاہری دشمن سے جہاد کرنے سے افضل ہے کیونکہ نفس بڑا دشمن ہے۔ ان اعدی عدو لک نفسک التی بین جنبیک تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔)

۵۔ قرآن شریف کس معنی کر معجزہ ہے؟

[illegible] روح المعانی میں ہے کہ بعض معتزلہ تو اس طرف گئے ہیں کہ

(د) اعجاز قرآن اس کا ایک اچھوتے نظم اور طرز کے متن اور اپنے اسلوب بیان پر مشتمل ہوتا ہے جو کہ بلغاء عرب کے ان اسالیب کے قطعی خلاف تھے جنہیں وہ اپنے ابتداء کلام یا وسط کلام یا انتہاء کلام میں بطور قافیہ یا فاصلے کے استعمال کرتے تھے بعض کہتے ہیں کہ اس کا اعجاز اس کی اعلیٰ فصاحت و بلاغت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ہے کہ جملہ اقسام بلاغات جن کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھیں اور اس کے مقام تک پہنچنے سے عاجز تھیں۔ استاد ابو اسحاق الفرائینی اور نظام فرماتے تھے کہ اعجاز قرآن اس طرح تھا کہ اس نے عرب کے بڑے بڑے فصحاء کی اور بلغاء کی ہمتوں کو قرآن کے بالمقابل کوئی کلام لانے سے توڑ دیا تھا اور اس کے مقابلے کے ارادہ ہی کو شکست دے دیا تھا کسی میں مقابلہ کی ہمت ہی نہ تھی۔ مرتضیٰ کہتے ہیں کہ اس نے ان سے ان علوم ہی کو سلب کر لیا تھا جنکی احتیاج مقابلہ کے لئے پڑا کرتی ہے (یعنی وہ اسکے تحدی یعنی اعلان بالمقابلہ) کے بعد اپنے کو بالکل جاہل اور آلات جنگ سے گویا قطعی عاری یعنی نہتا سمجھنے لگے تھے۔

لیکن یہ تمام اقوال ناپسندیدہ ہیں۔ علامہ آمدی وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اعجازِ قرآن کچھ ان ہی امور کی وجہ سے نہیں ہے (جنھیں اوپر علماء نے بیان فرمایا ہے) بلکہ اِنکی وجہ سے بھی ہے اور مخصوص چیز اسکا نظم بدیع، نرالا اسلوب بیان کہ اب تک جس سے دنیا ناواقف تھی یعنی ایک نیا انداز بیان اور طرز خطابت اور اعلیٰ بلاغت کے ساتھ ساتھ مغیبات کی خبروں پر بھی اسکا مشتمل ہونا ہے (یعنی اس میں بہت سی آئندہ ہونے والی باتوں کو پہلے ہی بیان کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے تمام مخلوق عاجز ہے پس اس سے بھی معلوم ہوا کہ خدا کا کلام ہے مخلوق کا نہیں اس کا یہ اعجاز اور سب وجوہ اعجاز سے قوی ہے) اسی لئے اکثر و بیشتر حضرات نے اس قول کو پسند کیا ہے۔

۶۱۔ مرشد یعنی دینی رہنما کسے بنانا چاہیئے؟

فرمایا کہ — حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے "القول الجمیل"

میں لکھا ہے کہ شیخ جو بیعت کرتا ہو اس کے اندر پانچ باتیں ہونی چاہئیں۔ اول یہ کہ وہ کتاب و سنت کا [illegible] ضرور رکھتا ہو اور ہم نے یہ شرط اس لئے لگائی کہ بیعت سے مقصود یہی ہے کہ انکو نیکیوں کا حکم کرے برائیوں سے منع کرے اور باطنی سکینہ کی تحصیل کا حکم کرے اور رذائل کے ازالہ اور فضائل کے اتصاف کی ترغیب دے اور اس پر انکو آمادہ کرے کہ وہ مرشد کا ان تمام امور میں امتثال کرے۔ تو اگر کوئی شخص خود ہی عالم نہ ہوگا تو اس سے یہ تمام امور کیونکر وقوع پذیر ہوسکیں گے

دوسری شرط شیخ کے لئے عدالت اور تقویٰ ہے اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ کبائر سے اجتناب کرنے والا ہو اور صغائر پر اصرار نہ کرتا ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ دنیاوی اعتبار سے زاہد ہو اور راغب یعنی طالب آخرت ہو اور طاعات موکدہ اور ان اذکار کا پابند ہو جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ سبحانہ کے ساتھ اسکو جو تعلق قلبی حاصل ہو چکا ہے اس پر مواظبت اور مداومت ہو ایسا کہ یادداشت کا اسکو ملکۂ راسخہ حاصل ہوگیا ہو

چوتھی شرط شیخ کے لئے یہ ہے کہ وہ آمر بالمعروف ہو (مریدین کو مفید اور نیک کاموں کا حکم کرتا ہو) اور ناہی عن المنکر ہو یعنی بری باتوں سے انکو منع کرتا ہو اور اپنی رائے پر مستقل ہو امعہ نہ ہو یعنی ایسا کہ جس کے لئے خود کوئی رائے ہو اور نفاذ حکم کی اس میں قوت ہو۔ مروت والا ہو۔ عقل کامل رکھتا ہو تاکہ جس بات کا کسی کو حکم کرے یا جس شئے سے کسی کو منع کرے تو اسکو اعتماد بھی ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے شاہدوں کو اختیار کرو جن کو تم پسند کرتے ہو (جب عام شہادت والے کے لئے یہ حکم ہے) تو تمہارا کیا خیال ہے صاحب بیعت کے لئے کہ اسکو کیسا ہونا چاہئے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ ایک طویل عرصہ تک کسی شیخ یا مشائخ کی خدمت میں رہ کر ان سے نور باطن اور نسبت سکینہ حاصل کر چکا ہو۔ اور یہ شرط اس لئے ہے کہ

اور تمام کمالات کی یہی حالت [illegible] انسان [illegible] علمی کمالات [illegible] صحبت میں رہا ہو جس طرح سے کہ انسان کو علم نہیں آتا جب تک علماء کی صحبت اور ایک علم ہی کیا یہی حال تمام پیشوں کا ہے (یعنی نجاری، حدادی، سناری وغیرہ بھی بدون استاد سے سیکھے نہیں آتی)۔ (القول الجمیل [illegible])

۶۲۔ زکوٰۃ کس کو دے سکتے ہیں

فرمایا کہ — زکوٰۃ کا مستحق ہونے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ شخص مال کے اعتبار سے صاحب نصاب نہ ہو باقی یہ کہ وہ نان شبینہ کا بھی محتاج ہو یا گھر کا کھاتا پیتا انسان نہ ہو یہ لازم نہیں ہے لوگوں کو اس باب میں بڑی غلط فہمی ہو جاتی ہے ذرا کسی کو کھاتا پیتا دیکھا اور سمجھ لیا کہ اسکو زکات دینا جائز نہیں ہے حالانکہ شریعت کا حکم ایسا نہیں ہے بلکہ شریعت کا نظریہ یہ ہے کہ جو آدمی غریب ہو یعنی شرعاً امیر نہو اسکو زکات دی جاسکتی ہے اور شرعاً امیر وہ ہے جو صاحب نصاب ہو۔ چنانچہ جو شخص صاحب نصاب نہ ہو وہ خدا و رسول کے نزدیک غریب اور فقیر ہی ہے اسکو زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ سید نہ ہو اور اپنے اصول و فروع میں سے نہ ہو (یعنی جن سے خود پیدا ہوا ہے یا جو اس سے پیدا ہوئے ہیں وہ نہ ہو) جسکو دینا ہے وہ دینے والے کی زوجہ نہ ہو یا اگر عورت ہے تو شوہر نہ ہو وغیرہ۔

اور نصاب یہ ہے ساڑھے سات تولہ سونا ہونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی کا ہونا یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر نقد روپیہ ہونا یا اسی کے بقدر سامان تجارت کا ہونا اور نصاب کی شرط یہ ہے کہ سال بھر تک وہ مال باقی رہ جائے اور انسان کی حوائج اصلیہ سے زائد ہو کر بچ رہے اور حوائج اصلیہ یہ چیزیں ہیں۔ رہنے کا گھر۔ بدن کے کپڑے۔ اثاث البیت (ظروف و میز کرسی وغیرہ) خدمت کے لئے غلام۔ سواری کے گھوڑے وغیرہ حفاظتی سلاح۔ علمی کتب صاحب علم کیلئے اور اہل پیشہ اور دستکار کے لئے آلات حرفہ وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ زکوٰۃ کا مستحق وہ مالدار بھی ہو سکتا ہے جس کے پاس حوائج اصلیہ سے زائد مال نہ ہو جیسا کہ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ

کانوا یعنی الصحابۃ	حضرات صحابہ اس شخص کو بھی زکات دیا کرتے تھے
یعطون من الزکوٰۃ لمن یملک	جو (اپنے مجموعہ ساز و سامان کے اعتبار سے) دس ہزار درہم
عشرۃ آلاف درا ھم من السلاح	تک کا مالک ہوتا تھا اس طرح سے کہ اسکے پاس ہتھیار
والفرس والدار والخدم ـ	بھی ہوتے۔ گھوڑا بھی ہوتا رہنے کو مکان بھی ہوتا غلام
وھذا لان ھذہ الاشیاء	باندیاں بھی ہوتیں (جنکی اگر قیمت لگائی جائے تو ہزاروں
من الحوائج اللازمۃ التی	روپیہ ہو جائیں گے مگر وہ مستحق زکوٰۃ یوں ہوتے تھے کہ انکے
لابد للانسان منھا ـ	پاس بجز اسکے سوا کچھ نہ ہوتا اور یہ تمام اشیا ران کے لئے
(شامی ص۲۶ ج۲)	حوائج لازمہ ہیں (جنکی نصاب کیلئے چھوٹ ہے)

راقم عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ یہ احکام شرعیہ کی تسہیلات ہیں۔ ہم نے اپنی جہالت سے بہت سی سہولتوں کا دروازہ اپنے اوپر خود بند کر رکھا ہے اپنے عزیز و اقارب کو زکات وصدقات دینے میں زیادہ ثواب ہے اور بعض اوقات دل بھی چاہتا ہے جہالت اور رسم زمانہ نے یہ سمجھا رکھا ہے کہ وہ تو کھاپی رہے ہیں اسلئے شاید ان کو زکات دینی جائز نہ ہو۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرات صحابہ دس ہزار روپیہ (درہم) کی مالیت والے کو بھی زکوٰۃ عطا فرماتے تھے مگر ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ وہ مال ضروریات کے قبیل سے ہو لغویات اور فضولیات کی اجازت شرع نے کبھی نہیں دی ہے۔ پس ایک کھاتے پیتے انسان کو بھی بہت سی ایسی حاجات پیش آسکتی ہیں جس میں وہ اعانت کا محتاج ہو سکتا ہے مگر لوگوں سے اظہار کے لئے اسکی شرافت اور غیرت مانع بنتی ہے۔ ادھر ہم نے خود بخود یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اسکو صدقات واجبہ دینا نہیں ہے۔ یوں ہم نے ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا ہے باقی اگر ایسے دو شخص جمع ہو جائیں کہ ایک کے پاس کچھ بھی نہیں ہے اور دوسرا نمک روٹی سے خوشحال ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس غریب کو جس کے

پالیسی کو نمبر سے ترجیح دینا باعث اجر بھی ہے اور تقاضائے عقل بھی ہے۔

۱۴- ایک غیر مسلم کا خیال اسلام کے متعلق

یوں حضرت والا کا معمول نہ تو اخبار دیکھنے کا تھا اور نہ اسکو پسند فرماتے تھے مگر کبھی کوئی اہم بات ہوتی تو حضرتؒ اسکو بھی اپنے منتخبات میں درج فرمانے کا حکم دیدیا کرتے تھے۔ چنانچہ مضامین کی کاپی پر یہ مضمون بھی ملا۔

"پٹنہ میڈیکل کالج میں تقریر کرتے ہوئے پرجا سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر مسٹر جے پرکاش نرائن نے کہا کہ اسلام کے چمکتے ہوئے اصولوں پر آج غفلت کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں میرا عقیدہ ہے کہ اگر آج مسلمان ہی ان پر عمل شروع کر دیں تو یہی مذہب اسلام آج ساری دنیا کا مذہب بن سکتا ہے۔ مسٹر جے پرکاش نرائن نے کہا عرب کے ریگستان میں ایک ہیرا پیدا ہوا تھا جس کی چمک نے تمام کائنات انسانی کو روشن کر دیا تھا لیکن آج اس ہیرے کی چمک پر گرد و غبار جم گیا ہے اور چمکتے ہوئے اصول کچھ مضمحل سے ہو کر رہ گئے ہیں اگر چمکتے ہوئے اصولوں کا گرد و غبار دور ہو جائے تو آج بھی اس سے ساری دنیا منور ہو سکتی ہے اور انکے سامنے سر جھکا سکتی ہے۔

مسٹر جے پرکاش نرائن نے مزید کہا کہ کتنی بری بات ہے کہ مسلمان اسلام کے پیروکار ہوتے ہوئے بھی اسکی پابندی نہیں کرتے ہیں اور ان میں بھی وہی برائیاں آگئی ہیں جو دوسرے لوگوں میں ہیں۔ میں تو یہی کہونگا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آج ان مسلمانوں کے روزے اور نمازیں بے اثر ہو کر رہ گئی ہیں اور اسکی وجہ صرف یہی ہے کہ مسلمان آجکل روزے اور نماز کی اصل روح کو نہیں سمجھتے اور محض رسمی طور پر اب اسکی پابندی کرتے ہیں۔"

"مسٹر اختر اورینوی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اسلام محض چند عقیدوں اور رسموں کا نام نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کا ایک مکمل دستور ہے جو ان کے

ہر شعبہ میں رہنمائی کر سکتا ہے اسلام کا معاشی۔ سیاسی۔ سماجی اور ثقافتی نظام
آج دنیا کی تمام بے چینیوں کو دور کر سکتا ہے اور بے چین دنیا کو مکمل طور پر
مطمئن کر سکتا ہے؟

مسٹر اختر اور بنوسی نے مزید کہا کہ دنیا بھوکی ہے اور پیاسی ہے اور دم
توڑ رہی ہے اسکے ہونٹوں پر خشکی چھا گئی ہے وہ چاہتی ہے کہ کوئی آب حیات
کے چند قطرے ٹپکا دے۔ اور آب حیات اسلام ہی کا نام ہے؟

(از اخبار نئی دنیا مورخہ ۲۰ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ)

ملاحظہ فرمایا آپ نے جے پرکاش نرائن صاحب کی یہ تقریر کہ ایک غیر مسلم
ہم کو کیسی نصیحت کر رہا ہے اب اگر ہمارے اندر کچھ بھی غیرت ہو تو ڈوب مرنیکا
مقام ہے اور ہماری زبوں حالی کی یہ انتہا ہے کہ دوسروں کو تو ہمارے حال پر
ترس آرہا ہے اور ہمکو خود ہمارے حال پر کچھ بھی رونا آتا ہے۔

روتی ہے خلق میری تباہی کو دیکھکر
روتا ہوں میں کہ ہائے مری چشم نم نہیں

بہر حال ہے یہ عبرت کا مقام۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے نصیحت حاصل کرنے کی
توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

۹۴۔ ایک فعال بزرگ حضرت عبد الغنی مقدسی رحمۃ اللہ علیہ

فرمایا کہ الاحکام میں ج ۵ جلد ۱ کے حاشیے میں درج ہے کہ حافظ
ضیا رنے فرمایا کہ جن جن محدثین سے میری ملاقات ہوئی سب نے یہی فرمایا
عبد الغنی جیسا شخص ہماری نظروں میں نہیں گذرا اور ابن نجار تو یہ فرماتے تھے
حضرت حافظ عبد الغنی مقدسی اپنے اوقات کو بالکل ضائع نہیں کرتے تھے
آپ کا معمول تھا کہ نماز فجر سے فارغ ہو کر قرآن پاک کی تعلیم دیتے پھر کبھی تھا تے اور
کبھی حدیث کا درس فرماتے یا کرتے ... اور وضو کر کے ...

سورۂ فاتحہ اور معوذتین کے ساتھ پڑھتے چنانچہ یہ سلسلہ قبیل ظہر تک رہتا پھر
ذرا دیر سو کر اٹھتے اور نماز ظہر ادا فرماتے۔ پھر ذکر اللہ (یعنی تحمید و تسبیح
تسبیح) میں (عصر تک اور بعد عصر) مغرب تک مشغول رہتے اور اگر
روزہ ہوتا تو افطار کر کے مغرب پڑھتے اور پھر عشاء کے وقت تک
نوافل ادا فرماتے۔ پھر عشاء پڑھ کر نصف رات یا کچھ اور بعد تک سوتے اور
استراحت فرماتے پھر اٹھتے اور وضو فرما کر نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتے
پھر درمیان درمیان وضو فرماتے اور نماز ادا فرماتے یہاں تک کہ یہ سلسلہ
فجر کے قریب تک جاری رہتا چنانچہ کبھی کبھی سات بار یا اس بھی زیادہ وضو
کرنے کی نوبت آجاتی اور (یہ کچھ وضو ٹوٹنے کی وجہ سے نہ ہوتا بلکہ فرماتے
تھے کہ (یہ تجدید وضو اسلئے کرتا ہوں کہ) جب تلک اعضاء میں تری رہتی ہے
مجھے نماز بڑی ہی پر لطف معلوم ہوتی ہے۔ پھر نماز فجر سے قبل ذرا دیر کے لئے
سو رہتے یہی آپ کا مستقل طریقہ تھا۔

حافظ ضیاء یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت مقدسیؒ کا ایک معمول یہ بھی تھا
کہ جو بھی منکر آپ کے سامنے آتا آپ اسکو اپنے ہاتھ سے مٹا دیتے یا زیادہ
سے زیادہ اسکی مخالفت کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں آپ کو کسی ملامت
کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں تھی۔

ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ آپ شراب کسی برتن سے بہا رہے ہیں
اور شراب والے نے تلوار سونت رکھی ہے کہ سر اٹھائیں اور وہ مار دے
لیکن آپ کو ذرا بھی اس کی پرواہ نہیں [illegible] قوی تھے اس لئے اس
شخص کے ہاتھ سے تلوار چھین لی [illegible] اعضاء ہی دیکھنے بجانے
کا سامان جہاں دیکھتے تھے [illegible] دیتے تھے۔ سمان اثر

خوشخبری: انشاء اللہ تعالیٰ [illegible] کتاب
[illegible] — ادارہ

(مکتوب نمبر ۲۶۲)

حال :— الی بحر العلوم الزاخر وصاحب المجد والتقویٰ والمفاخر، ادام اللہ ظلال فیوضہ وبرکاتہ، وانوارہٗ علیّ وعلیٰ سائر الاکابر والاصاغر واصلح ظواہرنا وبواطننا، بفضل اللہ الملک القادر وجعلنا من المفلحین الفائزین فی الدین والدنیا والآخرۃ

تحقیق :— اللّٰھم اجعلنی منھم۔ (یا اللہ مجھے بھی ان میں سے بنا دیجئے)

حال :— السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

تحقیق :— حبی ومخلصی زاد اللہ تعالیٰ حبکم واخلاصکم وصبغکم لباس التقویٰ والعبودیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ،

حال :— کرمت نامہ نے صادر ہوکر ایک ایسی لطیف کیفیت قلب پر طاری فرمادی کہ دنیا و مافیھا کی دولت اور لذائذ ونعم اسکے سامنے ہیچ ہیں۔

تحقیق :— مبارکباد مبارکباد لکم ورزقہ وطرایتہ واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ وباطنۃ (مبارک ہو آپ کے لئے اس حال میں رسائی اور اسکا طاری ہونا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی ظاہری اور باطنی دولت بہائے)

اور اگر اس کے لئے یہ کہوں کہ ؎

کانّنی یوم یاتینی کتابکم   ملکت مُلک سلیمان بن داؤد

(جس دن کہ آپ کا مکتوب گرامی آیا مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ملک سلیمانی میرے ہاتھ لگ گیا)

توغالباً صحیح تعبیر نہ ہوگی اور ممکن ہے حظ مثالی (دھیمے گرانا) ہو جائے۔ بلکہ یہ تعبیرات عمدہ اور بہتر ترجمان ثابت ہوں گے۔ تحقیق :— لاریب فیہ (بے شک)

حال :— کما افادنی جنابکم فی بعض مکتوباتکم حیث حررتم فللّٰہ درکم (جیساکہ خود جناب والا نے اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا ہے — ماشاء اللہ کیا کہنا خدا ہی کے لئے ہے آپکی یہ خوبی)

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روئے   بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاوہوئے

(تھوڑی دیر کیلئے بھی فراغت قلبی کے ساتھ اس طرح رہنا کسی ماہ رو پر نظر بھی ہو اس سے بہتر ہے کہ شاہی چتر سر پر لگا ہوا ہو اور تمام دن ہاوہو میں گزرے)

اور سہ

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(آج تیس سال کے بعد خاقانی کو یہ بات محقق ہوئی کہ ذرا سی دیر بھی خدا کا ہمنشین ہو جانا ملک سلیمانی سے کہیں بہتر ہے)

حضرت اس دور پرفتن میں جس تحریر سے اور جس تقریر سے اور جس مجلس سے تقوی اللہ کا ایک ذرہ بھی نصیب ہو جائے میرے اور جملہ عاقل کے نزدیک اس پر دنیا و ما فیہا فدا اور قربان ہے۔ تحقیق :۔ لا ریب فیہ (بے شک)

حال :۔ حضرت اکبر الہ آبادی اپنے مخصوص انداز میں کیا ہی عمدہ بات ارشاد فرما گئے ہیں۔ اللہ انکی قبر کو نور سے بھر دے اور ان فرمودات پر اس ناکارہ کو اور جملہ خلائق کو عمل کرنے کی توفیق حسن عطا فرمائے سہ

اس عہد میں اے اکبر ہم اسکو ولی سمجھے	تھوڑا سا بھی جس دل میں اللہ کا ڈر دیکھا
گردوں کے ستم دیکھے اجڑا ہوا گھر دیکھا	دیکھا تو نہ جاتا تھا ناچار مگر دیکھا
اب آنکھ اٹھانا ہے ایمان کی بربادی	اس بت کی نظر دیکھی اور اسکا اثر دیکھا
تکبیر ہی اچھی تھی تقریریں تھے جھگڑے	ترک اسکو کیا ہم نے جس شور میں شر دیکھا
دنیا کی یہ ذہنیت عُقبیٰ کے ہیں یہ وعدے	غافل نے اِدھر دیکھا عاقل نے اُدھر دیکھا

تحقیق :۔ خوب ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء واکملہ۔

حال :۔ حضرت کے وہ مخصوص جملے کہ " اے وقت تو خوش کہ وقت ما خوش کردی " ہر وقت ایک وجدی کیفیت طاری کئے رہتا ہے۔

تحقیق :۔ ھنیئاً لکم (آپ کو یہ حال مبارک ہو)

حال :۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہر ہر لفظ میں ایک خاص روح سمو دیگئی ہے کہ جب اس پر دھیان ہوتا ہے ایسی ایک مسرت اور کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو مالا یقال بہ ولا یظہر ہے (جو نہ تو بیان کیجا سکتی ہے اور کسیطرح ظاہر کیجا سکتی ہے) سہ

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ ھو المسک ما کررتہ یتضوع

(میرے سامنے نعمان (ابو حنیفہؒ) کا ذکر دُھراؤ اس لئے کہ وہ مشک ہے جسقدر رگڑو گے مہک زیادہ ہوگی)

تحقیق :۔ هکذا حال الوجدانیات (یہی حال ہوتا ہے امور وجدانیہ کا)
حال :۔ اسکے شکریہ میں اعماقِ (گہرائی) قلب سے یہ الفاظ نکلتے رہتے ہیں ابقاکم
اللہ عافیۃً وافادۃ لنشر الکتاب والسنۃ، علی النھج القویم
الذی سلک سید الانبیاء والامۃ صحبھم الذین ھم
کاشف الغمۃ ورزقنی استفادۃ واتباعا خالصا لقلب سلیم
بوجہ اللہ العزیز الکریم (اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت کے ساتھ
تادیر قائم رکھے تاکہ سنت کے مطابق (یعنی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور آپ کا منشا رہے) اسیطرح کتاب و سنت کی
اشاعت ہو سکے۔ اور جس طرح کہ صحابہ کرام نے جو کہ ضلالات کے
ابر کو چھانٹنے والے ہیں اشاعت کی۔
اور اللہ پاک سبھے اتباع و استفادہ کی توفیق صمیم قلب
کے ساتھ محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے)
تحقیق :۔ آمین۔
حال :۔ یہاں پر بفضلہ تعالیٰ عید الفطر امن و امان سے گذر گئی تحقیق الحمد للہ
حال :۔ مگر مبارک پور میں جو کچھ ہوا وہ ناگفتنی ہے۔ (نما اشکوا بثی
وحزنی الی اللہ (بس میں اپنے رنج و غم کا شکوہ اپنے رب سے کرتا ہوں)
تحقیق :۔ یہی حکم ہے انکا۔
حال :۔ ایک طرف تو اعداء کی ریشہ دوانیاں اسقدر بڑھی ہوئی ہیں اور
دوسری طرف ہماری زبوں حالی اور تشتت اور افتراق کا یہ عالم ہے کہ فلاں
عربی مدرسہ کا ایک طالب علم مجھ سے بیان کرتا تھا کہ فریقین مدرسہ میں ضرب و حرب
کے بعد اس قدر زوروں سے مقدمہ بازی ہو رہی ہے کہ سب لوگ سوائے
مقدمہ کے پیچ و تاب کے نہ دین کا کام کرتے ہیں نہ دنیا کا۔ شب و روز اسی میں
غرق ہیں۔ دوسرے حضرات میں بھی شدید اختلاف واقع ہو گیا ہے۔ ان کے

مدارس اور مساجد الگ ہوگئی ہیں اور آپس میں شدید منافرت ہے۔ اب ایسی حالت میں جو کچھ بھی مصائب آجائیں سب کم ہی ہیں۔ کبھی کبھی سخت داعیہ پیدا ہوتا ہے کہ کم از کم مولانا فلاں صاحب کے توسط سے اصلاح ذات البین کا کام کیا جاوے۔ حضرت والا سے اسکے لئے خصوصی دعاء کی درخواست ہے
تحقیق:۔ دعاء سے کب انکار ہے۔
حال:۔ نیز اس دیار کا کوئی با اثر آدمی حاضر ہو تو اسکو اس امر کی طرف تنبیہ فرمادیں بیحد تکلیف بڑھتی جاتی ہے تحقیق: برابر اسی قسم کے مضامین بیان کیا کرتا ہوں
حال:۔ دعائے عافیت و فلاح دارین کا خلوص قلب سے طالب ہوں۔
تحقیق:۔ خلوص سے دعاء کرتا ہوں

مکتوب نمبر ۲۶۳

تحقیق:۔ گذارش ہے کہ میں یکم مئی ۵۹ء سے پنشن پر ریٹائر ہو رہا ہوں حضرت والا دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے عزت کے ساتھ سبکدوش فرمادیں اور مخالفین کے شر سے محفوظ رکھیں اور بچوں کی تعلیم کا سلسلہ بدستور جاری رکھیں تا آنکہ برسر روزگار نہ ہو جائیں اور رب العٰلمین جو رازق ہیں رزق میں خیر و برکت عطا فرمائیں۔ میرے دل میں دنیا کی محبت بہت بھری ہوئی ہے اس لئے طبیعت میں انتشار رہتا ہے۔ حضرت دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ دنیا کی محبت قلب سے زائل فرمادیں اور آخرت کی فکر پیدا فرما کر دنیا کی فکروں سے نجات عطا فرمائیں۔
تحقیق:۔ پنشن کا حال معلوم ہوا اللہ تعالیٰ یہ اتنا وقت بھی بخیر و خوبی گذار دے ہر طرح حفاظت فرمائے اور بچوں کی تعلیم کا سلسلہ بھی قائم رہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ دنیا کی محبت دل میں بھری ہوئی ہے جس کے سبب انتشار رہتا ہے تو آپ نے اسکے دور کرنے کا ارادہ اور اسکے لئے کوشش ہی کب فرمائی؟

دین کا مرتبہ سمجھئے اور اللہ تعالیٰ کیطرف کچھ جھکئے اور کچھ فکر آخرت پیدا کیجئے کچھ غم فردا اپنے اوپر مسلط کیجئے اسکے بعد بھی دنیا کی محبت آپ کو گھیرے رہے تو اسکی شکایت کیجئے اور علاج دریافت کیجئے آپکی برادری کے لوگ ایک ایک دو دو کرکے کچھ توجہ کر رہے ہیں اور ایسا کچھ انداز معلوم ہوتا ہے کہ خلوص پیدا ہو تو نہیں گیا ہے مگر پیدا کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں اسلئے آپ سے بھی کہتا ہوں کہ جلدی کیجئے ورنہ پیچھے رہ جائیے گا حالانکہ کمال پیش قدمی میں ہے۔ والفضل للمتقدم۔ والسلام

مکتوب نمبر ۲۶۴

حال :۔ میں ایک طویل عرصے کے بعد خط لکھ رہا ہوں اسمیں معذرت خواہ ہونے کے بجائے اپنے صریح جرم کا اعتراف ہے۔

تحقیق :۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیں

حال :۔ میں ۱۹ جنوری کو حضرت والا سے الٰہ آباد میں رخصت ہوکر اناؤ گیا ہر کوا انجکشن لیا اور گورکھپور چلا آیا پھر انجکشن لیا۔ ۲۹ جنوری بخار آیا اور گھٹنہ میں درد ہوا یہی خیال کرتا رہا کہ طبیعت ٹھیک ہو جائے تو حضرت والا کو خط لکھوں اور رمضان کے آخر میں حاضر ہوں

تحقیق :۔ آپ کی معذوری کا مجھکو علم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپکو صحت دے۔

حال :۔ نماز بیٹھکر پڑھتا ہوں اور سجدہ اشارہ سے جھک کر کر لیتا ہوں۔

تحقیق :۔ اللہ تعالیٰ جلد صحت دیوے

حال :۔ رحمت نے دعکا دیکر حضرت والا کے قدموں میں پہونچا دیا ہے۔ حضرت والا میرے لئے صلاح وفلاح کی دعا فرمائیں۔ تحقیق :۔ دعا کرتا ہوں

حال :۔ اور اصل اعتبار خاتمہ بخیر کا ہے۔

تحقیق :۔ بیشک یہی بات ہے۔

(یہ تحریر بھی گئی)

حضرت والا مدظلہ نے فرمایا ہے کہ رمضان شریف میں آپ کا انتظار ضرور تھا لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ آپ سخت مجبور ہیں باقی چونکہ اصلاح کے لئے سب سے کہتا ہوں اس لئے آپ کو بھی لکھدیا تھا اور اس رمضان میں بالخصوص آپ کا انتظار اسلئے بھی رہا کہ اس بار میں نے سارا رمضان اسی میں گذارا کہ لوگوں سے یہی کہتا رہا کہ اس دفعہ آپ لوگ بدل ہی جائیے۔ چنانچہ الحمدللہ اس کہنے کا اثر دیکھتا ہوں یعنی یہ کہ بہت سے لوگوں نے میری اس گذارش کو سنا بھی۔

آپ اگر آتے تو آپ سے بھی یہی کہتا لیکن جب آپ نہیں آسکے تو آپ کو خط ہی لکھدیا تاکہ اور کچھ نہیں اس کے علم میں تو آپ بھی شریک ہو جائیں کہ اس دفعہ رمضان شریف میں یہاں یہ کام ہوا ہے اب اس تحریر کے ذریعہ جب اسکا علم ہو گیا تو آگے عمل اور اخلاص کی توفیق اللہ تعالیٰ دے ہی دینگے غرضکہ یہ وجہ تھی آپ کو لکھنے کی اور آپ کا عذر جاننے کے باوجود آپ سے سوال کرنے کی امید کہ آپ نے میرا مقصد اب تو سمجھ ہی لیا ہوگا۔

مکتوبات نمبر ۲۶۵

حال:- حضرت الحمدللہ آجکل حالات بہت اچھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بخشتے ہوئے اعضاء دل سے اپنے مالک کے حقوق ادا کرنے میں لگے ہوئے ہیں قلب و زبان ہمہ وقت ایک عجیب کیف اور محبت کے ساتھ اپنے خالق و مالک کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ قلب و زبان میں شدید تعلق معلوم ہوتا ہے کوئی ذکر ایسا نہیں ہوتا جو زبان سے گذر کر قلب تک نہ پہونچتا ہو تحقیق الحمدللہ

حال:- زبان الحمدللہ بلا تکلف اور بہت ہی چستی سے اپنے پروردگار کی

یاد میں لگی رہتی ۔ تحقیق :۔ خوب خوب ۔ ماشاء اللہ تعالیٰ
حال :۔ بعض وقت اگر میں چاہتا بھی ہوں کہ زبان کو روک لوں تو اسپر اپنے کو قادر نہیں پاتا ۔ زبان کو ذکر سے کافی مناسبت ہوگئی ہے ۔ انشاء اللہ اب ذکر سے کبھی غافل نہیں ہوگی ۔ جیسے ہی زبان سے اسم ذات ادا ہوتا ہے فوراً اسی وقت قلب و دماغ خداوند قدوس کی کسی نہ کسی صفت کا مظاہرہ بھی کرلیتے ہیں اسم ذات کے ذکر میں آیت اَللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ ________ بِغَیْرِ حِسَابٍ میں اپنے کو ڈوبا ہوا پاتا ہوں دعاء میں بھی اس آیت کے پڑھ لینے سے عجب لطف آتا ہے ۔
تحقیق :۔ الحمد للہ ۔
حال :۔ قرآن پاک کی تلاوت کا کیا پوچھنا ہے ۔ یہی تو ایک نایاب اور عظیم الشان کمند حضرت والا کی برکت سے ہاتھ لگی ہے ۔ بھلا اس میں بھی غفلت کا گذر ہوگا؟ نعوذ باللہ ۔

قسم ہے ہمارے خالق و مالک کی کہ جس نے اپنے شیخ کی موجودگی میں اس قرآن پاک کی قدر نہ پہچانی اس سے بڑھکر محروم النعمۃ اور احمق اور کوئی نہیں ہوسکتا ۔ کاش کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محترم معجزہ کی ہم قدر کرتے ۔ قرآن کریم سے بڑھکر قلب و زبان کو ذاکر بنانے والا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے ۔ جس کا قلب قرآن پاک سے ذاکر نہیں ہوتا تو پھر کون سی ایسی چیز جس سے اسکا قلب ذاکر ہوگا؟

الحمد للہ قرآن شریف کے کھولتے ہی قلب و زبان اور تمام جوارح مؤدب اور خاموش ہوجاتے ہیں ۔ آنکھیں اپنے پروردگار کی محبت کے آنسو سے اپنے کو آراستہ کرنے لگتی ہیں ۔ قلب بھی رقت کے ذریعہ اپنے کو تمام خیال باطل سے خالی کرلیتا ہے اور معرفت کی باتیں حاصل کرنے کے لئے بالکل ہوجاتا ہے ۔ تحقیق : ماشاء اللہ تعالیٰ مبارک ہو ۔

بقیہ پیش لفظ :۔

کے لئے نمونہ اور آپ حضرات کے لئے صد شکر کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ
آپ کے فیض کو عام و تام فرمائے"

اس خط میں بھی دینی کام سے مراد حضرت مصلح الامۃؒ کی، آپ کی یہی خدمت حدیث ہی تھ
حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کے عم محترم حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے وصال کے بع
عام طور سے انکے متعلقین و متوصلین کا مرجع آپ ہی کی جانب ہوگیا جسکی وجہ سے باوجود ضعف
و پیری کے آخر عمر میں آپ نے ہند و بیرونِ ہند کے متعدد اسفار فرمائے یہاں تک کہ عمر کے
آخری چند سال تو اس طرح سے گذرے کہ سال کا بیشتر حصہ دیارِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں گذارتے او
ماہِ رمضان سے قبل سہارن پور آجاتے اس طرح سے آپ کے علمی و روحانی فیض سے الحمد للہ عرب و ع
سب مستفید ہوتا رہا۔ باقی اس دنیا میں جو آتا ہے چونکہ محدود وقت کے لئے ہی آتا ہے اس لئے ا
نظام کے مطابق حضرت شیخ الحدیث بھی اپنا وقت مقدر پورا کرکے ہمارے درمیان سے تشریف
لے گئے، زندگی میں دیارِ رسول تو آپ کا مسکن بن ہی گیا تھا اب آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ مغفرت فرما کر
دارِ جنت کو آپ کا مسکن بنائے۔ آمین۔ اور حضرت کے پسماندگان کو صبرِ جمیل اور اس پر انکو اجرِ جزیل سے نو
حضرت شیخ الحدیثؒ راقم کے بھی اساتذہ حدیث میں سے تھے اور حضرت مصلح الامتؒ کے
محب و محبوب تھے اس لئے تمام ہی اہل خانقاہ نے اس خبر کو رنج و غم کے ساتھ سنا مدرسہ میں فو
قرآن خوانی کراکے ایصال ثواب کیا گیا اور ہم سب ہی لوگ حضرت کے متعلقین و پسماندگان کے سا
ان کے اس غم میں شریک ہیں اور انکا یہ غم صرف انکا یا ہمارا ہی نہیں بلکہ تمام امت کا غم ہے۔ تاہم مو
چونکہ تحفۃ المومن ہے اور حدیث میں بھی اسکو ایک پل فرمایا گیا ہے جو ایک محب کو اپنے محبوب سے ملا
اور جنت مومن کا وطن اصلی ہے وہیں سب کو جانا ہے اور اسی پل کو پار کرکے جاتا ہے پس ایک موم
کا دنیا سے چلا جانا گویا دار مسافرت سے اپنے وطن اصلی کو پہونچ جانا ہے اسی مضمون کو پیش نظر رکھ
سے صبر بھی ہوتا ہے اور یہی ہر ایک کیلئے نافع بھی ہے۔ اسلاف کے پیش نظر بھی یہی امر رہا کرتا تھ
چنانچہ مرزا مظہر جانِ جاناںؒ فرماتے ہیں کہ ؎

لوگ کہتے ہیں کہ مظہر مر گیا! — درحقیقت مظہر اپنے گھر گیا

ادارہ — نجم جامعی

اور حضرت والا نیز حضرت کے بھائیوں کا قیام چونکہ مولوی نثار اللہ صاحب کے عریض و وسیع مکان میں ہوا تھا اسلئے ان سب کی راحت رسانی میں مولوی نثار اللہ صاحب کے بڑے داماد بھائی مسعود احمد صاحب نے نمایاں طور سے حصہ لیا اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بہت ہی خوش مزاج اور نیک خصلت آدمی تھے حضرت والا کے گورکھپور سے الہ آباد تشریف لے آنے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انکا انتقال ہوگیا اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

یہ ہمارے مولوی امجد اللہ صاحب بڑے ہی پرلطف انسان واقع ہوئے تھے، مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ فتحپور میں مجلس میں کسی سلسلہ سے مال اور امراء کا تذکرہ آگیا مولوی صاحب بھی موجود تھے حضرت والا یہ فرما رہے کہ مالداری کا ایک خاص اثر اور زہر ہوتا ہے اور کم و بیش وہ ہر امیر میں ہوتا ہے الا ماشاء اللہ اور اسکے بعد مولوی امجد اللہ صاحب کی جانب اشارہ کرکے فرمایا کہ آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں آپ اس سے نکل گئے ہیں۔ سبحان اللہ شیخ کے ساتھ کس طرح سے پیش آئے ہونگے کہ حضرت سے یہ کہلوا یا ہی لیا ورنہ کسی کی تعریف وغیرہ کرنیکا وہ بھی اس طرح سے اس کے منہ پر حضرت کا مذاق اور معمول نہ تھا۔ مولوی صاحب آخر آخر میں (یعنی بھائی صاحب مولوی نثار اللہ صاحب کے وصال کے بعد) مدینہ کی جائداد کے نظم و انتظام کے لئے سال کا اکثر حصہ وہیں گذارتے تھے صرف آموں کی فصل میں چند مہینے کیلئے اپنے وطن گورکھپور آجاتے اور فارم پر زمانہ گذارتے، چنانچہ اس بار بار ہر سال آنے جانے کی وجہ سے اہل عرب سے تعلقات ہو گئے تھے اسکے پیش نظر اپنے ملک کا تحفہ یعنی آم امرود وغیرہ اور اسکے پودے بکثرت عرب لیجاتے تھے حتیٰ کہ لطف مجلس کے لئے اور اہل عرب کو نئی سوغات سے روشناس کرانے کے لئے کبھی کبھی ہوائی جہاز کے سفر سے بھی اپنے فارم سے کٹھل لے جاتے جو وہاں کے لئے نئی چیز ہوتی شیوخ عرب کی دعوت کرتے اور عرب کھاتے کھلاتے ان کے اس خلق سے عرب کے علاوہ

وہاں کے بڑے بڑے لوگ بھی متاثر تھے۔ بہت سے لوگوں کے باغات میں آپ نے آم کا درخت لگا بھی دیا تھا۔ یہی سبب ہوا کہ جب حضرت اقدسؒ نے سفر حج کا ارادہ فرمایا تو مولوی صاحب موصوف مدینہ شریف ہی میں تھے بڑے خوش تھے اور اپنا پورا مکان حضرتؒ اور حضرت کے رفقار کے لئے خالی کر رکھا تھا۔ جدہ پر استقبال کے لئے موجود تھے لیکن ملاقات مقدر نہ تھی کیونکہ حضرت اقدس جدہ یعنی باب مکہ سے ذرا پہلے ہی اپنی آخری آرامگاہ میں تشریف لے جا چکے تھے جسکی تفصیل ناظرین حضرت والا کے آخری سفر حج میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور پھر حضرت اقدس کی جدائی سے چند ہی سال بعد یہ محب و شید ابھی اپنے شیخ سے جا ملا جسکا واقعہ یہ ہوا کہ ایک روز (عید کا دن گذار کر) شب میں تقریباً ۱۱-۱۲ بجے تک مدینہ شریف کے علمار اور شیوخ عرب کو اپنے مکان پر مدعو کیا تھا خاطر مدارات کے بعد بھی باہم تفریحی گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا بالآخر سب لوگ اپنے اپنے گھر رخصت ہوئے اور مولوی صاحب بھی اپنے بستر پر لیٹے اور سو گئے، مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد حوالی قلب میں شدید درد کی وجہ سے آنکھ کھل گئی اور بستر پر تڑپنے لگے گھر کے سب لوگ بیدار ہو گئے۔ ڈاکٹر بلایا گیا اس نے بھی پوری کوشش کی لیکن وقت موعود آچکا تھا کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی شب ہی میں انتقال ہو گیا صبح چاشت کے وقت مسجد نبوی میں جنازہ کی نماز ہوئی اور جنت بقیع میں دفن کر دیئے گئے۔ عید کا دوسرا دن تھا اسلئے بہت سے احباب آج بھی امجد اللہ صاحب سے ملنے کے لئے آئے تو معلوم ہوا کہ صبح جو جنازہ پڑھا گیا تھا وہ مولوی صاحب ہی کا تھا ان حضرات کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ ابھی رات تو ہم سب کے ساتھ گفتگو کی تھی، بہر حال آپ کی اس اچانک جدائی نے ان کے رنج اور قلق میں مزید اضافہ کر دیا اور گھر والوں کے حال کا کیا پوچھنا وہاں بھی اور یہاں بھی جس جس نے سنا انتہائی افسوس کے ساتھ اس خبر کو سنا مگر اس غم میں سکون اور زخم پر مرہم کا کام اس خیال نے کیا کہ "مدینۃ النبی" کو تا صبح قیامت آپ کے سونے کا

مقام ہونا خدا کی جانب سے مقدر ہوا ہے۔ ع

خدا یہ موت دے سب کو ہم اس مرنے پہ مرتے ہیں

اس میں شبہ نہیں کہ مولوی صاحب موصوف کو حضرت والا سے قلبی تعلق تھا اور آپ نہایت ہی مخلص شخص تھے۔ حضرت والاؒ سنایا کرتے تھے کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ "مقادیر الاموال موازین المحبۃ" یعنی مال کی مقدار محبت کے ناپنے کا آلہ ہوا کرتا ہے اس اصول کی رو سے کہا جا سکتا ہے کہ مولوی صاحب موصوف حضرت والا کے محب صادق تھے کیونکہ جان و مال ہر شئے کو حضرت پر قربان کر رکھا تھا ورنہ تو بالعموم آج ابنائے زمانہ کا انداز یہ ہے کہ ؎

گر جان طلبی مضائقہ نیست   در زر طلبی سخن دریں است

لیکن مولوی صاحب مرحوم اور آپ کے بھائی مولوی نثار اللہ صاحب مرحوم دونوں کو دیکھا گیا کہ ان حضرات کا ایثار بے مثال تھا یعنی حضرت والا کے متعلقین خاص کا نیز طلبہ اور طالبین سب کے قیام و طعام کا نظم آپ ہی حضرات سے متعلق تھا اور وہ بھی دو چار دن کے لئے نہیں بلکہ تقریباً سال ڈیڑھ سال رہا۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو انکی خدمات کا پورا پورا صلہ عطا فرمائے۔

مولوی امجد اللہ صاحب چونکہ راقم کے پیر بھائی ہونے کے علاوہ عزیز خاص بھی تھے کہ کہ میرے چھوٹے بھائی میاں حافظ عبد العزیز سعدی سلمہ کے خسر تھے اسی لئے ناظرین سے راقم کی مکرر درخواست ہے کہ مولوی امجد اللہ صاحب کے لئے دعائے مغفرت فرما دیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ راقم نہ تو مضمون نگار ہے اور نہ سوانح نویس اسلئے تحریر کا نہ طریقہ معلوم نہ سلیقہ ہی آتا ہے لیکن ایک کام جب سر ہی آپڑا تو کسی نہ کسی طرح اسے بنا ہنا ضروری ہے اس لئے میں نے یہ خیال کیا کہ حالات قیام گورکھپور کو اس نہج سے لکھوں کہ پہلے وہاں کے چند مخصوص مخلص حضرات کا تعارف کراتے ہوئے ناظرین کی خدمت میں ان کے کچھ

احوال پیش کر دوں جو حضرت اقدسؒ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے گویا حضرت ہی کے حالات شمار ہونگے اور پھر درمیان میں جہاں کہیں انکا نام آئے گا تو آپ کے سامنے وہ اپنے ان حالات کے آئینہ میں متصور نظر آئیں گے۔ نیز کسی بھی جگہ کے جزئی جزئی حالات تمام کے تمام ہمکو مستحضر بھی نہیں ہیں تاہم اس طرح سے ذکر رجال اور انکے احوال کے ذریعہ کچھ نہ کچھ روشنی حضرت اقدسؒ کے احوال پر بھی پڑ ہی جائیگی۔ چنانچہ دو مخصوص حضرات کا ذکر کر چکا ہوں اب اور چند مخصوص حضرات کا ذکر سنئیے:۔

۳۔ مولوی سید وصی الدین صاحب مرحوم مدرس مدرسہ سعیدیہ۔ چھوٹا قاضی پور گورکھپور۔ آپ ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے مفتی نظام الدین صاحب مفتی دیوبند اور ڈاکٹر محمد ظفر صاحب اردلی بازار بنارس کے اور خود اس راقم کے بھی خاص عزیز تھے یعنی راقم کے سب سے چھوٹے بھائی میاں عبد العلیم عیسٰی خطیب جامع مسجد فیروز آباد کے سسرالی رشتہ دار تھے دیوبند کے فارغ تھے حضرت قاری محمد طیب صاحب کے ساتھ بے تکلف تھے اور ہمارے حضرت کے قدیمی خدام میں سے تھے سید تھے چنانچہ انکی سیادت ان کے معاملات اور خلق سے نمایاں تھی۔ فہیم اور سمجھدار شخص تھے اور حضرت والا کے مزاج شناس بھی ہو گئے تھے۔ روزانہ بعد عشاء حضرت اقدس کے سر پر تیل لگانا ان کے اور ان کے ایک رفیق خاص مولوی غیاث الدین صاحب کے ذمہ تھا حضرت کو سلا کر کچھ دیر ہم لوگوں کے پاس آبیٹھتے اور ہمارے دن بھر کے تعب کو کچھ ہنس ہنسا کر اور کبھی کچھ کھا کھلا کر دور کر کے اپنی اپنی مسجد چلے جاتے اور ہم سب خدام حضرت والا بھی سو رہتے۔ گورکھپور میں عرصہ سے قیام ہونے کی وجہ سے تقریباً ہر شخص کے مزاج سے اور اس کے حالات سے یہ واقف تھے اسلئے حضرتؒ کو ان کے مشورہ پر اطمینان تھا آپ مدرسہ سعیدیہ کے صدر مدرس ہونے کے علاوہ مولوی امجد اللہ صاحب کے چھوٹے بچوں اور بچیوں کے اتالیق بھی تھے مولوی صاحب مرحوم یاد آجاتے ہیں تو گورکھپور کا قیام یاد آجاتا ہے۔

آخر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین بطور یادگار کے جناب سید وصی الدین صاحب مرحوم کا ایک عریضہ اور حضرت مصلح الامۃ کی جانب سے ان کا مصلحانہ جواب ملاحظہ فرمالیں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ حضرت والا کے یہاں تقرب اور مقرب ہونے کا کوئی منصب نہیں تھا اور بڑا ہی صالح اور مخلص خادم بھی جب اصلاح کی کسوٹی پر آجاتا تھا تو حضرت کے یہاں اپنی مصلحت سے زیادہ اسکی مصالح پیش نظر ہوتیں اور پھر کسی قسم کی رعایت روا نہ ہوتی تھی اور اپنی راحت کے خیال سے طالب سے ترک مواخذہ کو تو حضرت والا دیانت کے بھی خلاف سمجھتے تھے بلکہ اسکے حقوق واجبہ کی ادائیگی میں خیانت تصور فرماتے تھے چنانچہ یہی اور اس قسم کی بیشمار ادائیں تھیں جنکی بنا پر لوگ حضرتؒ پر فدا تھے اور خدا حضرتؒ کا ناصر و مددگار تھا سچ ہے من کان للہ کان اللہ لہ جو اللہ تعالیٰ کا ہوگیا خدا اس کا یقیناً ساتھ دیتا ہے۔

ایک دفعہ انھیں مولوی صاحب نے حضرت اقدس کو خط لکھا جس کے مضمون کا حاصل تو یہ تھا کہ ایک جید عالم صاحب تھے جن سے انکی بے تکلفی تھی (حالانکہ خود وہ بڑے شخص تھے حضرت تھانویؒ کے مجازین میں سے تھے) انکو حضرت اقدس کی جانب انھوں نے متوجہ فرمانا چاہا اور مقصد صرف یہ تھا کہ حضرت والا کے پاس آمد و شد کا تعلق ہوجائے تو نکھر کر بڑے کام کے لوگوں میں ہوجاویں گے۔ کچھ یہ اپنی مشکلات کو حضرت سے حل کرلیا کریں گے کچھ حضرت اقدس کے تجربات و تعلیمات سے نفع اٹھالیں گے اسکو انھوں نے ان الفاظ میں حضرت کو لکھا کہ :-

" فلاں مولانا صاحب تشریف لائے تھے عاصی کے یہاں قیام کیا انکی خاطر مدارات میں کمی نہ ہوئی۔ حضرت والا کے مسلک (طور طریق) پر برابر احقر روشنی ڈالتا رہا (اسی سلسلہ میں) میں نے یہ بھی سنایا کہ سہ
مجلس حضرت وصی اللہ ۔۔۔ ہے نمود بہار تھانہ بھون
چونکہ مولانا ۔۔۔ صاحب کی معیت میں حضرت تھانویؒ کی مجلس میں

بھی کافی شرکت کر چکا تھا اس لئے (بے تکلف تھے اور ان سے گفتگو میں) بہت آسانی ہوئی وہ حضرت سے اپنی ملاقات ہونے کی مدت چالیس سال بتلاتے تھے۔ حالات والا (دربارۂ اصلاح وارشاد) سنکر فرمایا کہ ــــ اللہ تعالیٰ جس بندہ سے اپنا کام لے لیں۔ اب وہ حضرت والا (کی زیارت و ملاقات) کے خود مشتاق ہیں اور استفادہ کے لئے تیار ہیں"

حضرت والا نے اس پر لکھا کہ (تحقیق: توبہ توبہ۔ یہ انکی بزرگی (اور تواضع ہے)

(اور اسکے ساتھ ساتھ یہ تحریر بھی گئی)

"آپ نے لکھا ہے کہ فلاں صاحب استفادہ کے لئے تیار ہیں اس کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ فلاں صاحب تو خیر بڑے لوگ ہیں وہ مجھ سے کیا استفادہ کر سکتے ہیں مجھ ہی کو استفادہ کرنا چاہیئے البتہ اگر آپ خود استفادہ کی فکر کریں گے تو وہ آپ کے لئے بھی نافع ہے اور میرے لئے بھی مفید ہے۔ باقی کسی دوسرے کے استفادہ سے تو آپکو نفع ہوگا نہیں۔ اسلئے پہلے آپ خود ہی توجہ فرمائیے اپنی تکمیل کی طرف پھر دوسرے کی تکمیل تو اپنی تکمیل کی فرع ہے کیونکہ جبکہ آپ نے ابھی توجہ بھی نہیں فرمائی اور اس قابل ہو گئے ہیں کہ استنے اونچے شخص کو کتنے نیچے اتار لائے تو اگر آپ خود بھی توجہ فرماتے تو نہ معلوم کتنے نیچے والوں کو کتنی اونچائی پر پہونچا دیتے اور اسوقت مجھے بھی آسانی ہوتی کہ گود کھپور آپ ہی کو دیدیتا۔

یہ جو عرض کیا گیا ہے اسکو سمجھئے اور پھر مجھے لکھئے کہ آپ نے اس سے کیا سمجھا؟ ملاحظہ فرمایا آپ نے کیسے محبوب خادم تھے اور بات بھی خط میں ایسی ایسی لکھی تھی کہ عام طور پر مشائخ کو یہ کچھ خوش ہی کر دینے والی تھی کہ نیک نیتی

کے ساتھ وہ ایک بڑے شخص کو افادہ و استفادہ کے لئے حضرت کی جانب متوجہ کر رہے تھے۔ کیا بُرا تھا؟ لیکن حضرت اقدسؒ کے جواب سے ظاہر ہوا کہ حضرت والاؒ کی نظر "کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن" پر زیادہ تھی اور گوناگوں مصالح کے پیش نظر حضرتؒ نے اسکو کچھ زیادہ پسند نہیں فرمایا بلکہ یہیں سے استنباط فرما لیا کہ آپکو جب اتنے بڑے آدمی کی اصلاح کی فکر ہے جو بطور خود شیخ ہیں تو ظاہر ہے کہ اگر آپ اپنی اصلاح کر لیتے تو دوسرے لوگوں کی اصلاح تو ضرور ہی کر لیتے اور اسوقت مجھے اپنے کام میں ایک معین کار مل جاتا اور ہو سکتا تھا کہ میں اسوقت اقلیم گورکھپور کو آپ ہی کے حوالہ کر دیتا ــــ اب یہ تو معلوم نہیں کہ مولوی صاحب موصوف نے اسکا کیا جواب دیا لیکن اتنا اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ بہت ہی شرمندہ ہوئے ہوں گے اور پھر اپنی اصلاح کی جانب دل سے متوجہ ہو گئے ہونگے انکے فہم و تواضع سے اسکی امید تو نہیں تھی کہ حضرت اقدسؒ کے اس نوع کے ارشاد سے کہ ــــ "اسوقت مجھے بھی آسانی ہوتی کہ گورکھپور آپ ہی کو دے دیتا" انھوں نے اجازت و خلافت کو ہی نہیں بلکہ باب اصلاح میں گورکھپور کی ایجنسی کا اپنے لئے اثبات کر لیا ہو کیونکہ مولوی صاحب اس مزاج کے انسان تھے نہیں ورنہ تو بعض حضرات کے متعلق سنا گیا ہے کہ اس سے کم الفاظ میں خلافت و نیابتِ شیخ سے کم درجہ مراد لینے پر راضی نہیں ہوئے ہیں۔

اس موقع پر ایک واقعہ مولوی صاحب مرحوم کا اپنے ساتھ کا بھی پیش آیا ہوا بیان کر دینے کو جی چاہتا ہے امید ہے کہ ناظرین دلچسپی کے ساتھ سنیں گے اور ممکن ہے کہ کسی کو اس سے نفع ہی ہو جائے۔ حضرتؒ کے وصال کے بعد ایک مرتبہ مولوی صاحب سخت بیمار ہوئے سرطان کی قسم کا کوئی دُنبل اُن کی پشت پر نکل آیا تھا جس کی سوزش سے سخت پریشان تھے اور کسی کل چین نہ آتا تھا میرا بھی کسی ضرورت سے گورکھپور جانا ہوا مولوی صاحب کی علالت کا علم ہوا عیادت کے لئے حاضر ہوا بڑی شفقت آمیز محبت سے ملے لیکن تکلیف سخت

تھی اسلئے میری مزاج پرسی پر انھوں نے یہ شعر پڑھ دیا کہ اپنا حال کیا بتاؤں بس یہ حال ہے کہ ؎

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

جواب سے اندازہ ہوا کہ بیچارے اپنی زندگی سے بھی مایوس ہو چکے ہیں اب ایسے مریض کو تسلی دوں تو کیسے دوں کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اللہ نے مدد فرمائی اور یہ مضمون ذہن میں آیا میں نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب آپ کی بیماری بلاشبہ سخت ضرور ہے لیکن آپ کو اس پر انشاء اللہ تعالیٰ اجر بھی بڑا ملے گا رہا وہ شعر جو آپ نے پڑھا ہے تو میرے نزدیک تو وہ آپ کے حسب حال نہیں ہے اب دوبارہ اس شعر کو نہ دہرائیے گا۔ یہ غالب دہلوی کا شعر ہے جو کوئی با خدا، غدا تو ہیں، ولی اللہ تو نہیں تھا بلکہ اس شعر سے تو معلوم ہوتا ہے کہ دین اور نسبت مع اللہ سے بھی شاید کورا ہی تھا کہ اس نے موتِ مومن کو ایک آخری اور بڑی مصیبت سے تعبیر کیا ہے موت کا یہ اسلامی تصور تو نہیں ہے بلکہ اسلام تو کہتا ہے الموت جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب موت ایک پل ہے جس پر چڑھنے میں ڈر بھی لگتا ہے مگر وہ ایک محب کو اپنے محبوب سے ملا بھی دیتا ہے اور یہ مومن کا تحفہ ہے اسی لئے اسی دلی ہی کے ایک صاحب نسبت بزرگ مرزا مظہر جان جاناںؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ موت سے چند گھنٹے پہلے اپنے عزیز و اقارب کو تسلی دینے کیلئے خود یہ فرما گئے کہ ؎

لوگ کہتے ہیں کہ مظہر مر گیا درحقیقت مظہر اپنے گھر گیا

اور واقعی جنت مومن کا وطن اصلی اور دنیا اسکے لئے قید خانہ ہے۔ لہٰذا جب آپ کو الجھن ہو تو اس شعر سے تسلی حاصل کیجئے اللہ تعالیٰ سے رجاء زیادہ ہوگی اور قلب میں سکون بھی پیدا ہوگا۔ جب میں نے اپنی تقریر ختم کی تو آپ نہیں کہہ سکتے کہ مولوی صاحب مرحوم کس قدر خوش ہوئے کہنے لگے ارے جامی تم نے تو قلب پر برف ہی رکھدیا اس شعر کو اپنی کاپی میں نوٹ کرایا اور مجھے بہت دعائیں دیتے ہوئے رخصت کیا۔ پھر اس مرض سے مولوی صاحب کو صحت ہو گئی تھی اور بہت دنوں کے بعد انکا انتقال ہوا رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

کسی نے آپ سے سوال کیا کہ اتباع سنت کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا کہ بدعات سے اجتناب اور ان عقائد و احکام کا اتباع جس پر علمائے اسلام کے صدر اول کا اجماع ہے اور انکی اقتدار کو لازم سمجھنا۔

حضرت ابو بکر ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ کمال ہمت اپنے تمام اوصاف کے ساتھ سوائے اہل محبت کے کسی کو حاصل نہیں ہوئی اور یہ درجہ انکو محض اتباع سنت اور ترک بدعت کی وجہ سے حاصل ہوا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے زیادہ صاحب ہمت اور سب سے زیادہ واصل الی اللہ تھے۔

(ف) ہمت اصطلاح صوفیہ میں تصرف اور توجہ کو کہتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے تخیل کی قوت اپنے کام کے ہونے یا نہ ہونے کی طرف جمع کرے اس جگہ ممکن ہے یہی مراد ہو مگر آنحضرت صلعم سے تصرف او ہمت اصطلاحی کے استعمال کا صدور کہیں صراحۃً ثابت نہیں اس لئے اس جگہ غالباً ہمت کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی دین کے کاموں میں چستی اور مضبوطی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت ابو الحسن وراق رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ تک صرف اللہ ہی کی مدد اور اسکے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء فی الاحکام کے ذریعہ پہونچ سکتا ہے اور جو شخص وصول الی اللہ کیلئے سوا اقتدار رسول کے کوئی دوسرا اختیار کرے وہ حصول ہدایت کی خاطر گمراہ ہوگیا

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ

یہ بزرگ حضرت ابو عبد اللہ مغربیؒ اور حضرت ابراہیم خواصؒ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں۔ بدعات سے سخت متنفر اور سنت پر سختی سے کرنے والے

ب ... سنت پر ... قائم ... رشاد ... کے ... کا احترام کرنے والے
... تک کہ عبداللہ بن منازل نے ... متعلق فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن شیبان تمام
... اور اہل آداب و معاملات پر خدا کی طرف سے ایک حجت ہیں۔

حضرت ابو عمرو زجاجی رحمۃ اللہ علیہ

یہ مجاور ... کے مشہور امام حضرت جنید اور حضرت سفیان ثوری کے اصحاب
سے ہیں فرماتے ہیں کہ :۔
" زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا دستور یہ تھا کہ ان چیزوں کا اتباع کرتے تھے
... ان کی عقلیں مستحسن سمجھتی تھیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے
... اتباع شریعت کا ارشاد فرمایا پس عقل صحیح و سلیم وہی ہے جو محسنات شرعیہ کو
... اور مکروہات شرعیہ کو ناپسند سمجھے "

حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال مجاہدات کئے مگر مجھے کوئی مجاہدہ علم اور
... علم سے زیادہ شدید نہیں معلوم اور علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں مصیبت میں
... جاتا بلاشبہ علماء کا اختلاف رحمت ہے (مگر وہ اختلاف جو تجرید توحید میں ہو کہ
رحمت نہیں) اور اتباع صرف اتباع سنت کا نام ہے کیونکہ علم سنت سے
دوسری چیز علم کہلانے کی مستحق نہیں۔
ایک مرتبہ ایک بزرگ ان کے وطن میں تشریف لائے شہر میں انکی ولایت اور
... کا چرچا ہوا حضرت ابو یزیدؒ نے بھی زیارت کا قصد کیا اور اپنے ایک رفیق سے کہا
ان بزرگ کی زیارت کر آویں۔ ابو یزیدؒ اپنے رفیق کے ساتھ ان کے مکان پر
تشریف لے گئے یہ بزرگ گھر سے نماز کے لئے نکلے جب مسجد میں داخل ہونے تو
... قبلہ تھوک دیا، ابو یزید یہ حالت دیکھتے ہی واپس آگئے اور ... سلام بھی نہ کیا

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب پر مامون نہیں کہ انکو اذکار کے اسلئے کیا توقع رکھی جاسکے کہ یہ کوئی ولی اللہ ہو۔

امام شاطبیؒ اس واقعہ کو کتاب الاعتصام میں نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت ابو یزیدؒ کا یہ ارشاد اصل عظیم ہے جس سے معلوم ہوا کہ تارک سنت کو درجہ ولایت حاصل نہیں ہوتا اگرچہ ترک سنت بوجہ ناواقفیت کے ہوا ہو۔

اب آپ اندازہ کریں کہ جو علانیہ ترک سنت اور احداث بدعت پر مصر ہوں انکو بزرگی اور ولایت سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو سکتا ہے؟

حضرت ابو محمد بن عبدالوہاب ثقفی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف وہی اعمال قبول فرماتے ہیں جو صواب اور درست ہوں اور صواب اور درست میں بھی صرف وہی اعمال مقبول ہیں جو خالص (اسکے لئے) ہوں اور خالص میں سے بھی وہی مقبول ہیں جو سنت کے مطابق ہوں

نیز حضرت ابو یزیدؒ کا ارشاد ہے کہ اگر تم کسی شخص کی کھلی کھلی کرامات دیکھو یہاں تک کہ ہوا میں اڑنے لگے تو اس سے ہرگز دھوکہ نہ کھاؤ اور اسکی بزرگی و ولایت کے اس وقت تک معتقد نہ ہو جب تک یہ نہ دیکھو لو کہ امر و نہی اور جائز و ناجائز اور حفاظت حدود اور آداب شریعت کے معاملہ میں اس کا کیا حال ہے۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بندہ جو فعل بغیر اقتداء (رسولؐ) کے کرتا ہے خواہ وہ بصورت اطاعت ہو یا معصیت وہ عیش نفس ہے اور جو فعل اقتداء و اتباع سے کرتا ہے وہ نفس پر عذاب و مشقت ہے کیونکہ نفس کی خواہش کبھی اقتداء اور اتباع میں نہیں ہو سکتی اور اصل مقصود ہمارے طریق (یعنی سلوک) کا یہی ہے کہ اتباع ہو سکے ہیں۔

نیز فرمایا کہ ہمارے صوفیاء کرام کے سات اصول ہیں۔ ایک کتاب اللہ کے ساتھ تمسک۔ دوسرے سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اقتدا۔ تیسرے اکل حلال (یعنی کمانے پینے اور استعمال کرنے میں اسکا لحاظ کہ کوئی چیز حرام وناجائز نہ ہو)۔ چوتھے لوگوں کو تکلیف سے بچانا۔ پانچویں گناہوں سے بچنا۔ چھٹے توبہ۔ ساتویں اداے حقوق۔

نیز فرمایا کہ تین چیزوں سے مخلوق مایوس ہوگئی۔ توبہ کا التزام اور سنت رسولؐ کا اتباع اور مخلوق کو اپنی ایذا رسے بچانا۔

نیز کسی نے آپ سے دریافت فرمایا کہ فتوت (عالی ظرفی) کیا چیز ہے فرمایا کہ اتباع سنت۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میرے قلب میں معارف وحقائق اور علوم صوفیہ میں سے کوئی خاص نکتہ عجیبہ وارد ہوتا ہے اور ایک زمانہ دراز تک وارد ہوتا رہتا ہے مگر میں اسکو دو عادل گواہوں کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کرتا اور وہ دو عادل گواہ کتاب وسنت ہیں۔

حضرت ابوحفص حداد رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر وقت اپنے افعال واحوال کو کتاب وسنت کی میزان میں وزن نہیں کرتا اور اپنے خواطر (واردات قلبیہ کو) متہم (ناقابل اطمینان) نہیں سمجھتا اسکو مردان راہ تصوف میں شمار نہ کرو۔

نیز آپ سے بدعت کی حقیقت دریافت کی گئی تو فرمایا کہ احکام میں تعدی یعنی شرعی حدود سے تجاوز کرنا اور تہاون فی السنن یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سستی کرنا اور اتباع الآراء والاھوا (یعنی اپنی خواہشات اور عقلی

آثار رجال کی پیروی اور ترک الاتباع والاقتدار یعنی سلف صالح کے اتباع اور اقتدار کو چھوڑنا۔ اور کبھی کسی صوفی کو کوئی حالت رفیعہ بغیر امر صحیح کے اتباع سے حاصل نہیں ہوئی۔

حضرت حمدون قصّار رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ لوگوں کے اعمال پر احتساب اور دارو گیر کسی شخص کے لئے کب جائز ہوتی ہے؟ فرمایا کہ جب وہ یہ سمجھے کہ یہ احتساب اور امر بالمعروف مجھ پر فرض ہو گیا ہے (فرض ہونے کی صورت یہ ہے کہ جس کو امر بالمعروف کیا جائے وہ اسکا ماتحت اور تحت القدرت ہو یا یہ یقین ہو کہ وہ ہماری بات مان لیگا وغیر ذالک) یا یہ خوف ہو کہ کوئی انسان بدعت میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاوے گا اور اسکو یہ گمان ہو کہ ہمارے کہنے سننے سے اسکو نجات ہو جاوے گی۔

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص سلفِ صالح کے احوال پر نظر ڈالتا ہے اسکو اپنا قصور اور مردانِ راہ خدا کے درجات سے اپنا پیچھے رہنا معلوم ہو جاتا ہے۔

علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ غرض اس کلام کی (واللہ اعلم) یہ ہے کہ لوگوں کو سلف صالح کی اقتدار کی ترغیب دیں کیونکہ یہی حضرات اہلسنت ہیں۔

حضرت احمد بن ابی الحواری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی عمل بلا اتباع سنت کرتا ہے اسکا عمل باطل ہے

سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے کسی نے ذکر کیا کہ عارفین پر ایک حالت ایسی آتی ہے وہ تمام حرکات و اعمال چھوڑ کر تقرب الی اللہ حاصل کرتے ہیں حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا قول ہے جو اسقاط اعمال کے قائل ہیں [illegible] کے قائل ہیں

اور فرمایا کہ میں اگر ایک سال بھی زندہ رہوں تو اپنے اختیار سے اعمال بر (طاعات و عبادات) میں سے ایک ذرہ بھی کم نہ کروں ہاں مغلوب و مجبور ہو جاؤں تو دوسری بات ہے۔

اور فرمایا کہ وصول الی اللہ کے جتنے راستے عقلاً ہو سکتے ہیں وہ سب کے سب بجز آثار اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلوق پر بند کر دیئے گئے ہیں (یعنی بغیر اقتدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شخص ہرگز تقرب الی اللہ حاصل نہیں کر سکتا اور جو دعوی کرے وہ کاذب ہے۔

اور فرمایا کہ ہمارا یہ مذہب کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے۔

نیز ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کو حفظ نہ کرے اور حدیث رسولؐ کو نہ لکھے اس معاملہ (تصوف) میں اس کی اقتدا نہ کرنی چاہیئے کیونکہ ہمارا علم کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے اور فرمایا کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تائید ہوتی ہے

حضرت ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیبت و صحبت تین چیزوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک حسن ادب۔ دوسرے دوام ہیبت۔ تیسرے مراقبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحبت و معیت اتباع سنت اور ظاہر شریعت کے التزام سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اولیاء کی صحبت و معیت ادب و احترام اور خدمت سے حاصل ہوتی ہے۔ آپ کی وفات کے وقت جب آپ کا حال متغیر ہوا تو صاحبزادہ نے بوجہ شدت غم و الم کے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ ابو عثمانؒ نے آنکھ کھولی

حفظ قرآن سے غالباً مراد یہ ہے کہ احکام قرآنی پر اس کی نظر ہو [illegible]
کتابت حدیث سے غرض احادیث کے مضامین محفوظ ہونا مراد ہے [illegible]

در فرمایا ظاہر اعمال میں خلاف سنت کرنا یہ باطن میں ریا ہونے کی علامت ہے آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے نفس پر قول و فعل میں سنت کو حاکم بنا دیگا وہ حکمت کے ساتھ گویا ہوگا اور جو قول و فعل میں خواہشات و ہوا کو حاکم بنا دیگا وہ بدعت کے ساتھ گویا ہوگا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وان تطیعوہ تہتدوا یعنی اگر تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاؤگے

حضرت ابو الحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں جس کو تم یہ دیکھو کہ تقرب الی اللہ میں وہ کسی ایسی حالت کا مدعی ہے جو اسکو علم شرعی کی حد سے باہر نکال دے تو تم اسکے پاس نہ جاؤ۔

حضرت محمد بن فضل بلخی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اسلام کا زوال چار چیزوں سے ہے ایک یہ کہ لوگ علم پر عمل نکریں۔ دوسرے یہ کہ علم کے خلاف عمل کریں۔ تیسرے یہ کہ جس چیز کا علم ہو اسکو حاصل نہ کریں۔ چوتھے یہ کہ لوگوں کو علم حاصل کرنے سے روکیں۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں کہ یہ تو انکا ارشاد ہے اور ہمارے زمانہ کے صوفیوں کا عام طور سے یہی حال ہوگیا ہے۔

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ معرفت رکھنے والا وہ شخص ہے جو اسکے اوامر کے اتباع میں سب سے زیادہ مجاہدہ کرتا ہو اور اسکے رسول کا سب سے زیادہ متبع ہو۔

حضرت شاہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی نظر کو غیر محارم سے محفوظ رکھے اور اپنے نفس کو شبہات سے بچائے اور اپنے باطن کو دوام مراقبہ کے ساتھ معمور کرتے اور

ظاہر کو اتباع سنت کے ساتھ آراستہ کرے اور اپنے نفس کو اکل حلال کی
عادت ڈالے تو اسکی فراست میں کبھی خطا نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ ظاہر شریعت جس باطنی حالت کا مخالف ہو وہ باطل ہے

حضرت ابو العباس ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ

جو سید الطائفہ حضرت جنید کے اقران میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ جو شخص
اپنے نفس پر آداب الہیہ کو لازم کرے اللہ تعالیٰ اسکے قلب کو نور معرفت سے
منور فرما دیتا ہے اور کوئی مقام اس سے اعلیٰ و اشرف نہیں ہے کہ بندہ حبیب اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر اور اخلاق میں انکا متبع ہو۔ نیز فرمایا کہ سب سے
بڑی غفلت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب سے غافل ہو اور یہ کہ اس کے آداب معاملہ
سے غافل ہو۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں ہے بلکہ عالم صرف وہ شخص
ہے جو اپنے علم کا متبع ہو اور اس پر عمل کرے اور سنت نبوی کا اقتدار
کرے اگرچہ اسکا علم تھوڑا ہو۔
کسی نے آپ سے دریافت فرمایا کہ عافیت کیا چیز ہے؟ تو فرمایا:۔
دین بلا بدعة وعمل بلا آفة — دین بغیر بدعت کے اور عمل بغیر آفت کے (یعنی
وقلب بلا شغل ونفس — بمقابلہ کرنا کی آفتیں اس میں شامل نہ ہوں) اور قلب
بلا شهوة — فارغ جس کو غیر اللہ کا شغل نہ ہو اور نفس بغیر خواہش کا غلبہ
اور فرمایا کہ حقیقی صبر یہ ہے کہ احکام کتاب و سنت پر عمل سے قائم رہو۔

۲۹۔ جس دینداری کا خدا تعالیٰ ہم سے مطالبہ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ بالکل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم ہو جاویں

خلاصہ یہ ہے کہ ایسے لوگ کامل دیندار نہیں ہیں اسلئے کہ جیسا خدا تعالیٰ نے ان سے دیندار ہونے کا مطالبہ فرمایا ہے ویسے نہیں بنے اور میں تمکو بتاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے کیسا چاہا ہے اور میں دو لفظوں میں اسکا خلاصہ بتاتا ہوں اور میں کیا خود خدا تعالیٰ بتاتے ہیں۔ اگر تفصیلاً بیان کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ نے کیسا چاہا تو دفتر کے دفتر ختم ہو جاویں پھر بھی بیان ناتمام ہی رہے اسلئے گُر کی بات عرض کرتا ہوں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ
خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ امور اختیاریہ میں ایسے بنجاؤ اور ایسے ہو کر آؤ جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں گویا حق تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک نمونہ بھیجدیا ہے اور گویا فرما دیا کہ تفصیلاً کہاں تک بیان کریں کہ یہ صفت پیدا کرو وہ صفت چھوڑ دو ہم ایک نمونہ بھیجے دیتے ہیں ایسے بن جاؤ۔ اپنے اخلاق، عادات، کھانا پینا، سونا، بیٹھنا، اٹھنا، چلنا پھرنا، وضع، طرز، چال ڈھال ایسا ہو جیسا ہمارے محبوب کا ہے۔ بس اب آپ غور کر لیجئے کہ اگر ایک صفت کی بھی کمی ہوئی تو ہم نمونہ کے موافق نہ ہوئے اسکی ایسی مثال ہے کہ درزی سے ہمکو اچکن سلوانا منظور ہے ہم نے نمونہ کے واسطے ایک اچکن بھیجدیا کہ ایسا ہی لاؤ اب بتلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ آستینیں اسقدر ہوں، سلائی اس طرح کی ہو، اس قدر نیچا ہو وہ سی کر لایا دیکھا تو اسی کے مطابق ہے لیکن ایک آستین بڑھی چھوٹی ہے تو اسی درزی سے کہا جاوے گا کہ ظالم ہم نے تیرے پاس نمونہ بھیجدیا تھا پھر بھی تُو نے اس کے موافق نہ دیا اور اس اچکن کو ہرگز نمونہ کے موافق نہ کہا جاوے گا۔ وہ اچکن اس درزی کے منہ پر مار دیں گے اور اسکو سزا دیں گے تو صاحبو! جب ہم حاکم حقیقی

کے سامنے پیش کئے جاویں گے اور ہماری نماز ایسی نہ ہوگی جیسی حضورؐ کی تھی وضع لباس، طرز انداز ایسا ہوگا جیسا کہ حضورؐ کا تھا تو عجب نہیں کہ نکال دیئے جائیں اللّٰھم احفظنا واحشرنا فی زمرتہم صلی اللہ علیہ وسلم۔

حکایت: ۔ ایک حکایت بطور تمثیل کے یاد آئی کہ بادشاہ عالمگیر جب صاحب تخت وتاج ہوئے تو تمام اہل فن اور اہل حرفہ وصنعت کو موافق دستور شاہی انعام دیا گیا۔ بہروپئے بھی آئے لیکن عالمگیر ایک مولوی آدمی تھے انکو دینا ناجائز سمجھا لیکن صراحۃً انکو ٹال اور جواب دینا مناسب نہ سمجھا یہ چاہا کہ کسی حیلہ لطیف سے انکو ٹالدیا جائے کہا کہ جب ایسی شکل میں آؤ کہ ہم نہ پہچانیں تو انعام دیں گے وہ مختلف شکلوں میں آئے مگر عالمگیر نے پہچان لیا۔ جب دکن کی مہم پیش آئی اور عالمگیرؒ نے دکن کا سفر اختیار کیا تو سفر میں عالمگیر کا طریق یہ تھا کہ جس صاحب کمال کو سنتے تھے اس سے جا کر ملتے تھے، دکن کے سفر میں بھی حسب عادت اہل کمال سے ملتے جاتے تھے ایک مقام پر سنا کہ یہاں ایک درویش بڑے باکمال ہیں اول وزیر کو ملنے کے لئے بھیجا وزیر نے ہر طرح انکو جانچا وہ ہر بات میں پورے اترے آکر عالمگیر سے بہت تعریف کی اور کہا کہ ان کو تکلیف دینا بے ادبی ہے آپ خود تشریف لیجا کر ان سے ملئے عالمگیر خود گئے اور ملکر بہت خوش ہوئے عالمگیر کو بعض مسائل تصوف میں کچھ شبہات تھے وہ پیش کئے سب شبہات کے شافی جواب پائے بالکل اطمینان ہوگیا اور نہایت متاثر ہوئے اور توڑہ اشرفیوں کا پیش کیا درویش نے ایک لات ماری اور کہا کہ مجھکو بھی اپنی طرح دنیا دار سمجھتا ہے عالمگیر اور زیادہ متاثر ہوئے اور اس توڑہ کو اٹھالیا اور وہاں سے چلے راہ میں وزیر سے دیر تک اس درویش کا ذکر مذکور رہا جب لشکر میں پہونچے تو سامنے دیکھا کہ وہ بزرگ تشریف لارہے ہیں اور بادشاہ کو جھک کر سلام کیا اور انعام مانگا عالمگیر حیرت میں ہوگئے اور غور کرکے پہچانا اور انکو کچھ انعام دیا اور یہ کہا کہ میں نے اب تسلیم کرلیا کہ تو بڑا ہوشیار اور اپنے فن کا کامل ہے مگر یہ بتلا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ اس وقت میں نے تجھکو اس سے کہیں زیادہ

دیا تھا اسکو تم نے رد کردیا اور یہ روپیہ اس سے بہت کم ہے یہ خوشی سے لے لیا اس نے کہا کہ نقل میں نے کی تھی وہ لینا اسکے خلاف تھا اس لئے نہیں لیا۔ تو صاحبو! ہم تو اس نقال سے بھی گئے گذرے ہوئے ہم سے تو نقل بھی دین کی نہیں ہوتی۔

۴۰۔ بزرگی یہ ہے کہ ظاہراً بھی دیندار ہو اور باطناً بھی نہ کہ کشف و کرامت

حاصل یہ ہے کہ دیندار کامل تو وہ ہے کہ ظاہراً بھی دیندار ہو اور باطناً بھی کیونکہ اعمال کی دو قسمیں ہیں ظاہری تو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اور باطنی نس، رضا، شوق، صبر، قناعت وغیرہ ہیں اور ان کے مقابلہ میں بداخلاقیاں غضب حقد، تکبر، بے صبری، حرص ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو مشائخ کے یہاں ملتی ہیں اساتذہ کے یہاں تو ظاہر درست ہوتا ہے اور مشائخ کے یہاں یہ اخلاق درست ہوتے ہیں اور اسی کا نام بزرگی ہے۔ آجکل تو درویشی اور بزرگی کشف اور کرامت کو جانتے ہیں مجھکو ایک شیخ صاحب کے ارشاد پر تعجب ہوا کہ میاں تم ذکر و شغل کرتے ہو کچھ نظر بھی آتا ہے انھوں نے کہا کہ مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آتا تو ہنس کے فرمایا کہ بھائی ثواب جمع کیے جاؤ۔ آہ! افسوس ہے کہ ان شیخ نے ثواب کی کوئی قدر نہ کی میں تو اسی دن سے انکی مشیخت سے بھی بے اعتقاد ہوگیا۔ جو شخص خدا تعالیٰ کی رضا کو چھوڑ کر کشف و کرامت کو ڈھونڈھے اسکی مثال ایسی ہے جیسے وزارت کو چھوڑ کر گھاس کھودنے لگے اس لئے کہ کشف کا حاصل بعض غیر معلومہ و غیر مقصودہ اشیاء کا معلوم ہو جانا ہے۔ سو یہ کوئی کمال نہیں ہے کمال یہ ہے کہ ظاہر اور باطن موافق شریعت کے ہو۔ پس ایسے شخص کے لئے میں دعویٰ کر کے کہہ سکتا ہوں کہ اسکو حیات طیبہ نصیب ہوگی اور کسی قسم کی پریشانی اسکو نہ ہوگی

۲۱ ۔ حضرات اہل اللہ کو مصائب میں بھی پریشانی نہیں ہوتی بلکہ اور لطف آتا ہے

اگر کوئی کہے کہ ہم تو بچشم خود دیکھتے ہیں اور سنتے آئے ہیں کہ اکثر اولیاء اللہ اور بزرگان دین تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں پھر مزیدار زندگی کہاں ہوئی تو میں کہتا ہوں کہ بیشک مسلم ہے کہ ان حضرات کو بلا اور مصائب کا سامنا رہتا ہے بلکہ اوروں سے زیادہ لیکن انکو ان مصائب میں بھی مزہ آتا ہے اور جس کا نام پریشانی ہے وہ نہیں ہوتی ۔ اسکی ایسی مثال ہے کہ ایک شخص کسی پر عاشق ہو جائے اور محبوب اس سے مدتوں سے نہ ملا ہو اور وہ اسکی یاد میں گھلتا ہو ایک روز دفعۃً محبوب آپہنچا اور آکر لپٹ گیا اور اسکو خوب دبایا اور اسقدر دبایا کہ پسلیاں ٹوٹنے لگیں لیکن اگر وہ سچا عاشق ہے تو واللہ اسکو اسقدر مسرت ہوگی کہ دنیا و مافیہا سے بڑھکر اسکو سمجھے گا اور کہیگا کہ یہ تو وہ شخص ہے جس کے واسطے تمام عمر کھو دی اور مال و دولت و آبرو اس پر نثار کر دی، اگر محبوب کہے بھی کہ اگر تکلیف ہو تو چھوڑ دوں تو وہ کہیگا کہ خدا نکرے وہ دن کہ تم مجھکو چھوڑ دو ۔ بلکہ یوں کہے گا ؎

اسیرت نخواہد رہائی ز بند ‏ ‏ ‏ ‏ شکارت نجوید خلاص از کمند

(تیرا قیدی کبھی قید سے رہائی نہ چاہے گا تیرا شکار کبھی قید سے رہائی نہ طلب کرے گا)

اور اگر وہ کہے میں اس رقیب کو جو پاس کھڑا ہے دبالوں اور تم کو راحت دوں تو کہے گا ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ‏ ‏ ‏ ‏ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(خدا نکرے کہ دشمنوں کو یہ نصیب ہو کہ وہ تیری تلوار سے ہلاک ہوں بلکہ دوستوں کا سر سلامت رہے تیری خنجر آزمائی کیلئے)

اور کہے گا ؎

سر بوقت ذبح اپنا اسکے زیر پائے ہے ‏ ‏ ‏ ‏ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

۴۲- حضرات اہل اللہ کو موت بھی محبوب ہوتی ہے

دیکھئے لوگوں کے نزدیک سب سے زیادہ مصیبت موت ہے اور عشاق کے نزدیک وہی موت عجیب دولت ہے۔ کہتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم ۔۔۔ راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بروم

(میں اس دن کو پاکر خوش ہونگا کہ جس دن اس ویرانہ دنیا سے رخصت ہونگا قلبی و روحانی راحت ملیگی اور محبوب تک رسائی ہوگی)

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے ۔۔۔ تا در میکدہ شاداں و غزلخواں بروم

(میں تو یہ منت مانی ہے کہ اگر مقدر سے یہ دن نصیب ہوگیا تو میخانہ کے دروازہ تک خوش وخرم اور غزلیں پڑھتا ہوا جاؤنگا)

اور یہ تمنائیں تو ان حضرات کی موت آنے سے پہلے ہوتی ہیں لیکن عین موت کے وقت بھی یہی ہوتا ہے ایک بزرگ وفات کے وقت کہتے ہیں ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم ۔۔۔ جسم بگذارم سراسر جاں شوم

(اب وہ وقت آگیا ہے کہ میں عریاں ہوجاؤں یعنی تن بدن کو چھوڑ دوں اور سراسر جاں ہوجاؤں)

ابن فارض کا جب انتقال کا وقت آیا تو آٹھوں جنتیں ان کے لئے مکشوف ہوئیں دیکھکر منہ پھیرلیا اور فرمایا ؎

ان کان منزلتی فی الحب عندکم ۔۔۔ ما قد رأیت فقد ضیعت ایامی

یعنی میرا مرتبہ اگر عشق میں آپکے نزدیک یہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو میں نے اپنا وقت ہی ضایع کیا میرا مقصود تو آپ کی ذات پاک ہے اگر آپ نہ ہوئے تو جنت کو لیکر کیا کرونگا؟ اسکے بعد ان پر تجلیٔ حق ہوئی اور اسی میں رحلت فرمائی۔ سبحان اللہ! اب فرمائیے کہ جب موت سے بھی یہ حضرات پریشان وہراسان نہیں ہوتے تو فقر وفاقہ میں افلاس و تنگی میں تو کیا پریشانی ہے۔

حکایت: حضرت بہلولؒ نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ کس حال میں ہو فرمایا کہ ایسے شخص کا کیا حال پوچھتے ہو کہ جو کچھ عالم میں ہورہا ہے سب اسکی مرضی کے موافق ہورہا ہے وہ کیسا کچھ مزے میں ہوگا؟ حضرت بہلولؒ نے کہا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی

وق کے لئے کب ایسا ہو سکتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے سب انکی خواہش کے موافق
تا ہے پریشان تو حق تعالیٰ ہی کی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے
دہ کو ارادۂ اللہ میں فنا کر دیا ہو تو جو امر ارادۂ الٰہیہ کے موافق ہوگا وہ اس کے
دہ کے بھی موافق ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ ہم اپنے نفس کو اپنی رائے کو حق تعالیٰ
رضا میں فنا کر چکے ہیں جس حالت میں ہیں خوش ہیں۔

۴۴۔ حضرات اہل اللہ کو پریشانی نہ ہونے کا راز

بات یہ ہے کہ پریشانی کی دو وجہیں ہوا کرتی ہیں اول تو جس سے معاملہ ہو
ں سے محبت نہ ہو اگر محبت ہو تو پریشانی کسی طرح نہیں ہو سکتی مثلاً محبوب اگر
ہے مجھ سے دو گھنٹہ دھوپ میں کھڑے ہو کر باتیں کرو اگر وہ کہے کہ نہیں تو
وئی محبت میں جھوٹا ہے اور اگر سچا ہے تو اسکی یہ حالت ہوگی ؎

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ   جنت است آں گرچہ باشد قعر چاہ

نہاں یوسف جیسا ماہ رو موجود ہوگا وہ جنت ہی ہے اگر چہ کنوئیں کی گہرائی ہو)
سری وجہ پریشانی کی یہ ہوتی ہے کہ خلافِ امید کوئی امر پیش آئے کہ سوچا کچھ اور
ہوا کچھ اور مثلاً طاعون آیا ہم چاہتے تھے کہ تندرست رہیں مگر نہ رہے۔ چاہتے
تھے کہ تجارت میں نفع ہو نہ ہوا۔ چاہتے تھے کہ اولاد ہو نہ ہوئی تو اسوقت پریشانی ہوگی
ر جو شخص اپنی رائے کو فنا کر چکا ہو اور اپنے ارادہ کو راہِ مولا میں مٹا چکا ہو اسکو
یشانی کی یہ وجہ بھی نہ ستائیگی۔

کایت: حضرت بہلولؒ سے کسی نے کہا کہ حضرت اناج بہت گراں ہوگیا
ہے فرمایا کہ کچھ پروا نہیں ہمارے ذمہ یہ ہے کہ اسکی عبادت کریں اور اس کے
مہ ہے کہ ہم کو حسب وعدہ رزق دے۔

کایت: ایک بزرگ نے اپنی توبہ اور رجوع الی اللہ کا قصہ بیان کیا کہ
یک سال قحط بہت تھا مخلوق بہت پریشان تھی اسی حالت میں ایک غلام کو دیکھا

رہے بے فکری سے گاتا ہوا خوش خوش جارہا تھا اس سے کسی نے پوچھا کہ مخلوق تو پریشان اور تو اس طرح بے فکر ہے؟ اس نے کہا میں بے فکر کیوں نہوں میرے مالک کے یہاں دو گاؤں ہیں۔ اسوقت نفس کو ایک تازیانہ لگا اور یہ بات ذہن میں آئی کہ ارے نفس! جس کے مالک کے پاس دو گاؤں ہیں وہ تو بیفکر ہے اور تیرے مالک کے قبضہ میں آسمان و زمین عرش و کرسی ہے تو پریشان ہے! اسی وقت سے توجہ الی اللہ کی توفیق ہوئی۔ افسوس کہ اسوقت معاملہ برعکس ہو گیا دنیا کمانے اور شب روز اسی دھن میں لگے رہنے کو ترقی اور اولوالعزمی سمجھتے ہیں اور بے فکری اور توکل کو پستی کہتے ہیں اور طرہ یہ ہے کہ اپنے کو خیر خواہ اور بہی خواہ قوم سمجھتے ہیں۔ جو شخص رات دن ہوائے نفسانی میں مبتلا ہو اور جسے سوائے دنیا کمانے کے کوئی شغل نہو اس سے دوسرے کی خیر خواہی کیا ہوسکتی حقیقی خیر خواہ انبیاء علیہم السلام اور بزرگان دین ہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ جو شب و روز انکی فکر میں گھلتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید اسی فکر میں کہ یہ ایمان نہیں لاتے آپ اپنی جان کو ہلاک کردیں گے۔ ان حضرات کا مشرب یہ ہے

طریقت بجز خدمت خلق نیست ‌ ‌ ‌ بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(طریقت تو صرف خدمت خلق کا نام ہے۔ تسبیح، جانماز اور گدڑی ہی کا نام صرف طریقت نہیں)

شاہ اسحق صاحبؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا کہ حضرت فلاں شخص کے نام ایک رقعہ لکھدیجئے اس سے میرا ایک کام ہے آپ کا رقعہ دیکھنے سے وہ کردیگا وہ شخص حضرت کا سخت مخالف تھا حضرت نے رقعہ لکھدیا اس نے جاکر اس شخص کو دیا اس نے اس رقعہ کی بتی بنا کردی اور یہ کہا کہ شاہ صاحب سے کہو کہ اس کی بتی بنا کر فلاں جگہ رکھ لو اس شخص نے اسی طرح آکر یہ مقولہ شاہ صاحب کی خدمت میں نقل کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ بھائی اگر اس فعل سے تیرا کام چلتا تو مجھے اس سے بھی دریغ نہ ہوتا۔ یہ جواب اس کو پہونچا وہ شخص یہ بات سنکر وہ تڑپ گیا

اور اسقدر متاثر ہوا کہ شاہ صاحب کی خدمت آکر اس نے معذرت کی اور اسکو ہدایت ہوگئی۔ دس برس کے مجاہدہ میں بھی وہ بات نہ ہوتی جو شاہ صاحب کے ایک کلمہ میں ہوگئی۔ آپ بتلائیے کہ ایسی نفع رسانی آج کس میں ہے۔ آج ترقی کا دم بھرنے والے اسکو پست ہمتی کہتے ہیں ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ تم کہاں سے کھاتے ہو انھوں نے فرمایا کہ یہ دنیا خدا کا گھر ہے اور ہم اسکے ضیف ہیں اور ضیافت بروئے حدیث تین دن ہے اور اللہ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار برس کا ہے چنانچہ فرماتے ہے وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ ... مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (اور بلاشبہ ایکدن آپ کے رب کے نزدیک تمہارے شمار کئے ہزار سال کے برابر ہے) تو تین ہزار برس تک تو دعوت ہے آسکے بعد پوچھنا۔

۴۴۔ روپیہ کمانے کی ممانعت نہیں اسمیں کھپ جانے کی ممانعت ہے

میرا مطلب ان حکایات سے یہ نہیں ہے کہ روپیہ نہ کماؤ اور جاگیر گھر لٹادو۔ مقصود یہ ہے کہ اس میں کھپ مت جاؤ بلکہ ضرورت پر نظر رکھو اور لیسے خصال حاصل کرو جیسی کہ بزرگوں میں تھیں اور مال جمع کرنے کو منع نہیں کرتا بلکہ بعض بزرگ روپیہ بہت رکھتے تھے مگر وہ اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ خدمت خلق کے لئے جیسے خزانچی اور تحصیلدار ہوتا ہے یہ حضرات بھی اسی طرح سے روپیہ رکھتے ہیں اور بلا اذن اس میں سے خرچ نہیں کرتے۔ جیسے سلیمان علیہ السلام کو سلطنت دیگئی اور حضرت صدیق اکبر کو خلافت ملی یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہی ملی لیکن حالت کیا تھی کہ جب مصر میں قحط پڑا تو یوسف علیہ السلام پیٹ بھر کھانا نہ کھاتے تھے۔

۴۵۔ اہل اللہ کی خوش خوراکی وخوش لباسی بھی رضاء الٰہی کیلئے ہوتی ہے

اور اگر اہل اللہ میں کوئی خوش خوراک اور خوش لباس پایا جاوے تو وہ بھی
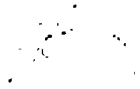
Regd. No. L2/9/AD-111

Monthly WASIYATUL IRFAN JAN. 1982

23, Buxi Bazar, Allahabad-3

Rs. 30/-

Rs. 20 -

شمارہ ۷، ۳ جولائی ۱۹۸۳ء جلد ۵

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷۔ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ماہ جون [illegible]ء کا شمارہ پیش خدمت ہے اس سلسلہ میں ایک خوشخبری آپ کو سنانی ہے اور ایک یاددہانی کرنی ہے۔ خوشخبری تو یہ کہ الحمد للہ اس شمارے سے کتاب مستطاب "تنبیہ الغافلین" جو کہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی مشہور و معروف تصنیف عربی میں ہے اس کا اردو ترجمہ مسلسل و مکمل (قسطوار) نظر نواز ہوتا رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ کتاب اعتقاداً تو مجھے اسوقت سے پسند ہے جبکہ حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانویؒ کی کتاب "السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیۃ" میں کسی مسئلہ کے اثبات کے لئے حضرتؒ نے حضرت خواجہ اجمیریؒ کا ارشاد نقل فرمایا کہ:- "فقیہ اپنی تنبیہ میں لکھتے ہیں کہ الخ" یہاں فقیہ سے یہی فقیہ ابو اللیث اور تنبیہ سے انکی یہی کتاب "تنبیہ الغافلین" مراد ہے مجھے خیال ہوا کہ الحمد للہ حضرت فقیہؒ کی کتاب کو مقبولیت کا یہ درجہ نصیب ہوا کہ یہ حضرت خواجہ اجمیریؒ کے مطالعہ میں بھی رہ چکی ہے پھر عملاً اور ظاہراً بھی اسوقت حسن اس کا کھلا جبکہ مجلس میں اسے سنایا اور احباب نے اسکو پسند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبکہ اسکو شروع کردینے کی توفیق عطا فرمادی تو امید ہے کہ باحسن وجوہ اسکو اختتام تک پہونچا دیں گے۔ ناظرین سے اپنے لئے صحت و قوت اور توفیق کی دعا کی درخواست ہے۔

دوسری چیز یعنی یاددہانی یہ کرانی ہے کہ اس شمارہ سے اسکے سال کا نصف دوم شروع ہوگا لہٰذا جن احباب نے چندہ صرف نصف سال کا ارسال فرمایا ہے وہ بقیہ نصف کا چندہ جلد ارسال فرمادیں۔

حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ ۳۰ جون کو بمبئی تشریف لے گئے رمضان شریف کے بعد جلد ہی الہ آباد تشریف لادیں گے اسکی اطلاع آنے پر کردی جائیگی

(ادارہ بقلم جامی)

۶۵ - علامات قیامت

فرمایا کہ ـــــــ ترمذی شریف میں علامات قیامت کے بیان کے سلسلے میں یہ روایت آئی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میری امت میں پندرہ چیزوں کا رواج زیادہ ہو جائے گا تو ان پر بلا اور مصائب کا آنا شروع ہو جائیگا عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ وہ کیا چیزیں ہیں ؟ آپؐ نے فرمایا کہ جب مال غنیمتؐ کو دولت سمجھ لیا جائے (اور جس طرح دولت جمع اور حاصل کیجاتی ہے اسی طرح لوگوں کو غنیمت مقصود ہو جائے اور اسی کی تحصیل مقصد جہاد بن جائے انا للہ) اور امانتؐ کو لوگ مال غنیمت سمجھنے لگیں اور زکوٰۃؐ کو تاوان اور ڈنڈ تصور کیا جائے انسانؐ اپنی بیوی کی اطاعت کرنے لگے (یعنی خود اپنی کوئی رائے ہی نہ ہو جو کام کرے بیوی سے پوچھکر جو بات کرے بیوی کے مشورہ سے کرے) اور اپنی والدہؐ کی نافرمانی کرے۔ دوست کے ساتھ محبت اور اطاعت کا برتاؤ کیا جائے اور اپنے والدؐ کے ساتھ مخالفت اور ظلم کا۔ مساجدؐ میں بجائے سکون اور خشوع کے لوگوں کی زور زور سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ لوگوںؐ میں سے غیر شریف لوگ لوگوں کے پیشوا نظر آویں۔ لوگوںؐ سے محض انکے شر اور فساد کے اندیشہ سے ڈرا جائے اور اسکی وجہ سے انکا اکرام کیا جائے۔ شرابؐ کی کثرت ہو جائے۔ ریشمؐ کا استعمال (مردوں میں بھی) عام ہو جائے۔ گانےؐ بجانے والی عورتوں کا رواج عام ہو جائے (آج مردوں اور عورتوں کا قوالی گانا اور اسکا مقابلہ آپ کے سامنے ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان علامات قیامت کو علماء کی جگہ گویّے گا گا کر بیان کرتے ہیں انا للہ) اسی طرح آلاتؐ لہو و لعب چنگ و رباب کی کثرت ہو جائیگی (ہر جگہ گانا، ہر چیز میں گانا، جینے میں گانا مرنے میں گانا، عرس و فاتحہ میں گانا، اذان میں گانا، درود و سلام میں گانا آج آپ کے سامنے ہے۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور امت کا عمل ملاحظہ ہو! (انا للہ) اور آخری چیز آپنے یہ ارشاد فرمائی کہ اس امت کے آخر کے لوگ پہلے لوگوں کو برا بھلا کہیں گے۔ (چنانچہ دیکھ لیجئے علمار کا صلحار کا، مشائخ کا حتیٰ کہ حضرات صحابۂ کرام کا فیصلہ آج کسقدر ڈھٹائی کے ساتھ امت نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ اسی لئے اہل حق کا فیصلہ ہے کہ مشاجرات صحابہ میں اسلم اور انسب سکوت ہے)۔ آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب یہ سب چیزیں ہونے لگیں تو سرخ سرخ آندھیوں کا اور زمین کے دھنس جانے کا (اور مصائب کی شدت وتکلیف سے انسانوں کے چہروں کے تغیر ہوجانے کا انتظار کرو۔

اسی طرح سے ترمذی ہی کی ایک دوسری روایت میں قدرے تغیر کے ساتھ آتا ہے حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگ مال غنیمت[۱] کو دولت اور امیری گرداننے لگیں اور دوسروں کی امانت[۲] کو مال غنیمت سمجھنے لگیں اور زکوٰۃ[۳] کو تاوان جاننے لگیں۔ علم[۴] دین کو غیر دین کے لئے حاصل کیا جائے۔ انسان اپنے بیوی[۵] کی تو اطاعت کرے اور اپنی والدہ کی نافرمانی کرنے لگے۔ اپنے دوست کو قریب کرے اور باپ[۶] کو دور رکھے۔ مسجدوں[۷] میں آواز بلند ہونے لگے (خواہ دنیوی باتوں سے یا باہمی اختلاف سے) قبیلہ کا سردار وہ شخص ہو جو سب سے بڑا فاسق۔ امت کا سرداران[۸] میں کا غیر شریف شخص ہو۔ انسان کی بداخلاقی کے ضرر سے ڈرنے اور بچنے کے لئے اس کا اکرام کیا جائے (یعنی قلب میں تو اسکی عظمت اور وقعت نہو مگر بظاہر اسکی خوب خاطر مدارات اور تعریف وتوصیف کیجائے۔ گانے[۱۱] بجانے والیوں کی کثرت ہوجائے۔ آلات[۱۲] لہو ولعب راگ وباجے کی زیادتی ہوجائے۔ شراب[۱۳] خوب آزادی سے پی جانے لگے۔ پچھلے[۱۴] لوگ اگلوں کی برائی کرنے لگیں۔ جب یہ سب باتیں شائع ہوجائیں تو اسوقت سرخ ہوا، زلازل۔ زمین کا دھنسنا، قذف اور ان کے علاوہ دوسرے دوسرے مصائب (مثلاً اولہ باری یا برف باری وغیرہ

کا انتظار کرو جو اس طرح سے مسلسل آ دیں گے جس طرح سے کہ کوئی پرانا ہار یا تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جانے پر اسکے دانے گرنے شروع ہو جاتے ہیں۔

(ترمذی شریف ابواب الفتن)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشگوئی امت کو ایسے وقت سے ڈرایا تھا تاکہ جب ایسے حالات پیش آنے لگیں تو لوگ ڈر جائیں اور ڈر شرعاً وہی معتبر ہے جس میں توبہ و انابت ہو اور حق تعالیٰ سے دعا ر اور اسکی اطاعت ہو)

۶۶۔ جائز اور حق سماع کون ہے؟

فرمایا کہ — مواہب لدنیہ میں ہے کہ سماع کی لذت اور اسکا لطف اس شخص کو بھی حاصل ہو سکتا ہے جو کہ کتاب عزیز یعنی کلام اللہ کو دل کے کانوں سے سنتا ہے۔ خود حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ مومنین مخلصین جب اس کلام کو جو رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا ہے سنتے ہیں تو اسے مخاطب تو انکی آنکھوں کو دیکھے گا کہ وہ حق بات سمجھنے کی وجہ سے اس سے متاثر ہو کر آنسو بہا رہی ہیں۔ صاحب عوارف المعارف فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمکو بھی اس شیریں گھاٹ سے پانی پینا نصیب فرمائے۔ یہ سماع بلاشبہ حق ہے اور حقیقی سماع ہے جس کے جواز بلکہ استحسان میں اہل ایمان میں سے کسی دو کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ یہ شخص ہدایت پر نہیں ہے۔ اور اس میں ہوتا یہ ہے کہ مومن کے شوق کی گرمی اسکے یقین کی ٹھنڈک سے ممزوج ہو جاتی ہے اور اس ٹکرا اور اختلاف کا اثر آنسوؤں کی بارش کی صورت میں نمودار ہوتا ہے کیونکہ کبھی اسکو حزن و غم ہوتا ہے جو ایک گرم شے ہے کبھی شوق ابھرتا ہے وہ ایک گرم شے ہے کبھی اسکو ندامت اور حیار دامنگیر ہوتی ہے وہ ایک گرم شے ہوتی ہے چنانچہ جب سماع (کسی مضمون کا سننا) مومن میں ان صفات میں سے کسی صفت کو ابھار دے اور وہ ایسے قلب میں ابھرے جو یقین کی ٹھنڈک سے

لبریز ہے تو اسکی وجہ سے اسکے لئے رونا اور رلانا ناگزیر ہوجاتا ہے کیونکہ حرارت اور برودت جب باہم مختلط ہوں گی تو پانی ٹپکنے کا نتیجہ لامحالہ سامنے آئے گا۔

پھر یہ سمجھو کہ جب سماع کا اثر قلب میں ہوتا ہے تو کسی کو وہ خفیف ہی ہوتا ہے جس کا اثر بدن میں حرکت کھال میں جھرجھراہٹ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اس قرآن کے سننے کی وجہ سے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی خشیت رکھتے ہیں انکے بدن پر ایک کپکپی طاری ہوجاتی ہے اور کبھی یہ اثر ذرا قوی ہوتا ہے اور بدن سے متجاوز ہوکر قلب و دماغ کو متاثر کردیتا ہے تو اسکی وجہ سے جھرجھر جھر جھرا اسکی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگتے ہیں اور کبھی روح اس سے متاثر ہوجاتی ہے جسکی وجہ سے روح میں ایک تموج اور لہر مسلسل پیدا ہوجاتی ہے جس کے سہارے کی طاقت سے بعض مرتبہ جسم قاصر رہ جاتا ہے اور روح پرواز کرجاتی ہے اور کبھی یہ تموج کچھ کم ہوا تو انسان کے چیخ نکل پڑتی ہے اور اسکی وجہ سے بیقرار ہوکر آدمی لوٹنے لگتا ہے اور اصحاب حال پر یہ سب حالات طاری ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کبھی اپنے معمولات کی ادائیگی کے وقت تلاوت کرتے کرتے کسی ایک آیت پر اس طرح سے گذرتے تھے کہ آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری ہوجاتا تھا اور اسی حال میں آپ گر پڑتے تھے اور پھر ایک دو دن گھر سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے یہانتک کہ لوگ آپ کی علالت کا حال سنکر آپ کی عیادت کرنے کے لئے حاضر ہوتے تھے

اسی طرح جب حضرات صحابہ کسی ایسے مجمع میں جمع ہوتے جس میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی ہوتے تو لوگ فرمائش کرتے کہ حضرت ہمارے رب کی کچھ یاد ہمکو دلائیے پھر آپ تلاوت شروع کرتے اور سب کے سب محو ہوکر سنتے پس قرآن سنکر وجد اور کیف حاصل کرنے والے کی لذت و حلاوت اور اور سرور اس سے کہیں بڑھکر ہے جتنی شیطانی سماع سننے والے کو حاصل ہوتی ہے چنانچہ جب تم کسی انسان کو دیکھو کہ اسکو ذوق اور وجد و طرب اور نشاط

اشعار اور ابیات سنکر حاصل ہوتا ہے اور قرآن اور اسکی آیات سنکر نہیں حاصل ہوتا ہے تو یہ سمجھ لو کہ یہ قوی دلیل اس امر کی ہے کہ اسکا قلب خدا اور رسول کی محبت سے خالی ہے (یعنی رحمانی اور نورانی وجد سے اسکا دور کا بھی واسطہ نہیں یہ سب حظوظ نفس اور شیطانی اثر ہے) اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے اپنی محبت کی حلاوت نصیب فرما دے۔

(ص۱۰ جلد ۲ مواہب لدنیہ)

۶۷۔ تفسیر لاحول ولا قوۃ الا باللہ

فرمایا کہ — جامع صغیر میں علامہ سیوطیؒ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے جنکی کنیت ابن ام عبد تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ آپؐ نے ایک بار ان سے یہ فرمایا (ارے ابن مسعود) کیا میں تم کو لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی تفسیر نہ بتاؤں؟ سنو! اسکا مطلب یہ ہے کہ لاحول یعنی اللہ کی معصیت اور نافرمانی سے مفر نہیں سوا اسکی عصمۃ کے۔ اور ولا قوۃ یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت ادا کرنے کی طاقت نہیں سوا اللہ تعالیٰ کی مدد اور اسکی توفیق کے۔ پھر فرمایا کہ آپ نے یہ فرمایا اے ابن ام عبد اسکی یہ تفسیر مجھ سے حضرت جبریلؑ نے بیان کی ہے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ اب اس تشریح کو پیش نظر رکھنے کے بعد وہ تمام اشکال ختم ہو جاتا ہے جو بوجہ ناواقفیت کے آج عام لوگوں کو اس باب میں ہوتا ہے وہ یہ کہ عام طور سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ لاحول ولا قوۃ الخ یہ ایک کارتوس ہے جس سے شیطان کو مارا جاتا ہے اور اسی لئے انکو شبہ ہوتا ہے کہ اذان میں جب مؤذن کہتا ہے کہ حی علی الصلوٰۃ یا حی علی الفلاح تو اسکا جواب لاحول ولا قوۃ الا باللہ سے جو دیا جاتا ہے تو اسکا اس سے کیا جوڑ ہے؟ وغیرہ وغیرہ حالانکہ اسکا مطلب جاننے کے بعد علم ہوا کہ یہ بھی کلمہ توحید کی طرح

اللہ تعالیٰ پر توکل کے اظہار کا علمبردار ہے یعنی ہم نہ تو معصیت اپنے اختیار سے بجز خدا کی مدد کے ترک کر سکتے ہیں اور نہ کوئی عبادت بغیر اللہ تعالیٰ کی توفیق کے از خود کر سکتے ہیں لہٰذا جب مؤذن نے پکارا کہ آؤ نماز کی طرف، آؤ صلاح کیطرف تو مومن کا یہ وظیفہ ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے دنیوی مشاغل اور معاصی کے ترک کو، اور مسجد جاکر ادائے عبادت کو بس خدا کے حوالہ کرے اور ان کے آگے سپر ڈالدے اسکا انجام یہ ہوگا کہ وہ اپنے اس بندے کو اسکی اس ادا کے صلہ میں توفیق عبادت اور قوت ترک معصیت یا مشاغل عطا فرمائیں گے اس سے معلوم ہوا کہ یہی جواب یہاں متعین تھا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کا فہم عطا فرمادے۔

۶۸۔ مجالس صلحاء میں حاضری کی ترغیب

فرمایا کہ ۔ جامع الصغیر میں علامہ سیوطیؒ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر اس چال اور تدبیر کے موقع پر جو اسلام یا مسلمانوں کو نقصان پہونچانے کے سلسلہ میں کبھی کیجا نب سے چلی جائے اللہ تعالیٰ اپنا کوئی صالح ولی مقرر کردیتا ہے جو اس کو سمجھکر اسکو کاٹ کردیتا ہے اور لوگوں سے ان سب حالات اور تفصیلات اور تمام احتمالات کو بیان کرتا رہتا ہے جس کی وجہ سے لوگ بھی اپنے اس ضرر اور نقصان سے واقف ہو جاتے ہیں لہٰذا تم ایسی مجالس اور محافل میں حاضری کو غنیمت جانو اور حفاظت کرو اور اسکے ذریعہ اپنا بھی بچاؤ کرو اور اپنے کمزور لوگوں کو نقصان میں پڑنے سے بچاؤ۔ اور یہ صرف ایک ظاہری عمل ہے باقی بھروسہ اور توکل ہر حال میں خدا ہی پر کرو کیونکہ خدا ناصر اور معین ہونے کے لئے کافی بھی ہے

(جامع الصغیر ص ۲۲۸ ج ۱)

(بقیہ مکتوب نمبر ۲۶۵)

ال : جو لطف اور کیف ملتا ہے اسکا اظہار بذریعہ زبان مشکل ہے ایک آیۃ بھی ایسی نہیں ہوتی جو کہ آنکھوں کو محبت کے آنسو اور قلب کو رقت دیکر نہ جائے۔ ہر ہر آیت ایک عجیب اثر رکھتی ہے

قیق :۔ خوب الحمد للہ

ل : حضرت والا خوب سمجھ رہے ہیں کہ میں پوری طرح اس حال کو بیان نہیں کر پا رہا ہوں ۔ تحقیق : خوب سمجھتا ہوں

ال : قربان جائیے حضرت والا کی نظر شفقت پر کہ انھوں نے اس احقر کو کتنی بڑی دولت عطا فرمائی ہے ۔ الحمد للہ اب راستہ صاف اور بالکل نزدیک معلوم ہوتا ہے انشاء اللہ چند ہی دنوں میں یہ حالت کہاں سے کہاں پہونچ جائیگی ۔ تحقیق : ضرور

ال : حضرت اس تلاوت کی برکت سے فکر آخرت میں ایسی ترقی پا تا ہوں کہ اس سے پہلے یہ بات نہ تھی ایسی ایسی باتیں سمجھ میں آتی ہیں کہ حیرت میں پڑ جاتا ہوں تحقیق : الحمد للہ۔ خوب ۔

ال : احقر کچھ پڑھا لکھا بھی نہیں ہے مگر ایسی باتیں ذہن میں آتی ہیں کہ ہر بات اللہ تعالے نے سے نزدیک ہی کرنے والی ہوتی ہے ۔ سبحان اللہ کتنا بڑا احسان ہے ہمارے خالق و مالک کا کہ اس نے احقر کا دامن حضرت والا سے وابستہ کر دیا ورنہ اس نعمت عظمیٰ کی خوشبو بھی نہ پاتا ۔

قیق : ظاہر تو یہی ہے ۔

ال : حضرت والا دعار فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس نعمت کو واپس نہ فرمائیں اور یوماً فیوماً ترقی فرماتے رہیں ۔ تحقیق ۔ آمین

ال : الحمد للہ نماز میں بھی خوب جی لگتا ہے ۔ رکوع و سجود میں احسان کا مزہ آنے

لگا ہے۔ جسم کے ساتھ قلب بھی رکوع و سجود کرنے لگا ہے۔
تحقیق: الحمد للہ۔
حال: رکوع اور سجود میں محسوس کرتا ہوں کہ جسم کے ساتھ قلب بھی جھک رہا ہے یونہی نہیں بلکہ اپنے پروردگار کی عظمت و محبت کے ساتھ۔ اس طرح الحمد للہ اپنے مالک کی نماز بھی دل سے ادا کرلیتا ہوں۔ تحقیق۔ الحمد للہ
حال: حضرت والا یہ بات کہ یہی نماز، یہی تلاوت اور یہی ذکر پہلے بھی تھا کہ جس سے لوگوں نے مراتب حاصل کئے ہیں مگر اب چونکہ دل سے نہیں کرتے اس لئے فائدے سے محروم رہتے ہیں اب سمجھ میں یہ بات آئی ہے پہلے عقلاً سمجھتا تھا مگر حالاً نہیں، اب الحمد للہ خوب سمجھ میں آرہا ہے کہ بیشک انھیں چیزوں سے آسانی سے وصل کے مرتبہ پر فائز ہوسکتے ہیں۔ تحقیق: بیشک
حال: حضرت والا سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس احقر کے حالات کو واپس نہ لیں اور روز بروز اس میں ترقی عطا فرماتے جاویں۔ تحقیق: آمین۔

مکتوب نمبر ۲۶۶

حال: الحمد للہ کہ حسب تلقین بعد تہجد دوازدہ تسبیح اور بعد تلاوت فجر مناجات مقبول کی ایک منزل پابندی سے پڑھتا ہوں۔ تحقیق: اللہ تعالیٰ خوب برکت عطا فرمائے
حال: نماز و تہجد میں تو عموماً غفلت ہی کا رفرما رہتی ہے کسی کسی وقت حضور قلب بھی حاصل ہوجاتا ہے۔ تحقیق: یہ بھی بہت غنیمت ہے
حال: تلاوت قرآن میں کبھی لطف آتا ہے اور اکثر خانہ پری ہوجاتی ہے البتہ پہلے تو پابندی سے دل اکتاتا تھا اب بفضلہ ناغہ نہ کرنے کا جی چاہتا ہے۔
تحقیق: یہ غفلت دور ہوجائیگی ذکر کا اثر تو ہونے دیجئے۔ ذکر کے سامنے غفلت کیا چیز ہے۔ یہ بھی اثر کی دلیل ہے یعنی دل اس سے بھی متاثر ہے۔

حال: پہلے نماز کو بھی ایک بوجھ سمجھ کر پھینکنے کی کوشش کیا کرتا تھا مگر بحمد اللہ اب نماز پڑھنے کا اہتمام رہتا ہے وقت آنے پر تاخیر کے بجائے تعجیل کی طرف میلان رہتا ہے۔

تحقیق: مبارک ہو۔ یسارعون فی الخیرات یہی ہے۔

(مکتوب نمبر ۲۶۷)

حال: دو کارڈ کل ایک معاملہ کے سلسلے میں لکھ چکا ہوں۔ آج صبح ان صاحب سے صورت حال پر گفتگو ہوئی ایک اور صاحب سے ناخوشی ہوگئی تھی اسکی بنا پر مجھ سے بھی بدگمانی کر بیٹھے حالانکہ نہ تعلق نہ واسطہ کہنے لگے کہ میرا گمان ہی گمان تھا اب صفائی ہوگئی۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: میں نے کچھ کہا نہیں کہ بلا وجہ مجھ سے بدگمان کیوں تھے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کل رات میں دعائیں کی تھیں، اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا حضرت نے ایک بار سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر پڑھا تھا ؎

نا سزائے را چو بینی بختیار	عاقلاں تسلیم کردند اختیار

(نا اہل کو جب تو کسی منصب پر دیکھے تو عاقلوں نے اسوقت تسلیم (اور صبر) ہی اختیار کیا ہے)

یہ نصیحت اکثر اوقات کام آتی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: امن و عافیت کی جو گھڑیاں مل جائیں وہ بمنزلہ خود ہزار نعمت کے ہیں افسوس کہ ہم اس نعمت کی قدر نہیں کرتے اور حرص مال و جاہ کے دام میں گرفتار ہوکر ناشکری کی خطا کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ تحقیق: بیشک۔

حال: کل سے عافیت کی گھڑیوں کی قدر معلوم ہوئی۔ رات کا بیشتر حصہ عبادت میں گذارا اور ذکر ۲۰ ہزار سے اوپر ہی کر ڈالا۔ تحقیق: الحمد للہ شکر ڈالا کا کیا مطلب ہے

حال: اور آج دن میں نہ نیند آئی نہ کچہری کے کام کا ہرج ہوا اس سے غفلت اور نفس کی شرارت کا علم ہوا کہ اگر یہ تازیانۂ غیبی نہ ہوتا تو نہ تو اسکی عشر عشیر عبادت

ہوتی نہ اس قدر ذکر و فکر و تعلق مع اللہ کے اوقات نصیب ہوتے گویا اسقدر
زندگی کا حصہ قوی ترین معیت مع اللہ میں گذرا۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: پس حاصل یہ نکلا کہ یہ بوجہ غفلت اور سرکشیٔ نفس ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ نسبت
مع اللہ کا درجہ جسکی تمنا میں عمر بھر سے لگے ہوئے ہیں اسکا حاصل کرنا ہماری
سعی و امکان سے شاید باہر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محض تمنا ہی کو ہم نے ارادہ
اور سعی و عمل کا مرادف ٹھہرالیا ہے اور اس بے حسی پر ساری عمر سے قانع
ہیں اسی لئے معرفت کی ہوا بھی نہیں لگتی۔ تحقیق: بالکل صحیح ہے۔
حال: معرفت ایسی سستی چیز نہیں ہے کہ ہر ہوا پرست، نفس پرست و غفلت کیش
انسان اسے پالے گو طلب و ارادہ کا نام بھی نہ ہو۔ تحقیق: بیشک
حال: اپنی غفلت کیشی، نفس پروری کے سال کے سال اس واقعہ کی وجہ سے
سامنے آگئے۔ نفس نے سبق پڑھا رکھا تھا کہ بس ہفتہ عشرہ میں حضرت والا
کو خط لکھدیا کرو کبھی کچھ اچھا خواب نظر آئے لکھدیا کرو یا کوئی حاجت ہوا سکے
لئے دعا کرالو بس الحمد اللہ خیر سلا۔ نہ فکر ہو نہ جائزۂ غفلتِ نفس ہو، نہ اوقات
کا نظم و ضبط ہو، نہ کسی آن خلافِ نفس کام کرنے کا عزم ہو نہ ہمت تو اللہ تعالیٰ
کی پہچان محض ۵ منٹ یا ½ گھنٹہ بے توجہی سے تسبیح گردانی سے نہیں ہوسکتی
اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں نے کس دل سے اللہ تعالیٰ کو چاہا ہوگا کیسی
کچھ زندگی خلاف نفس میں گذاری ہوگی، دل میں کس درجہ تمنائے نفس کا خون
ہوا ہوگا، مباحات کا بھی اکثر و بیشتر حصہ اس زندگی میں اپنے ارادہ سے
ترک کرکے یاد مولیٰ میں لگے ہونگے تب جاکر سوزش دروں کو ہوا لگ کر
معرفت کی چنگاری شعلہ زن ہوئی ہوگی۔ تحقیق: بیشک
حال: یہاں معصیت اور تردامنی سے پُر اور سرتا پا نفس و شیطان کے کہنے پر ہمہ وقت
سرگرم عمل اور ماسوا اللہ کی طرف دل و جان سے قربان اور اللہ و رسول کے فرمان
کی بجاآوری سے دل موڑے ہوئے اور انکی محبت بلکہ اسکے طلب و تقاضہ

سے یکسر خالی رہ کے بھی نہ صرف اپنی غفلتِ سراسر پر قانع ہی ہیں بلکہ گمان غالب اپنے متعلق اللہ کے نیک بندوں کے زمرہ میں ہونے کا رکھتے ہیں العیاذ باللہ ؎ بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا ۔ تحقیق : ہے تو یہی بات

حال : ان چند گھنٹوں کی پریشانی نے دل و جان کو سوخت تو کر ڈالا مگر الحمد للہ ثم الحمد للہ بڑا سبق دیا ۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : اللہ تعالیٰ اس علم کو عمل سے متواصل بالدوام کر دیں اور اپنی مرضیات سے لمحہ بھر غافل نہ رکھیں نہ منہیات کی طرف لمحہ بھر کو جانے دیں اور اپنی یاد و ذکر و فکر سے ہر ہر لمحۂ حیات کو پُر کر دیں اور شاکر و صابر بندہ بنا لیں ۔ آمین

تحقیق : آمین ۔

حال : حضرت دعا فرما دیں کہ غفلت اب دور ہی رہے اور نفس و شیطان کے دام سے رہائی رہے اور نہ آئندہ ایسی آزمائش درپیش ہو ۔

تحقیق : آمین ۔ دعا کرتا ہوں ۔

(مکتوب نمبر ۲۶۸)

حال : حضرت والا کی و نیز تمام اہل و عیال کی اور خانقاہ والوں کی خیریت خداوند کریم سے نیک چاہتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پھر جلد ہی اس نالائق کو اس منور و مقدس ہستی کی زیارت کرا دیں جنکا ذکر تعلق مع اللہ کو زیادہ کرتا ہے اور قلب کو نور اور حیات بخشتا ہے ۔

تحقیق : اللہ تعالیٰ مجھکو ایسا ہی کر دے

حال : جن سے تھوڑی سی بھی ناقدری اس نعمت عظیم کی ہوئی وہ سلب ہو گئی ۔ اور جو قدر داں ہیں وہ پا رہے ہیں اور آ رہے ہیں ۔ تحقیق : بیشک

حال : حضرت اقدس میں نادم ہوں اور روتا ہوں مجھ کو کوئی سبیل الٰہ آباد میں مستقل رہنے کی سمجھ میں نہیں آ رہی ہے حضرت دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ وہیں کوئی ذریعہ نکال دیں

تحقیق: دعا کرتا ہوں

حال: ایک بات بہت زیادہ قابل شکر ہے اور اسلئے قابل ذکر بھی ہے اور میں تو اسکو حضرت اقدس ہی کی کھلی ہوئی برکت اور کرامت سمجھتا ہوں کہ یہاں آکر ہر طرح کی آسانی نصیب ہوگئی مکان فوراً مل گیا جو مسلمانی بستی میں ہے اور آفس کے بالکل قریب ہے۔ آفس اور مکان کے قریب ہی مسجد پڑتی ہے جس سے نماز باجماعت پڑھنے میں سہولت ہے۔ حضرت والا کے ارشاد کے مطابق آفس کے لوگ نہایت ہی مہربان ثابت ہوئے۔ پہلے عدم سکون کیوجہ سے معمولات میں ہرج ہوا اب آسانیوں کی وجہ سے قلب کو کچھ اطمینان ہوگیا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: دعا فرمائیے کہ اب کام ہونے لگے اور غفلت نہ ہونے پائے۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں

حال کیونکہ اب یہاں نہ رہبر ہے نہ راستے کے ساتھی جس سے طبیعت آزادی کی طرف بھاگتی ہے۔ تحقیق: اللہ تعالیٰ بچا دے۔

(مکتوب نمبر ۱۶۹)

حال: احقر کے معمولات بحمد اللہ بخوبی مستعدی کے ساتھ انجام پا رہے ہیں۔ رمضان مبارک کے اخیر عشرہ میں حضرت والا نے قرآن پاک کی تلاوت کے بارے میں بڑے شد و مد سے توجہ دلائی کہ چاہے تھوڑا ہی قرآن پاک کی تلاوت کیا کرو مگر قلب کو متوجہ کرکے کیا کرو۔ یہ بات بالکل اچھی طرح سمجھ میں آگئی ہے اور ذہن نشین بھی کرلیا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: احقر نے روزانہ اس طرح اپنا معمول بنالیا ہے۔ تلاوت کے وقت کچھ دنوں تک قلب کو متوجہ پا رہا تھا مگر ایک دن کچھ کوتاہی معلوم ہوئی تو اسی دن دوبارہ سہ بارہ اسی آیت کو پڑھنے سے قلب متوجہ ہوا۔ اب الحمد للہ برابر قلب کو شامل کرتے ہوئے کلام پاک کی تلاوت کر رہا ہوں۔ تحقیق: الحمد للہ۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کلام پاک کی تلاوت قلب کو شامل کر کے کرنے سے احقر اپنے اندر کھلی آنکھ بہت فائدے دیکھ رہا ہے بہت سی کوتاہیاں اور کمزوریاں اس کلام پاک کی برکت سے زائل ہوگئیں اب الحمدللہ ہر حالت میں قلب کو متوجہ پا رہا ہوں۔

تحقیق:۔ الحمدللہ

حال: جب نماز کی نیت کر کے کھڑا ہوتا ہوں تو اس وقت ایک عجیب چیز قلب کو حرکت دے کر متوجہ و چوکنا کر دیتی ہے۔ جب کلام پاک کی آیتیں پڑھنا شروع کرتا ہوں تو قلب ہر ہر حرف کو جذب کرتا رہتا ہے۔ کان کلی محبت کے ساتھ سنتا رہتا ہے اسی طرح کرنے اور سجدہ سے اٹھنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور عظمت قلب میں پاتا ہوں۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: دعا کے لئے جب ہاتھ اٹھاتا ہوں تو اپنے کو ایک مسکین اور غریب کی سی حالت میں پاتا ہوں اور احقر اللہ تعالیٰ سے رو رو کر دعائیں کرتا ہے اور دیر تک کرتا رہتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: آنکھ اپنے خالق و مالک کو راضی کرنے میں آنسو بہا دیتی ہے۔ قلب متاثر رہتا ہے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ حضرت والا کی خاص توجہ کی برکت کا اثر ہے کہ احقر اپنے کو پہلے کی بہ نسبت بہت اچھا دیکھ رہا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: نیک کام دل سے کرنے کا احساس اور برے کام سے نفرت قلب میں پا رہا ہے قلب ہر وقت اللہ اللہ کرنے میں لگا رہتا ہے۔ دفتر آنے جانے میں اور دفتر میں کام کرتے وقت قلب کو اللہ اللہ کرتے ہوئے پاتا ہوں۔ اس اللہ اللہ کے کہنے میں راستے میں نظر اوپر نیچے اٹھنے نہیں پاتی نیچی ہی نظر پاتا ہوں۔ تحقیق۔ الحمدللہ

حال: اللہ تعالیٰ نے حضرت کے سایہ کو قائم رکھے اور تمام مسلمانوں کو حضرت کے فیوض و برکات سے سیراب و شاداب فرماوے۔ تحقیق: آمین

حال: حضرت والا سے التجا ہے کہ حضرت والا خاص وقت میں اللہ تبارک و تعالیٰ

سے دعا فرما دیں کہ احقر کو جو دولت ملی ہے وہ قائم و دائم رکھیں اور روز بروز ترقی ہو۔ تحقیق - آمین۔

(مکتوب نمبر ۲۷۰)

حال: حضرت والا تلاوت قرآن بالکل چھوٹ گئی تھی، سبب یہی تھا آنکھوں میں اندھیرا سر میں چکر اور نفس کا مغالطہ بھی تھا۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تلاوت سے کچھ نہیں ہوتا تھوڑا پڑھو مگر دل لگا کر اور سمجھ کر تو زیادہ فائدہ ہوگا۔ پندرہ روز سے تلاوت شروع کی ہے۔ تحقیق: خوب کیا۔

حال: یہ سمجھ کر کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ______ حضرت والا عجیب کیفیت پیدا ہوتی ہے اشک جاری ہو جاتے ہیں، کبھی سر پر رکھتا ہوں کبھی چومتا ہوں کبھی سینے سے اور کبھی آنکھوں سے لگاتا ہوں۔

تحقیق: الحمد للہ۔ بارک اللہ۔

حال: حضرت والا پر قربان جاؤں خوب دل لگتا ہے

تحقیق: الحمد للہ

حال: اور حضرت والا نے کیسے کیسے آسان نسخے رب العلا سے تار جوڑنے کے بیان فرمائے ہیں۔ اللہ اکبر۔ تحقیق: بیشک

حال: حضرت والا دعا فرمائیں کہ خدائے قدوس کی یاد قلب میں پیوست ہو جائے

تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: آجکل حضرت والا جب گھر سے مجلس کے لئے چلتا ہوں دعا کرتا ہوا چلتا ہوں کہ یا اللہ دین کی فہم عطا فرمائیے۔ تحقیق: خوب بات سمجھ میں آئی۔

حال: حضرت والا کے ارشادات سے خوب مستفیض ہوتا ہوں۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: حضرت والا دعا فرمائیں کہ دین کی دنیا کی عقل سلیم عطا ہو اور حضرت والا کے ارشادات پر عمل کی توفیق ہو۔ تحقیق: آمین۔ دل سے دعا کرتا ہوں

۱- مولانا افتخار الحق صاحب - امام مسجد مولوی سبحان اللہ صاحب مرحوم -
[illegible]فرا بازار گورکھپور - آپ حضرت مولانا عبد الغفار صاحبؒ تلمیذ حضرت مولانا گنگوہیؒ
کے صاحبزادے ہیں - والد صاحب کا قیام مئو میں تھا غالباً مولوی حبیب الرحمان
صاحب اعظمی نے ان سے پڑھا بھی ہے - بڑے ذی استعداد ذی علم اور بزرگ
[illegible]ں تھے - راقم نے خود حضرت اقدس سے سنا فرماتے تھے کہ کسی مسئلہ پر ایک نہایت
ہی محققانہ مقالہ آپ کا حضرت مولانا تھانویؒ کی نظر سے گذرا حضرت نے فرمایا کہ
[illegible]س مضمون کو پڑھتا جاتا تھا اور دل باغ باغ ہوتا جاتا تھا سوچتا رہا کہ مئو میں کون
صاحب ایسے ہیں جنکا یہ مضمون ہو سکتا ہے اور سمجھ میں نہ آیا آخر میں جب نام
دیکھا تو میں نے کہا کہ بیشک مولانا عبد الغفار صاحب ہی ایسا مضمون لکھ سکتے تھے
[illegible]یس کا حق تھا -

ہم نے تو گورکھپور میں جب بھی دیکھا مولوی سید وصی الدین صاحب کو اور مولوی
[illegible]ختار الحق صاحب کو ساتھ ہی دیکھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ دونوں ایک
جان دو قالب ہیں - بہر حال اہل گورکھپور کے اکثر لوگوں کی اصلاح میں ان دونوں
حضرات کی نمایاں کوششیں شامل تھیں شہر کا ایک گوشہ ایک صاحب سنبھالے ہوئے
تھے اور دوسرا دوسرے صاحب لئے ہوئے تھے - اب مولوی وصی الدین صاحب
کا تو انتقال ہو گیا ہے اللہ تعالیٰ مولوی افتخار الحق صاحب کی عمر میں برکت عطا فرمائے
حضرت اقدس کو خوش رکھتے تھے اور بڑے باپ کے بیٹے ہونے کے ناطے
حضرت بھی ان سے بہت محبت اور پیار فرماتے تھے - اللہ تعالیٰ مولانا موصوف
سے حضرتؒ کی تعلیمات کی اشاعت کا خوب خوب کام لے اور حضرت ہی کے
طریقہ پر چلا دے - آمین -

۱- حکیم مولوی وصی احمد صاحب - مالک علی گڈھ دواخانہ گورکھپور - محترم سے
راقم کی پہلی ملاقات سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم میں ہوئی تھی میرے ہم سبق
[illegible]نہ تھے البتہ ہم قرن تھے پھر اسکے بعد انھوں نے علی گڈھ جا کر طب پڑھی اور

آکر طلب فرماتے تھے اپنی طبعی ذہانت کی وجہ سے نوعمری کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں گورکھپور کی ہر مجلس اور ہر میٹنگ میں نمایاں مقام عطا فرمایا۔ انجمن اسلامیہ سے بھی خاص تعلق رہا اور حضرت اقدس کے حالات گورکھپور میں تو آپکا ایک اہم باب ہی ہے جو آگے ناظرین کی نظر سے گذرے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

۲۔ حکیم ابوالکلام صاحب مدظلہ۔ آپ دہلی کے طبیہ کالج سے غالباً فارغ تھے۔ نہایت ہی مہذب شائستہ کم سخن اور باوقار شخص تھے حضرت کی خدمت میں ایک بار کسی طرح آگئے پھر تو حضرت ہی کے ہو گئے۔ حضرت کو بھی انکی تواضع، ادب اور مسکنت پسند آگئی۔ چنانچہ معمول یہ بن گیا کہ صبح و شام کی تفریح میں حکیم ابوالکلام صاحب ہی رکشہ پر حضرت کے ہمراہ آیا جایا کرتے تھے۔

ایک بات یہاں اور واضح کردوں جو بار بار آئیگی اور ہر نئے مقام پر آئیگی اور علم نہونے کے سبب سے منشاء غلط فہمی بن سکتی ہے وہ یہ کہ حضرت اقدس کی تفریح عام لوگوں کی تفریح کیطرح نہ ہوتی تھی بلکہ صبح و شام کی تفریح جو یہاں بالعموم رکشہ پر ہوتی اس میں حضرت اپنے تلاوتِ قرآن کا معمول پورا فرماتے۔ لوگوں کے مجمع میں سکون کے ساتھ موقع نہ ملتا اسلئے شہر سے کہیں دور پر چلے جاتے اور آتے جاتے میں مقدار معینہ تلاوت فرمالیتے تھے پھر بعد اسکے رفیق سفر سے گفتگو بھی فرماتے یہی حضرت کی تفریح ہوتی تھی۔

جناب حکیم صاحب ایک زیرک اور فہیم شخص تھے نیز اہل شہر کی نظروں میں بھی باعزت اور خود شہر میں شہرت یافتہ شخص تھے اور حضرت مصلحۃً اپنے ساتھ ایسے ہی شخص کو رکھنا پسند فرماتے تھے جو شہر والوں میں شناسا ہوا اور قدرے جاہ و عزت بھی رکھتا ہو اسلئے کہ اہل حق کے مخالف کم نہیں ہوتے بالخصوص نئی جگہ اور نئے شہر میں جہاں کسی سے یہ حضرات واقف نہ ہوں ایک ایسے آدمی کا ساتھ رہنا عقلاً بھی ضروری تھا جس کو لوگ احترام اور وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں خواہ وہ عظمت دنیوی جہت سے ہو یا دینی۔

اور حضرت والا خود بھی اسبات کو بڑے اہتمام کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ حضرت تھانویؒ کے زمانہ میں خود اپنے لوگوں میں سے بعض اہل علم کو یہ اعتراض تھا کہ حضرت جہاں تشریف لیجاتے ہیں تو امراء اور کسی صاحب جاہ ومنصب ہی کے یہاں قیام فرماتے ہیں کسی غریب مسلمان کے یہاں خواہ وہ حضرت کا کتنا ہی محب ہو نہیں ٹھیرتے، حضرت ایسا کیوں کرتے ہیں؟ (راقم عرض کرتا ہے کہ وہ تو خیریت یہ ہوئی کہ حضرت مولانا تھانویؒ اپنے خلوص میں ضرب المثل ہو چکے تھے ورنہ تو شیطان نے ایسے حضرات کے بارے میں دنیا طلبی اور امراء نوازی کا الزام لگانے میں یہ ایک بڑا کامیاب ہتھیار یعنی وسوسہ ان حضرات کے دل میں ڈالا ہی تھا) ہمارے حضرت فرماتے تھے کہ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ خود وہی معترض صاحب جو بڑے آدمی تھے ایک جگہ تقریر کے لئے گئے اور کسی چھوٹے سے عربی مدرسہ میں ٹھہرے تقریر ہوئی لیکن اہل بدعت نے مدرسہ کو گھیر لیا مولوی صاحب پر حملہ کے ارادہ سے، اب مدرسہ والے بھی پریشان اور پبلک میں بھی اکثریت مخالفین ہی کی تھی سب حیران تھے کریں تو کیا کریں؟ اس شہر میں حضرت مولانا تھانویؒ کے ایک خاص خادم جو شہرت بھی رکھتے تھے اور با اثر بھی تھے رہتے تھے انکو کسی طرح اطلاع ہوگئی کہ فلاں مولانا صاحب کو اہل بدعت نے فلاں جگہ گھیر رکھا ہے بس فوراً اپنی ٹمٹم پر تشریف لائے اور مجمع کے درمیان سے گذرتے ہوئے مدرسہ کے پھاٹک پر ٹمٹم روک کر وہیں سے آواز دی کہ مولانا تشریف لائیے۔ لوگوں نے دیکھا کہ ارے یہ تو فلاں حاجی صاحب ہیں۔ مولانا کو اطلاع کیا مولانا تشریف لائے اور ٹمٹم پر بیٹھکر مخالفین کے اسی مجمع میں سے ہوتے ہوئے نکل گئے اور کسی کو کچھ بھی کہنے سننے کی ہمت ہی نہیں پڑی اسکے بعد وہ مولانا صاحب خود فرماتے تھے کہ اجی آج حضرت تھانویؒ کے کسی اہل منصب اور جاہ وجلالت نیز صاحب جاہ شخص کے یہاں قیام فرمانے کی علت سمجھ میں آگئی اور واقعی موٹی سی بات ہے کہ بڑا آدمی بس اشاروں ہی اشاروں سے

بڑے سے بڑے فتنہ کو رفع کر سکتا ہے اور چھوٹا آدمی اگرچہ محب ہی کیوں نہ ہو کسی فتنہ کو تو رفع نہیں کر سکتا بیش از بیش اپنی جان جوکھوں میں ڈالدیگا تو اس سے کیا ہوا؟

راقم عرض کرتا ہے کہ حل یہ نکلا کہ بزرگوں کے معمولات پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ بات قدرے طویل ہو جائیگی لیکن ہے بڑے لطف اور تجربہ کی اور بڑے ہی کام کی اسلئے اس قسم کا ایک اور واقعہ حضرت اقدس سے سنا ہوا اور سن لیجئے

فرمایا کہ مولانا تھانویؒ پر اپنے بھی لوگوں کو (بلکہ کبھی یہ بھی فرمایا کہ حضرات اہل دیوبند میں سے بعض کو) یہ اعتراض تھا کہ کسی کی دعوت پر ہم لوگ تو تنہا چلے جاتے ہیں اور مولانا تھانویؒ کا اصول یہ ہے کہ یوں فرماتے ہیں کہ آپ کے یہاں سے کسی شخص کو آنا چاہئیے وہ آوے اور آکر مجھے اپنے ہمراہ خود لے چلے تب سفر کر سکتا ہوں۔ لوگ کہتے تھے کہ بلا وجہ لوگوں کا دُہرا کرایہ خرچ کراتے ہیں (مگر یہ پہلے زمانہ کا اعتراض تھا جبکہ علماء تیسرے درجہ میں سفر کیا کرتے تھے اور اب تو ایک فرسٹ کلاس کا اور ایک سرونٹ کے کرایہ کا مطالبہ عام سا ہو گیا ہے) حضرت فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان معترضین کو بھی اس فعل کی مصلحت سمجھا دی اس طرح سے کہ ایک مرتبہ دہلی سے کوئی رئیس حاجی حبیب ... دیوبند آئے لوگوں سے تعلقات تو تھے ہی اسلئے ان سے سب روشناس تھے انھوں نے چند حضرات سے درخواست کی کہ فلاں تاریخ کو آپ لوگ دہلی تشریف لائیں اور غریب خانہ پر ماحضر تناول فرمائیں تو کرم ہوگا میرا آدمی اسٹیشن پر موجود ملے گا موٹر بھی آجائیگی مکان پر آپ لوگ بآسانی پہونچ جائیں گے۔ سب لوگوں نے وعدہ کرلیا۔ وہ دن آیا ٹکٹ لیکر لوگ دہلی تشریف لے گئے اور پلیٹ فارم پر اتر کر میزبان کے خادم کو تلاش کرنے لگے ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک کئی بار گاڑی دیکھ ڈالی مگر کہیں کسی کا پتہ نہیں تھا۔ گاڑی جب پلیٹ فارم سے چلی گئی تو اب سب لوگوں نے سر جوڑ کر سوچنا شروع کیا کہ کرنا کیا چاہیئے؟ آپس میں ایک نے دوسرے سے دریافت کیا کہ اجی ان حاجی

صاحب کا نام کیا ہے جہاں چلنا ہے لوگوں کو بس حاجی جی کے علاوہ نام بھی نہیں
معلوم تھا پھر کسی نے پوچھا کہ اچھا کس محلہ میں چلنا ہے وہیں چلکر شاید پتہ لگ جائے
لطف یہ کہ محلہ کا نام بھی کسی کو معلوم نہیں تھا کہ جانا کہاں ہے۔ اب معلوم نہیں
واپسی کا کرایہ بھی پاس تھا یا نہیں لیکن یہ تو یقینی تھا کہ کسی کے پاس ایک چادر
بھی نہ تھا کہ بچھا کر اسی پر بیٹھ رہتے۔ حضرت اپنے لفظوں میں فرماتے تھے کہ
ں لوگ شیروانی پہن پہن کر پلیٹ فارم پر ٹہل رہے تھے اور نہ جائے رفتن
پائے ماندن کا مصداق ہو رہے تھے۔ جب خوب تھک گئے تو ہوش آیا اور انہیں
سے کسی نے کہا کہ بھائی حضرت تھانویؒ کا معمول بالکل صحیح اور تجربہ پر مبنی ہے
ایک آدمی کو سفر میں ہمراہ ہونے کے لئے بلاتے ہیں آج اگر ایسا ہم بھی کئے ہوتے
یہ مصیبت نہ آتی بس جیسے ہی یہ ریزولیشن پاس کیا ویسے ہی سامنے سے
ایک شخص ہانپتا کانپتا ہوا آیا اور کہا کہ آپ لوگ دیوبند سے تشریف لا رہے
ہیں اور آپکو فلاں حاجی صاحب کے یہاں جانا ہے نام سنکر سب نے کہا ہاں ہاں!
وہیں جانا ہے اس نے کہا معاف فرمایئے گا حاجی صاحب نے مجھ سے ابھی ابھی
بتایا ہے اور یہ فرمایا کہ ایسے گاڑی آئے ہوئے تو دیر ہو گئی میں بالکل ہی بھول
گیا تھا جاؤ جلدی جاؤ تو آپ حضرات تشریف لے چلئے موٹر حاضر ہے۔
سبحان اللہ کیا خوب واقعہ ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کس کس طرح تنبیہ
ہوا کرتی ہے۔ لیکن ان واقعات سے عبرت لینے والے کہاں ہیں؟ کس قدر
حکمت و دانش پر حضرت تھانویؒ کے یہ دونوں اصول مبنی تھے لیکن اہل دنیا کو
ان پر بھی اعتراض تھا۔

بات دور جا پڑی عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرتؒ اپنے ساتھ کسی باا ثر آدمی
کیوں لے چلتے تھے امید کہ موجودہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ مسئلہ بے غبار ہو گیا
ہوگا۔ بس یہی مصلحت جو گورکھپور میں حکیم ابوالکلام صاحبؒ بعد میں کبھی کبھی مولوی
عبداللہ صاحب یا حکیم وصی احمد صاحب کے برادر بزرگ ولی محمد صاحب کو ہمراہ

سے لینے کی تھی وہی وجہ الہ آباد میں کبھی ڈاکٹر صلاح الدین احمد صاحب کو اور کبھی عبدالمجید صاحب مالک اسرار کریمی پریس کے لینے کی تھی اور یہی بمبئی میں ڈاکٹر محمد اسحٰق صاحب یا بھائی احمد کو ساتھ رکھنے کی تھی کیونکہ دوست دشمن کس کے نہیں ہوتے اللہ والوں کے مخالف بھی بہت سے بدذات اور بدقسمت قسم کے لوگ ہو جاتے ہیں اور کیوں نہ ہوں جبکہ انبیاء کی جماعت اس سے نہ بچ سکی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ اور ہم نے اسی طرح سے ہر نبی کے لئے دشمن بنا دیئے ہیں شیاطین الانس میں سے بھی اور شیاطین الجن میں سے بھی۔ لہٰذا اسباب کے درجہ میں اپنا تحفظ اختیار کر لینا مطلوب شرعی تھا اور اسی پر حضرت اقدس کا عمل تھا۔

زمانہ قیام گورکھپور تک تو حکیم ابوالکلام برابر حضرت اقدس کی خدمت میں آتے رہے پھر وہاں سے جب حضرت الہ آباد تشریف لائے تب بھی وہ ایک دو بار یہاں آکر ملے ہیں اسی دور کا ایک خط ہے اسکو بھی بطور یادگار ہی کے سن لیجئے

(خط حکیم ابوالکلام صاحب بنام حضرت مصلح الامۃ رح)

حال:۔ الہ آباد کی واپسی کے بعد حضرت والا کی خیریت برابر ہی ملتی رہی جس سے ایک گونہ اطمینان سا رہا ادھر کچھ غیر معمولی مصروفیت اور گوناگوں مشاغل بلکہ سچ تو یہ ہے کہ غفلت اور کاہلی ہی کی بنا پر حضرت والا کی خدمت میں کوئی عریضہ ارسال نہ کر سکا جس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔

تحقیق: آپ کی تسلی کے لئے معافی کا لفظ لکھے دیتا ہوں ورنہ آپکی محبت کا مجھے یقین ہے کہ آپ مجھکو فراموش نہ کریں گے

حال: گورکھپور کے قیام میں حضرت والا نے جس الطاف و اکرام محبت و شفقت سے اس عاجز اور گنہگار کو نوازا اسکے لئے حضرت والا کا کس طرح شکریہ ادا کروں سوا اسکے کہ حضرت والا کا جو پیغام اور اصلاح امت کے لئے

جو طریقہ کار ہے اس پر عمل کروں اور دوسروں تک پہونچاؤں۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ عمل خیر کی توفیق عطا فرمائے اور سیہ کاریوں اور خطاؤں سے درگذر فرمائے

تحقیق: کیا خوب بات آپ نے لکھی ہے۔ بہت پسند آئی بس یہی کیجئے یہی طرح خیر ہے خیر لازمی اور خیر متعدی۔ آمین۔ آمین۔

حال، حضرت والا خاص طور سے میرے لئے دعاء فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ میرے قلب کو خوف خدا اور فکر آخرت سے معمور فرمائے

تحقیق:۔ اللہ تعالیٰ خوف خدا اور فکر آخرت سے قلب کو معمور فرمائے

ماشاء اللہ کیا عمدہ خط ہے اس سے حکیم صاحب موصوف کی زندہ دلی استعداد قلبی، خوف خدا پیدا ہونے کی فکر اور فکر آخرت سے معموری قلب کا شوق معلوم ہوا کسی بزرگ سے کسی کو جو چیزیں حاصل ہوا کرتی ہیں وہ آخر یہی چیزیں تو ہوتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قلب نے پورا نفع حضرت اقدس کی صحبت کا اٹھالیا تھا لیکن ذاتی اور قومی مشاغل دنیویہ اور اختلاط عوام نے اس لگائے ہوئے پودے کا ناس مار دیا یوں بھی حکیم صاحب کا کچھ قومی اور عوامی مشاغل سے تعلق تھا اور مطب تو بہر حال کار منصبی ہی تھا اس لئے مجلس میں انکی عدم شرکت کی تلافی شیخ کامل نے تو صبح شام کی تفریحی معیت سے پوری ہی فرمادی تھی اور دل میں اللہ تعالیٰ کی لو بھی لگ گئی تھی مگر اچانک فراق کی ہوا چل گئی اور اس نے اسے بالا اور رہونے دیا کیونکہ اسکے بعد پھر ملاقات یا مکاتبت کا پتہ نہ چل سکا۔ اللہ تعالیٰ ان کے حال وبال میں ترقی عطا فرماوے آمین اور ان کے جذبات دلی کو بروئے کار لاوے اور حضرت اقدس کی اس دنیوی معیت کو آخرت کی معیت کا پیش خیمہ بنادے۔ آمین

۷۔ جناب قاضی محمد شکیل صاحب عباسی ندوی۔ آپ جناب عدیل عباسی صاحب کے برادر خورد ہیں۔ میاں صاحب جارج اسلامیہ کالج گورکھپور میں اردو فارسی کے مدرس تھے۔ ذی علم اور فہیم شخص تھے اس لئے حضرت اقدس کی صحیح قدر پہچانی

بیعت ہوئے مجلس میں آنے جانے لگے اور اپنی خداداد استعداد ظاہری اور باطنی کی وجہ سے حضرت سے بہت زیادہ قریب ہوئے یوں ظاہری آنا جانا تو زیادہ نہوتا تھا بس ضابطہ ہی کا تھا لیکن احوال سے خاص رابطہ کا پتہ چلتا ہے۔ حضرتؒ کے محب تھے اور حضرتؒ کو بھی محبوب تھے۔

آپ ہی کا وہ واقعہ ہے کہ ایک دن مجلس والا سے واپسی میں ان کے کوئی دوست ملے انہوں نے دریافت کیا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں مولوی شکیل صاحب نے فرمایا کہ گلستاں بوستاں کا سبق پڑھکر آرہا ہوں۔ (اسدن حضرت والا نے مجلس میں انھیں کتابوں کے مضامین بیان فرمائے تھے) ان کو تعجب ہوا کہ مولوی صاحب نے تو نجانے کتنوں کو گلستان بوستان پڑھا دیا ہے آج یہ کیا فرمارہے ہیں کہ پڑھکر آرہا ہوں۔ ان کے تعجب کو بھانپتے ہوئے مولوی صاحب نے فرمایا کہ بھائی مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی مجلس سے یعنی چھوٹے قاضی پورہ اور مولوی نثار اللہ صاحب کی کوٹھی سے آرہا ہوں اور آج حضرت مولانا نے گلستان و بوستاں کے بعض مقامات سناکر اسکی جو تشریح فرمائی ہے تو کیا کہنا سبحان اللہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ آج گلستاں پڑھا ہے۔ اسی لئے میں نے آپ سے کہا کہ آج گلستاں پڑھکر آرہا ہوں ۔ یہ جملہ اپنی حقیقت پر تھا اس میں مبالغہ اور مجاز نہ تھا۔ دوسرے دن انھوں نے اس واقعہ کو خود حضرتؒ سے بیان کیا سب لوگ بہت محظوظ ہوئے آپ کو بھی اگر حضرت والا کی نسبت سے مولوی صاحب موصوف سے ملاقات کا اشتیاق ہوگیا ہو تو الحمد للہ مولوی صاحب ابھی بقید حیات ہیں اور اپنے وطن بستی میں رہتے ہیں تاہم اگر ان تک رسائی نہ ہوسکے تو انکی جانب سے کہتا ہوں کہ ؎ ہر کہ و یدن میل دارد در سخن بیند مرا۔ ان کے بعض مکاتیب پیش خدمت ہیں جن سے حضرت والا سے انکا تعلق، محبت و عقیدت آشکارا ہے۔

(باقی آئندہ)

حضرت بنان حمّال رحمۃ اللہ علیہ

آپ سے دریافت کیا گیا کہ احوال صوفیہ کی اصل کیا ہے؟ فرمایا چار چیزیں، اوّل جس چیز کا خود حق تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے اس میں اس پر اعتماد و توکل کرنا (یعنی رزق)۔ دوسرے احکام الٰہی پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ تیسرے قلب کی حفاظت (لایعنی تفکرات سے) چوتھے کونین سے فارغ ہو کر توجہ محض ذات حق کیطرف رکھنا۔

حضرت ابو حمزہ بغدادی قدس سرّہ

فرماتے ہیں کہ جس شخص کو حق کا راستہ معلوم ہو جاتا ہے اس کو اس پر چلنا بالکل سہل ہوتا ہے اور اللہ تک پہونچانے والے راستہ کے لئے کوئی رہبر و رہنما بجز سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و افعال و اقوال میں متابعت کے نہیں ہے۔

حضرت ابو اسحاق رقاشی قدس سرہٗ

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ میں حق تعالیٰ کی نظر میں محبوب ہوں یا نہیں؟ تو علامت اللہ تعالیٰ کی محبت کی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو سب کاموں پر ترجیح دے اور دلیل اسکی حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت فرمانے لگیں گے۔)

حضرت ممشاد دینوری قدس سرہٗ

فرماتے ہیں کہ آداب مرید کا خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ کے احترام و عظمت کا

التزام کرے اور اخوان طریقت کی حرمت کا خیال رکھے اور اصحاب کی قوت میں (زیادہ)
نہ پڑے اور آداب شریعت کی اپنے نفس پر پوری حفاظت کرے

حضرت ابو علی روز باری قدس سرہٗ

آپ سے کسی نے ذکر کیا کہ بعض صوفیاء غناء ومزامیر سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ میرے لئے حلال ہے کیونکہ میں ایسے درجہ پر پہونچ چکا ہوں کہ مجھ پر اختلاف احوال کا اثر نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ اس نے یہ تو سچ کہا ہے کہ وہ پہونچ گیا ہے مگر اللہ تک نہیں بلکہ جہنم تک

حضرت ابو عبداللہ بن منازل رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ جو شخص فرائض شرعیہ میں سے کسی فریضہ کو ضائع کرتا ہے اسکو اللہ تعالیٰ سنن کی اضاعت میں مبتلا فرما دیتے ہیں اور جو شخص سنن کی اضاعت میں مبتلا ہوتا ہے وہ بہت جلد بدعات میں مبتلا ہو جاتا ہے

۴۳۔ زبان اور لباس کا اثر اخلاق ومعاشرت پر

جس طرح جمادات ونباتات اور جڑی بوٹیوں میں حق تعالیٰ نے خاص خاص آثار ودیعت کر رکھے ہیں جن میں سے طبع انسانی کے لئے بعض مفید اور بعض مضر سمجھے جاتے ہیں اور دوا وعلاج اور پرہیز میں انکا لحاظ رکھا جاتا ہے اسی طرح انسانی افعال واعمال میں بھی ہر عمل کے کچھ خواص ہیں جو قرآن وحدیث میں بیان کئے گئے ہیں اور بعض مشاہدات وتجارب سے ثابت ہیں۔

زبان اور لباس اسی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں کہ ان میں حق تعالیٰ نے خاص خاص آثار رکھے ہیں اور اکثر احکام اسلامیہ میں انکا لحاظ رکھا گیا ہے۔
صدیوں کے تجربے اور ہزاروں مشاہدات سے یہ امر درجہ یقین کو

پہونچ جاتا ہے کہ انسان جس قوم کی زبان اور لباس اختیار کرتا ہے اس کے خیالات اور اخلاق نہایت سرعت سے اسکے قلب ودماغ پر چھا جاتے ہیں۔ اس دقیق ربط کی حقیقت کو آپ چاہے سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں مگر نتائج اسکے اسقدر کھلے ہوئے کہ اسکا انکار نہیں ہو سکتا۔

ہمارے اسلاف اس گر سے واقف تھے انھوں نے جب جزیرۃ العرب سے علم ہدایت لیکر عجم کیطرف قدم نکالا تو ہر جگہ اسکا خیال رکھا اور جس طرح اسلام کی اشاعت و تبلیغ کو تمام عالم اسلام پر عام کرنے کی کوشش کی اسی طرح عربی زبان اور عرب کے وضع و لباس کو بھی عام کرنے کی سعی فرمائی اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ شاندار کامیابی حاصل کی کہ عالم میں اسکی نظیر نہیں ایک طرف اگر دنیا کا جغرافیہ بدل ڈالا تو دوسری طرف طبقات و ممالک کی زبانیں بدل ڈالیں۔ اس سے پہلے مصر میں قبطی زبان، عراق و خراسان میں فارسی، بلاد یورپ میں بربری زبانیں رائج تھیں۔ اسلام ان بلاد میں پہونچا تو تھوڑے عرصہ میں ان ممالک کی زبانیں اس طرح بدل گئیں کہ لوگ مادری زبانوں کو بالکل بھول گئے اور ملکی زبانوں کا نام و نشان نہ رہا۔

عربی زبان کے اس عموم و شیوع میں خود اس زبان کی شیرینی اور وسعت و سہولت کو بھی بڑا دخل ضرور ہے لیکن ساتھ ہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ حضرات صحابہ و تابعین کی حکمت عملی اور اہتمام خاص کے بغیر یہ کایا پلٹ ہو جانا ممکن نہ تھا۔

اسی حکمت عملی کا ایک جز یہ تھا کہ یہ اساطین امت جس خطہ ملک میں اترے جب خطبہ دیا تو عربی زبان میں دیا حالانکہ مخاطب اس زبان سے بالکل ناواقف تھے اور یہ حضرات اس پر قادر تھے کہ خود یا کسی ترجمان کے ذریعہ خطبہ کو ملکی زبان میں مخاطبین تک پہونچا دیں لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا اور ضروری احکام کو مخاطبین کی ملکی زبان میں پہونچا دینے کیلئے دوسرے انتظامات

کر کے خطبوں کو صرف عربی زبان میں منحصر رکھا تاکہ مخاطب کو خود اس طرف رغبت ہو کہ امام و امیر کی تقریر کا مفہوم سمجھنے کے لئے عربی زبان سے آشنا ہو اور ایسا ہی ہوا

اسلامی اعتدال کی ایک مثال

لیکن اس حکمت عملی میں مسلمانوں نے اپنے امتیازی نشان یعنی اعتدال اور حفاظتِ حدود کا ایسا خیال رکھا ہے کہ دوسری قوموں میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد عربی زبان عام ہو جاوے لیکن اس مقصد کو ترغیب کی حد سے بڑھنے نہیں دیا کہ جبر و اکراہ کی نوبت آجاوے۔ اقوام عالم کی کسی ایسی ضرورت کو عربی زبان پر موقوف نہیں رکھا جس کے بغیر گذارا مشکل ہو خطبہ کا سمجھنا کوئی فرض و واجب نہیں کہ اس کے نہ سمجھنے سے انسان گنہگار رہو البتہ ترغیب کا ایک بہترین اور معتدل ذریعہ تھا کہ طبعی طور پر مخاطب کو اسکی رغبت ہوتی ہے کہ امیر کی تقریر کو سمجھے۔

بخلاف اقوام نصاریٰ کے کہ جب انکو اس گر کی خبر ہوئی اور انھوں نے اپنی زبان کو عام کرنے کی ناکام سعی شروع کی تو اس مقصد کیلئے خلق اللہ کی زندگی تنگ کردی۔ انکا سفر و حضر اور معاملات بیع و شرا، رزق و روزی کو اپنی زبان جاننے پر موقوف کردیا انکی ازلی محرومی اور زبان کی تنگی و سختی اگر درمیان میں نہ ہوتی تو بلاشبہ آج دنیا میں انگریزی کے سوا اور کسی دوسری زبان کا نام و نشان نہ رہا ہوتا۔

یہ حق تعالیٰ نے اسلام اور اسلامی زبان ہی کو خصوصی فضیلت عطا فرمائی ہے کہ وہ جس ملک میں داخل ہوئی ساری زبانیں منسوخ کرکے سب کی جگہ لیلی۔ یورپ کا مشہور ڈاکٹر گستاولی بان زبان عربی کی اس ہمہ گیری پر حیران ہو کر لکھتا ہے:۔

زبان عربی کی نسبت ہمکو وہی کہنا ہے جو ہم نے مذہب عرب کی نسبت کہا ہے یعنی جہاں پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری کرسکے

تھے عربوں نے اسمیں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے انکی زبان کو بھی اختیار کیا۔ یہ زبان ممالک اسلامیہ میں اسقدر پھیل گئی کہ اس نے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی سُریانی۔ قبطی۔ یونانی۔ بربری وغیرہ کی جگہ لے لی ایران میں بھی ایک مدت تک عربی زبان قائم رہی اور اگرچہ اس کے بعد زبان فارسی کی تجدید ہوئی لیکن اسوقت تک علمار کی تحریریں اسی زبان میں ہوتی تھیں۔ ایران کے کل علوم و مذاہب کی کتابیں عربی ہی میں لکھی گئی ہیں۔ ایشیا کے اس خطہّ میں عربی زبان کی وہی حالت ہے جو ازمنہ متوسط میں زبان لاطینی کی حالت یورپ میں تھی۔ ترکوں نے بھی جنھوں نے عربوں کے ملک فتح کئے انھیں کی طرز تحریر اختیار کرلی اور اسوقت تک ترکوں کے ملک میں کم استعداد لوگ بھی قرآن کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔

یورپ کی لاطینی اقوام کی ایک مثال البتہ ہے جہاں عربی نے ان کی قدیم السنہ کی جگہ نہیں لی لیکن یہاں بھی اس نے اپنے تسلّط کے بیّن آثار چھوڑے ہیں۔ موسیو ڈوزی اور موسیو انگلیبَن نے ملکر زبان اندلس اور پرتگال کے ان الفاظ کی جو عربی سے مشتق ہیں ایک لغت تیار کرلی ہے فرانس میں بھی عربی زبان نے بڑا اثر چھوڑا ہے۔ موسیو سدی یو نہایت درست لکھتے ہیں کہ اوورن اور شوژ مین کی بھی زبان عربی الفاظ سے زیادہ معمور ہوگئی ہیں اور ان کے ناموں کی صورت بھی بالکل عربی ہے۔ فرانسیسی زبان کے ایک لغت نویس جنھوں نے الفاظ کا اشتقاق دیا ہے لکھتے ہیں کہ — " فرانس میں عربوں کے قیام کا اثر نہ محاورات پر رہا ہے نہ زبان پر" —

(لیکن جو فہرست اوپر لکھی جاچکی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ اس رائے کی کسقدر وقعت ہے! نہایت تعجب کی بات ہے کہ اب بھی ایسے تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جو اس قسم کے مہمل اقوال کا اعادہ کرتے ہیں۔

اس فرانسیسی مُؤرخ کی لغو بیانی کو تو خود یورپ کے فاضل گستاولی بان نے واضح کر کے محتاج تردید نہیں چھوڑا ہے لیکن ہم اتنا اور بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہ مسکین یا تو یورپ کی گذشتہ تاریخ سے بالکل ناواقف ہے یا بعض قومی تعصب کی وجہ سے لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ بلاد یورپ میں دخول اسلام کو نصف صدی گزرنے نہ پائی تھی کہ وہاں کے عام سکان و باشندگان نے بربری اور لاطینی زبانوں کو دفن کر دیا کہ ان ممالک میں نصاریٰ کے پادری اس پر مجبور ہو گئے کہ اپنے مذہب کی نماز و عبادت کا ترجمہ عربی زبان میں کر کے مسیحی قوم کے سامنے پیش کریں تاکہ وہ اسکو سمجھ سکیں۔ (از رسالہ غابر الاندلس وحاضرہا ص ۲۸)

الغرض امراء اسلام نے اشاعت زبان کے اہم مقصد کے ساتھ رعایا کی سہولت و آسانی کا بھی خاص خیال رکھا ہے۔ اقوام یورپ کی طرح دنیا کو اُس پر مجبور نہیں کیا۔ بایں ہمہ جس طرح اسلام ناسخ الادیان مسلم تھا اسی طرح لسان عرب ناسخ السنہ ہو گئی۔

آپ غور کیجئے کہ اسلاف اسلام نے عربی زبان کی اشاعت میں یہ کوشش کیوں کی اسکا ایک سیاسی مقصد تو ظاہر او۔ عام ہے کہ حاکم و محکوم اور سلطان و رعیت میں ارتباط و انبساط بڑھے دوسرے ان حضرات کا مطمح نظر یہ بھی تھا کہ جب قرآنی زبان لوگوں میں رائج ہو گی تو قرآنی معاشرت و اخلاق بھی ان میں بآسانی پیدا ہو سکیں گے۔ چنانچہ عربی زبان کے عموم کے ساتھ ہی یہ دونوں مقصد حاصل تھے۔

آجکل یورپ کو اپنی ہمہ دانی پر ناز ہے وہ اپنے آپ کو تہذیب و تمدن اور سیاست کا مالک سمجھتا ہے اسی کی ایک مثال پر نظر ڈالیے

ممالک یورپ میں اسلامی زبان اور اسلامی تمدن و معاشرت

اسلام جب بلاد مغرب میں فاتحانہ داخل

ہوا اور اندلس و پرتگال اسکے مستقر ہو گئے تو نصف صدی نہ گزری تھی کہ یہاں کی بربری زبان بھی رخصت ہوئی یہ ملک ایک خطہ عرب بن گیا۔ نہ صرف زبان بلکہ یورپ کی ساری اقوام وضع قطع اور تمدن و معاشرت میں مسلمانوں کی نقل اتارنے کو فخر سمجھنے لگیں، اور یہی نہیں بلکہ آس پاس کے دوسرے ممالک فرانس وغیرہ بھی اس کے مجوبانہ اثر سے خالی نہ رہے۔

شیخ محمد کرد علی مصری جو مجمع علمی کے صدر رہیں اپنے سفرنامہ اندلس میں اندلس و پرتگال کے چشم دید واقعات اور اس کے ماضی وحال کا موازنہ بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"نہ فقط وہ ممالک یورپ جو اسلام کے زیرنگین آچکے تھے اسلامی زبان اور اسلامی معاشرت کے دلدادہ ہو گئے بلکہ گردوپیش کے ممالک یوروپ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جلالقہ، لیوتیون، نارفاریوں کے سمجھدار لوگ عربی سیکھتے تھے۔ وہ مسلمانوں کے تمدن و معاشرت پر ایسے فریفتہ تھے کہ اپنے مذہبی اصول کو چھوڑ کر مسلمانوں کی وضع قطع، مسلمانوں کی عادات و خصال، مسلمانوں کی طرح اپنی عورتوں کو پردہ میں رکھنے کے عادی ہو گئے تھے۔ (غابر الاندلس وحاضرہا ص ۳۹)

افسوس کہ ہم کیا سے کیا ہو گئے کہاں سے کہاں جا پہونچے سلف کی اس اس ناخلف اولاد نے کس طرح انکی عزت کے نشانات کو مٹایا اور غیروں کی غلامی کا طوق اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن میں ڈال لیا۔ انکی قائم کی ہوئی بنیادوں کی ایک ایک اینٹ اور لگائے ہوئے چمن کا ایک ایک درخت جڑ سے نکال دیا افسوس کہ جو قومیں ہماری نقالی کو (بجا طور پر) فخر سمجھتی تھیں آج ہم (بیجا طور پر) انکے نقال بن گئے۔ وضع قطع انکی اختیار کر لی زبان انکی لے لی، بے ضرورت بھی انگریزی لفظ بولنے کو فخر سمجھنے لگے: صحیح لفظ بھی نہ آتا ہو تو غلط ہی سہی صاحب بہادر کی مشابہت کا ثواب تو مل ہی جاتا ہے۔ عورتوں کو پردے سے نکالا مردوں کے

دوش بدوش لاکھڑا کیا۔ انا للہ وانا الیہ المشتکی۔

ان حالات کے استحضار نے یہ چند اشعار بیساختہ زبان پر جاری کر دیئے ؎

نام لیتے ہیں ہم بزرگوں کا　اور ہر بات میں ہیں انکے خلاف
ان کے اخلاق کا مٹایا نام　ہاتھ سے کھو دیئے وہ سب اوصاف
شکل و صورت میں انکی ضد ہیں ہم　جانشینی کی اس پہ لاف و گزاف
سب کی نظروں میں تم اگر ہو ذلیل　تو خطا کیا ہے پھر قصور معاف
تم ہی انصاف سے ذرا کہہ دو　انھیں اسلاف کے ہو تم اخلاف
نام سے جن کے تھا جہاں روشن　جن کے عالم پہ عام تھے الطاف
نقل کو جنکی جانتے تھے شرف　اہل عالم کے خود پسند اشراف

آج بھی ذلتوں سے جائے پناہ
کچھ اگر ہے تو اسوۂ اسلاف

ہم نے اول صرف انکی زبان اور وضع اختیار کی اور سمجھا کہ ایمان اور اسلام کا تعلق صرف قلب سے ہے ظاہری وضع و تراش کو اس میں کیا دخل لیکن تجربہ نے بتلا دیا کہ یہی ایک بجلی کی رو تھی جو قلب و دماغ پر چھا گئی اور انگریزیت و نصرانیت ہمارے دلوں کی تہ میں بیٹھ گئی۔

ایک شخص ابتدا میں صرف انگریزی جوتا استعمال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے ہم انگریز نہیں بن گئے لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں وہ دیکھ لے گا کہ یہ انگریزی جوتا اسکے بدن سے اسلامی پاجامہ اتروا کر ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننے پر مجبور کر دیگا۔ پھر یہ پاجامہ اسکا اسلامی کرتا اور عبا اتروائے گا اور جب اعضاء و جوارح اور بدن انسانی کی پارلیمنٹ کے سب ارکان مغربی رنگ کے ہو گئے تو اس کے سلطان و سرتاج کو مجبور ہو کر ان کا تابع بننا پڑے گا اور انگریزی ٹوپی اسلامی عمامہ کی جگہ لے لیگی۔ اور جب خود گھوڑے گھوڑائے صاحب بہادر بن گئے تو سمجھ لیجئے کہ اب گھر کے قدیم اصول و رواج کی خیر نہیں۔ (باقی آئندہ)

قال اللہ تعالیٰ

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

یعنی

آپ اپنے رب کی راہ کیطرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے

ذریعہ بلائیے

بناءً علیہ

رسالۂ نافعہ برائے طالبین و عاملین مسمّٰی بہ

تنویر السالکین

ترجمہ

تنبیہ الغافلین

مولفہ حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی نور اللہ مرقدہٗ

مترجم عبد عاصی راجی الی رحمۃ السبحان عبد الرحمن مدعو بہ جامی

غفرلہ الحنان المنان

مدرس مدرسہ وصیۃ العلوم ۔ مقیم خانقاہ وصی اللّٰہی

۲۳۔ بخشی بازار ۔ الہ آباد

جولائی ء

نام اصل کتاب	تنبیہ الغافلین
مولّفہ	فقیہ ابو اللیث ثمرقندی
نام ترجمہ	تنویر السالکین
نام مترجم	عبد الرحمٰن جامی وصی اللّٰہی
سبب ترجمہ	بحکم مخدومی و محترمی حضرت قاری محمد مبین صاحب خلیفہ ارشد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ
زمانہ ترجمہ	ابتدار از جون ۱۹۸۲ء شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ
تعداد طبع	بقدر رسالہ قسطوار
نام مطبع	اسرار کریمی پریس الٰہ آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ از مترجم عفی عنہ

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ لاھلھا

اما بعد۔ احقر مترجم (عبدالرحمن جامی ابن سراج الحق مچھلی شہری ثم الآبادی) ناظرین باتمکین کیخدمت میں عرض پرداز ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اگر تم میری نعمتوں کا شکرادا کروگے تو میں تمھیں نعمتیں اور زیادہ دونگا" اور یہ امر بھی مسلم ہے کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتیں جو ہم پر ہیں وہ بے حد و بے شمار ہیں وان تعدوا نعمۃ اللہ لاتحصوھا بس ایک عاصی، عاجز اور فانی انسان سے حق تعالیٰ کی غیر متناہی نعمتوں کا شکر ادا ہو تو کیونکر ہو؟ ایک کتاب میں اس مسئلہ کا یہ حل نظر سے گذرا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی حق تعالےٰ سے دریافت کیا تھا کہ اے رب! یہ آدم علیہ السلام نے آپ کے ان سب احسانات کا شکر کیسے ادا کیا جو آپ نے انپر فرمائے اور اس فریضہ سے وہ کیونکر عہدہ برآ ہوسکے مثلاً یہ کہ آپنے انکو اپنے دست مبارک سے بنایا، اپنی روح انکے اندر پھونکی، انھیں اپنی جنت میں ٹھہرایا اور تمام فرشتوں کو حکم فرمایا کہ وہ سب انکا اکرام اور تعظیم بصورت سجدہ کریں وغیرہ وغیرہ۔ ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ! آدم نے اس بات کا اعتراف کیا اور جان لیا کہ یہ سب انعامات جو ان کے اوپر کئے گئے ہیں وہ سب میں نے کئے ہیں اور اسپر انھوں نے میری حمد کی۔ بس یہی انکی جانب سے میری تمام نعمتوں کا شکر تھا۔

الحمدللہ کہ اس روایت سے اللہ تعالیٰ کے شکرادا کرنے کا طریقہ اور سلیقہ ہاتھ لگا چنانچہ میں بھی سب سے پہلے اپنے خالق و مالک کی حمد کرتا ہوں اور اسکا شکر ادا کرتا ہوں کہ اسنے مجھے انسان بنایا اور انسانوں میں کافر بھی تھے اور مسلم بھی پس دوسرا اسپر کہ اس نے

بخشے مسلمان بنایا ؂

آدمیت دادہ بعدم مسلماں کردہ ای خدا قرباں شوم احساں براحساں کردۂ

پھر اس پروردگار کا شکر اسپر کہ مسلمانوں میں سے اس نے مجھے اہل سنۃ والجماعۃ کی جماعت وابستہ فرمایا اور اسکے بعد اسکا مزید کرم یہ کہ جماعت اہل سنۃ میں سے اس نے ہمیں شریعت ظاہرہ کی روسے حنفی المسلک بنایا اور طریقت کی روسے سلاسل اربعہ سے مستفیض فرماتے ہوئے خصوصی طور پر حضرات چشت اہل بہشت کے مسلک سے سیراب فرمایا۔ پھر ہند میں علمی فیض کے لئے ہمیں خاندان ولی اللہی اور خوان قاسمی سے حصۂ وافر عطا فرمایا اور ہمارے فیض روحانی کے لئے خاندان امدادا للہی سے مستفید ہونا مقدر فرمایا اور اس بحر سے نکلی ہوئی نہر اشرفی کو ہمارا مشرب ہونا تجویز فرمایا چنانچہ حکیم الامۃ مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہٗ کے بعد انکے کامل اور صادق جانشین مرشدی ومولائی حضرت اقدس مصلح الامۃ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الآبادی سے تعلق کو ہمارے لئے باعث صد افتخار بنایا اور عرصہ دراز تک انکی غلامی میں رکھا اور مزید عنایت یہ فرمائی کہ ان کے خوان نعمت سے باطنی وروحانی غذا کھلا کر اسکی بھی توفیق بخشی کہ جب کروں تو انھیں کی بات کروں اور جب سنوں تو انھیں کی بات سنوں ؂

ماہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

اور الحمد للہ اللہ تعالےٰ نے اس باب میں راقم کو ایسا مجبور رکھا کہ کسی کی مجال نہیں کہ وہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے احسان فراموشی کا طعنہ ہمیں دے سکے و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ اسکو بھی اپنا عمل نہیں بلکہ خدا کا فضل ہی سمجھتا ہوں۔

شاید یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ کے حالات و ملفوظات کی اشاعت میں نمایاں حصہ اس ظلوم وجہول اور ہیچمداں کے نصیب میں رکھا۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ کی حیات مبارکہ ہی میں کتاب "ترصیع الجواہر المکیہ" کا اردو میں ترجمہ راقم نے حضرت کے حکم سے کیا جو رسالہ معرفت حق الہ آباد میں طبع ہونے کے علاوہ مستقل کتابی شکل میں "الافادات الوصیۃ" کے نام سے دوبارہ طبع ہوا۔ اور حضرت اقدس کا منشا پاکر

حضرت شیخؒ کی وفات کے بعد شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی کتاب " آداب الصالحین " کا بھی اردو میں ترجمہ کیا جو اسوۃ الصالحین " کے نام سے رسالہ مذکورہ میں بھی طبع ہوا اور پھر الگ کتابی شکل میں بھی شایع ہوا۔ پھر اسکے بعد حضرت مصلح الامۃؒ کے جانشین مخدوم و محترم حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحب دام مجدہم کے اشارہ سے حضرت ضیاء الدین نخشبی کی کتاب "سلک السلوک " کا ترجمہ فارسی سے اردو میں کیا جو "ترغیب الفقراء والملوک" کے نام سے حضرت والا کے رسالہ "معرفت حق" میں اور اسکے بند ہوجانے کے بعد "وصیۃ العرفان" میں قسطوار شایع ہوا اور اب ارادہ ہے کہ اس ترجمہ کو بھی علحدہ سے کتابی صورت میں طبع کرادیا جائے۔

الحمد للہ کہ ان ہر سہ ترجمہ کو کیا عوام اور کیا خواص سب ہی نے پسند کیا اور ان سب کتابوں سے طالبین اور سالکین نے خوب خوب نفع اٹھایا اور عوام و خواص کی اس تحسین نے بزبان حال اور بعض احباب نے تو بزبان قال بھی فرمائش کی کہ رسالہ میں کسی نہ کسی کتاب کے ترجمہ کا جو اب تک سلسلہ رہا ہے وہ بند نہ ہونا چاہیئے۔ ادہر حضرت والا کی مجلس کی یادگار مجلس جو الہ آباد میں بحمد اللہ ابتک قائم ہے اس میں راقم نے کتاب "تنبیہ الغافلین" جو کہ حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ہے اکثر سنایا اسکے مضامین سے بھی سامعین بہت محظوظ ہوئے اور خواہش کی کہ میں اسکا بھی ترجمہ سلیس اردو میں کردوں۔ اور کتب سابقہ کی طرح وہ بھی پہلے رسالہ "وصیۃ العرفان" میں شایع ہوجائے۔ چونکہ یہ ایک بڑا کام تھا اسلئے پہلے تو میں نے اس سے اپنے آپ کو قاصر گردانا لیکن ایک دن مخدومی و محترمی حضرت قاری محمد مبین صاحب دام مجدہم نے بھی اسکے بعض مضامین کو سن کر زور دیا کہ راقم اسکا ترجمہ کر ہی دے اسلئے اللہ تعالیٰ کا نام لیکر اور انھیں کے بھروسہ اسکا بھی ترجمہ شروع کرتا ہوں کہ الشروع منی والاتمام من اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسکو اختتام تک پہونچادے اور اسکا بھی نفع عام و تام فرمائے جس طرح سے کہ ان سے قبل کے تراجم سے سب کو فائدہ پہونچا۔

اس سلسلہ میں راقم نے بعض اہل علم حضرات سے دریافت بھی کیا کہ اگر اس کتاب کا

دئی ترجمہ پہلے اردو میں ہوچکا ہو تو بلا وجہ ایک زائد کام کیوں کیا جائے ؟ مگر احباب خاص مصر ہوئے کہ تراجم تو ہوتے ہی رہتے ہیں ترجمہ ہو بھی گیا ہو تو کیا۔ جی چاہتا ہے کہ تم بھی ایک ترجمہ کردو تاکہ حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کی تعلیمات اور آپکا انداز بیان بھی اس میں نظروں سے گذرتا رہے۔

بہرحال ع:۔ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو کے پیش نظر اب مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ تھوڑا تھوڑا ترجمہ کرتا جاؤں اور وہ نجماً نجماً بواسطہ رسالہ ناظرین کرام کے نظر نواز ہوتا رہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔ علیہ توکلت وعلیہ انیب۔ حسبی اللہ نعم الوکیل، ونعم المولیٰ ونعم النصیر۔ وصلی اللہ تعالےٰ علی خیر خلقہ محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

(اعتذار) اب تک تو تمام تراجم میں حسب ہدایت مرشدی مصلح الامۃؒ یہی معمول رہا کہ وہ حامل متن ہوں اس صورت میں دعویٰ مقارن دلیل بھی ہوجاتا ہے اور اہل علم کیلئے ترجمہ کا مقابلہ اصل عبارت سے کرلینا بھی آسان ہوجاتا ہے اور غلطی کا احتمال کم رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کا ترجمہ متن سے علیحدہ کرکے طبع کرنے کو علماء نے منع فرمایا ہے۔ اسلئے اولاً تو یہی ارادہ ہوا کہ ایک کالم میں عربی عبارت لکھی جائے اور دوسرے کالم میں ترجمہ ہو لیکن کتاب چونکہ ضخیم تھی اسلئے احباب کا مشورہ ہوا کہ صرف ترجمہ ہی پر اکتفا کیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ہاں جہاں کہیں کسی باب سے متعلق اپنے حضرتؒ کی فرمائی ہوئی کوئی بات یاد آگئی ہے تو اس موتی سے بھی اس زیور کو مزین کردیا گیا ہے اور بین القوسین کرکے یا راقم عرض کرتا ہے کے عنوان کے تحت اُسکو اصل کتاب کے اس مضمون سے جدا رکھا گیا ہے۔ اور اس ترجمہ کا نام "تنویر السالکین، ترجمہ تنبیہ الغافلین" رکھتا ہوں اللہ تعالےٰ اسکا نفع مثل اسکے متن کے عام و تام فرمائے۔ آمین۔

(ماہ رجب ۱۴۰۲ھ م مئی ۱۹۸۲ء)

عبد عاصی راجی الی رحمۃ السبحان
بندہ عبد الرحمٰن جامی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ از مصنّف

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنی کتاب عزیز (یعنی قرآن شریف تک ہماری رہنمائی فرمائی اور ہمیں اپنی تمام مخلوق اور جملہ امم پر اس طور سے فضیلت بخشی کہ ہمکو سب سے بڑھکر محبوب اور مکرم امت بنایا (میں اسکی ایسی تعریف کرنا چاہتا ہوں) جو اسکے رضا کے کاموں میں سے پسندیدہ تر امور کے حصول کا ذریعہ بنے اور انتہائی سہولت اور بندہ پروری کے ساتھ اسکی بخششوں کے خزانوں کے ملنے کا سبب بنے۔ خدا تعالیٰ ہمکو اپنی عام نعمتوں کا شاکر اور اپنے اولیاء وانعامات خاصہ کا عارف بنائے۔ (آمین)

اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا ملہ نازل فرمائے ہمارے پیشوا اور سردار پر جنکا نام نامی اسم گرامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے جو اسکے منتخب رسول اور برگزیدہ نبی ہیں۔ اور آپ کی آل واولاد پر بھی رحمت کا نزول ہو جو کہ نہایت ہی پاکیزہ نفوس ہیں اور آپ کے تمام ہی صحابۂ کرام بلکہ تمام امت پر بھی خدا کی خاص رحمت ہو

فرمایا حضرت فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی نے (جو کہ اپنے زمانہ کے ایک بڑے عالم اور عابد شخص تھے اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کے آباء واجداد سے راضی ہو اور ان سب کو بھی خوشی نصیب فرمائے) کہ میں نے جب بفحوائے کتاب اللہ کہ آپ اپنے رب کی راہ کی جانب حکمت وموعظت حسنہ کے ساتھ لوگوں کو دعوت دیجئے اور اگر بحث ومناظرہ کی بھی نوبت آجائے تو احسن طریقہ پر انکو بات سمجھائیے" اور اس حدیث کی روسے جو عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو اہتمام کے ساتھ کبھی کبھی ناغہ فرماتے ہوئے پند ونصیحت کے طور پر واعظ فرمایا کرتے تھے اور ناغہ اس خیال سے ہوتا تھا کہ کہیں

ہم لوگ ملول نہ ہو جائیں۔ دغرض میں نے جب ان نعمتوں یعنی کتاب و سنت کے اعتبار سے یہ سمجھا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے معرفت اور آداب عبودیت سے نوازا ہوا ور علم دین سے نیز حِکَم اور مواعظ سے اور صالحین کے سیر و حالات پر وقوف سے اور اللہ والوں نے اللہ تعالیٰ کی طلب میں جو جو کوششیں اور کاوشیں اختیار فرمائی ہیں انکی تفاصیل پر اطلاع یابی سے حصہ وافر عطا فرمایا ہو اس شخص پر واجب ہے کہ وہ دوسروں تک بھی وہ باتیں پہونچائے، تو میں نے بھی اپنی اس کتاب میں کچھ حکمت اور نصیحت کی باتوں کو جمع کر دیا ہے جو انشاء اللہ ناظرین اور طالبین کے لئے اس باب میں کافی و وافی ثابت ہوں گی۔ البتہ میری اس کتاب کے ہر مطالعہ کرنے والے کو میری وصیت ہے کہ اسکو تذکر اور تفکر کی نگاہ سے دیکھے یعنی پہلے اپنے لئے اسکو اصلاح کا ذریعہ بنائے پھر دوسروں سے بھی ان پر عمل کرنے کا مطالبہ کرے اسلئے کہ ان تمام امور کا (جو اس کتاب میں مذکور ہوئے ہیں) خدا تعالےٰ نے ہم سے مطالبہ کیا ہے اور یہ سب چیزیں احادیث نبویہ میں آئی ہوئی ہیں (اور کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کا ہر مسلمان مکلف کیا گیا ہے) اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ "تم لوگ بھی اللہ والے ہو جاؤ اس لئے کہ تمھیں کتاب اللہ کا علم دیا گیا ہے" اس کا مطلب بعض مفسرین نے یہی بیان فرمایا ہے کہ تم جو دوسرے لوگوں کو کتاب اللہ کی تعلیم کرتے ہو تو پہلے تم خود اس پر عامل ہو جاؤ۔ اسی طرح سے دوسری آیت میں فرمایا ہے کہ :-
"اللہ تعالےٰ کے بندوں میں سے اللہ سے تو بس علماء ہی ڈرتے ہیں"۔ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اے کپڑے میں لپٹنے والے اُٹھئے اور لوگوں کو ڈرائیے" ایک اور آیت میں فرماتے ہیں کہ آپ لوگوں کو نصیحت فرمائیے اسلئے کہ نصیحت سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے"۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ گھڑی بھر کا تفکر (یعنی خدا کی نعمتوں میں سوچ بچار) ایک سال کی عبادت سے بڑھکر نافع ہوتا ہے۔

ملاً ایک شخص ہے اسکو یہ ثابت ہوا کہ خلق کی ہدایت مجھ سے متعلق ہے اور مواعظ
تقریر سے تدریس سے لوگوں کو ہدایت کرنا اسکا مشغلہ ہے سو اگر وہ گھی، دودھ
غذا یہ مقویہ کا استعمال چھوڑ دے تو دماغ میں خشکی آ ویگی اور کچھ کام اس سے
ہو سکے گا۔ اور اگر دماغ کی حفاظت کریگا تو سب کام ہو سکیں گے۔

۴۶۔ نفس کو کھلا پلا کر اس سے سرکاری کام لو

یہ نفس بطور مزدور کے ہے اور یہ دماغ سرکاری مشین ہے اگر اسکو
دوری ملتی رہے اور مرمت ہوتی رہے تو کام دیتا رہے گا۔ پس وہ خدمت
نفس کی اس اعتبار سے نہیں کہ وہ ہمارا ہے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ وہ سرکاری
مت سے تعلق رکھتا ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
(میں اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں کہ اس نے تیرا جمال دیکھا ہے اور نیز اپنے پیر پر گرتا ہوں کہ اسنے تیری گلی تک مجھے پہونچایا)
ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است
(ہردم ہزار بوسے اپنی آنکھوں کو دیتا ہوں کہ اس نے تیرا دامن پکڑ کر تجھے میری جانب کھینچا ہے)
حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ان لنفسک علیک حقا و لزوجک علیک
حقا (بلاشبہ تمہارے نفس کا تم پر حق ہے اسی طرح تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے) اور
فرماتے ہیں المومن القوی خیر من المومن الضعیف (مومن قوی، مضبوط
مومن ضعیف سے بہتر ہے)

۴۷۔ ہدایت خلق جن بزرگوں سے متعلق نہیں ہوتی ہے انہیں صرف اپنی اصلاح کی فکر ہوتی ہے خلق کے برا بھلا کہنے کا ڈر نہیں ہوتا۔

اور بعضوں سے کچھ نفع خلق کا متعلق نہیں ہوتا انکو اپنے ہی نفس کی

اصلاح کی فکر ہوتی ہے انکا مذاق یہ ہوتا ہے ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد نشد نشد

اور ایک کہتے ہیں ؎

خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی میکند آرے آرے میکند با خلق و عالم کار نیست

تو یہ کسی قسم کی بدنامی سے نہیں ڈرتے۔

۴۸۔ ہدایت خلق جن بزرگوں سے متعلق ہوتی ہے وہ بدگمانی کے موقع سے بھی بچتے ہیں

ایک وہ ہیں جو شبہ سے بھی بچتے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے کہ حضرت صفیہؓ جو ازواج مطہرات سے ہیں تشریف لائیں جب واپس تشریف لے گئیں تو حضورؐ ان کے پہونچانے کے لئے لب مسجد تک تشریف لائے تھے کہ سامنے سے دو شخص آئے حضورؐ نے فرمایا ذرا ٹھہرو اور پھر فرمایا انہا صفیہ یعنی یہ صفیہؓ ہیں بات ان لوگوں کو بہت بھاری ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ! توبہ توبہ کیا حضور کی نسبت ہم کچھ گمان کر سکتے تھے فرمایا کہ شیطان ابن آدم کے رگ و ریشہ میں بجائے خون کے دوڑتا ہے مجھکو اندیشہ ہوا کہ کہیں تمھارے دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈالدے۔

۴۹۔ اہل اللہ مختلف مذاق کے ہوتے ہیں

اولیاء اللہ مختلف رنگ کے ہوئے ہیں۔ سرکاری گلدستہ ہے اسمیں گلاب بھی ہے چنبیلی بھی بیلا بھی ہے اور انار بھی۔

۵۰۔ اہل اللہ کو غم ہوتا ہے پریشانی نہیں ہوتی

اگر کوئی کہے کہ ہم نے انبیاء کی حکایتیں سنی ہیں کہ ان کو غم ہوئے ہیں۔

یعقوب علیہ السلام ایک مدت تک یوسف علیہ السلام کی جدائی میں مغموم رہے
ایوب علیہ السلام سخت مصائب میں مبتلا رہے ۔ یوسف علیہ السلام کو بھائیوں نے
ایذا پہنچائی ۔ جواب یہ ہے کہ ان حضرات کو رنج وغم تو ہوا لیکن پریشانی نہیں ہوئی
غم اور شے ہے پریشانی اور چیز ہے اور غم ہونا کمال کے منافی نہیں بلکہ عین کمال
ہے بعض بزرگوں کا حال آیا ہے کہ ان کے بیٹے کا انتقال ہوا اور وہ ہنس رہے
تھے ۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا تو
حضورؐ محزون تھے ۔ ظاہر ہے کہ کمال وہ ہے جو حضورؐ کا فعل ہے وجہ اسکی یہ ہے
کہ جو مغموم نہیں ہوئے انھوں نے تو صرف حق تعالیٰ کا حق ادا کیا اور جن کو غم ہوا
انھوں نے اولاد کا بھی حق ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کا بھی ۔ کاملین کو جو غم دیا جاتا ہے
اس میں یہ حکمت ہوتی ہے کہ صبر کی بھی فضیلت حاصل کریں اسلئے کہ صبر بدون
غم کے نہیں ہوتا ۔ اور دوسری حکمت یہ ہے کہ غم سے تصفیہ ہوتا ہے قلب کا

۵۱ ۔ غم حیات طیبہ کے منافی نہیں

اگر کوئی کہے کہ جب حزن ہوا تو حیاتِ طیبہ کہاں ہوئی ۔ بات یہ ہے کہ
عین واقعہ رنج میں دو حیثیتیں ہیں باعتبار مصیب ہونے کے تو وہ الم رساں
ہیں اور باعتبار من المحبوب ہونے کے وہ مرضی ہے اور ان حضرات کے
ہر واقعہ کا من اللہ ہونا ہر وقت پیش نظر رہتا ہے اسلئے خواہ کسی طرح کی مصیبت
پیش آوے وہ اس حیثیت سے پسندیدہ ہے اور ان کے اطمینان قلب
میں کسی طرح خلل انداز نہیں ہاں تکلیف پہونچنا امر آخر ہے ۔

۵۲ ۔ محبت سے تمام مصیبتیں آسان ہوجاتی ہیں اور محبت ہی اصل سبب ہے ترقی کا

خلاصہ یہ کہ ان حضرات کو خواہ مصیبت ہو، رنج ہو، فقر وفاقہ ہو ہر وقت

خوش ہیں اور اصل میں خوش کرنے والی انکو محبت ہے۔ چونکہ انکو حق جل علاشانہ سے محبت ہے اسلئے لقاء حق کے انتظار میں انکو سب سہل ہے۔ دنیا میں دیکھ لیجئے اگر کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے اور یہ معلوم ہو کہ فلاں وقت وہ ہم سے ملے گا تو اسوقت کے انتظار میں سب بلائیں اسکو سہل ہیں۔ یا انتظار کہ خدا تعالیٰ ہم سے خوش ہونگے یا اسوقت ہم سے خوش ہیں اسکی ایسی خوشی ہوتی ہے کہ سب مصائب سہل ہو جاتے ہیں یہ سب محبت کی برکت ہے۔

خدا کی قسم یہی وہ شئے ہے جس کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم تمام امت میں ممتاز ہوئے اور یہی وہ دولت ہے جسکی وجہ سے سلف رحمہم اللہ کے آج تذکرے لکھے جاتے ہیں اور اصل سبب ترقی کی یہی شئے ہے۔ آجکل صحابہؓ کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ انھوں نے یوں ترقی کی یوں کی، اور اس امر میں انکا اپنے نزدیک اقتدار کرتے ہیں اور اصل روح اور سبب ترقی سے مس تک نہیں اور نہ ترقی کی حقیقت سے واقف ہیں۔ دنیا سمیٹنے کو اور جاہ مذموم کے تحصیل کا نام ترقی دے رکھا ہے۔ صحابہؓ نے جو فتوحات کیں وہ سب للدین تھیں، دنیا انکے پاس تک نہ تھی۔ سو ایسی ترقی کو کون منع کرتا ہے۔

۵۳۔ اہل اللہ مختلف مذاق کے ہوتے ہیں

صحابہ اور نیز دوسرے سلف صالحین میں بھی مختلف رنگ کے لوگ تھے حضرت عیسیٰؑ نے گھر تک نہیں بنایا حضرت سلیمانؑ صاحب سلطنت ہوئے حضرت ابو ذر غفاریؓ مال جمع کرنے کو بالکل حرام فرمایا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذر غفاری سے فرمایا تھا کہ اے ابوذر میں تمھارے لئے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ تم دو شخصوں کے درمیان کبھی فیصلہ مت کرنا اور نہ کبھی یتیم کے مال کے ولی بننا اس لئے کہ میں تم کو کمزور دیکھتا ہوں یعنی تعلقات کی برداشت نہ ہوگی۔ یہ ابو بکرؓ و عمرؓ ہی کا جگر تھا کہ مدینہ میں

چٹائی پر بیٹھے ہیں اور روم و شام اور دمشق و فارس کا انتظام کر رہے ہیں۔
غرض انبیاؑ اور صحابہؓ اور اولیاءؒ میں بھی ہر ایک کا جدا رنگ ہے اور ان کیلئے
وہی رنگ مناسب ہے۔ بعضے روپیہ پیسہ سے اسلئے گھبراتے ہیں کہ میاں
کون جھگڑے میں پڑے ہم سے حقوق ادا نہ ہوں گے۔ زکوٰۃ۔ عشر۔ قربانی
وغیرہ وغیرہ سیکڑوں حقوق ہیں یہ بڑا قصہ ہے ایسے لوگوں کے ساتھ یہ برتاؤ
ہوتا ہے کہ ان کو کچھ نہیں دیتے اور ہمیشہ وہ مفلس رہتے ہیں۔ جیسے حضرت
ابراہیم ادہمؒ کہ سلطنت چھوڑ دی اور جیسے شاہ ابوالمعالی قدس سرہٗ کہ ہمیشہ
فقر و فاقہ میں گذرتی تھی۔ ایک روز کا قصہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے یہاں
ان کے پیر و مرشد تشریف لائے حضرت مکان پر تشریف نہ رکھتے تھے، بی بی
تھیں انھوں نے تعظیم و تکریم سے پیر کو ٹھہرایا لیکن حسب معمول حضرت شاہ صاحب
کے یہاں اس روز بھی کچھ کھانے پینے کو نہ تھا بی بی نے پڑوس میں سے آٹا
ادھار مانگنے کے لئے خادمہ کو بھیجا پڑوسیوں نے ادھار بھی نہ دیا کہ ان کو
ادھار دیکر کہاں سے لیں گے۔ پیر صاحب خادمہ کو برابر آتا جاتا دیکھکر فراست
سے سمجھ گئے پوچھا کس فکر میں ہو بی بی نے سوچا کہ ان سے کیا چھپانا۔ واقعی
یہ حضرات خدا کے نائب ہوتے ہیں ان سے اپنا کوئی حال چھپانا نہ چاہیئے۔ بی بی
نے صاف کہدیا کہ حضرت آج ہمارے یہاں کچھ نہیں ہے۔ پیر صاحب نے ایک
روپیہ عطا فرمایا آجکل کے پیر تو مریدوں کا ہی کھا جاتے ہیں کچھ خیال نہیں کرتے
کہ ان کے یہاں کہاں سے آیا ہے اور کس طرح بیچارے لائے ہیں۔ القصہ
پیر صاحب نے فرمایا کہ اس ایک روپیہ کا اناج لاؤ اور ہمارے پاس لانا
چنانچہ غلہ حضرت پیر و مرشد کے پاس لایا گیا حضرت نے ایک تعویذ لکھکر غلہ میں دبادیا
اور یہ فرمایا کہ اس تعویذ کو مت نکالنا۔ پیر صاحب تو رخصت ہوئے اب روزمرہ
اس میں سے غلہ نکالا جاتا تھا اور وہ کم نہ ہوتا تھا کئی روز ہوگئے کہ صبح و شام
کھانا آنے لگا یہ دیکھکر حضرت شاہ ابوالمعالیؒ نے فرمایا کہ ہائیں یہ کیا بات ہے؟

کئی روز ہوئے فقر و فاقہ نہیں ہے؟ بی بی نے فرمایا کہ پیر صاحب تعویذ دے گئے تھے اسکی برکت ہے فرمایا کہ ہمارا فاقہ اختیاری ہے اضطراری نہیں۔ اب یہ مقام بڑا کشاکشی کا تھا کہ پیر کا تعویذ اگر رکھا جائے تو اپنے مذاق کے خلاف اور اگر نہ رکھیں تو پیر کے تعویذ کی بے ادبی! مگر سبحان اللہ ان حضرات کو اللہ تعالیٰ ایسا نور باطن عطا فرماتے ہیں کہ انکا فہم نہایت صحیح اور عقل ان کی کامل ہوجاتی ہے۔ فرمایا کہ اس تعویذ کا حقدار تو میرا سر ہے مٹکا نہیں لاؤ وہ تعویذ میں اپنے سر میں رکھونگا تعویذ منگا کر سر میں رکھ لیا اور اناج فقراء کو تقسیم کردیا۔ شام کو پھر فقر و فاقہ ہوا شکر حق تعالیٰ کا ادا کیا۔

اور بعضوں کو جانتے ہیں کہ اگر نہ دیں گے تو پریشان ہوں گے اور یا جانتے ہیں کہ ان سے برداشت حقوق کی ہوگی ان کو خوب دیتے ہیں۔ غرض اولیاء اللہ کے مختلف طبقات ہیں مگر جس حال میں ہیں خوش ہیں ؎

بدُرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش کہ آنچہ ساقی ما ریخت عین الطافست

(تلچھٹ ملے یا صاف اسکا فیصلہ تم مت کرو بس پی جاؤ کہدو میرے ساقی نے جو کچھ دیا ہے وہ اسکا عین لطف و کرم ہے)

اور کہتے ہیں ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرطِ مزد مکن کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

(تم عبادت فقیروں کی طرح مزدوری کی شرط پر مت کرو کیونکہ ہمارا مالک بندہ پروری کے طریقہ سے خوب واقف ہے)

قبض کی حالت میں فرماتے ہیں ؎

باغباں گر پنج روزی صحبت گل بایدش بر جفائے خار ہجراں صبر بلبل بایدش

(اے باغ والے اگر تجھے پانچ دن کے لئے گل کی صحبت درکار ہے تو اسکے ہجر کی مشقت برداشت کرنے کیلئے بلبل کا سا صبر بھی اختیار کر)

ایدل اندر بند زلفش از پریشانی منال مرغ زیرک چوں بدام افتد تحمل بایدش

(ایدل محبوب کی زلف میں بند ھنے کی وجہ سے تکلیف سے نہ گھبرا کیونکہ عقلمند چڑیا جب دام میں پھنس جائے تو اسکو تحمل اختیار کرنا چاہئے)

اور اس سے زیادہ فرماتے ہیں ؎

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیف باشد ازو غیر او تمنا ئے

(کیا ہوتا ہے فراق اور کیا ہوتا ہے وصل انکو چھوڑ کر رضائے دوست طلب کر کیونکہ ان سے سوائے اور کچھ چاہنا بڑے ستم کی بات ہے)

اب میں پوچھتا ہوں کہ جس کا یہ حال ہوا سکو کیا پریشانی ہو گی وہ تو ہر وقت مسرور ہے، ہر وقت خوش ہے۔ حیات طیبہ یہ ہے اور اسکے ماسوا پریشانی ہے اور بے حالی ہے لیکن ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ سعادت قوتِ بازو سے نہیں حاصل ہوتی ہے جب تک کہ خدائے بخشندہ ہی نہ عطا فرمائے)

۵۴۔ حیات طیبہ اور درجۂ ولایت حاصل ہونیکا نہایت سہل طریقہ

مگر ہاں کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ مرتبہ کس کو حاصل ہو سکتا ہے ہم لوگ تو دنیا دار ہیں سیکڑوں طرح کے اشغال ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں سو یہ خیال شیطانی ہے اور منشا اسکا یہ ہے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ تمام کاروبار دنیا کے چھوڑ کر حجرے میں بیٹھکر تسبیح ہلاؤ۔ ہرگز نہیں۔ ہر شخص کے لئے جدا گانہ طریق ہے۔ اگر اس مقام پر ہر ایک کی تفصیل بیان کیجاوے تو ایک وقت طویل درکار ہے اور پھر بھی کافی نہیں اسلئے کہ یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ میرے لئے کون سا طریق نافع ہے اسلئے میں تم کو ایک مختصر سی بات بتلاتا ہوں اور جھگڑے کی بات بالکل نہیں بتاتا وہ یہ کہ مرشد کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر بے فکر ہو جاؤ اور لم وکیف کو چھوڑ دو اپنے کو اس کے سپرد کر دو اور اپنی رائے کو ہرگز دخل نہ دو جو وہ طریق بتائے اس پر عمل کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہو گے ؎

بود مورے ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

یعنی ایک چیونٹی کو ہوس ہوئی کہ خانۂ کعبہ میں پہونچے لیکن اپنے ضعف اور عجز کو دیکھکر مایوس تھی اس نے دیکھا کہ ایک کبوتر کبوترانِ حرم محترم سے بیٹھا ہے وہ چیونٹی اسکے پاؤں کو لپٹ گئی کبوتر نے ایک پرواز کی اور بیت اللہ شریف جا پہونچا چیونٹی نے جو آنکھ کھولی تو دیکھا خانہ کعبہ سامنے ہے۔ تو صاحبو!

اسی طرح اگرچہ ہم ضعیف ہیں لیکن اہل اللہ کا دامن اگر ہم پکڑ لیں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم محروم نہ رہیں گے اسی واسطے تو فرمایا ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (یعنی سچوں کے ساتھ رہو)

۵۵۔ عاقل کا ہر کام یا تو تحصیل منفعت کیلئے ہے یا دفع مضرت کیلئے

قاعدۂ عقلیہ ہے کہ آدمی جو کام کرتا ہے اس سے دو چیزوں میں سے ایک شے مقصود ہوتی ہے یا تو دفع مضرت یا جلب منفعت مثلاً کھانا کھاتا ہے لذت وتغذی کے لئے یہ صورت منفعت ہے۔ دوا پیتا ہے دفع مرض کے واسطے یہ مضرت کا دفع ہوا۔ اور مثلاً نوکری کرتا ہے روپیہ کی تحصیل کے لئے۔ تجارت کرتا ہے منفعت وفائدہ کے واسطے۔ رشوۃ دیتا ہے تاکہ کسی قسم کی سزا نہ ہو جائے یا کسی بلا میں مبتلا ہے [illegible] سے رہا ہو جائے۔ مکان بناتا ہے سردی وگرمی سے بچنے کے وا[illegible] یہ امر بالکل ظاہر اور بدیہی ہے کہ جو کچھ انسان کرتا ہے جلب منفع[illegible] کرتا ہے یا دفع مضرت کے لئے اس میں کسی عاقل کو کلام نہیں ہے نہ اس پر براہین ودلائل قائم کرنے کی ضرورت ہے البتہ منفعت اور مضرت کی تعیین میں اہل رائے واہل ملت میں اختلاف ہے باقی نفس مسئلہ میں اتفاق ہے۔ چنانچہ اول واضح ہو چکا ہے۔ تعیین میں البتہ بہت بڑا اختلاف ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ منفعت کی تحصیل تو ہر ایک کا مقصود ہے لیکن منفعت کی تعیین میں ہر ایک نے ایک رائے قائم کر رکھی ہے ایک شخص ساعی ہے کہ مجھکو مثلاً تحصیلداری یا تھانہ داری یا ڈپٹی کلکٹری وغیرہا مثلاً علی حسب اختلاف العہد والمقا ملجاوے کہ اس میں میری عزت وآبرو ہے۔ دوسرا ساعی کہ مجھکو نہ ملے کہ غریبوں پر ظلم ہوگا۔ چنانچہ بعضوں پر زور دیا جاتا ہے کہ حکومت قبول کرو اور وہ نہیں کرتے ایک وہ لوگ ہیں جنہوں نے سلطنت کے لئے ہزاروں جانیں ضائع کر دیں اور ایک وہ تھے کہ بھاگتے تھے۔

Regd. No. L2/9/AD-111

onthly WASIYATUL IRFAN JULY 1982

23, Buxi Bazar, Allahabad-3

Rs. 30/-

Rs. 24/-

وصیۃ العرفان

شمارہ ۸
اگست

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

جانشین حضرت مُصلحُ الامۃ

فی پرچہ | مدیر: عبد المجید عفی عنہ | دو روپئے ۲/

شمارہ ۸ | شوال ۱۴۰۲ھ مطابق اگست ۱۹۸۲ء | جلد ۵

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ماہ اگست ۸۲ء کا شمارہ پیش نظر ہے۔ الحمد للہ کہ ماہ جولائی ۸۲ء سے تنبیہ الغافلین کا ترجمہ پیش کرنے کی توفیق حق تعالیٰ نے عطا فرمائی اور ناظرین کی طرف سے اسکی تلقی بالقبول بھی ہوئی احباب نے اسپر اپنی مسرت کا اظہار فرمایا۔ کسی ایک محترم نے اپنا مشورہ دیا کہ اسکو عامل متن ہی ہونا بہتر تھا ان کے مشورہ کا احترام کرتے ہوئے عرض ہے کہ کتاب بہت ضخیم تھی اسی لئے ہمت نہیں پڑی ورنہ ہمارے ذوق کی رو سے بھی اصل تو یہی بات تھی کہ اسکا متن بھی ہمراہ ہوتا۔ خیر اللہ تعالیٰ سے اسکے تکمیل کی دعا رہے۔

رسالہ کے نہ پہونچنے کے خطوط زیادہ تعداد میں آرہے ہیں اب اسمیں جہاں تک ڈاکخانہ کا تعلق ہے اسکی اصلاح ہمارے بس سے باہر ہے باقی دفتری نظام پر نظر کی گئی الحمد للہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے بجز اسکے کہ آپ حضرات کو رسالہ کبھی کبھی دیر سے ملتا ہے۔ اسکے متعلق متعدد بار اپنا عذر لکھ چکا ہوں کہ کوشش میں کمی نہیں ہے سازگاری حالات کے لئے ادارہ طالب دعا ہے نیز ایک بات اس سلسلہ میں آپ سے بھی متعلق ہے وہ یہ کہ اگر رسالہ نہ پہونچے تو بوقت اطلاع اپنا پتہ بھی صاف صاف تحریر فرمادیا کریں۔ ڈاکخانہ اور ضلع وصوبہ کا نام انگریزی یا اردو میں ضرور لکھدیا کریں تاکہ اگر کوئی غلطی ہورہی ہو تو اسکی تصحیح کردی جایا کرے۔

ادارہ اس بات پر اظہار مسرت کرتا ہے کہ امسال احباب نے رسالہ پر خاص توجہ رکھی چنانچہ جدید خریداروں کے بنانے میں بھی بہت سے احباب نے خصوصی توجہ فرمائی اور زر سالانہ کی ادائیگی میں بھی اکثر احباب امسال چاق وچوبند رہے۔ جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

حضرت قاری صاحب مدظلہٗ اوائل رمضان شریف میں بمبئی تشریف لے گئے ہیں۔ الحمد للہ خیریت سے ہیں۔ اور الہ آباد کی واپسی کے لئے ابھی کسی تاریخ کا تعین نہیں فرمایا ہے۔

ابھی گذشتہ دنوں یعنی جون کے تیسرے ہفتہ میں مدیر رسالہ جناب مولوی عبد المجید صاحب کے چھوٹے بھائی عبد الوحید صاحب کا علالت طویلہ کے بعد انتقال ہوگیا اس صدمہ کا ان پر اور دیگر متعلقین کے قلب پر ایک خاص اثر ہے ناظرین کرام مرحوم کی مغفرت اور پسماندگان کے قلبی سکون کیلئے دعا فرمائیں۔

(ادارہ)

۶۹ - حدیث کنت سمعہ الذی یسمع بہ کا مطلب

فرمایا کہ ـــ بخاری شریف میں حدیث قدسی آئی ہے، حضرت بوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ میرے بندے نے میری جانب تقرب کسی ایسی چیز کے ذریعہ نہیں حاصل کیا جو اسپر فرض کئے ہوئے امور کی ادائیگی سے بڑھکر ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جو مجھے زیادہ محبوب ہو اس کی ادائیگی سے کہ جسے میں نے اس پر فرض کیا ہو اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبوب بنالیتا ہوں، اور جب اسے محبوب بنالیتا ہوں تو اسکا کان بنجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھ بنجاتا ہوں جسکے ذریعہ وہ دیکھتا ہے۔ اسکا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ پکڑتا ہے اور اسکے پیر بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ چلتا ہے۔ پس اب وہ میرے ذریعہ سے یعنی میری مرضی سے سنتا ہے اور میری مرضی سے پکڑتا ہے اور میری مرضی کے مطابق چلتا ہے اور (محبوبیت کے ایسے مقام پر پہونچ جاتا ہے کہ (اگر مجھ سے کسی چیز کا سوال کرے تو میں اسکو ضرور دوں اور اگر مجھ سے پناہ مانگے تو اسکو پناہ دوں اور مجھے کسی چیز کے کرنے میں جسے میں کرنا چاہوں کوئی تردد نہیں ہوتا جیسا کہ تردد مجھے اپنے مومن بندے کے قبض روح میں ہوتا ہے کیونکہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اسے تکلیف دینا ناپسند ہے (لیکن موت ہے ناگزیر اسلئے بادلِ ناخواستہ قبض روح کرتا ہوں)۔

جن علماء کا قول معتبر ہے ان حضرات کا اتفاق ہے کہ یہ قول مجاز اور کنایہ کے قبیل سے ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی نصرت فرماتے ہیں، تائید فرماتے ہیں اور اعانت وامداد فرماتے ہیں اسطرح سے کہ گویا حق تعالےٰ خود ہی اسکے اعضاء بن جاتے ہیں جن سے وہ کام کرتا ہے۔ اسی لئے ایک روایۃ

ہیں یا الفاظ آئے ہیں کہ پس وہ میرے ذریعہ سے سنتا ہے، میرے ذریعہ سے دیکھتا ہے اور میرے ذریعہ سے پکڑتا ہے اور میرے ذریعہ سے چلتا ہے۔

حضرت ابوعثمان حیریؒ جو کہ ائمہ طریق یعنی تصوف کے ایک بڑے امام گذرے ہیں فرماتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ میں سننے کی چیزوں میں اس کی حوائج جلد پوری کر دیتا ہوں اور دیکھنے کے باب میں اسکی آنکھ سے جلد کام کر دیتا ہوں اور چھونے اور پکڑنے کے بارے میں اسکے ہاتھ سے جلد اسکا مقصد پورا کر دیتا ہوں اور اسکے پیر سے جلد چلنے میں اسکا کام کر دیتا ہوں۔

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شریف جو کہ حدیث قدسی ہے عجیب و غریب معنی پر مشتمل ہے لیکن اس مفہوم کا سمجھنا سنگدل اور کثیف قلب والے کے لیے حرام اور ممنوع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بندے کی جانب سے طاعت اور عبادت کی کثرت کی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ کی موافقت و محبت ثابت ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی بندے کی موافقت اسکی حوائج و مقاصد کے پورا کرنے میں ثابت ہوگئی اور جب یہ موافقت جانبین سے قوی ہوگئی تو اسکا تقاضا یہی تھا کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ کو اپنے اس بندے کی جان لینے میں اسلئے تردد ہو کہ خود یہ بندہ فطری طور پر موت کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھی وہ چیز ناپسند ہے جو اسکو ناپسند ہو کیونکہ اسے تکلیف دینا خدا کو گوارا نہیں۔ اس جہت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اسکو موت ہی نہ دیں لیکن اسی کی مصلحت اس میں بھی تھی کہ اسکو موت آوے کیونکہ اسکی حیات ابدی اس عارضی حیات پر موقوف تھی۔ چنانچہ بیمار اسی لئے ڈالتا ہے تاکہ اسکو صحت سے نوازے اور اسکو فقیر اسی لئے کرتا ہے تاکہ اسکو غنی کر دے اور اس سے اپنے انعامات کو روکتا ہے اسی لئے ہے تاکہ اسکو عطا کرے اور اسکو جنت سے اور اسکے باپ آدم کے صلب سے نکالا ہی اسی لئے تھا تاکہ اسکو پہلے سے کہیں زیادہ احسن احوال پر پھر جنت میں داخل فرمائے۔ پس حقیقۃً یہی وہ ذات ہے جو محبوب بنائے جانے کے

لائق ہے اسکے سوا کوئی نہیں ہے ۔

۷۔ غسل میت کیوں واجب ہوتا ہے

فرمایا کہ — صاحب بدائع و صنائع نے اس مسئلہ میں اچھی تحقیق نقل فرمائی کہ میت کو غسل دینا کیوں واجب ہوتا ہے ۔ فرماتے ہیں کہ وجوب نص سے بھی ثابت ہے اور اجماع سے بھی ثابت ہے نیز عقلی دلائل سے بھی ثابت ہے ۔ نقل اور نص تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں اور ان میں سے ایک حق یہ بھی شمار فرمایا کہ اسکو مرجانے کے بعد غسل دے ۔ نیز مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات ہوئی تو انکو فرشتوں نے غسل دیا پھر ان کے لڑکے سے کہا کہ سن لو یہ غسل تم لوگوں کے لئے اپنے مُردوں کو دینا سنت ہے ۔ یہاں سنت بمعنی واجب ہی ہے ۔ کیونکہ کبھی کبھی لفظ سنت اس معنی کے لئے بھی بولا جاتا ہے ۔ چنانچہ اسکے بعد حضرت آدم سے لیکر آج تک لوگوں میں یہ طریقہ جاری ہی ہوگیا اس طرح سے کہ اب اسکا تارک گنہگار شمار ہوگا کہ اس نے ایک سنت متوارثہ کو ترک کردیا ۔

اور اجماع بھی اسی پر منعقد ہوگیا ہے کہ میت کو غسل دینا چاہیئے ۔ رہی اسکی دلیل عقلی تو اسکی تعبیر و تقریر میں ہمارے علماء کا کچھ اختلاف ہے ۔ محمد بن شجاع بلخی فرماتے ہیں کہ انسان موت کی وجہ سے ناپاک ہی نہیں ہوتا یہ گمان کرتے ہوئے کہ دم مسفوح (بہتا ہوا خون جو کہ حقیقۃً نجس ہے) اسکے بدن کے ہر ہر جزء میں سماگیا ہوگا کیونکہ یہ عدم تنجیس اسکی کرامت اور بزرگی کی وجہ سے ہوئی ہے کیونکہ اگر اسکے بدن کو ناپاک قرار دیا جائے تو پھر اسکے پاک ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے کیونکہ صرف اوپر اوپر کے دھونے کی وجہ سے وہ کیسے پاک ہوجائیگا؟ جیسا کہ اور مردار حیوانات کا حال ہے کہ مرجائے تو ناپاک ہوجاتا ہے ۔ اور آدمی مرجانے کے بعد غسل دینے سے پاک ہوجاتا ہے (یہی اسکی کرامت اور خصوصیت

ہے) چنانچہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اگر کوئی میت غسل دینے سے قبل کنوئیں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہو جاتا ہے اور اگر وہی میت غسل کے بعد کنوئیں میں گرے تو وہ پانی پاک ہی رہے گا تو اس سے معلوم ہوا کہ اسکی ناپاکی موت کیوجہ سے نہیں ہے (کیونکہ جب اسکا بال بال اور اندر باہر سب ناپاک ہے تو پھر صرف اوپر اوپر غسل دینے سے وہ تمام کا تمام کیسے پاک ہو گیا) باقی اسکو غسل جو دیا جاتا ہے تو صرف اس لئے کہ اس سے حدث کا صدور ضرور ہوا ہوگا (یعنی اسکے بدن سے نجاست نکلی ہوگی) کیونکہ موت سے پہلے حدث کا صدور تقریبًا ناگزیر سا ہے اسلئے کہ حدث استرخار مفاصل (اعضاء کے ڈھیلے پڑ جانے کی وجہ سے ہوتا ہے (جیسا کہ نوم میں ہو جاتا ہے) اور عقل و فہم ختم ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے وہ بھی نہ اس حال کو سمجھ پاتا ہے اور نہ بتا پاتا ہے (رہا یہ کہ پھر حدث کی وجہ سے استنجاء اور آبدست کافی تھا غسل کی کیا حاجت پڑی تو اسکے متعلق یہ سمجھو کہ) کہ انسان کا بدن طہارت میں تجزی (یعنی حصہ بخرا) نہیں قبول کرتا لہٰذا حدث ہونے کی صورت میں پورے بدن کا دھونا واجب ہوگا مگر زندگی کی حالت میں بوقت حدث اصغر جو صرف چار ہی عضو (وضو والے) دھونے کا حکم ہے تو وہ اسلئے کہ آدمی سے حرج اور تنگی کو دور کیا جائے کیونکہ حدث کا وقوع مسلسل اور بار بار ہوتا رہتا ہے۔ اب اگر ہر بار غسل واجب ہو جاتا تو انسان (بالخصوص ریاح کا مریض) تو مصیبت ہی میں پڑ جاتا اسلئے خدا نے سب انسانوں پر آسانی فرمائی اور صرف چار اعضاء کے دھولینے کو قائم مقام غسل کے فرما دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حدث اکبر یعنی احتلام کی صورت میں معاملہ اپنے اصل ہی پر رہا یعنی صرف استنجے اور وضو کو کافی نہیں قرار دیا بلکہ سارے بدن کو حتیٰ کہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کو بھی فرض قرار دیا گیا اسلئے کہ یہ صورت کبھی ہی کبھی پیش آتی ہے اور کبھی کبھی غسل کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ اسی طرح سے موت کے بعد بھی اصل پر عمل کر لینا دشوار نہ تھا کہ انسان ایک ہی بار تو مرتا ہے لہٰذا موت کیوجہ سے جو حدث ہوا اسکی وجہ سے سارے بدن کا دھونا لازم کر دیا گیا۔

اور مشائخ نے یہ فرمایا ہے کہ خود موت کے سبب سے میت ناپاک ہو جاتی ہو جاتی ہے خواہ انسان ہو یا کوئی ہو اسلئے کہ اسکے اندر کا دم مسفوح اندر ہی اندر جذب ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہی میت بلا غسل کے اگر کنوئیں میں گر جائے تو اس کے پانی کو ناپاک کر دیگی مگر یہ کہ انسان کو اسکی کرامت اور شرافت کی وجہ سے اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے کہ اسکی میت بعد غسل اگر کنوئیں میں گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا ہیں اسکا دوسرے جانوروں کے مقابلہ میں اعزاز منظور ہے تو ان حضرات کے نزدیک انسان کی کرامت بس یہ ہے کہ فی الجملہ جو چیز سبب طہارت ہوا کرتی ہے یعنی غسل ظاہری صرف اسکی وجہ سے اسکو بالکل پاک (یعنی ظاہراً و باطناً) قرار دیدیا جو حکم اور دوسرے حیوانات میں نہیں ہے نہ یہ کہ اسکی کرامت اسکو قرار دیا جائے کہ اس سے ناپاکی کے حکم کا ہی بالکلیہ خاتمہ کر دیا جائے اور باوجود مردار ہونے کے اور موت کیوجہ سے حدث کے پائے جانے سے اسکو بالکل پاک کہا جائے ایسا نہیں ہے۔ ہاں بس یہ کہیں گے کہ ناپاک تو ہوا اور ایسا ناپاک ہوا کہ اب بظاہر پاکی کی کوئی صورت نہیں مگر محض اسکے اکرام اور شرف کی خاطر صرف ظاہر طہارت یعنی غسل دیدینے کی وجہ سے اس کے ظاہر و باطن سب کو پاک قرار دیدیا گیا۔ اور علامہ بلخی نے یہ فرمایا تھا کہ اسکی کرامت کی وجہ سے نجاست اس میں سرایت ہی نہیں کرتی اسلئے وہ موت کی وجہ سے ناپاک ہی نہیں ہوا۔ ہاں ناپاکی جو ہوئی وہ حدث کی وجہ سے ہوئی جسکے لئے استنجا یا وضو ہی کافی ہو سکتا تھا مگر عدم حرج کیوجہ سے یہاں غسل لازم کر دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

آگے صاحب بدائع فرماتے ہیں کہ عامۃ المشائخ کا قول زیادہ ظاہر معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ اس میں دونوں باتوں کی رعایت ہے۔ سبب نجاست کے پائے جانے پر نجاست کو بھی مانا گیا ہے اور جو شے ذریعۂ طہارت ہے فی الجملہ یعنی غسل اسکے پائے جانے پر طہارت کا بھی حکم لگا دیا گیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ قول قیاس کے بھی قریب اور موافق ہے، باقی کسی امر کے سبب کے پائے جانے کے بعد حکم نہ کیا جاتا تو سمجھ میں نہیں آتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بدائع صنائع ص ۳۰۰ ج ۱)

(۱۷) نصیحت کرنے میں عنوان تعریض کا اختیار کرنا

فرمایا کہ ـــ آج کئی دن ہوئے ایک بات بڑے کام کی ذہن میں آئی تھی خیال تھا کہ آپ لوگوں سے بیان کرونگا مگر ذہن سے بالکل نکل گئی تھی آج الحمدللہ پھر یاد آگئی وہ یہ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارکہ یہ تھا کہ اگر کسی کو تنبیہ فرمانا چاہتے تو خاص اسیکو زجر نہ فرماتے تھے بلکہ اس برائی کی شناعت جسمیں وہ مبتلا ہوتا عام خطاب کے ساتھ بیان فرمادیتے تھے مثلاً یوں فرماتے کہ لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ ایسا ایسا کام کرتے ہیں۔ اسکا ایک فائدہ تو یہ ہوتا تھا کہ وہ شخص مخصوص سب کے سامنے اپنے لئے کوئی عار اور رسوائی نہ محسوس کرتا اور مقصدِ نصیحت حاصل ہو جاتا کیونکہ ہر شخص اپنی جگہ خائف ہوجاتا اور اپنا جائزہ لینا شروع کردیتا کہ کہیں اس خطا کا صدور مجھ سے تو نہیں ہوا ہے دوسرا فائدہ اس طرز کا یہ ہے کہ انسان کے نفس میں تصریح کیوجہ سے ایک ہیجان ہوتا ہے لہٰذا وہ اپنی ندامت دور کرنے کیلئے اپنی برأت کی کوشش کرتا ہے بلکہ تنبیہ کرنے والے کا معاند بن جاتا ہے اور جہاں عناد قلب میں آیا اصلاح کی توقع منقطع ہوئی بخلاف خطاب عام کے کہ اس میں اسکا موقع نہیں ہوتا۔ صاحب واقعہ کو تو اپنے عیب پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا موقع ملجاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں نادم و پشیمان اور اس برائی سے تائب ہوتا رہتا ہے اور دوسرے لوگوں کو اپنے اپنے متعلق مستقل خطرہ لگ جاتا ہے کہ خدا معلوم کسکو کہا کہیں میں ہی تو مراد نہیں ہوں؟ اور اس فکر کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جس طرح سے یہ لوگ اسوقت مامون رہتے ہیں آئندہ بھی اس معصیۃ سے محفوظ رہنے کی انھیں توفیق ہو جاتی ہے۔

سبحان اللہ! دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک طریقے میں کتنی حکمتیں موجود ہیں ـــ جب سے اس طرز اصلاح کا یہ فائدہ معلوم ہوا اسی کو اختیار کیا گیا ہے اور الحمدللہ بہت زیادہ نفع مشاہد ہے۔

(مکتوب نمبر ۲۷۱)

حال :۔ گرامی نامہ کل شرف صدور لایا سبکی خیریت سنکر الحمدللہ اطمینان ہوا۔
گرامی نامہ میں ایک جگہ سوال فرمایا ہے کہ " ڈالا " کا کیا مطلب ہے، گرامی نامہ کا متعلقہ ورق ہمرشتہ ہے تاکہ جناب کو سہولت ہو۔ اس سوال سے تنبیہ ہوئی اور اپنی غفلت پر ندامت ہے۔ منشاء تحریر حاشا وکلا بے ادبی کا نہ تھا لیکن محل استعمال درست نہ تھا۔ ذکر الٰہی اس عالم میں سب سے عظیم المرتبت احسان خالق کا اپنے بندوں پر ہوتا ہے جب توفیق عطا ہوتی ہے۔ ذکر کرنا بھی اپنے بس کی بات نہیں اسی کو یہ توفیق ہوتی ہے جس پر صد درجہ مہربانی فرماتے ہیں۔ اس ناچیز کو یہ لکھنا چاہئے تھا کہ اس قدر ذکر کی توفیق عطا ہوئی "۔ تحقیق :۔ ہاں

حال :۔ اللہ تعالیٰ معاف کریں اور ناشکری اور غفلت کے جرم میں مواخذہ نفرمائیں اس سے بندہ کا ہر آن خطار ہو جانے کا امکان بھی اچھی طرح ثابت ہوا گو غیر ارادی طور سے ہی ہو۔ اپنی دانش میں گذشتہ عریضہ بڑے ہوش وگوش سے تحریر کیا تھا اس پر بھی غفلت کا یہ حال ہے۔ تحقیق :۔ بیشک۔

حال :۔ بس اللہ تعالیٰ نے کے ہاتھوں میں ہی خیر ہے اور وہی اپنے بندوں کے حال پر نگراں ہیں ورنہ غفلت ونفس وشیطان انسان کو کہیں کا نہ رکھیں۔
تحقیق :۔ بیشک۔

حال :۔ ...... بھائی کا خط پرسوں مشمول بریں اطلاع ملا کہ دفعتاً ذریعہ تار ان سے ۲۷ اپریل کو چارج لے لیا گیا اور حکم ہوا کہ ۴ مئی تک الہ آباد کمیشن کے دفتر میں اپنی پرانی جگہ کا چارج لیں انکی تنزلی پر بہت افسوس ہوا انکی بحالی کے لئے برابر دعاء کر رہا ہوں۔ تحقیق :۔ اللہ تعالیٰ انھیں بحال فرمادیں۔

حال :۔ پرسوں بعد مغرب دیر تک بدست دعاء رہا جس سے قلب کو سکون اور طمانینت عطا ہوئی یہ محض جناب والا کا کرم ہے کہ اپنے رب کے ساتھ رابطہ قائم

محسوس کرنے لگا ہوں۔ وہی دل میں درد عطا کرتے ہیں وہی دعاء کے لئے ہاتھ بھی اٹھواتے ہیں وہی الفاظ بھی پر از تاثیر عطا فرماتے ہیں۔ پھر ہم دعاء از تو اجابت ہم ز تو۔ دعاء کے بعد سے الحمد للہ دل میں بڑی ٹھنڈک ہوگئی۔ تحقیق:۔ الحمد للہ

حال:۔ اللہ تعالیٰ کی ذات سب ہموم وغموم کو دور کر دینے کے لئے کافی ہے ان کے ہوتے ہوئے کاہے کا غم۔ مایوسی اور محرومی کی اصل وجہ اس بندۂ ناچیز کو اسکے علاوہ کچھ اور نہیں محسوس ہوئی کہ اپنے خالق و مالک سے رابطۂ عظمت اور علاقۂ محبت قائم نہیں رکھا جاتا۔ اگر عظمت ہو تو انسان بے خوف اور غافل نہ ہو اور محبت ہو تو احساس مایوسی نہ رہے۔ یہی دونوں چیزیں یعنی عظمت و محبت ایمان و یقین کے بقا کی بھی ضامن ہوتی ہیں۔ اس علم کے عطا ہونے سے اللہ تعالیٰ کا بیحد ممنون و مشکور ہوں اور حضرت والا کے لئے دل وجان سے دعاء گو ہوں ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جانِ جان ہمراز کردی

(اللہ تعالیٰ آپکو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپنے میری آنکھیں کھولدیں یعنی مجھے اپنے محبوب حقیقی سے واقف بنا دیا)

الحمد للہ کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی معیت میں اکثر و بیشتر پانے لگا ہوں۔ اس تعلق کے رسوخ، بقا اور ازدیاد کی دعاء فرمائیں۔ تحقیق:۔ دعاء کرتا ہوں۔

حال:۔ شب و روز کے جو بھی لمحات زندگی ہیں خواہ پسندیدہ یا ناگوارہ انکو منطبق و مربوط بہ رضائے الٰہی کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ پسندیدہ بات کو شکر کے ساتھ اور ناگوارہ کو صبر کے ساتھ پیوست کر کے رضائے مولیٰ کے ساتھ ساتھ زندہ رہنا سیکھ رہا ہوں اس طرح ہر دو حال میں اسکی یاد تازہ رہنے لگی ہے۔ مقصود زندگی یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ زندہ رہنا انشاء اللہ حضرت کی دعاء سے حاصل ہو جائیگا۔ تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ۔

حال:۔ البتہ اس بات کا علم کہ بندہ کو کب دیکھ نوازیں، اور کب ناگوارہ امور کیساتھ قرب و بیداری عطا کریں اللہ تعالیٰ ہی کو بہتر علم ہے۔ بندہ کی شائستگی اسی میں ہے کہ اپنے آقا اور مالک کی نگاہ کو تکتا رہے اور اسکی رعایت سے صبر و شکر سے

چند روزہ زندگی بسر کرسے۔ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق دیں اور اپنی محبت و عظمت عطا کریں ؎

بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(بدون حق تعالیٰ اور مقبولان الٰہی کی توجہ کے کامیابی مشکل ہو چنانچہ اگر کوئی فرشتہ بھی ہو تو اسکے نامۂ اعمال کو سیاہ جانو)

تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

حال: — حضرت کی دعاء سے ہم لوگ الحمد للہ اچھی طرح ہیں تحقیق: الحمد للہ۔

(مکتوب نمبر ۲۷۲)

حال: — جناب کے گورکھپور تشریف لیجانے کے بعد سے فیض صحبت سے محرومی کا سلسلہ ابتک چلا جا رہا ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نعمت عظمیٰ کے حصول کا موقع کب میسر ہوگا

تحقیق: — جی ہاں صورت کچھ پیدا ہوئی تھی مہربانوں نے کھو دی بہرکیف آپ کی زیارت کا شوق ہے۔

حال: — لیکن اسکے باوجود جناب کی خصوصی شفقت اور توجہ سے اپنے اندر معمولی تغیر و تبدل پاتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس سال کا رمضان المبارک مجموعی طور پر گذشتہ رمضان المبارک سے بہتر گذرا۔ دو سال سے رمضان المبارک ختم ہونے کے بعد کم از کم ایک کار خیر کا اضافہ کرتا ہوں۔ اس سال ہر فرض نماز کیوقت ایک ایک وقت کی قضا نماز پڑھتا ہوں۔ تحقیق: — خوب خوب بہت خوشی ہوئی۔

حال: — پنجوقتہ نماز پابندی سے بچپن ہی سے پڑھتا ہوں لیکن غالباً چار مواقع ایسے آئے ہیں جنمیں کچھ نمازیں قضا ہوئی ہیں جنکی مجموعی تعداد ڈیڑھ ماہ کی نماز سے زیادہ نہ ہوگی لیکن احتیاطاً چھ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رکھنے کا خیال ہے۔

تحقیق: — بہت اچھا ہے۔

حال: — عبادات سے زیادہ مجھے اپنے گذشتہ معاملات کے سلسلہ میں تشویش

رہتی ہے کیونکہ لین دین میں ہمیشہ سے صاف رہنے کے باوجود کم و بیش سیکڑوں ہندو مسلم حضرات سے میرے ایسے معاملات گفتگو بحث و جدال وغیرہ کے واقع ہوئے ہیں جن میں شرعی حیثیت سے میں قابل مواخذہ ہوں۔ پہلے اسکا احساس نہ ہوا اور اب جبکہ اسکا احساس ہوا تو تمام صاحب معاملہ نہ تو میرے حافظہ میں ہیں اور نہ انکا پتہ معلوم ہے۔ مسلم کے لئے اگر دعائے مغفرت کروں تو غیر مسلم کے لئے کیا کروں؟

اس کے علاوہ ایک تشویش کی بات یہ ہے کہ چند سال پہلے میں نے قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا تھا اور آخر کے دس پارے یاد بھی کر لئے تھے لیکن اب وہ بھول گئے ہیں۔ یاد کرنے کو تو یاد کر لیتا ہوں لیکن بہت جلد بھول جاتا ہوں۔ قرآن شریف بھلا دینے کی وعید سے خائف رہتا ہوں۔ کچھ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ کیا کروں۔

تحقیق:- شروع کرنا چاہیئے یعنی یہ سلسلہ جاری رہے اسکا محفوظ ہونا غیر اختیاری ہے۔

حال:- میں جناب کی خصوصی شفقت و مہربانی اور مخصوص اوقات میں فلاح دارین کی دعاؤں کا بہت ہی محتاج ہوں۔ تحقیق: دل سے دعا کرتا ہوں۔

حال:- مجھے یقین ہے کہ جناب کی خصوصی دعاؤں سے میں انشاء اللہ فائز المرام ہو جاؤنگا۔ تحقیق: ضرور انشاء اللہ تعالیٰ۔

(تحقیق)

حقوق معاف کرانے کا طریقہ تو ایک ہی ہے خواہ مسلمان کے ہوں یا ہندوں کے یعنی اہل حقوق سے درخواست کیجا دے کہ معاف کردیں اور اگر وہ حقوق مالیہ ہوں تو ایک طریقہ برارت کا انکا ادا کر دینا بھی ہے اور معافی نہ ہونے کی صورت میں من علیہ الحق کے حسنات من لہ الحق کو قیامت میں دلوائے جائیں گے اور اگر وہ کافی نہ ہوئے تو من لہ الحق کے سیئات اس پر ڈالے جائیں گے۔

یہ تفصیل اسوقت ہے جبکہ من لہ الحق مسلمان ہو ورنہ صرف دوسری ہی صورت ہوگی جس سے من لہ الحق کے عذاب میں کچھ تخفیف ہو جائیگی اگرچہ نجات نہ ہوگی۔ ہندو کو

ایصال ثواب نہیں کیا جا سکتا۔ اسکو نفع بھی نہیں ہوتا لہٰذا غیر مسلم جبکہ فوت ہو گیا ہو یا مفقود ہو تو اسکے حقوق سے عہدہ برآ ہونے کے لئے بس اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے اور نیت ہر وقت یہ رکھے کہ اسکے یا اسکے ورثہ کا علم ہونے پر فوراً ادا کردوں گا۔ اور اسقدر مال کو اسکی جانب سے صدقہ کردے شاید کہ اللہ تعالیٰ اسکا کوئی بدلہ اسکو یا اسکی اولاد کو اسی دنیا میں عطا کردیں اور اس شخص سے مواخذہ اخروی کو ساقط و معاف فرمادیں۔

(مکتوب نمبر ۲۷۳)

حال :— واقعی میں گھر والوں کے ساتھ بے حد بداخلاقی سے پیش آیا ہوں اور ظلم یہ کہ اسکو دین کی آڑ میں محفوظ کرنا چاہتا تھا' لیکن حضرت والا کے اس زبان مقدس سے کہ " تم جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ زور اخلاق درست کرنے پر ہی دیتا ہوں اور مجھے یہ بات نہایت ناپسند ہے کہ ایک گھر میں چار آدمی ساتھ نہ رہ سکیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے گھروں میں آج جو فساد مچا ہوا ہے یہ سب ہماری ہی بداخلاقی کی وجہ سے ہے " اس فرمان مقدس نے میری آنکھیں کھولدیں اور ایسی خطرناک چیز سے جس میں حضرت والا کی سخت ناپسندی ہے اور جبیں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سخت ناپسندی ہے ایسی مہلک چیز سے بچنے کی فکر پیدا ہوئی اور گھر میں اور لوگوں کے ساتھ میل جول کی جو کمی ہے اسکی جڑ معلوم ہو گئی۔ تحقیق :۔ الحمد للہ

حال :— دوسری بات حضرت والا نے یہ فرمایا ہے کہ " نیک لوگوں کو بھی دیکھتا ہوں کہ نماز روزہ کرتے ہیں مگر اخلاق کیطرف ذرا التفات نہیں کرتے جہاں ذرا سا نیک ہوے اور چاہتے ہیں لوگ سب کے سب حضرت جنید اور شبلی ہو جائیں " واقعی حضرت والا کا یہ فرمانا دل میں نقش کرنا چاہیے۔ تحقیق : بیشک

حال :— اپنے کو دیکھتا ہوں کہ بظاہر دینداری کی ڈینگیں لگاتا رہتا ہوں، کچھ کچھ

دینی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتا رہتا ہوں علمائے کرام اور بزرگان دین کی بھی کبھی صحبت
چاہے بیحد کم ہی سہی نصیب ہوتی رہتی ہے پھر بھی یہ حال ہے کہ نفس وشیطان
کا اس حد تک غلام ہوں کہ ایسی حالت میں ایک مومن کو اپنے ایمان کی ایک
ذرا سی بھی اگر غیرت ہو تو وہ ڈوب کر مرجائے۔ پھر دوسرے ایسے لوگوں سے
جنکو اتنی چیزوں سے بھی واسطہ نہیں ہوا ان کے لئے چاہے کہ وہ بس ایک دم میں
متقی و پرہیزگار بن جائیں یہ محض حماقت ہی نہیں سخت بداخلاقی، تکبر، فریب اور
اور سراسر جہالت ہے۔ تحقیق: بالکل صحیح ہے۔
حال: ۔ میں اب انشاء اللہ تعالیٰ گھر اور تجارت میں الگ ہونے کے خیال کو بھی
تعجب اور نفرت کی نظر سے دیکھونگا۔ میری حضرت والا کے دربار اقدس میں
نہایت عاجزی کے ساتھ التجا ہے کہ غلام پر حضرت والا کی توجہ بڑھتی ہی رہے اور
دعائے خاص سے نوازیں کہ اس پر مضبوطی سے قائم رکھے۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں
حال: ۔۔۔۔ اور اس میں میرے لئے آسانی کردے اور مجھکو اور میرے خاندان
والوں کو اور سب مسلمانوں کو دین و دنیا کی بے شمار بھلائیاں عطا فرمائے
اور ہمکو اپنی اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری محبت
اطاعت اور عظمت عطا فرمائے اور ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے راضی ہوجائیں اور
حضرت والا سے پوری پوری عقیدت عطا فرمائے۔ تحقیق: آمین

(تحقیق)

آپ کی تحریر سے اندازہ ہوا کہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہے اس سے
خوشی ہوئی۔ واقعی نیک لوگوں کی توجہ عبادات وغیرہ کی طرف تو ہوتی ہے مگر اخلاق
کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور اخلاق کا تعلق براہ راست مخلوق سے ہوتا ہے
جب نیک لوگ اچھے اخلاق اختیار نہیں کرتے اور اسکی وجہ سے عوام الناس کو انکی
ذات سے تکلیفیں پہونچتی رہتی ہیں تو وہ نیک لوگوں سے اور پھر دینداری ہی سے
بدگمان ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا نیک لوگوں کو خصوصاً اخلاق کیطرف پوری توجہ کرنے

کی ضرورت ہے ۔ جب یہ بات آپ کی سمجھ میں آگئی تو پھر ڈٹ جایئے اور ایسے اخلاق برتیئے کہ انکو ماننا پڑے کہ نیک لوگ ایسے خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ اور وہ دینداری کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

اخلاق میں وہ تاثیر اور جاذبیت ہے کہ دشمن کو بھی دوست بننا پڑتا ہے اسلام صحابہ کرامؓ کے اخلاق ہی سے پھیلا۔ نیک لوگ نماز روزہ اتنا سب کچھ کرتے ہیں اگر اخلاق کیطرف بھی توجہ کر دیں تو کام بنجائے۔ خود بھی دیندار ہو جائیں اور نہ جانے کتنوں کو دیندار بنا دیں۔ جب آپ یہاں سے تعلق رکھتے ہیں اور آپنے دیکھ لیا ہے کہ یہاں سب سے زیادہ اخلاق کی درستگی پر زور دیا جاتا ہے تو بس پھر اسی پر جم جائیے۔ انشاء اللہ آپ کی تمام مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔

(مکتوب نمبر ۲۷۴)

حال: — حضرت والا! حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں دیکھا کہ اصل چیز شیخ کا ذوق حاصل کرنا ہے۔ حضرت ذوق کس چیز میں؟ کیا اسکا مطلب یہ ہے کہ شیخ کی تعلیم و تربیت میں جو خصوصی چیز ہے اسکو حاصل کرنا ہے جیسے حضرت والا کی تعلیم و تربیت کے اندر سب سے زیادہ نظر اخلاص پر رہتی ہے کہ آیا طالب کے اندر اخلاص پیدا ہوا بھی ہے یا نہیں ویسے ہی رسمی طلب ہے یا کیا ہے؟ نیز نفاق عملی کو کچھ سمجھا ہے یا نہیں اگر سمجھ گیا ہے تو اسکو دور کرنے کی فکر اسکے اندر پیدا ہوئی ہے یا نہیں اور نفاق عملی سے کہاں تک پاک ہوا ہے۔ تو جو شخص حضرت والا کی خصوصی چیز کو خوب سمجھ جائے اور اپنے اندر اور دوسروں کے اندر ان چیزوں کو دیکھنے اور جو چیز اس میں سے حاصل کرنے کی ہے یعنی اخلاص اسکو حاصل اور جو چیز احتراز کے قابل ہے اس سے احتراز کرنے لگے تو کیا اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسکو حضرت والا کا ذوق کچھ حاصل ہوا ہے۔ یا اسکی صحیح صورت کیا ہے؟

تحقیق: — آپ نے ذوق کا مطلب مجھ سے دریافت کیا ہے تو میں کیا جانوں کہ

ذوق کسے کہتے ہیں اور اہل ذوق کو ذوق کس چیز میں ہوتا ہے۔ لیکن آپ سے بھی تعجب ہے کہ آپ بھی اسکو نہ سمجھ سکے۔ آخر آپ مدرس اول ہیں حدیث و قرآن پڑھاتے ہیں یہ احادیث بھی نظر سے گذری ہی ہونگی کہ (۱) ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربًا وبالاسلام دینًا وبمحمدٍ صلی اللہ علیہ وسلم رسولا (ایمان کی لذت اس شخص نے چکھی جس نے خدا کو اپنا رب بنایا، اسلام کو دین بنایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنایا)۔ اور (۲) ثلث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان (تین چیزیں جس شخص میں ہونگی وہی ایمان کی لذت حاصل کرسکے گا) اب اگر کوئی طالبعلم آپ سے دریافت کرے کہ حلاوۃ الایمان اور ذاق طعم الایمان کا کیا مطلب ہے تو آپ اسکو کیا سمجھائیں گے؟ بس جو جواب آپ اسکو دیں وہی ہماری جانب سے بھی سمجھ لیں۔ اور آپ نے کہیں کسی کتاب وغیرہ میں یہ بھی دیکھا ہی ہوگا کہ۔ بخدا لذت ایں نشناسی تا نچشی (خدا کی قسم اس مے کی لذت بے چکھے نہ محسوس کر سکو گے) تو اسی میں آخر یہ کیوں فرمارہے ہیں کہ لذت آں نشناسی تا نچشی۔ اس سے کیا یہ نہیں معلوم ہوا کہ معقولات اور معلومات اور چیزیں ہیں اور مذوقات و مطعومات اور چیزیں ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا ذریعہ علم دوسرے سے جدا ہے۔ چنانچہ جو چیز مذوقات کے قبیل سے ہوگی اسکا مزہ اور اسکی حقیقت تو زبان پر رکھنے ہی سے معلوم ہوگی اب اگر لفظوں میں اسکی تعریف کیجائے تو اس سے دوسروں کو واقفیت ہو ہی نہیں سکتی۔

اب اہل علم میں بس یہی کمی ہے کہ وہ ہر چیز کو علم بنالینا چاہتے ہیں حالانکہ علم اور شے ہے اور ذوق اور شے ہے ذوق کے معنی دانستن اور جاننے کے نہیں ہیں۔ میری اس گفتگو سے امید ہے کہ آپ کے خیال میں بھی یہ بات آگئی ہوگی کہ ذوق کو لفظوں سے سمجھنا ممکن نہیں یہ تو وجدانی شے ہے اسلئے اسکے علم کا ذریعہ صحبت ہے نہ کہ کتاب اور تحریر۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ فکذلک الشیخ اذا لم یکن صاحب ذوق واخذ الطریق من الکتب وافواہ الرجال وقعد یربی بہ المرید طلبًا للمرتبۃ والریاسۃ فانہ یہلک لمن تبعہ لانہ لایعرف مورد الطالب ولا مصدرہ۔ اس گذارش کا مطلب اگر آپ نے سمجھ لیا ہو تو لکھئے کہ کیا سمجھے؟

(خطوط شکیل عباسی ندوی بنام حضرت مصلح الامۃؒ)

(۱)

حال :- بکمال ادب عرض گذار ہوں کہ حضرت والا جس وقت الہ آباد تشریف لے گئے اسی کے ایک گھنٹہ کے بعد ایک نہایت والہانہ شوق زیارت کے ساتھ یہ خادم حاضر بارگاہ عالی ہوا دو ہفتے تک بعض مادی و روحانی معذوریوں سے حاضر نہ ہوسکنے کے باعث اس عقیدتمند کی حیثیت اس پیاسے کی سی تھی جو چشمے کی طرف دوڑتا ہوا گیا ہو لیکن وہاں پہونچنے پر وہ اپنے احساس کی دنیا میں ایک ایسے مجرم کے مانند تھا جسے اسکی کوتاہی کی سزا دی جا چکی ہو۔ لوگ قیاس آرائی کر رہے تھے کہ آب و ہوا کے راس نہ آنے کی وجہ سے اب وہیں رہیں گے لیکن دل اس رائے کو قبول نہیں کرتا تھا آدمی اپنے نقصان کے یقین پر آسانی سے راضی نہیں ہوتا اور یہ نقصان تو ایسا تھا جسکی تلافی ممکن نہیں ہے۔ میرا حال تو یہ تھا کہ جب بھی طبیعت بے سکون ہوتی تھی دوڑ کر حضرت والا کے آستانے پر پہونچتا تھا اور سکون لیکر چلا آتا تھا ایک عجیب شفقت نگاہ عالی میں دیکھتا تھا ہر طرح کے اضطراب کے لئے نوشدارو بن جاتی تھی اکرام تو میں نے بہت پایا ہے لیکن وہ اکرام جس میں کسی طرح کا تکلف کا شبہ نہ کیا جاسکے حضرت والا ہی کے نگاہِ کریمانہ میں دیکھا، ایک ایسا گرامی تخاطب جس کی تہ میں جیتی اخلاص کی کرنیں جگمگا رہی تھیں۔ میں اسی کریمانہ نظر کو حضرت والا کی سب سے بڑی کرامت سمجھتا تھا جس نے مجھ جیسے باغی کو بھی منقاد بنا لیا۔

یاحضرت! اس موقع پر میں اپنے ایک جرم کا اعتراف بلکہ اقبال کر کے حضرت والا کی عالی ظرفی سے عفو و درگذر کی فریاد کرتا ہوں۔ میں حضرت والا کی مجالسِ گرامی اور صفاتِ عالی سے نابلد ہونے کے باعث بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ محض اپنی بدبختی اور نفس کی شرارت سے حضرت والا کے مسلک پر سخت گستاخانہ تنقیدیں کر چکا ہوں۔ حضرت والا کی مجلس میں باریاب ہو کر اس گنہگار پر جو سب سے پہلا اثر پڑا وہ ایک مجرمانہ ندامت تھی جس کے بوجھ سے سر اٹھایا نہیں جاتا تھا اور شفقتِ عالی اس

محروم سعادت پر جوں جوں بڑھتی جاتی تھی اس شرمسار کی ندامت اور ترقی کرتی جاتی تھی۔ کئی مرتبہ سوچا کہ زبان سے نہیں تو قلم ہی سے اپنی کیفیت درونی کا اظہار کر دوں لیکن پھر خیال ہوا کہ حضرت والا کو اس خادم کے اخلاص عقیدت پر کچھ اور اعتماد ہو لے تب عرض مدعا کروں۔ اتنے میں بد سرشتوں نے کیچڑ اچھالنا شروع کر دیا۔ سوچا کہ اس سلسلے میں کچھ خدمت انجام دے لوں تب کہوں۔ پھر میری حالت میں مدوجزر اور حاضری میں کوتاہیاں ہونے لگیں اور آخر کار اچانک وہ واقعہ سامنے آگیا جسے میں کبھی سوچ نہیں سکا تھا یعنی خانقاہ ناگاہ منتقل ہوگئی اور جو نعمت اللہ کریم نے گورکھپور کو دی تھی وہ ہماری قدر ناشناسی کی شامت سے الہ آباد کو تفویض کر دی گئی۔ فیاحسرۃ علی العباد

ابتدا میں تو امید بہت سہارا دیتی رہتی تھی۔ مسجد کی نئی تعمیر زبان حال سے اسکی تائید کرتی تھی اور اندر سے ایک آواز آتی تھی کہ دنوں کی جس تعمیر میں حضرت نے ہاتھ لگایا تھا اسکا ناتمام رہنا گوارا نہیں فرمائیں گے اور کم سے کم کچھ دنوں کیلئے ضرور تشریف لائیں گے۔ احساس محرومی تڑپ کے کہتا تھا کہ حضرت اب تشریف لائیں گے تو ایک دن کی بھی حاضری ناغہ نہ ہوگی۔

اس قسم کے تصورات نے ایک دن ایک خواب کی شکل اختیار کی جس میں حضرت والا یہاں کی مجلس میں رونق افروز تھے میں وہیں پاس ہی نماز پڑھ رہا تھا نماز ہی کی حالت میں جیسے مجھے اس موہبت عظمیٰ کی بشارت ملی اور میں بیتاب زیارت ہو کر حضرت والا کو دیکھنے لگا۔ جبین اقدس پر تبسم کے انوار چھائے ہوئے تھے اور جسم مبارک پر ایک گرم اچکن تھی۔ یہ جذب صرف ایک لمحہ طاری رہا دوسرے لمحہ پھر میرا رخ قبلہ کی طرف ہوگیا لیکن نماز پوری کر کے قدمبوس ہونے کی آرزو آنکھ کھل جانے کیوجہ سے برباد ہو کر رہ گئی۔

حضرت کے تشریف لیجانے کے بعد نفس کے سخت حملوں سے میری صحت پھر وہیں آگئی تھی جہاں چار چھ مہینے پیشتر تھی۔ اب کچھ دنوں سے کچھ سکون ہو چلا ہے

عا فرمائیں کہ اللہ کریم پوری صحت عطا فرما کر اجر و ثواب کے کاموں کی توفیق مرحمت
رماتے رہیں۔

(تحقیق)

محب محترم زاد اللہ عرفانکم ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ
آپ کا محبت اور عقیدت نامہ آیا اسکے ایک ایک لفظ کا خاص اثر قلب پر ہوا
ح پوچھئے تو بڑی ہمت افزائی ہوئی اور عزائم میں استحکام ہوا اور دل نے یہ فیصلہ
یا کہ دنیا اب بھی قدر دانوں سے خالی نہیں۔ میں تو آپ کے اس خط سے بیچ جانے
پ کا معتقد ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہوتے ہیں۔ خدا کا شکر ادا کرتا ہوں
ں نے ایسے لوگوں سے ربط و ضبط پیدا کر دیا جن سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔
ں اپنے آپ کو اس لکھنے پر مجبور پا رہا ہوں کہ آپ سے مجھکو محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ
ں میں خلوص دے اور قیامت میں ہمارے لئے ذریعہ نجات بنے ۔ میں آپکو
تا ہوں کہ گورکھپور کے تعمیر کا کام ادھورا اور نا تمام نہ رکھا جائیگا جبکہ آپ سے جیسے
رگوں کی توجہ شامل حال ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میرا یہ جواب آپ میرے دوستوں
سنا دیں انھیں مسرت کا باعث ہوگا زیادہ بجز شوق ملاقات کے کیا عرض کروں۔
آپ کا خط میں نے رکھ لیا ہے اسکی نقل اور یہ جواب روانہ خدمت ہے
السلام کمسک اختتام خیر تمام۔

وصی اللہ عفی عنہ

(۲)

ال :۔ بحال ادب عرض گذار ہوں کہ عالی ہوں کہ دوسرے عریضے کی ترتیب
کے لئے خیالات جمع کر رہا تھا کہ ناگاہ صحت کی خرابی نے شدت اختیار کرلی اور
وا ور ضعف نے دماغ کو شکنجہ میں کس لیا اور حالت دیکھتے دیکھتے یہ ہو گئی کہ دعا
خواست کے لئے بھی قلم نہ اٹھا سکا بس تصور کی نگاہ سے حسرت کے ساتھ حضرت والا
ا شفقت بے پایاں کیطرف دیکھتا رہتا تھا۔ حضرت جب یہاں جلوہ فرما تھے تب

ڈاکٹر کے پاس جاتے ہوئے حضرت کی بارگاہ کی حاضری کی برکتیں ساتھ لے لیتا تھا اس مرتبہ جب خاص اضطرابی چبھن اور دماغی الجھن کے ساتھ ڈاکٹر کی طرف چلا تو حضرت کی دعا کا تصور ساتھ ہو لیا تھا۔ بستر علالت پر بھی بے چینی سے تڑپتے ہوئے حضرت والا کی بے مثال کریم النفسی کو یاد کرتا رہتا ہوں۔ یہ عریضہ بدقت تمام عالم اضطراب میں محض دعا کی درخواست کے لئے لکھ رہا ہوں۔

زندگی اپنے گناہوں کے کفارے کے لئے چاہتا ہوں اور دین کی حسب استعداد خدمت کے لئے۔ دماغ چاہتا ہوں دین کی فکر کے لئے۔ اور دل مانگتا ہوں اللہ کے ذکر کے لئے۔

آج پچھلے پہر کو اس رشک سے سو نہ سکا کہ عالم شب قدر کا خیر مقدم کر کے اسکے نزول کی برکتیں جمع کر رہا ہے اور یہ میں محروم ہوں۔ اللہ کریم کاش اس احساس محرومی کو اسکی خامیاں درگذر فرما کر قبول فرما لیتے۔ اے کاش!

تحقیق: — محب من! زاد اللہ تعالیٰ عرفانکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

الحمد للہ بخیریت ہوں آپکے خط کا انتظار تھا عین انتظار میں آج محبت نامے نے مسرور فرمایا۔ جیسے خط کے آنے سے خوشی ہوئی بیماری کی خبر سے رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ کامل صحت عطا فرمائے۔ زندگی عطا ہو جس سے تدارک مافات اور دین کی خدمت ہو سکے اور دماغ بھی وہ عطا ہو جو دین کی فکر کرے اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے عطا ہو۔

آپ نے لکھا ہے کہ لیلۃ مبارکہ میں اس رشک سے سو نہ سکا کہ عالم شب قدر کا خیر مقدم کر کے برکتیں جمع کر رہا ہے اور یہ میں محروم ہوں — یہ رشک میرے خیال میں باطنی طاعت ہے جو ظاہری طاعت سے بڑھکر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ نصیب فرمائے اور اسے قبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

آپ نے خط کے ابتدائی جملوں میں جس عقیدت و محبت کا اظہار فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اسکے نیک ثمرات عطا فرمائے۔ والسلام

(۴۳)

حال :۔ مرجع اہل وفا، مجمع صدق وصفا دامت برکاتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
بکمال ادب ملتمس ہوں کہ ایک عرصے سے کوئی عریضہ خدمت عالی میں رسال
اسکا اس محرومی کو سوچتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غفلت نے اس نادان کو نقصان
راضی کرلیا ہے ۔ مراسلت کی جو برکتیں ہیں میرا شعور اس سے نابلد نہیں اور ان
لتوں کے حصول کے لئے جو تڑپ ہوتی ہے دلکو اس سے بکلی خالی نہیں پاتا۔
تحقیق :۔ دیر آید درست آید انھیں مواقع کیلئے چسپاں ہے ۔ دل کو تڑپ سے
لی نہ پانا اور غفلت سے ڈرنا اور تصور کا سمایا رہنا یہ سب مقاصد طریق سے ہیں
حال :۔ بایں ہمہ جو کوتاہی ہوئی اسے ایک مہینہ سے برابر سوچتا رہا ہوں
ر اپنے اندرون کو اسکے اسباب کی کرید میں مصروف پاتا رہا ہوں ۔
تحقیق :۔ یہ سوچ بچار اور اندرون کو کرید میں مصروف کرنا طریق کے لوازم سے
ہے ۔
حال :۔ ایک وجہ تو یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اچانک مجلس عالی سے دور اور مواعظ گرامی
ے محروم ہوجانے کے بعد طلب وشوق کو گم کردہ راہ ہوجانے کا موقع ملا، میری
بیعت اس بچے کی سی تھی جس کی آوارہ طبیعت ایک باکمال استاد کی حکیمانہ توجہ سے
لی اچھی طرح مانوس بھی نہ ہونے پائی تھی کہ مکتب کی بساط ہی لپیٹ دی گئی اور
کا نظام ہی ختم کردیا گیا۔ کچھ دنوں تو وہ بچہ کھویا کھویا سا رہا اسکے بعد اسکی طبیعت
ا استاد نے اسے پھر اسکی پرانی ڈگر پر ڈال دیا اور وہ پھر اپنے پرانے مشغلوں کی
بڑ میں گم ہوگیا۔
تحقیق :۔ ایسا ہوتا ہے مگر یہاں واقعہ اسکے خلاف ہے الحمدللہ کہ آپ پرانے
غلوں میں گم نہیں ہوئے ۔

حال :۔ (۲) دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو خاص نسبت مراسلت کا حقدار بناتی ہے یہ عقیدت مند ابھی اس تک پہونچ نہیں سکا تھا ابھی تو دو ایک زینے طے کئے تھے کہ طلسماتی طور پر وہ عمارت ہی اٹھالی گئی جس میں وہ زینے لگے تھے اور اچانک ایسا محسوس ہوا کہ جیسے خواب میں ایک مرد کامل کے سامنے زانوئے ادب تہ کئے بیٹھا تھا کہ اتنے میں آنکھ کھل گئی

تحقیق : ـــــ یہ صحیح ہے مگر طالب صادق کیلئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے کو عقیدت میں ناقص سمجھے یہی اسکے لئے ازبس مفید ہے

حال : ـــــ اس واقعہ کو یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ طلب کا ایک پودا حضرت کی گرامی توجہ کی برسات میں اگ رہا تھا اتنے میں باران فیض کا رخ ایسا بدلا کہ وہ ننھا سا پودا کرم کی چھینٹوں اور لطف کی پھواروں کو ترس ترس کر مرجھانے لگا۔

تحقیق : ـــــ مگر مرجھا نہ سکا لطف کی پھواروں نے اسے تروتازہ کردیا فللہ الحمد والمنۃ

حال : ـــــ (۳) تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دل کی طرف سے جب عرض احوال کی تحریک ہوئی تو دماغ نے طرح طرح کی موشگافیاں شروع کردیں، اور کیا لکھا جائے اور کس اسلوب سے لکھا جائے کے مسئلے آکھڑے ہوئے۔ زبان کیطرح چونکہ قلم بھی بے راہ روی کا عادی رہا ہے اسلئے کبھی اس نقص کا احساس بھی عناں گیر ہوا۔ کبھی یہ ہوا کہ تصور کی بیاض میں حضرت کی یاد کے ہاتھ سے لکھے ہوئے جو نوشتے تھے کاغذ جب انکا عکس لینے لگا تو ادب نے احتساب کا ہاتھ بڑھایا کہ تجھے اس تصدیع کا حق بھی حاصل ہے ؟

تحقیق : ـــــ یہ بھی وہی ہے جو اوپر عرض کر چکا ہوں، یہ حضرت عشق کی نیرنگیاں ہیں۔

حال :۔ (۴) کبھی عام بد دینی کے ہولناک مناظر سے گھبرا کر اور کبھی اپنے باطنی انقباض سے اکتا کر حضرت سے فریاد کرنے کو جی چاہا تو اندر سے کسی نے ڈرایا کہ بے تربیت قلم کی گفتگو کہیں بکواس نہ بن جائے

تحقیق : ـــــ یہ طلب صادق میں ہوتا ہے یہ ڈر لازم حال رہتا ہے

حال :- یہ عریضہ اسی لئے ارسال کر رہا ہوں کہ جناب والا سے اگرچہ میری نسبت ضعیف ہے اور جو تربیت حضرت کی مجلس سے کچھ دنوں تک ملی تھی وہ اگرچہ بہت خام ہے پھر بھی مجھے اجازت دی جائے کہ اپنے دینی تاثرات اور اپنے باطنی حالات اور کچھ دینی استفسارات کو حضرت سے مراسلت کرنے کا وسیلہ بناؤں تاکہ اس سبزۂ انتساب کے پنپنے کے لئے جسے حضرت کے ابرِ کرم نے اس بے معرفت کے دل میں اُگایا تھا کم سے کم شبنم کی تری ملتی رہے۔

تحقیق :- نہایت خوشی سے اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ روزافزوں ترقی نصیب فرمائے۔

حال :- میری صحت بزرگوں اور بالخصوص حضرت والا کی دعاؤں اور اللہ کریم کے فضل وکرم سے اب اچھی ہے، اور جو دینی مشاغل ناتندرسی کے باعث چھوٹ گئے تھے انکا دامن پھر ہاتھ میں آگیا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہر دینی کام میں اخلاص عطا فرماکر اسے قبول فرمائیں۔ اور حضرت والا سے جو ہدایتیں ملتی رہی ہیں مشعل راہ کا کام دیتی رہیں۔ تحقیق :- آمین۔

حال :- ایک مرتبہ کا واقعہ یاد آرہا ہے کہ ایک دینی مجلس میں خطاب کے ارادہ سے جارہا تھا راہ میں وسوسہ پیدا ہوا کہ اس مجلس کی رونق میرے دم سے ہے میں نہ ہوتا تو وہ کب کی درہم برہم ہوچکی ہوتی اس خیال کے آتے ہی حضرت کی ایک تازہ ہدایت نے رہنمائی کی اور آدھی راہ سے واپس آگیا۔

تحقیق :- یہ سب ہدایات غیبیہ ہیں جن سے طالب کی دستگیری کیجاتی ہے۔

حال :- گھوم پھر کر حضرت کی بارگاہ ارشاد میں اسلئے جاتا تھا کہ دینی خدمات کے لئے حضرت کی رہنمائی حاصل کروں۔ آہ وہ چراغ رہنمائی اب بھی ہے لیکن میری کم بیں نگاہ سے بہت دور آسمان کے اس ستارے کی طرح جو عام نگاہوں کی دسترس سے اونچا ہوتا ہے۔

تحقیق : نظروں سے دور رہنے کا پیارے گلا نہیں دل سے قریب ایسے ہو کچھ فاصلہ نہیں

حال :۔ البتہ اس منزل میں جب قدم رکھتا ہوں تو ان ایام کو یاد کرلیتا ہوں جب اس ستارے کی چھاؤں میں چلنے کی توفیق حاصل تھی۔ تحقیق : الحمد للہ

حال :۔ اللہ کریم ہمیں اسکی سچی قدردانی عطا فرمائے اور اسے ہمارے سروں پر ہماری دینی و دنیاوی فلاح کے لئے قائم رکھے۔ آمین ثم آمین تحقیق : آمین۔

(۴)

حال :۔ چند ماہ پیشتر ایک عریضہ ارسال خدمت اقدس کیا تھا اور امید تھی کہ نعمت ملاقات کا شرف جلد جلد ملا کریگا لیکن نفس و شیطان کے غلبہ سے ایسا نہ ہوسکا۔ میرے جیسے سراپا عصیاں کیلئے جناب کے فیض صحبت کی سخت ضرورت ہے لیکن بدقسمتی سے ابھی نوبت نہیں آرہی ہے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کی خدمت میں حاضری اور فائدہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جناب کی صحبت سے مجھے جو فائدے حاصل ہوئے ہیں ان میں میرے خیال کے مطابق سب اہم فائدہ یہ ہوا ہے کہ اللہ والوں سے عقیدت میں اضافہ اور ان پر نکیر سے نفرت پیدا ہوگئی ہے۔ میرے نزدیک یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے کیونکہ اپنے اعمال تو پریشان کن ہیں البتہ المرء مع من احب (انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا) کی بشارت باعث تسلی ہے۔ میں اعمال کی دنیا میں بالکل تہیدست ہوں، اگر جناب والا دعائے خیر سے سرفراز فرماتے رہیں تو کامرانی سے ہمکنار ہونے کی قوی توقع ہے۔

تحقیق :۔ ضرورت صحبت کا احساس کرتے ہوئے تشریف آوری اور فائدہ حاصل کرنے کی توفیق کی جو دعا کرائی ہے میں آپ کو بتلانا چاہتا ہوں کہ مجھکو آپ سے دلی محبت و مناسبت ہے اس لیے دل سے دعا کرتا ہوں اور اسکو چاہا کرتا ہوں کہ یہ کیا کروں ۔۔۔ آپنے تحریر فرمایا ہے کہ سب سے اہم فائدہ الخ (دیکھیے عبارت خط کشیدہ بالا) سبحان اللہ کیا کہنا ہے اس مضمون کے استحسان کا۔ کاش یہ مضامین بہت سے دلوں میں پیدا ہوجائیں۔ میں آپ جیسے مخلص کیلئے دعا کو اپنا فرض سمجھتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی نسبۃ صحیحہ صادقہ عطا فرمائے اور اپنے صالحین بندوں میں داخل فرمائے۔ آمین

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

کیونکہ یہ کھنے کسا ئے صاحب بہادر کسی مسند پر نہیں بیٹھ سکتے ۔ دسترخوان پر کھانا تناول نہیں فرما سکتے۔ نماز کے لئے بار بار وضو نہیں کر سکتے ، رکوع و سجدہ نہیں کر سکتے ۔ غرض گھر کا پرانا فرنیچر رخصت ، پرانی وضع و قطع رخصت ، رسم و رواج رخصت ، طہارت و عبادت رخصت ۔

دیکھ لیا کہ ایک انگریزی جوتے کی آفت کہاں تک پہونچی اور کس طرح اس نے تمھارے دین و دنیا کو تباہ کر ڈالا ۔ حقیقت میں گناہوں کا ایک سلسلہ ہے جب انسان ایک گناہ اختیار کرتا ہے تو دوسرا خود بخود اس کے ساتھ لگ لیتا ہے ۔ ایک حدیث میں ہے کہ نیکی کی فوری جزا یہ ہے کہ اسکے بعد دوسری نیکی کی توفیق مل جاتی ہے اور گناہ کی فوری سزا یہ ہے کہ اسکے بعد دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔

(از رسالہ الدوار الشافی لابن القیم)

ہم آج انگریزوں کے مظالم اور تکبر آمیز معاملات سے نالاں ہیں اور ان کو برا بھی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں مخالفت کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن افسوس کہ انگریز جن عادات و خصائل اور اخلاق و معاشرت کی وجہ سے قابل نفرت ہیں وہ ہمارے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہیں ۔ انگریزوں کو تو ہندوستان سے نکالنے کے لئے بہت سے لوگ سرگرم کار نظر آتے ہیں لیکن انگریزیت کو قلب و دماغ اور اسکی غلامی کے طوق و زنجیر کو اپنے دست و گلو سے نکالنے کے لئے کوئی تیار نظر نہیں آتا حالانکہ وہ غیر اختیاری ہے اور یہ اختیاری ۔

اگر حقیقت میں ہمیں نصاریٰ اور انگریزوں سے نفرت ہے تو ہمارا پہلا قدم یہ ہونا چاہیے کہ آج ہی انکی وضع قطع اور طرز معاشرت کو یکلخت چھوڑ دیں اور زبان کا استعمال بھی بقدر ضرورت اور مجبوری کریں اور بغیر شدید ضرورت کے انگریزی الفاظ و زبان کا استعمال نہ کریں اور جن مواقع میں ہمیں انگریزوں کی پالیسی نے انگریزی کے لئے مجبور کر رکھا ہے ان میں بھی اسکی کوشش کریں کہ کوئی

ہندوستانی اسپر مجبور نہ رہے۔ ڈاک اور ریل کے ٹکٹ اور تمام کاروبار ہماری ملکی زبان میں ہوں۔ ہندوستانی عدالتوں کے فیصلے ہماری ملکی زبان میں ہوں تاکہ ہمارے قلوب و دماغ نصاریٰ کے تسلط سے پاک ہوں۔

حافظ حدیث علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ اقتضاء الصراط المستقیم میں فرماتے ہیں:-

ان اعتیاد اللغۃ موثر فی العقل والخلق والدین تاثیرا بینا — کسی قوم کی زبان کا عادی ہونا اسکی عقل و اخلاق اور دین میں کھلی ہوئی تاثیر رکھتا ہے۔

افسوس ہے کہ آج مسلمانوں کی نظر اسقدر سطحی ہوگئی ہے کہ اپنے بزرگوں کے برتے ہوئے مجرب اصول اور ان کے بتلائے ہوئے گُر ان کی سمجھ میں نہیں آتے انھیں قرآن و حدیث کے ارشادات سنائے جاتے ہیں تو ان کے دل اسکے قبول کے لئے نہیں کھلتے۔

سلف صالح کے حکمت آموز کلمات و اصول بتلائے جاتے ہیں تو وہ ان کی نظر میں نہیں آتے وہ علماء کو یہ رائے دیتے ہیں کہ عربی زبان کے رہے سہے آثار بھی مٹا دیں۔ خطبے اردو زبان میں پڑھیں عربی زبان کا نام نہ آنے دیں۔ اس لئے آخر میں ہم خود اس قوم کے چند واقعات پیش کرتے ہیں جسکی کورانہ تقلید نے ہمارے بھائیوں کو مصائب و ذلت کا شکار بنا رکھا ہے۔

ذرا غور کیجئے کہ ہندوستان میں باوجود اس اشاعت و عموم کے فیصدی کتنے آدمی ہیں جو انگریزی جانتے ہیں لیکن انگریزوں نے اپنی سیاسی حکمت عملی کی بنیاد سارے دفتروں کے کاغذات۔ ریل اور ڈاک کے ٹکٹ اور تمام کاروبار انگریزی میں رکھے ہیں۔ اپنی ملکی زبان میں تمام علوم و فنون کا ماہر ہندوستانی انگریزوں کے دفتروں میں ایسا پھرتا ہے جیسے کوئی اندھا پھرا کرتا ہے۔

آپ غور نہیں کرتے کہ آخر انگریزوں نے یہ طرز کیوں اختیار کیا اور ہندوستانیوں کو انگریزی سیکھنے پر مجبور کرنے سے انکا کیا مقصد ہے؟ اگر ذرا غور سے کام لو تو مقصد

کھلا ہوا ہے کہ ہندوستانی عموماً اور مسلمان خصوصاً ایک مذہبی فطرت رکھتے ہیں اور مذہب کسی وقت اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان کسی کافر کا غلام بن جائے بلکہ اسلام براہ راست اسکے لئے بھی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کافر کی وضع قطع اور اسکی معاشرت اختیار کرے اسلئے موجودہ حکومت نے یہ چال پھیلایا کہ اپنی زبان سیکھنے پر انھیں مجبور کر دیا۔ زبان سیکھتے ہی انکی معاشرت خود بخود بدلی، بدلنے کے ساتھ ہی انھیں قومی اور مذہبی عزت حقیر نظر آنے لگی اور انگریزی معاشرت کے طوق کو وہ اپنی زینت سمجھنے لگے۔

> اندلس میں عربی زبان اور عربی معاشرت کو مٹانے کی کوشش اسلامی کتب خانے نذر آتش

اور یورپین نصاریٰ کی یہ کوشش آج کی نہیں بلکہ زوال اندلس کے وقت جب کہ ممالک یورپ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر نصاریٰ کے زیر نگین ہو گئے، اور نصاریٰ نے ہر طرح کے جبر و اکراہ سے یہ چاہا کہ رعیت کو اپنا ہم رنگ و ہمنوا بنالیں مگر صدیوں کی پیہم کوششوں کے بعد اس میں کامیابی نہ ہوئی تو وہاں کے تجربہ کار اسکی تفتیش میں لگے کہ اسکا سبب کیا ہے ایک کمیشن اسکے لئے بنایا گیا اس کمیشن کی رپورٹ یہ ہوئی کہ ہم نے اگرچہ مسلمانوں کو اپنے یہاں سے نکالدیا ہے لیکن اسلامی زبان (عربی) کے مدارس اور اس کی تعلیم و تعلّم ابھی تک ہمارے ملک میں عام ہے، اسلامی معاشرت و تمدن رائج ہے۔ اسی نے سب کے قلوب کو مسخر کیا ہوا ہے اور ہم سے انکا رشتہ نہیں جوڑتا۔ جب تک اسلامی زبان، اسلامی کتب اور اسلامی معاشرت کو یورپ سے ختم نہ کر دیا جائیگا ہم اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

۱۵۱۱ء میں یہ رپورٹ سامنے آئی اسی وقت سے حکومتوں نے اپنا تمام تر زور اس پر خرچ کر دیا کہ یہ اسلامی نشانات یکسر ممالک یورپ سے فنا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اس سال قشتالہ اور غرناطہ سے ایسے بچے مسلمانوں کو

بے سروسامان نکل جانے پر مجبور کردیا گیا جن کے متعلق حکومت کو یقین تھا کہ یہ اپنی زبان و معاشرت کو نہ چھوڑیں گے۔

۱۵۱۱ء میں کردینا کیمنس نے اسلامی قلمی کتابوں کو اطراف وجوانب سے جمع کرکے۔ غرناطہ کے میدان میں ایک عظیم الشان انبار لگا دیا جو عالم انسان کے منتخب افراد کی صدیوں کی عرق ریزی و محنت کے نتائج اور علوم شریعت و حکمت اور فلسفہ و ریاضی کے علمی خزائن تھے۔ اس ناعاقبت اندیش ظالم نے یہ عظیم الشان انبار نذر آتش کردیا اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ کسی اسلامی کتاب کا رکھنا قانونی جرم بنا دیا اور جس جگہ کوئی کتاب ہاتھ آئی اسکو ضبط کرلینے اور جلا دینے کا حکم عام کردیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ پچاس سال تک یہ کوشش جاری رہی جب کہیں ممالک یورپ سے اسلامی کتابوں کو مٹایا جا سکا۔

آپ اس سے ایک طرف تو اس علوم اسلامی کی ہمہ گیری اور جاذبیت کا اندازہ کرسکتے ہیں اور دوسری طرف یورپین نصاریٰ کی اوندھی ذہنیت کمینہ طبیعت اور اسلام دشمنی کا کچھ تخمینہ کرسکتے ہیں کہ یہ علوم و معارف کے خزائن جو ہر قوم کے کام آنیوالی چیز تھی اور ہزاروں فاضل علمار کی عمر بھر کی کمائی اور یکتا موتیوں سے زیادہ قیمتی خزائن تھے ان درندوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ خود یورپ کے غیر متعصب عیسائی ان کے ظلم وستم پر ماتم کررہے ہیں اسلئے نہیں کہ وہ مسلمانوں پر رحم کھاتے ہیں بلکہ اسلئے کہ وہ خود ان کتابوں اور ان علوم کے محتاج تھے۔

(دیکھو غابرالاندلس)

۱۹۲۶ء میں فیلیب امیر اسپانیہ نے اپنی قلمرو میں یہ حکم جاری کردیا کہ کوئی شخص کوئی عربی جملہ نہ بول سکے جن لوگوں کے نام عربی ترکیب پر مشتمل ہیں ان کے نام بدل دیئے جائیں اور جو لوگ اسکو منظور نہ کریں وہ اسکی قلمرو سے نکل جائیں چنانچہ لاکھوں مسلمانوں کو اسی قانون کے تحت بے سروسامان جلا وطن کردیا گیا

(غابرالاندلس وحاضرہا ص۱۵۶)

الغرض نصاریٰ اور مغربی اقوام اس گُر کو سمجھتے ہیں جس کی بدولت ہمارے اسلاف نے اسلام اور عرب کا سکہ لوگوں کے قلوب پر بٹھایا تھا اور اپنی کامیابی کا راز وہ اس میں سمجھتے ہیں کہ اسلامی آثار و شعائر اور زبان و معاشرت کو فنا کردیں۔

لیکن افسوس اسلام کا نام لینے والے اب بھی اسکو نہیں سمجھتے بلکہ جو کام فیلیب نے بزور قانون اپنی رعیت سے کرایا تھا ہمارے سادہ لوح مسلمان اسکو خود اپنے ہاتھوں سے خوشی خوشی انجام دے رہے ہیں اور یہی نہیں کہ وہ اتفاقی اس بلا میں پھنس گئے ہوں بلکہ اس سم قاتل کو آب حیوان اور اس مرض کو دوا سمجھ رہے ہیں۔

الٰہ العالمین تو ہی مسلمانوں کو عقل دے کہ اب بھی اس حکمت کو سمجھ لیں اور غیروں کی زبان اور غیروں کی معاشرت اور غیروں کی وضع قطع سے اجتناب کرلیں وہ اگر غیروں کے حاکمانہ اور ظالمانہ تسلط کو اپنے اوپر سے ہٹانے میں کسی قدر مجبور و معذور ہیں اور انگریزی وغیرہ کو ملازمت وغیرہ کی مجبوری سے نہیں چھوڑ سکتے تو اس میں کیا مجبوری ہے کہ اپنے قلب و دماغ اور اعضاء و جوارح سے ان کی غلامی کے طوق و زنجیر اتار پھینکیں اور اپنے نجی معاملات اور روزمرہ کے معاملات میں انگریزی زبان بولنا چھوڑ دیں۔

ہماری یہ غرض نہیں کہ سردست انگریزی زبان چھوڑ بیٹھیں اور جو عہدے اور جو منصب اس پر موقوف کر دیئے گئے ہیں ان سے یکسو ہو جاویں۔ غرض یہ ہے کہ ایک تو بے ضرورت اور بلا مجبوری اس زبان کا استعمال اپنے کاروبار میں نہ کریں دوسرے اپنے سیاسی مطالبات میں بھی اسکو شامل کریں کہ ملک کے سب کاروبار ملکی زبان میں ہوں، اور اگر وہ یہ کرلیں تو شاید دوسری قسط بھی ان کے لئے بہت قریب نظر آنے لگے۔ مگر یہ دقیانوسی خیالات کس سے کہیں اور کون سنے سہ

می نفہمد کسے زبان مرا — بہ عزیزاں چہ التماس کنم

(کوئی بھی ایسا نہیں جو میری زبان کو سمجھ سکے (تو پھر) عزیزوں سے کیا کہوں اور کیا گذارش کروں)

اللھم انا نعوذ بک من شرور انفسنا و سیئات اعمالنا فلا ملجا ولا منجاء منک الا الیک

۳۵۔ مصائب دنیا رحمت ہیں یا عذاب

بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی مصائب و آفات حق تعالیٰ کی رحمت اور بڑی فضیلت کی چیزیں ہیں جیساکہ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے زیادہ بلائیں انبیاء علیہم السلام پر آتی ہیں اسکے بعد درجہ بدرجہ مقبولین اور اولیاء پر۔

لیکن اسکے بالمقابل بہت سی آیات قرآنیہ اور روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی مصیبتیں ہمارے گناہوں کے نتائج و ثمرات ہیں اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے قہر کی علامت ہیں اسلئے حیرانی ہوتی ہے کہ حقیقت کیا ہے اور انسان جب کسی مصیبت میں مبتلا ہو تو وہ اسکو قہر الٰہی سمجھے یا راحت؟

قطب عالم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے اس مسئلہ کا بہترین حل فرمایا ہے جو علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب صفوۃ الصفوۃ میں تحریر فرمایا ہے وھو ہٰذا۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ امراض و مصائب کی تین حالتیں ہیں۔ بعض حالات میں وہ عذاب اور قہر خداوندی ہوتے ہیں اور بعض میں گناہوں کا کفارہ اور بعض میں رفع درجات اور یہی پہچان ہر ایک کی ہے کہ:۔

اگر امراض و مصائب کے ساتھ مصیبت زدہ کو تقدیر الٰہی پر غصہ اور اس سے شکایت پیدا ہو تو علامت قہر خداوندی اور عذاب کی ہے اور اگر یہ صورت نہ ہو بلکہ اس پر صبر کرے تو یہ علامت کفارۂ ذنوب ہونے کی ہے اور اگر صبر کے بعد رضا اور قلب میں انشراح محسوس کرے تو وہ علامت رفع درجات کی ہے۔ انتہیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء اور اولیاء علیہم السلام کی مصائب تیسری قسم میں داخل ہیں اور عام مومنین کے مصائب قسم دوم میں۔ اور اول قسم اکثر کفار کا حال ہوتا ہے، خداوند تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

۳۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی رات

شاید کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا جو حضرت ابوہریرہ سے واقف نہ ہو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کے گھرانہ کی رات ایک ممتاز رات تھی گھر میں ایک خود حضرت موصوف تھے ایک انکی زوجہ محترمہ اور ایک کنیز۔ تینوں نے رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا کہ پہلے ایک تہائی حصہ میں ایک بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہتا پھر ایک تہائی رات گذرنے پر دوسرے کو اٹھا دیتا جب انکا وقت ختم ہو جاتا تو وہ تیسرے کو بیدار کر دیتا تھا کہ اپنی عبادت میں مشغول ہو جاوے۔

(صفوۃ الصفوہ لابن الجوزی ص۱۱۵)

۳۷۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا دن

جس زمانہ میں مروان کی طرف سے آپ ایک صوبہ کے عامل و حاکم تھے عدالت کے وقت تو آپ خلق اللہ کی خدمت اور عدل وانصاف کے فیصلوں میں مشغول رہتے تھے یہاں سے اٹھکر لکڑیوں کا ایک گٹھر اپنے سر پر رکھکر لاتے تھے اور ظرافت کے ساتھ کہتے جاتے تھے اوسعوا الطریق لامیرکم (تمھارے امیرالمومنین آرہے ہیں راستہ چھوڑ دو)

(صفوۃ الصفوہ ص۱۱۵)

۳۸۔ امام المسلمین احمد بن حنبلؒ کے ملفوظات طیبات

امام الدنیا والدین حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امت کے ان چار اماموں میں سے ہیں جنکی تقلید پر حق تعالےٰ نے ساری امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو جمع کر دیا ہے۔ ان کے فضائل مناقب پر اکابر[1] علماء کی مستقل بڑی بڑی تصانیف

[1] حافظ حدیث امام ابن جوزیؒ بیہقی۔ شیخ الاسلام زکریا انصاری۔ ابن جوزی وغیرہم جیسے ائمہ امت۔

موجود ہیں۔ اس جگہ آپ کے بعض خاص ملفوظات درج کئے جاتے ہیں جو علوم و معارف کے خزائن ہیں اور روح ایمان کو بڑھانے والے ہیں۔

(۱) آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو عرض کیا کہ اے پروردگار جو اعمال بندہ کو آپ سے قریب کرنے والے ہیں انمیں سے بہتر اور زیادہ مفید عمل کون سا ہے۔ ارشاد فرمایا قرآن مجید کی تلاوت۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تقرب کا عظیم الشان فائدہ صرف اس صورت میں ہے جبکہ قرآن شریف کو سمجھکر پڑھا جاتا ہے یا عام ہے کہ سمجھکر پڑھیں یا بلا سمجھے؟ ارشاد فرمایا کہ سمجھکر پڑھیں یا بلا سمجھے ہر حال میں وہ میرے تقرب خاص کا ذریعہ ہے۔
(کتاب صفوۃ الصفوہ لابن الجوزی ص ۲۲۴)

(۲) کوئی نوعمر آپ کی خدمت میں طلب حدیث کے لئے تنہا حاضر ہوتا تو آپ اس کو تنہائی میں حدیث پڑھانے سے انکار فرما دیتے جب تک کہ اسکے ساتھ کوئی اور آدمی نہ ہو اور فرماتے کہ خدا تعالیٰ کے عظیم القدر پیغمبر حضرت زکریا علیہ السلام نے اسلئے نکاح کر لیا تھا کہ نظر بد کے خطرہ سے محفوظ ہو جاویں (تو ہمارا کہاں ٹھکانا ہے ہمیں تو ایسے مواقع سے بہت بچنا چاہیئے جن میں نظر بد کا ذرا سا بھی احتمال ہو۔
(صفوۃ الصفوہ)

ف: سبحان اللہ اس امام ہمام کی احتیاط و تقویٰ دیکھئے کہ باوجود ہر طرح قادر علی النفس اور مجسم تقویٰ ہونے کے کسی نوعمر لڑکے کو تنہائی میں درس دینے سے بچتے تھے افسوس کہ آجکل یہ بلا اس قدر عام ہو گئی ہے کہ عوام کا تو پوچھنا کیا علماء و فضلاء اور معلمین و مدرسین اس قدر احتیاط نہیں کرتے۔

(۳) ایک مرتبہ آپ نے ایک بھائی کو خط لکھا:۔ اما بعد! اے برادر! کیا ابھی تک تمہارے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ تم لوگوں سے وحشت کرنے لگو حالانکہ ہمارے سلف، صحابہ اور تابعین وغیرہ کا یہ حال تھا کہ جب انکی عمر چالیس سال کو پہنچ جاتی تھی تو سب جان پہچان اور میل جول چھوڑ دیتے تھے گویا وہ مجبوط الحواس ہیں تاکہ سب سے یکسو ہو کر موت کی تیاری کریں۔

اور یہ بات بھی ہے کہ جو شخص حِکَم، موعظت اور سیرِ سلف میں غور و فکر کرنے سے اعراض کرتا ہے تو وہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کا شکار ہو جائے گا یا تو تھوڑا سا عمل کر کے اپنے کو بہت عمل کرنے والا اور سابقین بالخیرات میں سے سمجھنے لگے گا یا تھوڑی بہت کوشش جو کرے گا تو اسکو بہت زیادہ سمجھکر اپنے کو دوسروں سے افضل سمجھے گا اور اسکی وجہ سے اسکی تمام ترکوشش بیکار اور کیا ہوا عمل بھی حبط اور ضائع ہو جائے گا لیکن جب ان حِکَم، موعظت اور سیرت سلف کا مطالعہ کرے گا اور اگلوں کے حالات سے واقف ہو جائے گا تو اسکی وجہ سے اس کی حرص علی الطاعات زیادہ ہو جائیگی اور اپنے کو اسلاف کے مقام تک پہونچنے سے قاصر پائے گا اور انکے درجات کو اپنے سے سوا جانے گا (اور یہ کسی کو عمل پر ابھارنے کا صحیح طریقہ ہے)۔

ہم اللہ تعالےٰ سے بہترین اعمال اور عظیم ترین برکات کا سوال کرتے ہیں بلاشبہ وہ بہت عطا فرمانے والا ہے اور سب کچھ دینے پر قادر ہے۔

پہلا باب اخلاص کا بیان

فقیہ ابواللیث سمرقندی اپنی سند کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ محمد بن لبیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ۔ سب سے زیادہ خوف مجھے تم پر شرک اصغر کا ہے ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ریار ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان ریاکاروں سے قیامت کے دن کہیگا کہ جن لوگوں کو دکھلانے کے لئے تم نے دنیا میں عمل کیا تھا ان کے پاس جاؤ اور دیکھو کہ وہاں تم کچھ خیر پا لیتے ہو؟

مولف فقیہ عرض کرتا ہے کہ ان سے یہ اسلئے کہا جائیگا کہ انکا دنیاوی عمل بھی بطور دھوکے اور خداع کے تھا لہٰذا اسکے ساتھ آخرت میں اسی جیسا معاملہ کیا جائیگا اور ایسا اسلئے ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ۔ یہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیتے ہیں تو اللہ بھی انکو ان کے خداع کا بدلہ اسی جیسے معاملہ سے دیگا ۔ یعنی انکے اعمال کے ثواب کو تو باطل فرما دے گا اور ان سے کہے گا کہ جاؤ جن کے لئے تم نے عمل کیا تھا ان سے ہی اسکا بدلہ لو، چونکہ تمہارا عمل خالصًا لوجہ اللہ نہ تھا اس لئے میرے پاس تمہارے عمل کا کچھ ثواب بھی نہیں ہے ۔ انسان کو ثواب اسوقت ملا کرتا ہے جبکہ اسکے عمل میں خلوص ہو یعنی عمل خدا کی رضا کے لئے ہو ۔ اور اگر وہ عمل غیر اللہ کے لئے کیا گیا ہے یا خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک کر دیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے عمل سے بری اور ایسے شخص سے بیزار ہیں ۔ حضرت سعید بن ابی سعیدؓ حضرت ابی ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ (شرکت کو تو کوئی بھی پسند نہیں کرتا لیکن) میں ان سب سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں یعنی اس عمل سے بے غرض و بے پروا ہوں جس میں میرے غیر کی شرکت ہو پس جس نے کوئی ایسا عمل کیا کہ جس میں میرے

بُرکو بھی میرے ساتھ شریک کریا تو میں اس عمل سے بری ہوں یا اس عمل کرنے والے سے بری ہوں ۔ تو دیکھو اس حدیث میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ خالصًا اپنے لئے کئے ہوئے عمل ہی کو قبول فرماتا ہے اور شرکت والے عمل کو قبول نہیں کرتا اور اس پر آخرت میں ثواب بھی نہ دیگا بلکہ اسکا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

اور اسکی دلیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنو مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا یعنی جو شخص اپنے عمل سے دنیا کمانے کا ارادہ کرتا ہے اور آخرت اسے مطلوب نہیں ہوتی تو اسکو ہم دنیا ہی میں دنیوی ساز و سامان سے جو کچھ چاہتے ہیں اور لِمَنْ نُّرِيْدُ جس کے لئے یہ چاہتے ہیں کہ اسکو ہلاک کردیں اس کو دیدیتے ہیں، یا جو ہم چاہیں وہ دیدیتے ہیں اسکی چاہت کا خیال کئے بغیر ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ یعنی اسکے بعد ہم اسکے لئے دخولِ نار کو واجب کردیں گے يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا یعنی وہ جہنم جس میں مستحق مذمت ہوکر داخل ہوگا اور اللہ تعالےٰ کی رحمت سے دور کیا ہوا داخل ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں کہ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا اور جس نے اپنے عمل سے ثواب آخرۃ کا ارادہ کیا اور آخرۃ کے لئے اسکے شایان شان عمل کیا یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کام کیا وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور حال یہ ہے کہ وہ اس عمل کرنے کے ساتھ ساتھ مومن بھی ہے کیونکہ کوئی عمل بدون ایمان کے قبول نہیں ہوتا فاولٰئک کان سعیہم مشکورًا تو یہ لوگ ہیں جو اخلاص کے ساتھ عمل کرنے والے ہیں اور شرک و ریا کی آمیزش سے پاک رکھنے والے ہیں انکا عمل مقبول ہوگا كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَاۤءِ وَهٰۤؤُلَاۤءِ مِنْ عَطَاۤءِ رَبِّكَ یعنی ان ہر دو فریق کو ہم آپ کے رب کا رزق (دنیوی بہرحال) دیتے اسلئے کہ وَمَا كَانَ عَطَاۤءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا آپ کے رب کا رزق دنیا میں تو کسی سے رکا ہوا نہیں ہے خواہ وہ کوئی ہو، مومن ہو کافر ہو۔ برّ ہو فاجر ہو۔ تو دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بیان فرمایا کہ جس نے اللہ کی رضا کیلئے عمل نہیں کیا تو اسکو آخرت کا ثواب نہیں ملے گا اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔ اور

جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عمل کیا تو اسکا عمل مقبول ہے اور وہ ثواب آخرت کا مستحق ہوگا ۔ اور بغیر وجہ اللہ عمل کرنے والے کے لئے اپنے عمل سے سوا تعب اور مشقت کے کوئی فائدہ نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بعض روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کے لئے اپنے روزہ سے بجز بھوک اور پیاس کچھ حاصل نہیں۔ اسی طرح بہت سے قائم اللیل ایسے ہیں کہ ان کے لئے اپنے قیام سے سوا شب بیداری اور تھکن کے کچھ فائدہ نہیں مطلب یہی ہے کہ جب یہ صیام و قیام اللہ تعالیٰ کیلئے نہوں تو ان پر کوئی اجر نہیں ملیگا ۔ جیسا کہ بعض حکماء سے مروی ہے کہ مثال اس شخص کی جو دکھاوے اور سنانے کے لئے عبادت کرے ایسی ہے جیسے کوئی شخص بازار جائے اور اپنی جیبوں میں کنکریاں بھر کر لیجائے تو لوگ اسکو دیکھکر کہیں گے واہ کتنا مالدار شخص ہے دیکھو تو اسکی جیبیں روپیے سے بھری ہیں مگر خود اسکو سوا اس بات کے سن لینے کے اور کوئی فائدہ نہیں چنانچہ وہ اگر ان کے عوض بازار سے کچھ لینا چاہے گا تو اس کو نہ ملیگا ۔ بس یہی حال اس شخص کا بھی ہے جو محض دکھانے سنانے کے لئے کوئی کام کرے کہ لوگ کچھ کہیں تو کہہ لیں آخرت میں اسے کچھ فائدہ نہ ہوگا ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے — اور ہم لوگوں کے ان اعمال کو لیں گے اور انکو ہباءً منثورا کر دیں گے یعنی اپنے جن اعمال کو انھوں نے غیر اللہ کے لئے کیا تھا ہم ان کے ثواب کو باطل کر دیں گے اور انھیں ایسا بے وزن کر دینگے جیسے ہوا میں اڑنے والی خاک ہوتی ہے اور ہباءً منثورا سے مراد وہ چھوٹے چھوٹے ذرات ہیں جو کسی روشن دان سے آنیوالی دھوپ کی شعاع میں اڑتے پھرتے نظر آتے ہیں مگر ہاتھ میں لینا چاہو تو لاشئی محض ۔

حضرت مجاہدؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے بھی کرتا ہوں اور دل میں یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ لوگ میری تعریف

کریں اور مجھے اچھا جانیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا یعنی جو شخص اپنے رب سے باحسن وجوہ ملاقات کا ارادہ رکھتا ہو تو اسکو چاہیئے کہ عمل صالح کرے یعنی خالصاً لوجہ الکریم کام کرے اور اپنے رب کی عبادۃ میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے (مطلب یہ کہ تم نے خدا کے لئے جو صدقہ دیا ہے یہ تو ٹھیک کیا لیکن مخلوق کی خوشنودی بھی جو اس سے چاہی یہ غلط کیا۔ اسی کا نام تو شرک ہے)۔ کسی حکیم کا کہنا ہے کہ جس نے سات چیزیں بدون سات چیزوں کے اختیار کیا تو اسکو اپنے عمل سے کچھ بھی نفع نہو گا اوّل یہ کہ خوف کے ساتھ کام کیا لیکن احتیاط اور پرہیز سے کا خیال نہیں کیا یعنی وہ کہتا تو ہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور گناہوں سے بچتا نہیں تو اسکا صرف یہ کہنا بالکل بے سود ہے۔ دوسرے یہ کہ رجار یعنی امید کے ساتھ کام کرے اور طلب وکوشش نکرے یعنی زبان سے تو یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ثواب کی حاجت اور امید ہے مگر اعمال صالحہ کے ذریعہ اسکو طلب نکرے تو یہ قول بھی اسکے حق میں غیر نافع ہے۔ تیسرے یہ کہ نیت ہو اور ارادہ نہ ہو یعنی قلب سے تو نیت کرتا ہے کہ طاعات اور اعمال خیر کرے گا مگر کام کرنے کا عزم اور ارادہ نہیں ہے یہ محض نیت بیکار ہے۔ چوتھے یہ کہ دعار کرے اور سعی وکوشش نہ کرے یعنی اللہ تعالیٰ سے تو یہ دعار کرے کہ اسکو اعمال خیر کی توفیق عطا فرمادے مگر خود اسکے لئے کوئی کوشش اور حرکت نہیں کرتا تو صرف یہ دعار کرنا کچھ بھی مفید مطلب نہ ہوگا اسکو چاہیئے کہ کوشش بھی کرے کہ اللہ تعالیٰ اسکو عمل کی توفیق عطا فرمادے۔ پانچویں یہ کہ استغفار ہو اور ندامت نہ ہو یعنی زبان سے تو کہتا ہو کہ اللہ توبہ اللہ توبہ لیکن دل میں اپنے اس گناہ پر شرمندگی نہ ہو تو یہ زبانی استغفار بدون دلی ندامت کے بیکار ہے (کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ توبہ تو دراصل ندامت ہی کا نام ہے، اور یہاں وہی غائب ہے) چھٹے یہ کہ ظاہر درست ہو اور باطن درست نہ ہو یعنی اپنے ظاہری حالات کو تو خوب درست اور مزین کر رکھا ہو اور

اور باطن کی درستگی کی فکر نہ ہو تو یہ ظاہرداری بدون باطن کی اصلاح کے چنداں مفید نہیں۔ ساتویں یہ کہ خوب محنت کے ساتھ عمل کرے اور وہ اخلاص سے عاری ہو۔ یعنی طاعات کے ادا کرنے میں مشقت تو اٹھائی ہو مگر اسکا عمل اخلاص سے خالی ہو تو وہ بے وزن ہے اور بدون خوشبو کے پھول ہے اس سے اسکو کچھ نفع نہ ہوگا ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اسکی وجہ سے دوسروں کو دھوکہ دے لے یا خود دھوکے میں پڑا رہے (اور اسکا مصداق بنجائے کہ ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے حاصل خواجہ بجز پندار نیست)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم نکلیگی جو کہ دنیا کو اس رغبت اور شوق سے طلب کریگی جیسے دودھ دوہا جاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ دین کو دنیا کے عوض کھائیں گے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ دنیا حاصل کرکے لباس ایسا نرم اور ملائم پہنیں گے جیسے بھیڑ کی کھال زبان انکی شکر سے بھی زیادہ شیریں ہوگی مگر قلوب کی رو سے وہ ایسے ہوں گے جیسے بھیڑیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ یہ راہ کیوں چلیں گے، کیا میری ڈھیل کیوجہ سے دھوکے میں پڑ گئے ہیں یا میری چشم پوشی کی وجہ سے یہ لوگ شیر ہوگئے ہیں کہ جو چاہتے ہیں بدون انجام سوچے ہوئے کرگزرتے ہیں۔ اچھا تو پھر اپنی ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں بھی ان لوگوں کو ایسا فتنہ بنا کر رکھدوں گا کہ حکیم عاقل بھی ان کے علاج و معالجہ سے عاجز ہو کر رہ جائے گا۔

حضرت ابوصالحؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ایک عمل کرتا ہوں اور مخفی طور پر کرتا ہوں لیکن جب کوئی دوسرا اس پر مطلع ہو جاتا ہے تو مجھے اس پر مسرت بھی ہوتی ہے تو کیا اس عمل پر مجھے اجر ملیگا (یا یہ ریا کی نذر ہو گیا) آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں جی تمکو اس پر دو اجر ملے گا ایک چھپانے کا دوسرا اسکے ظاہر ہو جانے کا کہ تم دوسروں

کے لئے اتباع کا سبب بنے) فقیہ ابو اللیث ثمرقندی فرماتے ہیں کہ دو اجر اسلئے کہ ایک خود عمل کرنے کا اور دوسرا اجر دوسروں کے لئے سبب اقتدار بننے کا کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس شخص نے کوئی اچھا طریقہ نکالا تو اسے اس عمل کا ثواب تو ملے ہی گا اور قیامت تک جن لوگوں نے اس پر عمل کیا ہوگا ان سب کے اجر کے برابر اسکو بھی (مزید) اجر ملے گا۔ اسی طرح سے جس شخص نے کوئی بُرا طریقہ ایجاد کیا تو اسکا گناہ تو اسے ہوگا ہی اور جن جن لوگوں نے قیامت تک وہ کام کیا ہوگا ان سب کے برابر اسکو (مزید) گناہ ہوگا۔ اور اگر اس عامل کو صرف اپنا ہی عمل اچھا معلوم ہوا کہ دوسروں نے اسے دیکھ لیا اور اسکی وجہ سے اسکو عجب ہوا اور یہ خیال نہیں ہوا کہ چلو لوگوں نے دیکھ لیا تو دیکھ لیا ان کے لئے اقتدار کا ذریعہ ہی ہو جائے گا تو اندیشہ ضرور ہے کہ اس عجب کی وجہ سے خود اسکا اجر بھی ضائع ہو جائے (کیونکہ اخلاص نہ رہا اور عجب کے ذریعہ اسکا عوض دنیا ہی میں اس نے پالیا)

حضرت ابو حبیبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کا عمل لیکر اوپر جاتے ہیں اور بزعم خود اسکو کثیر سمجھتے ہیں اور اسکی خوب تعریف کرتے ہیں کہ کیا خوب عمل ہے یہانتک کہ آسمان میں اسکو انتہی اوپر لیجاتے ہیں جہاں تک کہ خدا کو منظور ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے کہ اسے فرشتو! تم لوگ تو میرے بندے کے اعمال ظاہری کے نگراں تھے اور میں تو ان کے باطن اور قلب کا رقیب تھا (اسلئے سنو کہ) میرے اس بندے نے اخلاص نیت کے ساتھ یہ عمل نہیں کئے تھے لہٰذا اسکو سجین میں (جوکہ دوزخ کا ایک طبقہ ہے) لیجاؤ۔ اسی طرح سے ایک دوسرے بندے کے عمل کو لیکر اوپر جائیں گے اور اپنے خیال میں اسکو کم جانیں گے اور حقیر تصور کریں گے یہاں تک کہ آسمان پر اس مقام تک لیجائیں گے جہاں تک خدا کو منظور ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئیگی کہ اسے فرشتو! تم لوگ تو میرے بندوں کے

اعمال ظاہری ہی کے محافظ تھے اور میں اسکے قلب کا رقیب تھا میرے اس بندہ نے ان اعمال کو صرف میری رضا کے لئے یعنی غایت اخلاص کے ساتھ کیا تھا لہٰذا اسکا نام علیین کی فہرست میں لکھو۔

دیکھو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تھوڑا سا عمل بھی جبکہ وہ لوجہ اللہ تعالیٰ یعنی اخلاص کے ساتھ کیا گیا ہو وہ اس زیادہ عمل سے کہیں بڑھکر اور بہتر ہوتا ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ قلیل عمل جو کہ اخلاص کے ساتھ کیا گیا ہو اسکو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بڑھا دیتے ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ایک نیکی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسکو زیادہ فرمادیں گے اور اپنی طرف سے اسکو اجر عظیم عطا فرمائیں گے (جو ہوگا تو محض فضل خداوندی سے یعنی عمل کا صلہ نہ ہوگا لیکن وہ فضل مرتب ہوگا اس عمل پر ہی) رہا کثیر عمل تو اگر وہ اخلاص سے خالی رہا تو اسکا کچھ بھی ثواب اسکو نہ ملیگا بلکہ (اس ریا کاری اور شرک کے سبب عجب نہیں کہ) اسکا ٹھکانہ جہنم ہو جائے

فقیہ ابو اللیث اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سمیر اصبحیؒ سے روایت ہے کہ میں ایک دفعہ مدینہ شریف حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف فرما ہیں اور انکے ارد گرد مخلوق کا ایک ہجوم ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں ؟ لوگوں نے بتایا کہ حضرت ابو ہریرہؓ ہیں (صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سنکر میں ان کے قریب گیا وہ لوگوں سے کچھ گفتگو فرما رہے تھے جب سلسلۂ کلام منقطع ہوا اور تنہائی ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ آپ کو خدا کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ مجھ سے آپ ایسی کوئی حدیث بیان فرمائیے جسے آپ نے بنفس نفیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور وہ آپ کو یاد بھی ہو۔ حضورؐ نے آپ کو وہ بات سنائی اور آپنے محفوظ رکھا ہو۔ یہ سنکر حضرت ابو ہریرہؓ بولے کہ اچھا بیٹھ جاؤ میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کروں گا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایسے وقت بیان فرمایا تھا کہ بس میں تھا اور حضورؐ تھے اور کوئی تیسرا وہاں موجود نہ تھا۔ یہ کہا اور بڑی زور کی ایک چیخ ماری اور بیہوش ہوکر گر گئے۔

وجہ اسکی یہی ہے کہ کوئی اسکو منفعت سمجھا اسکی تحصیل کے لئے سعی کی اور دوسرے نے اسکو مضر خیال اسکے دفع میں کوشش کی اور جس قدر اختلاف عالم میں ہیں سب کی وجہ یہی ہے کہ ایک شخص ایک امر کو منفعت اور مستحسن سمجھتا ہے اس کو اختیار کرلیتا ہے اور اسکی تحصیل کے درپے ہوتا ہے دوسرا اسی کو مضرت سمجھتا ہے اسلئے اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ اختلاف مذاہب کی یہی وجہ ہے

۵۶۔ کونسی منفعت قابل تحصیل ہے اور کونسی مضرت قابل دفع ہے

اسوقت قابل غور یہ امر ہے کہ اسکا فیصلہ ہونا ضروری ہے کہ آیا کون منفعت واقع میں قابل تحصیل کے ہے اور کون مضرت قابل دفع کے ہے تو بعد تامل سمجھ میں یہ آتا ہے کہ منفعت وہ لائق تحصیل کے ہے جس میں دو صفتیں ہوں ایک تو یہ کہ وہ منفعت زیادہ باقی رہنے والی ہو دوسرے یہ کہ خالص ہو مشوب بمضرت نہ ہو۔ دیکھ لیجئے اگر کوئی منفعت چار سال رہنے والی ہو اور دوسری آٹھ سال تو ہر عاقل دوسری ہی کو پسند کریگا اور اسی کو اختیار کرے گا مثلاً دو مکان ہوں ایک بڑا عالیشان اور خوبصورت ہو اور دوسرا چھوٹا اور بدصورت ہو اور وہ مکان کسی شخص کے سامنے پیش کئے گئے، لیکن یہ کہا گیا کہ بڑا مکان چار پانچ روز کے بعد خالی کرایا جائے گا تو ظاہر ہے کہ ہر عاقل اس چھوٹے ہی مکان کو پسند کریگا۔ اور اگر یہ کہدیا جاوے کہ نسلاً بعد نسلاً تم کو دیدیا جاویگا تو ضرور ہی پسند کرے گا۔ معلوم ہوا کہ منفعت جس قدر باقی رہنے والی ہوگی اسی قدر زیادہ اعتبار کے قابل ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ مکان عالیشان باوجود اپنی خوبصورتی کے کسی ضرر پر مشتمل ہو مثلاً ہمسایہ اچھا نہ ہو یا اور کوئی مضرت کا احتمال ہو اور اس چھوٹے مکان میں یہ اندیشہ نہ ہو تو ظاہر ہے کہ وہ چھوٹا ہی مکان پسند ہوگا۔ پس یہ قاعدہ ثابت ہوا کہ منفعت وہ قابل تحصیل کے ہے جو مضرت سے خالی ہو اسی طرح مضرت بھی وہ زیادہ لائق اہتمام کے ہوتی ہے جو زیادہ باقی رہنے والی ہو اور نیز من کل الوجوہ

مضرت ہی ہو اور کوئی شائبہ اس میں منفعت کا نہ ہو دیکھو اگر اثنائے سفر میں آدمی کسی مکان میں ایک دو شب کے لئے قیام کرتا ہے اور وہاں کوئی ناگوار امر پیش آتا ہے تو اسکے دفع میں زیادہ اہتمام اور فکر نہیں کرتا بخلاف اسکے کہ وطن اصلی میں کوئی امر پیش آجاوے تو اسکے دور کرنے کی فکر ہوتی ہے اسلئے کہ وہاں ہمیشہ رہنا ہے اور مثلاً اگر کہا جاوے کہ تم چار دن کے لئے دھوپ میں سفر کرو تو تم کو عمر بھر راحت ملے گی یا اگر چار ماہ راحت سے رہو گے تو عمر بھر جیلخانہ میں رہو گے تو ظاہر ہے کہ ہر عاقل آدمی اس چار روز کی سفر کی مشقت کو گوارا کرلے گا اور دوسری صورت کو پسند نہ کریگا معلوم ہوا کہ مضرت باقیہ و خالصہ زیادہ قابل فکر ہے اور مضرت فانیہ زیادہ قابلِ التفات نہیں ہے۔ پس منفعت اور مضرت دونوں کی دو قسمیں ہوئیں منفعۃ باقیہ خالصہ اور منفعۃ فانیہ غیر خالصہ۔ مضرت باقیہ خالصہ مضرت فانیۂ غیر خالصہ۔ اسکے بعد معلوم کرنا چاہیئے کہ دنیا کی مضرت و منفعت تو ہر شخص کے پیش نظر ہے ہم کو اللہ و رسول نے ایک اور منفعت و مضرت کی بھی خبر دی ہے جو مرنے کے بعد واقع ہونے والی ہے۔

اب محل کے اعتبار سے منفعۃ اور مضرت کی دو قسمیں اور نکلیں منفعۃ دنیویہ اور منفعۃ اخرویہ۔ مضرۃ دنیویہ اور مضرۃ اخرویہ۔

۵۷۔ نعمائے آخرت اور نعمائے دنیا اور مضرت آخرت اور مضرت دنیا کا باہمی تفاوت

اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ چار قسمیں اخیر کی یعنی منفعت دنیویہ و اخرویہ اور مضرت دنیویہ و اخرویہ پہلی اقسام کی کس قسم میں داخل ہیں یعنی غور کرنا چاہیئے کہ منفعۃ دنیویہ آیا منفعۃ باقیہ خالصہ ہے یا فانیہ غیر خالصہ۔ اسی طرح مضرت دنیویہ کو بھی دیکھنا چاہیئے اور منفعۃ اخرویہ اور مضرۃ اخرویہ کو بھی دیکھنا چاہئے یعنی یہ کہ کونسی منفعۃ اور مضرۃ کس قسم میں داخل ہے؟ سو دیکھ لیجئے کہ دنیا کی منفعت نہ

فانیہ اور آخرت کی باقیہ ہے۔ اور آخرت کی منفعت باقی رہنے والی ہے اور دنیا کی منفعت فنا ہونے والی ہے۔ اسی طرح دوسرے اعتبار سے دیکھئے کہ دنیا کی منفعت کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی ہو مگر خالص نہیں مثلاً کھانا ہی لے لیجئے اول تو حاصل کس کلفت سے ہوتا ہے کہ اول زمین کو درست کیا جاتا ہے اسکے لئے بیل اور آلات زراعت مہیا کرنے ہوتے ہیں اسکے بعد بوتے ہیں پانی دیتے ہیں، حفاظت کرتے ہیں، کاٹتے ہیں گاہتے ہیں، اڑاتے ہیں پیستے ہیں، پکاتے ہیں اس قدر کلفتوں کے بعد جب اس سے عین انتفاع کا وقت ہوتا ہے کہ اسوقت بظاہر تمام کلفتیں ختم ہو جاتی ہیں اور التذاذ ہی کا وقت ہوتا ہے لیکن اسوقت بھی اکثر اوقات کوئی نہ کوئی کلفت پیش آجاتی ہے کہ اکثر اوقات وہ کلفت التذاذ میں سدراہ ہوتی ہے مثلاً روٹی کا ٹکڑا گلے میں اٹک گیا، کھانا کھانے بیٹھے کسی عزیز کے مرنے کی خبر آگئی یا اور فکر میں ڈالنے والی کوئی بات سن لی کہ سب کھانا پکا پکایا بے لطف ہوگیا یا یہ کہ وہ کھانا ہضم نہیں ہوا قبض ہوگیا یا دست آنے لگے۔ سلاطین اور امرار کے عیش سے زیادہ کسی کا عیش نہیں لیکن انکو سب سے زیادہ پریشانیاں ہیں۔ اولاد کو دیکھ لیجئے کہ بڑی بڑی تمناؤں کے بعد پیدا ہوتی ہے انواع انواع کی تکالیف اٹھاکر انکو پرورش کرتے ہیں پھر اکثر اولاد خلاف مزاج ہوتی ہے والدین کو سیکڑوں طرح کی تکالیف ان سے پہونچتی ہیں۔ غرض دنیا کی جس منفعت کو دیکھوگے خالص نظر نہ آویگی اور اپنے مقصد کے موافق نہ ہوگی حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی کیا انسان جو جو تمنا کرتا ہے وہ سب حاصل ہو جاتی ہے (یعنی نہیں) پس آخرت اور دنیا سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ لیکن اس پر کوئی شبہ کرے لِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰی سے تو یہ معلوم ہوا کہ جیسے دنیا ہمارے اختیار میں نہیں ہے اسی طرح آخرۃ بھی نہیں ہے پھر فرق کیا ہوا بلکہ وہ نا قابل تحصیل ہوئی تو جو اس تقریر سے تمہارا مقصود ہے کہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی رغبت دلانا وہ حاصل نہ ہوا۔ جواب یہ ہے کہ دوسرے

مقام پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا یعنی جو شخص صرف دنیا طلب کرے تو دنیا میں ہم جو چاہیں گے اور جس کو چاہیں گے وہ دیں گے پھر اس کے لئے ہم جہنم تجویز کریں گے۔ اس میں داخل ہوگا اس حالت میں کہ مذموم و مردود ہوگا۔ اور جو شخص آخرت چاہے گا اور اس کے لئے پوری سعی کرے اور وہ مومن بھی ہو پس ان لوگوں کی سعی کی قدر کیجائیگی۔ دیکھئے دنیا کی نسبت تو یہ فرمایا کہ ہم جسکو چاہیں گے اور جتنی چاہیں گے دیں گے اور آخرت کی نسبت فرمایا کہ جو اس کے لئے سعی کرے گا اسکی سعی کی قدر کیجا دیگی یعنی اسکا بدلہ ملیگا۔ دونوں جگہ قضیہ شرطیہ ہے مگر دوسری جگہ کامیابی کا وعدہ ہے اور پہلی صورت میں نہیں ہے۔ پس حاصل یہ ہوا کہ اختیار میں تو خدا ہی کے ہے دنیا بھی اور آخرت بھی مگر آخرت کی سعی پر آخرت دینے کا وعدہ ہے اسلئے وہ قابل تحصیل ہوئی بخلاف دنیا کے بہرحال اَمْ لِلْإِنْسَانِ الخ سے جو شبہ ہوا تھا وہ مرتفع ہوگیا۔ اب ہم لوگوں نے برعکس معاملہ اختیار کیا ہے کہ جس کا یعنی دنیا کا) وعدہ نہیں اسکو اپنی مشیئت پر رکھا ہے اسکی طلب میں تو منہمک ہیں نیز اس کے اسباب تحصیل (نوکری۔ تجارت۔ زراعت وغیرہا) کی نسبت تو ایسا معاملہ کرتے ہیں گویا ان کے نزدیک مسبب ان پر ضرور مرتب ہوگا اور جس کا وعدہ ہے یعنی آخرت اسکے اسباب (صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ وغیرہا من المامورات) کی طرف مطلق التفات نہیں۔ ؏ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا۔

خلاصہ یہ کہ دنیا کی ہر منفعت کے اندر کدورت ہے بخلاف آخرت کی منفعت کے کہ جس کو حق تعالیٰ اپنی رضامندی کے ساتھ جنت نصیب فرمادے وہاں اسکو کوئی آزار نہیں فرماتے ہیں وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ یعنی تمھارے لئے جنت میں وہ شے ملیگی جس کو تمھارا جی چاہے گا۔ دوسری جگہ

فرماتے ہیں لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ یعنی ہم کو جنت میں نہ تعب ہوگا اور نہ تکان ہوگا۔

۵۸۔ اہلِ جنت میں باوجود تفاوت درجات حسد نہ ہوگا

اگر کوئی کہے کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک کے پاس دنیا کا سامان مال، اولاد، مکان گھوڑے جوڑے وغیرہ بہت ہوتا ہے تو دوسرا دیکھکر اسکو حسد کرتا ہے اور حسد کی آگ سے جلتا ہے تو یہ مسلمہ ہے کہ جنت میں سب نعمتیں ہوں گی لیکن اختلاف درجات کی وجہ سے شاید آپس میں حسد ہو تو یہ بھی ایک قسم کی تکلیف اور کدورت ہے۔ جواب یہ ہے کہ وہاں پر حسد نہ ہوگا ہر شخص اپنے حال اور اپنی نعمتوں میں بیحد خوش ہوگا اور کوئی یہ شبہ نکرے کہ وہ حال سے خالی نہیں یا تو دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھیگا یا نہیں اگر افضل جانے گا تو حسد ہوگا اور اگر نہ جانے گا تو جہل لازم آئے گا۔ جواب یہ ہے کہ ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں کہ وہ افضل کو اپنے سے افضل جانے گا لیکن وہ ان کے درجات کی تمنا نکرے گا اس لئے کہ اپنی استعداد اسکو معلوم ہوگی اور اپنے اعمال اسکو پیش نظر ہوں گے اور تفاوت درجات وہاں تفاوت اعمال سے ہونگے۔ اسلئے اسکو معلوم ہوگا کہ اس سے زیادہ درجہ مجھکو نہیں مل سکتا اس لئے وہ اسی میں خوش ہوگا نہ کسی پر اسکو حسد ہوگا اور نہ زیادہ کا متمنی ہوگا۔ دوسرا جواب اس سے باریک ہے وہ یہ کہ وہاں سب عبد کامل ہوں گے اور انکو تمام مقامات باطنی حاصل ہوں گے اور ان مقامات میں سے ایک مقام رضا بھی ہے اسلئے مقام رضا بھی اسکو حاصل ہوگا اور وہ اس میں اس قدر خوش ہوگا کہ درجات فاضلہ کی اس کے قلب میں تمنا نہ ہوگی جیسا کہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض طبائع میں قناعت کا مضمون ایسا راسخ ہے کہ انکے قلب میں ترقی دنیا ہونا کیا معنی بلکہ اس سے نفرت ہے ایک پولیس کے اہلکار دیکھے گئے کہ ان کے افسر کوشش کرتے ہیں کہ انکی ترقی کریں مگر وہ منظور نہیں کرتے

اور ان کے ہم چشم ان کو ہنستے ہیں۔ بات یہ ہے کہ طبائع کے مذاق مختلف ہیں جبکہ دنیا میں اسکا نمونہ ہے تو آخرت میں کیا بعید ہے۔ ہاں ایک شبہ رہا وہ یہ کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ جنتی آپس میں ملیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھکر تمنا کرے گا کہ جیسا لباس اسکا ہے ویسا ہی میرا بھی ہو چنانچہ فوراً اسی طرح اسکا لباس ہو جاۓ گا اس سے معلوم ہوا کہ تمنا کرے گا۔ جواب یہ ہے کہ یہ تمنا صرف لباس کے بارے میں آئی ہے درجہ کے بارے میں نہیں ہے اور لباس کے اندر مساواۃ ہونے سے درجہ کی مساواۃ یا فضیلت لازم نہیں ہے کما ہوالظاہر جداً پس جس میں فرق رہنا ضروری ہے یعنی درجہ، اسکی تو تمنا نہ ہوگی اور جس کی تمنا ہوگی یعنی لباس اس میں فرق ہونا ضروری نہیں بس حسد کی کوئی گنجائش نہیں۔

۵۹۔ عود بجانب سرخی سابق یعنی نعمائے آخرت اور نعمائے دنیا اور مضرت آخرت او رمضرت دنیا کا باہمی تفاوت

حاصل یہ کہ جنت کی سب نعمتیں خالص ہونگی کدورت کا ان میں نام ونشان نہ ہوگا بخلاف نعمائے دنیا کے کہ ان سب میں کچھ نہ کچھ کدورت ضرور ہی ہوتی ہے اب مضرت دنیوی کو دیکھئے کہ مضرت دنیویہ خواہ کیسی ہی اشد ہو لیکن فنا ہونے والی ہے۔ اگر کسی کو کوئی بیماری ہو اول تو دنیا ہی میں صحت ہو جاتی ہے ورنہ مرکر تو تمام مصائب کا خاتمہ ہو ہی جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی افلاس میں یا کسی اور طرح کے رنج وغم وفکر میں مبتلا ہو جاتا ہے سب ایک نہ ایک دن ختم ہو جاتے ہیں معلوم ہوا کہ مضرت دنیا کو بقا نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے اعتبار سے دیکھئے کہ مضرت دنیا خالص مضرت نہیں بلکہ تامل سے دیکھا جاوے تو اس میں سیکڑوں منفعتیں دنیا اور دین کی ہوتی ہیں۔ دنیا کی منفعت تو یہ کہ مثلاً ایک شخص کسی بیماری میں مبتلا رہتا ہے تو اگر یہ تندرست رہتا تو خدا جانے کیا کیا فساد کرتا

اس کے سبب سے یہ بے آبرو ہوتا جیلخانہ جاتا اور ظاہر ہے کہ عاقل کے لئے آبرو جان سے زیادہ عزیز ہے اور دین کی منفعت تو بہت ہی ظاہر ہے کہ بیماری ذنوب کو محو کرتی ہے اور بہت سے منہیات سے روکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کی مضرت فنا ہونے والی بھی ہے اور من کل الوجوہ مضرت نہیں ہے بخلاف مضرت اخرویہ کے کہ وہ مضرت ہی مضرت ہے۔ تمام مضرتیں وہاں علی الکمال موجود ہیں پس ثابت ہوا کہ منفعت دنیویہ فانی بھی ہے اور قلیل بھی ہے اور مشوب بکلفت ہے اور اخروی منفعت باقی بھی ہے اور کثیر بھی ہے اور خالص بھی ہے اسی طرح مضرت دنیا فانی ہے اور غیر خالص اور اخروی مضرت باقی بھی ہے اور خالص بھی ہے

۶۔ آخرت ہی کی منفعت قابل تحصیل ہے اور آخرت ہی کی مضرت قابل اجتناب ہے۔ اور دنیا کی نہ منفعت قابل تحصیل ہے نہ اسکی مضرت قابل اجتناب ہے

اب روز روشن کی طرح فیصلہ ہو گیا اور آپ خود موازنہ کر سکتے ہیں کہ حاصل کرنے کے قابل کونسی منفعت ہوئی؟ ظاہر ہے کہ مسلمان (جو کہ اللہ و رسول کو سچا جانتا ہے اس سوال کا یہی جواب دیگا کہ منفعت اخرویہ تحصیل کے قابل ہے۔ اسی طرح دنیا و آخرت کی مضرتوں میں موازنہ کر لیجئے کہ کون مضرت زیادہ بچنے کے قابل ہے ظاہر ہے کہ دنیا کی مضرت آخرت کی مضرت کے مقابلہ میں اصلا قابل التفات نہیں زیادہ اہتمام کے قابل آخرت کی مضرت ہے۔ اس کے بعد یہ سمجھئے کہ آخرت کی منفعت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے اور آخرت کے ضرر سے کس طریق سے بچ سکتے ہیں

۷۔ آخرت کی منفعت حاصل ہونے اور آخرت کی مضرت سے بچنے کا طریقہ

تو سمجھ لیجئے کہ آخرت کی منفعت جنت ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریق اعمال صالحہ ہیں اور آخرت کی مضرت دوزخ ہے اور اس سے بچنے کا طریق

بد اعمالیوں سے بچنا ہے خلاصہ یہ کہ اعمال صالحہ کو اختیار کیا جاوے اور ذنوب سے بچا جاوے اور جو ہو چکے ہیں ان سے توبہ کیجاوے۔ خلاصہ یہ کہ مقصود دو شے ہے اصلاح اعمال۔ محو ذنوب۔ اور محو ذنوب کے معنی یہ ہیں کہ گذشتہ سے توبہ کیجاوے اور آئندہ بچنے کا عزم کیا جاوے

۹۳۔ اعمال صالحہ لوگوں پر بہت گراں ہیں بالخصوص حج اور اسکے متعلق بعض اعتراض اور انکے جواب

لیکن اعمال صالحہ کی تحصیل اور گناہ سے بچنا اول تو اکثر لوگوں پر ہمیشہ ہی سے گراں و ثقیل ہے پھر خصوصاً اس زمانہ میں تو اعمال صالحہ لوگوں پر بہت ہی بھاری ہیں، چنانچہ بڑے ہی ضروری اعمال صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ ہیں لیکن دیکھا جاتا ہے کہ سب کے اندر بیحد سستی کیجاتی ہے بلکہ مصیبت سمجھتے ہیں یہاں تک اخبار میں شایع ہوا تھا کہ نماز نے ترقی کو روک دیا ہے کیونکہ یہ سنکر کہ مسلمان ہوکر پانچ وقت نماز پڑھنی پڑیگی اسلام سے بعضے آدمی رک جاتے ہیں اسلئے اسکو اسلام سے خارج کر دیا جاوے نعوذ باللہ۔ ان احمقوں سے کوئی پوچھے کہ جس اسلام میں نماز نہیں وہ کیا اسلام ہوا؟ اس بیہودہ رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عقل پرستوں پر نماز بہت ہی بھاری ہے

حکایت: ہمارے مدرسۂ دیوبند میں ایک طالب علم نو وارد آئے تھے منطقیوں کی صحبت میں بہت رہے تھے۔ دین کی مطلق پروا نہ تھی نماز کی پابندی نہ تھی اور یہاں دیوبند میں نماز کا بڑا اہتمام ہے پانچ وقت سب طلبہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو جب نماز کا وقت آتا انکو بھی زبردستی لیجاتے ایک روز کہنے لگے کہ جب حضورؐ معراج میں تشریف لے گئے تھے وہاں پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں پھر کم ہوتے ہوتے پانچ رہی تھیں معلوم ہوتا ہے کہ دیوبند میں پوری پچاس کی پچاس ہی باقی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ نماز ان کو سخت مصیبت معلوم ہوتی تھی

Regd. No. ...9/AD-111
Monthly
WASIYATUL IRFA... AU...T 1982
23, Buxi Bazar, Allahaba...
مجموعۂ تالیفات مصلح الامۃ

حصہ دوم

Rs. 30/-

حصہ اول

Rs. 24 -

شمارہ
محرم
جلد ۵

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و پبلشر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۰-۷-ڈی ۱۱۱

پیش لفظ

الحمد للہ کہ ماہ ستمبر ۱۹۸۳ء کا شمارہ اپنے وقت سے روانہ ہو رہا ہے گذشتہ شمارہ میں جو غیر معمولی تاخیر ہوگئی اور اسکی وجہ سے ناظرین نے انتظار کی جو زحمت گوارا فرمائی انشاء اللہ تعالیٰ اس شمارہ کے بروقت پہونچنے سے اسکی کسی قدر تلافی ہو جائے گی، اکثر احباب خطوط سے تاخیر کی شکایت فرماتے رہتے ہیں اس طرح سے کہ ہر ایک کا عنوان اسکے جذبات کا ترجمان نظر آتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ناظرین کو رسالے سے الحمد للہ غایت محبت اور دلی تعلق ہے ہمیں اسکا کامل احساس بھی ہے اور قلبی تمنا بھی کہ تاخیر کا یہ سلسلہ بند ہو جائے لیکن بقول قائل ؎ ماکل ما یتمنیٰ المرء یدرکہٗ ؛ تجری الریاح بما لا تشتہی السفن (انسان جو شے چاہتا ہے وہ اسکو حاصل ہی نہیں ہو جایا کرتی بلکہ کبھی ہوا کشتی کے رخ کے خلاف بھی چلا کرتی ہے) اسلئے ہم باوجود اپنی امکانی سعی کے مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے ناظرین کو اس بات کا یقین دلانا چاہتے ہیں کہ وہ ہمکو اس سلسلہ میں معذور و قصور فرما دیں اور ہماری اس بے عنوانی کا اثر اپنے قلب پر نہ لیں، اور اپنے اس عذر پر ہم حالات زمانہ کو شاہد بناتے ہیں کہ آج وقت کی پابندی کے باب میں ریلوں کی آمد و رفت، ڈاک کی وصولیابی، راشن کی دوکانوں اور ڈاکٹروں کے دواخانوں کے حالات کا جائزہ لے لیجئے کہاں آپ اس زحمت سے خود کو بچا سکتے ہیں نوعیت تاخیر جاہے ان میں کچھ مختلف ہو لیکن حاصل سب جگہ "الانتظار اشد من الموت" ہی کا لطف ہے ۔ ہم اس نوع کی معذرت کو برابر اسلئے دہراتے رہتے ہیں تاکہ احباب کو اطمینان دلا سکیں کہ اس سلسلہ میں دخل ہماری غفلت اور کام چوری کو نہیں ہے بلکہ مجبوری کو ہے ۔

ہمارے رسالہ کے پبلیشر جناب صغیر حسن صاحب ۲۲ اگست کو پانی کے جہاز سے حج بیت اللہ کو تشریف لے گئے ہیں اللہ تعالیٰ بخیریت انکو واپس لائے ۔ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کی چھوٹی صاحبزادی سلمہا (اہلیہ مولوی ارشاد احمد صاحب کا) سال گذشتہ بمبئی میں ایک بڑا آپریشن ہوا تھا جسکی وجہ سے اصل مرض میں تو افاقہ رہا لیکن بعض تکالیف کی وجہ سے حضرت قاری صاحب مدظلہ کے بعد انکا بھی سفر بمبئی پیش آیا ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیں کہ عزیزہ سلمہا اور حضرت والا کے سبھی متعلقین کو اللہ تعالیٰ صحت و عافیت سے رکھے کہ یہ فیض روحانی جس سے ہم مستفید ہو رہے ہیں اسی گھرانے کا صدقہ ہے ۔

دفتر سے حسب ذیل کتابیں مل سکتی ہیں :-

تالیفات اول ۲۰ روپیہ ـ سوم ۳۰ روپیہ ـ نسبۃ صوفیہ اول تین روپیہ ـ معمولات نبوی زیر طبع ہے ـ مناجات مقبول کرمی مجلد بارہ روپیہ

وصیۃ العرفان سٹ کامل مجلد ۱۹۸۱ء ۲۴ روپیہ ـ مجلد سٹ کامل ۱۹۸۲ء ۲۴ روپیہ ـ پندرہ مختلف شمارے پانچ روپیہ (علاوہ محصول ڈاک)

(ادارہ)

(۷۔ کیا دنیوی سزا بقدر جرم کے ہوا کرتی ہے)

فرمایا کہ ۔۔۔ احکام القرآن میں سورۂ بقر کے ابتدار ہی میں جہاں منافقین کی بحث فرمائی ہے وہاں ابوبکر جصاص رازی نے ایک مطلب یہ قائم فرمایا ہے کہ کیا دنیوی عقوبت بمقدار جرم مقرر نہیں ہے؟ اور اسکے تحت لکھتے ہیں کہ دیکھو جبکہ منافقین کا جرم کفار مجاہر کے جرم سے بڑھا ہوا تھا کیونکہ ان لوگوں نے کفر پر استہزار اور مخادعہ کا اضافہ کر رکھا تھا جسے اللہ تعالیٰ نے یُخَادِعُونَ اللّٰہ اور اِنَّمَا نَحْنُ مستھزؤن کے ذریعہ ظاہر فرمایا ہے ۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر بھی دی ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور آخرت میں انکے عذاب و سزا کا نیز جن چیزوں کے وہ مستحق ہوں گے انکا ذکر فرمایا ہے ۔ اسکے باوجود انکے ساتھ دنیوی احکام میں فرق فرمایا ہے اور کافر مجاہر نیز مشرک کے ساتھ دوسرا معاملہ فرمایا ہے یعنی منافقین کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے اسلئے کہ انھوں نے زبان سے اظہار ایمان کیا ہے چنانچہ اسکی وجہ سے ان کے ساتھ مسلمانوں ہی کا معاملہ روا رکھا ہے میراث دلوائی گئی ہے ۔ جمعہ جماعت اور قبرستان میں شریک رکھا گیا ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ دنیاوی سزائیں بقدر جرم کے مقرر نہیں ہیں بلکہ وہ محض ان مصالح کے پیش نظر مقرر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں ۔

اسی نہج پر اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام جاری فرار کھے ہیں چنانچہ زانی محصن کو رجم کرنے کو فرمایا ہے اور توبہ کرنے کی وجہ سے رجم کو ساقط نہیں فرمایا، حالانکہ کفر اس سے بڑا گناہ ہے مگر کوئی کافر کفر کرکے اگر توبہ کرلے تو اسکی توبہ قبول کرلی جاتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہی ہے کہ آپ ان کفار سے فرما دیجئے کہ گروہ آئندہ کیلئے کفر سے باز آجائیں تو ہم کے پچھلے گناہ سب معاف کردیں گے" ۔ انتہیٰ

فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ نفاق بیشک کفر سے بڑھا ہوا ہے اور بلاشبہ بڑا گناہ ہے چنانچہ یہ بات آخرت کے لحاظ سے تو ظاہر بھی ہے (کہ اسکی سزا میں منافق درک اسفل

میں جائے گا) جو کہ کفار سے اشد سزا ہوگی لیکن دنیا میں اسکی سزا جو بمقابلہ کافر کے کم معلوم ہوتی ہے اور اس میں قدرے تخفیف پائی جارہی ہے تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ من حیثیت الکفر اسکے دنیوی احکام میں کچھ نرمی کردی گئی ہے بلکہ یہ اثر ہے اسکے اظہار کلمہ کا یعنی جرم تو اس دنیا میں بھی بڑا ہی ہے مگر اس نے ایک حصن (قلعہ) کی پناہ لے لی ہے جس کی وجہ سے اس نے اپنی جان و مال کو مامون کرلیا ہے اور وہ حصن یہی کلمہ شریف لا الہ الا اللہ ہے جیسا کہ ایک قلمی کتاب میں دیکھا ہے کہ صواعق کے حوالہ سے حضرت علی رضاؒ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ جب وہ نیشاپور تشریف لائے تو ابو ذرعہ رازی اور محمد بن طوسی نے جو کہ حافظ حدیث تھے ان سے اپنے خاندان سے ایک حدیث بیان فرمانے کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی الموسیٰ کاظمؒ نے اپنے والد محترم حضرت جعفر صادقؒ سے انھوں نے بیان کیا اپنے والد ماجد محمد باقرؒ سے انھوں نے اپنے والد حضرت زین العابدینؓ سے انھوں اپنے والد حضرت حسینؓ سے انھوں نے اپنے والد حضرت علی بن ابیطالبؓ سے انھوں نے فرمایا کہ فرمایا مجھ سے میری آنکھوں کی ٹھنڈک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیان کیا مجھ سے حضرت جبرئیلؑ نے انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت رب العزۃ جل وعلا کو یہ فرماتے سنا کہ لا الہ الا اللہ میرا حصن یعنی قلعہ ہے جس نے اسے کہہ لیا وہ میری پناہ میں آگیا اور جو میری پناہ میں آگیا وہ میرے عذاب سے مامون ہوگیا۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے مقاتلہ کروں تاآنکہ وہ گواہی دیں کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں" اور نماز کو قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں، جب وہ یہ سب کریں تو انھوں نے اپنے جان و مال کو مجھ سے بچا لیا ہاں بحق اسلام اس سے اگر تعارض کرنا پڑا تو کیا جائے گا ورنہ نہیں (اب یہ کہ انھوں نے یہ اظہار دل سے کیا ہے یا دھوکہ دینے کے لئے تو) اسکا حساب خدا کے حوالہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کلمہ کا دنیوی نفع یہ ہے کہ اسکی وجہ سے انسان کے جان و

ال سے تعرض حرام ہوجاتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خالدؓ پر
بکہ انھوں نے ایک شخص کو باوجود کلمہ پڑھ لینے کے قتل کر دیا تھا خفا ہوئے تھے
ور ان کے اس عذر کرنے پر کہ یا رسول اللہ اس نے تقیہ کے طور پر مارے ڈر کے
یسا کیا تھا' آپ نے فرمایا کہ ھلا شققت قلبه کیا تم نے اسکا دل چیر کر دیکھ لیا تھا
کہ اسکے اندر ایمان نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں کیا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ
ہم لوگ صرف ظاہر حال کے مکلف ہیں دل کا اور باطن کا معاملہ خدا کے حوالے)

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ منافق سے سزا دنیویہ میں تخفیف کیا جانا بوجہ
ظہار کلمہ کے ہوا مگر اسکا نفع صرف دنیا ہی تک محدود رہے گا آخرت میں اس کا
وئی نفع نہ ہوگا وہاں اصل سزا کفر کی اور استہزا کی سب کی ظاہر ہوجائے گی کیونکہ
ہاں کے اجر کے لئے ایمان شرط ہے اور یہ لوگ ایمان سے خالی تھے صرف
ظاہری طور پر مسلمانوں میں داخل ہوتے تھے۔

اسی طرح سے احکام القرآن میں یہ فرمانا کہ کفر توبہ سے معاف ہوجاتا ہے
ور زنا میں رجم توبہ سے معاف نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ زنا کی سزا کفر سے
بڑھی ہوئی ہے اسکے متعلق یہ کہتا ہوں کہ ایسا تو نہیں ہے بلکہ زنا بھی توبہ سے
معاف ہوجاتا ہے کیونکہ اول تو یہ حدود ادنیٰ شبہ سے ساقط ہوجایا کرتی ہے
پھر انکا از خود پیش کرنا واجب نہیں اگر کوئی چھپالے اور اللہ تعالیٰ سے توبہ کرلے
وہ بھی عین منشائے شریعت ہے۔ باقی جب کوئی اپنے آپ کو پیش ہی کر دیگا
تو اس پر تو اللہ تعالیٰ کی کتاب قائم ہی کیجائیگی چنانچہ حدیث میں ہے کہ:۔

"ان فحش امور سے بچا کرو جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے پس اگر کسی شخص
سے ارتکاب ہوجائے تو اللہ کی ستر سے وہ بھی اسکو چھپالے اور اپنے تئیں توبہ
کرے باقی اگر کوئی ہمارے سامنے اپنے چہرے کو ظاہر ہی کرے گا تو پھر ہم بھی
اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کرنے پر مجبور ہیں"۔ (یہ روایت جامع صغیر میں ہے)

(۷۳ - مداہنت کی سزا)

فرمایا کہ ـــــ صاحب روح المعانیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ خطیب بغدادیؒ حضرت ابوسلمہؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میرے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان جس کے قبضہ میں ہے میری امت میں سے بروز قیامت اپنی اپنی قبروں میں سے کچھ لوگ ایسے نکلیں گے جنکی صورتیں بندر اور سور کی سی ہونگی (العیاذ باللہ) اور یہ اس لئے ہوگا کہ ان لوگوں نے اہل معصیت کو ان کی معصیت سے روکنے میں مداہنت (سستی) کی ہوگی یعنی انکو باوجود قدرت کے اس سے روکا نہ ہوگا (انکا یہ جرم ایسا شدید ہوگا کہ اسکی پاداش میں محشر میں یہ سزا انھیں دی جائیگی) اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

(ملاحظہ فرمایا آپ نے اپنے معاشرہ۔ خاندان۔ پڑوسی۔ احباب اور برادری میں لوگ کسی معصیت میں مبتلا ہوں تو قدرت ہونے کے وقت انکو اس برائی سے روکنا فرض اور ضروری ہوجاتا ہے اور اس باب میں سستی کرنے والے کا جو حشر قیامت میں ہوگا وہ آپ نے سنا ہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین میں جس طرح امر بالمعروف یعنی نیکیوں کے حکم کرنے کا حکم ہے اسی طرح نہی عن المنکر یعنی برائیوں سے لوگوں کو روکنا منع کرنا بھی ضروری ہے بلکہ بعض مرتبہ نہی عن المنکر کی ضرورت اشد ہوجاتی ہے اسلئے کہ اسکے ترک کا ضرر متعدی ہوجاتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کوئی شخص کسی امر منکر کا مرتکب ہو تو اسکو نہ منع کرنے والوں کی مثال ایسی ہے جیسے پانی کے جہاز میں نیچے اوپر کئی طبقے ہوتے ہیں نیچے والے اوپر پانی لینے کیلئے آتے جاتے ہیں جنکی وجہ سے اوپر والوں کا بستر وغیرہ کچھ خراب ہوجائے تو وہ لوگ ان پر خفا ہوں کہ ادھر سے نہ آیا کرو اس پر اگر وہ یہ کہے کہ بہت اچھا میں نیچے ہی جہاز ایک پٹرہ توڑ کر پانی لے لیا کرونگا اوپر نہ آؤنگا یہ کہکر کلہاڑی ہاتھ میں لیکر پٹرہ توڑنے لگے تو اگر

اوپر والے لوگ اسکو اس سے نہ منع کریں اور اسکو توڑنے دیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پانی جہاز کے اندر آجائے گا اور یہ اور وہ سب ہی ڈوب جاویں گے اور اگر اسکا پکڑلیں گے اور اس فعل سے اسکو روک دیں گے تو سب بچ جاویں گے۔ یہی حال معصیت کا بھی ہے کہ اسکے وبال میں سب گرفتار ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا لوگوں کو اس مرتکب معصیت کا ہاتھ پکڑنا ضروری ہے۔ اسلئے علماء ربانی امر بالمعروف کے ساتھ ساتھ نہی عن المنکر کا بھی بہت لحاظ فرماتے ہیں کہ بدون اس کے دین کا ایک بڑا شعبہ ترک ہوجائے گا)

(۴۷- طریق اجابت دعاء)

فرمایا کہ ــــ احکام الاحکام میں باب الاستسقاء کے حاشیہ میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ امیرالمومنین حضرت عمر بن خطاب کے زمانہ مبارک میں جب قحط پڑتا (اور بارش کی کمی ہوتی) تو حضرت عمرؓ حضرت عباس بن عبدالمطلب کے توسل سے دعاء فرماتے (یعنی یوں دعاء کرتے کہ) اے اللہ! ہم اب سے پہلے تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے آپ سے دعاء مانگا کرتے تھے اور آپ بارش عطا فرما دیتے تھے۔ اب ہم آج آپکی طرف آپکے نبیؐ کے عم محترم کو بطور وسیلہ کے پیش کرتے ہیں (یعنی ان کے توسط اور وسیلہ سے تجھ سے دعاء کرتے ہیں تو ہمکو بارش عطا فرما۔ چنانچہ بارش ہوجاتی تھی۔ یہ روایت حدیث کی صحیح ترین کتاب بخاری شریف میں ہے۔

حافظ ابن حجرؒ اپنی شرح فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ زبیر بن بکار نے انساب میں اس وقت (یعنی زمانہ) کا بھی تذکرہ کیا ہے جب کہ یہ واقعہ پیش آیا تھا اور اس موقع پر خود حضرت عباسؓ نے جو دعاء فرمائی تھی اسکو بھی بیان کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت عباس کے وسیلہ سے بارش کے لئے دعاء مانگی تو خود حضرت عباسؓ نے بھی اسکے بعد یوں دعاء کی کہ۔ اے اللہ (ہم یہ جانتے ہیں کہ) ہم پر کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ پاداش عمل ہوکر

ہماری معصیت اور سوء اعمال کی وجہ سے آتی ہے۔ اور کوئی بلا ہم سے ٹلتی نہیں بجز توبہ کے تو اے پروردگار یہ جماعت مسلمین کی آپکی جانب اسوقت مجھکو وسیلہ بنا کر متوجہ ہوئی ہے یہ جانتے ہوئے کہ آپکے نبیؐ سے میرا کچھ تعلق اور رشتہ ہے اور اے مالک یہ ہمارے گناہوں سے بھرے ہوئے ہاتھ آپکی جانب اٹھے ہوئے ہیں اور ندامت سے پُر یہ ہماری پیشانیاں آپکے آگے جھکی ہوئی ہیں لہٰذا محض اپنے فضل وکرم سے ہمکو بارش عنایت فرما (راوی حدیث کہتے ہیں کہ انکا یہ کہنا تھا کہ) پہاڑ کی مانند ابر کے ٹکڑے آسمان پر اٹھے اور خوب زوروں کی بارش ہوئی ایسی کہ زمین لہلہا اٹھی اور لوگ خوش عیشی کی زندگی بسر کرنے لگے"

آگے صاحب فتح الباریؒ فرماتے ہیں کہ اس روایت سے چند امور مستنبط ہوتے :۔

۱۔ اہل خیر وصلاح (یعنی صالحین اور بزرگان دین) کو اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے وسیلہ بنانا جائز ہے بالخصوص اہلبیت نبوت کو (یعنی جن حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبی تعلق حاصل ہے مثلاً حضرات سادات کرام کو) ایسے موقعوں پر وسیلہ بنانا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

۲۔ اس روایت سے حضرت عباسؓ کا فضل اور انکی بزرگی بھی ثابت ہوئی کہ حضرت عمرؓ نے انھیں کو توسل کے لئے منتخب فرمایا۔

۳۔ نیز اس حدیث سے خود حضرت عمرؓ کی بھی فضیلت نکلی کہ (گو فی الواقع وہ خود ہی حضرت عباسؓ سے افضل تھے کیونکہ اہلسنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ امت محمدیہ میں سب سے افضل حضرت صدیق اکبرؓ ہیں اور آپ کے بعد حضرت عمرؓ اور پھر حضرت عثمانؓ اور پھر حضرت علیؓ لیکن) آپ نے حضرت عباسؓ کے ساتھ معاملہ ایسا فرمایا جس سے انکا افضل ہونا معلوم ہوتا ہے یہ حضرت عمرؓ کی غایت درجہ کی تواضع تھی، چنانچہ اس وصف میں وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ یوں نفس تواضع تو حضرت عباس نے بھی فرمائی کہ اسوقت کی دعا میں محض اپنے وسیلہ بنائے جانے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ خود آگے بڑھے اور دربار خداوندی میں اپنے رشتہ نبوی کے ساتھ ساتھ امت کے گناہ اور توبہ وندامت کا بھی ذکر کرکے دعا فرمائی تاکہ مخلوق پر ظاہر فرما دیں کہ یہ جو کچھ کرم ہوا ہے یہ محض میری ہی برکت سے نہیں ہوا ہے بلکہ تمھاری ندامت قلبی کو بھی اس میں دخل ہے۔ سبحان اللہ کیسے مخلص تھے ہمارے اسلاف اور کیسے خوشنما تھے ان کے افعال۔ اللہ تعالیٰ ہمکو بھی اپنے اسلاف کے طریقہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیں۔

(مکتوب نمبر ۲۷)

حال:۔ حضور کے ارشادات باعث تصحیح حال ہوئے۔ یہ حقیقت ہے کہ اپنی غلط کاری اور اخلاقی کمزوری کی بنا پر گذشتہ معاملات میں افراط و تفریط کی وجہ سے بڑے غلطیوں میں مبتلا ہونا پڑا۔ طبیعت استقلال کے ساتھ راہ معتدل پر متمکن نہ ہو سکی اور اگر حضور والا کی جانب سے صحیح راہ نمائی نہ ہوتی تو خدا جانے کیسی کیسی ٹھوکریں کھانی پڑتیں۔ پروردگار کا احسان ہے جس نے حضور جیسا مصلح ہمیں عطا فرمایا ہے اور جنکی بروقت دستگیری ہمیں بھٹکنے سے بچا کر راہ حق اور طریقہ اعتدال پر لانے میں معین ہوتی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ تحقیق: الحمد للہ

حال:۔ خدا کا شکر ہے کہ بہت سارے خفیہ مکائد نفس سے اطلاع ہو گئی اور ایسے امور میں طریق حق واضح ہو گیا۔ انشاء اللہ آئندہ توقع ہے کہ پائے ثبات میں تزلزل واقع نہ ہوگا۔ حضور کے مختصر ارشادات نے دفاتر سے زیادہ نفع پہنچایا۔ تحقیق: الحمد للہ

حال:۔ مولانا ظفر احمد صاحب بعد عید یہاں سے واپس تشریف لے گئے۔ میری جانب سے کسی قدر عمومی حالات میں تلافی مافات بھی ہو گئی اور الحمد للہ ان سے بہت ساری دعائیں حاصل کر سکا۔ اسوقت پاکستان میں انکی ذات گرامی بسا غنیمت ہے مجھ سے فرمایا کہ اپنے حضرت کو پاکستان آنے کی دعوت دو میں نے عرض کیا کہ میں طالب ہوں اور میرا یہ منصب نہیں کہ میں فرمائشیں پیش کروں ایسی باتیں تو اکابر ہی کے لئے موزوں ہیں۔ مجھے ایک لفافہ پر پتہ لکھوا کر وہ لیگئے ہیں شاید حضور کو کوئی خط لکھیں۔ تحقیق:۔ بہتر ہے۔

حال:۔ الحمد للہ رمضان المبارک ہی کے اخیر سے طبیعت پر انشراح غالب ہے بعض خاص مجلسوں میں کبھی کبھی نماز فجر کے بعد لوگ کچھ باتیں سننے کی تمنا کرتے یہ غلام بھی ذہن میں آئی ہوئی باتیں مختصراً عرض کر دیتا ہے۔ عموماً مضامین رقت خیز ا

اور ایسی غلطیوں کے اصلاح کے ہوتے ہیں جنمیں لوگ بالعموم مبتلا ہیں

تحقیق :۔ الحمد للہ

حال :۔ آخرت کا تصور ہر وقت پیش نظر رہتا ہے اور تمام ہما ہمی والے کاموں سے دلی نفرت پیدا ہو گئی ہے

حال :۔ دل کو حضور کے دربار میں حاضری کا بیحد اشتیاق ہے۔ بعض مشغولیتیں اور آنیوالی تشویشناک خبریں پریشانیاں پیدا کرتی ہیں، پروردگار عالم حضور والا جملہ متوسلین کو خصوصاً اور عامۃ المسلمین کو عموماً تمام آفات ارضی و سماوی اور ہر قسم کی پریشانیوں سے امون و مصئون رکھیں۔ تحقیق : آمین

حال : باہمہ تشویش شوق حضوری غالب ہے۔ تحقیق : الحمد للہ

حال :۔ حضرت والا نے فرمایا ہے کہ اب آپ کے اس خط سے میں خوش کیونکہ اس میں آپ نے لکھا ہے کہ مولانا . . . . واپس تشریف لے گئے میرے جانے سے کسی قدر عمومی حالات میں تلافی مافات بھی ہو گئی ۔ فر بس میں یہی چاہتا ہوں اگر کوئی عالم آپ کے یہاں پہونچ جائے اور آپ اس سے مل لیں اور اسکو خوش کر دیں وہ آپ لوگوں سے خوش خوش جا تو کیا میں اسی اتنے سے ناراض ہو جاؤں گا لاحول ولا قوۃ ۔ میں آپ لوگوں کی عقیدت کو اتنا کمزور سمجھتا ہوں ؟ اور جو عقیدت و تعلق اس قدر ضعیف ہو کہ صرف کسی سے مل لینے سے اس میں فرق آجائے تو وہ بھی کوئی تعلق

تحقیق : اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں کس چیز کو کہہ رہا تھا اور آپ کیا سمجھ رہے ۔ بہر حال بات کو سمجھ گئے اس سے مسرت ہوئی ۔

(مکتوب نمبر ۲۷۶)

حال :۔ معروض خدمت ہوں کہ حضرت والا سے میرے محسن . . . صاحب میرے غصہ کے بارے میں جو شکایت کی وہ بجا اور درست تھی میرا دل ان

اس بات سے بہت خوش ہوا اور دل سے دعا نکلی حقیقۃً دوست ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ تحقیق :۔ الحمدللہ

اس سلسلے میں حضرت والا نے میرے ساتھ جس شفقت کا اظہار فرمایا اور صبر سے کام لینے کی تلقین کی اور مجھ بدحال کیطرف توجہ مبذول فرمائی وہ سب میرے قلب پر نقش کالحجر ہے۔ میں عرصہ سے یہ محسوس کر رہا ہوں اور یہ احساس بڑھتا ہی جاتا ہے کہ حضرت والا کی معیت کا زمانہ مجھکو دنیا سے بے غم کر دیتا ہے اور الحمدللہ اس پرآشوب دور میں بھی جبکہ کہیں سکون نہیں ملتا جنت کا سا لطف آجاتا ہے۔ تحقیق : الحمدللہ

حال :۔ پہلے تو میں یہ سوچا کرتا تھا کہ فی زمانہ ماں کی محبت کچھ نہ کچھ مخلصانہ حالت میں باقی ہے لیکن اپنا خیال تبدیل کرنا پڑا اور الحمدللہ اب یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت والا کی شفقت کے مقابلہ میں سب کی محبت ہیچ ہے۔ تحقیق : الحمدللہ

حال :۔ اللہ پاک حضرت والا کے دینی و دنیاوی درجات بلند فرمائیں اور ہم لوگوں کے سروں پر حضرت کا ظلِ عافیت زائداً زائداً برقرار رکھیں۔ تحقیق۔ آمین

حال :۔ الحمدللہ حضرت والا کی دعاؤں کی برکت سے میرا غصہ ایسا غائب ہوا گویا کبھی آتا ہی نہ تھا۔ صرف غصہ ہی غائب نہ ہوا بلکہ میرے اخلاق پر ہر طرح سے اور ہر پہلو سے اچھا ہی اثر پڑا۔ دماغی قلبی بہت کچھ سکون نصیب ہوا۔
تحقیق :۔ الحمدللہ۔

حال : دو ہفتہ سے اپنے اندر مستقل تبدیلی کو دیکھ رہا ہوں تب حضرت والا کو اطلاع دے رہا ہوں کیونکہ عارضی تبدیلی سے کوئی مسرت نہیں ہوتی کیفیت تو وہی معتبر ہے جو مستقل ہو۔ آج بروز دوشنبہ ۹ رمئی حضرت والا نے فرمایا کہ ذرا بھی چڑ چڑاہٹ اور بدگمانی پیدا ہوئی، یہی حال میرا ہے۔ حالانکہ دو ہفتے سے نمایاں تبدیلی ہے۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ یہ بہت بڑا نقص یعنی چڑ چڑاپن اور بدگمانی کا پیدا ہوتا مجھ سے ایسے ہی دور ہو جائیں جیسے غصہ دور ہوا۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: میں اس بیماری سے بیحد تنگ آ گیا ہوں اور ایسے برے خیالات کے مقابلہ میں موت کو ترجیح دیتا ہوں۔ بعض اوقات اپنی بدحالی پر سخت افسوس اور رنج ہوتا ہے اور سخت فکر میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ اور آج تو میں یہی سمجھا کہ حضرت والا صرف میری ہی بیماریاں بتلا کر انکا ازالہ فرما رہے ہیں۔ اسی طرح دعاؤں کی مقبولیت و نامقبولیت کے چکر میں بھی بہت زیادہ مبتلا ہوں۔۔ غیر مخلصانہ عبادت کر کے یعنی دنیاوی نعم کے لئے یا دنیاوی مصائب کے دور ہونے کے لئے عبادت کرنا حقیقۃً بہت ہی افسوناک حالت ہے۔ عبادت تو واقعی اللہ پاک کی رضا رکے لئے ہونا چاہیئے لیکن متقیوں کے سے ثمرات چاہتا رہا۔ الحمدللہ بہت بڑی غلط فہمی دور ہو گئی۔ اسی طرح میرے لئے یہ بھی قابلِ افسوس حالت ہے کہ زبان تو اللہ پاک کے لئے اور میرا دل دنیا کے چکروں کے لئے خالی ہے۔ آپ کا فرمانا سو فیصدی حق اور زبردست حق ہے۔

تحقیق: الحمدللہ۔

حال: کاش کہ میری حالت بالکل درست ہو جائے۔ ایک جاہل انسان ہوں عالم نہیں، اور روزی کے چکر میں پردیس کی زندگی، ملازمت کی زندگی، تاہم حتی الوسع حضرت والا کے ارشادات کو گوش ہوش سے سنتا ہوں اور ایمان رکھتا ہوں۔ قلب تصدیق کرتا ہے۔ سعی کرتا ہوں کہ قلب کو حاضر رکھ کر سب عبادت کر سکوں۔ خوب سعی کر کے، مجاہدہ کر کے دیکھ لیا، حضرت والا کی دعائیں اور حضرت والا کی صحبت بابرکت سے اللہ میاں کچھ کام بنا دینگے تو کام بن جائیگا۔ تحقیق: خدا کرے۔

حال: ورنہ اپنی قلبی، دماغی، جسمانی سب صلاحیتوں کا اندازہ اس احقر کو ہے۔ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ۔ میرے لئے یہ کوئی آسان کام نہیں۔ ابھی مصروفیت کے باوجود بہترین سعی کرتا ہوں کہ حضرت والا کی خدمت اقدس میں

حاضر ہوتا رہوں اگر خدانخواستہ محروم رہا تو یہ بیراخبث باطنی ہوگا جو ذمہ دار ہوگا۔
حضرت والا کی شفقت اور ہمارے حالات پر توجہ میں ماشاءاللہ ذرا بھی کمی نہیں
میرے تو وہم وگمان میں بھی ایسے مناظر شفقت وکرم آج کے دور میں نہیں
آسکتے تھے جیسے اسوقت یہ دو آنکھیں دیکھ رہی ہیں اور قلب تصدیق کر رہا ہے
اور محسوس کر رہا ہے۔ حضرت والا کے احسانات ہم سب پر اس قدر ہیں کہ
خیر میں تو کوئی حقیقت نہیں رکھتا کوئی بھی مسلمان قیامت تک حضرت والا کے
احسانات کو نہ تو ادا کر سکتا ہے اور نہ صحیح اندازہ ہی لگا سکتا ہے۔ تحقیق: بیشک
حال:۔ اللہ پاک کے بھروسہ پر میں اپنی اصلاح میں ذرا بھی کمی نہ کرونگا۔ دل میں
اپنی اصلاح کرنے کا جذبہ پاتا ہوں۔ مایوس نہیں ہوگیا، بس حضرت والا
میرے لئے دعا فرمائیں کہ کٹھن منزلیں آسان ہو جائیں۔
تحقیق: آمین۔ دعا کرتا ہوں۔
حال: ذرا بھی میری غفلت پائیں تو حضرت والا زجر فرمائیں۔ میں دنیا میں کسی دنیادار
کی زجر کا ذرا بھی قائل نہیں اور کسی کے رعب باطل سے الحمدللہ ذرہ برابر مرعوب
نہیں ہوتا لیکن حضرت والا کو کیا سمجھتا ہوں یہ تو میرا دل اور اللہ پاک ہی بہتر جانتے ہیں
میں اپنے جذبات کی صحیح ترجمانی کرنے سے قاصر ہوں۔ تحقیق: میں سمجھ گیا۔

(مکتوب نمبر ۲۷۶)

حال: عرض آنکہ ایک کارڈ بمبئی ہو چکر دوسرے ہی روز ارسال خدمت کر چکا ہوں امید کہ پہنچا ہوگا
کل ۷ رمئی ۵ بجے شام یہاں سے روانگی کا اعلان ہو چکا ہے ادہر دل ہے کہ
خلوت میں خشیت الٰہی سے مضطرب ہے اور آنکھیں ہیں کہ آنسوان سے
تھمتے نہیں۔ دعا فرمائیں کہ جو حال بھی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کا ہو اور پورے
شوق و ذوق کے ساتھ مناسک حج کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائی جائے۔
تحقیق:۔ دعا کرتا ہوں۔ آمین۔

حال : اس بات کے عرض کرنے میں ذرا باک نہیں کہ بحمدہ تعالیٰ حضرت والا مد ظلکم کی نسبت لیکر دونوں دربارں میں حاضر ہو رہا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ یہ ضرور رنگ لائیگی۔ کیونکہ یہی اقوی الذرائع ہے۔ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسکو کامل و مکمل فرمادیں۔
تحقیق : خدا کرے ایسا ہی ہو۔

(مکتوب نمبر ۲۷۸)

حال : الحمدللہ خیریت سے ہوں۔ حضرت اقدس کی خیریت محترمی - - - - صاحب کی زبانی معلوم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت کو بعافیت رکھیں اور ہمارے سروں پر حضرت کا سایہ قائم رکھیں۔ یہاں حضرت والا کی یاد بکثرت آیا کرتی ہے اکثر مختلف انداز سے پاس والے لوگوں سے ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے جلد ہی پھر حضرت اقدس سے ملا دیں۔ ہاں پاس رہنے والے احقر کو بڑے ہی خوش قسمت اور قابل رشک معلوم ہوتے ہیں' اللہ تعالےٰ انھیں حضرات کی برکت سے مجھے بھی پھر اس شرف سے نوازیں۔ تحقیق : آمین۔
حال : یہاں الحمدللہ کام کرنے کی بہت زیادہ فکر موجود پاتا ہوں۔ غفلت کے بعد فوراً تنبیہ ہو جاتی ہے تحقیق : الحمدللہ
حال : سننے میں آتا تھا کہ بعض مریدین کو غفلت پر غیبی تنبیہ بھی کیجاتی ہے یہاں احقر کو بھی دو بار اسی طرح کا واقعہ پیش آیا۔ دعاء فرمائیے کہ اب غفلت بالکل نہونے پاوے۔
تحقیق : ہاں تنبیہ کیجاتی ہے۔ دعا کرتا ہوں۔ آمین۔
حال : ذکر کی کثرت میں لگ گیا ہوں۔ ذکر کی حلاوت بیان نہیں کر سکتا۔ اکثر تلاوت کے درمیان میں وجد کی سی کیفیت ہو جاتی ہے لطف سے جھومنے لگتا ہوں قرآن پاک میں ہر طرح کے خوان موجود ہیں' سبحان اللہ غفلت کے پردے اٹھا دیتے ہیں

تحقیق: الحمد للہ بارک اللہ بات یہی ہے۔
حال: دعا فرمائیے کہ یہاں اللہ تعالیٰ ہر طرح کی حفاظت فرما دیں اور اپنے مخلص اور ذاکر بندوں میں شامل فرمالیں رب اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَلَا خِرَۃِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (اے اللہ آپ میرے ساتھی ہیں دنیا اور آخرت میں مجھ کو مسلمان دنیا سے اٹھا اور نیک بندوں کیساتھ میرا حشر فرما) یہ بھی دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے شر سے محفوظ رکھیں
تحقیق: دعا کرتا ہوں۔ آمین۔

(مکتوب نمبر ۲۷۹)

حال: الحمد للہ اب یہ حالت ہے کہ اکثر اوقات قلب اپنے مالک کی یاد میں لگا رہتا ہے اور جس وقت قلب یاد الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے پھر بقصد اسی طرف لگاتا ہوں، اور یہی ذکر قلبی بعض وقت زبان کو بھی حرکت دے دیتا ہے۔ اور نماز بھی اب الحمد للہ نماز کی طرح ادا ہو رہی ہے۔ قرأۃ میں اور دوسرے ارکان میں تو قلب اللہ کی حمد اور دعا میں لگا رہتا ہے لیکن خصوصاً رکوع اور سجود میں جس وقت اپنے رب کے سامنے سر رکھ دیتا ہوں تو عجیب سی کیفیت محسوس ہوتی ہے اور اسوقت معلوم ہوتا ہے کہ دل و زبان دونوں اپنے معبود کی بندگی میں لگے ہوئے ہیں۔ اور ذکر کے وقت بھی ایک خاص محویت ہوتی ہے۔ اور میرے اندر جو کثرت کلامی کا مرض تھا وہ بھی ایسا دور ہو گیا کہ بعض اوقات زبان عادت کے موافق بولنا بھی چاہتی ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی روک دیتا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: حضرت اب تھوڑے دن سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی طرف توجہ پیدا کر دی ہے۔ پہلے تو یہ معمول تھا کہ دو سپارہ تقریباً روز پڑھتا تھا اور صرف آدھا پارہ روز پڑھتا ہوں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اب پڑھتا ہوں جبوقت

قرآن پڑھنے کے لئے ہاتھ میں لیتا ہوں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کلام اپنے خالق و مالک کا ہے کبھی اسکو آنکھوں سے لگاتا ہوں اور کبھی چومتا ہوں اور کبھی سر پر رکھ لیتا ہوں اسکے بعد جب تلاوت شروع کرتا ہوں تو دورانِ تلاوت آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ عربی نہ جاننے کی وجہ سے معانی سمجھنے سے تو قاصر ہوں لیکن جس جگہ حضرت سے سنتے سنتے معانی ذہن میں جم گئے ہیں اس جگہ تو عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: حضرت اب تو قرآن مجید کو معاونِ راہ اور اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ بنا لیا ہے۔ حضرت اب تک جو کچھ غفلت کی زندگی گذر گئی اب اسکا افسوس لیکر کیا بیٹھیں بلکہ اب تو استغفار کرتا ہوں اور اس زندگی کے باقی چند لمحوں کو خدا کی یاد میں گذار دینا چاہتا ہوں۔ الحمدللہ۔

حال: دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ شب و روز ترقی عطا فرمائیں۔ اور اپنی کامل نسبت سے سرفراز فرمائیں۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

حال: اللہ تعالےٰ ہمارے حضرت کو روزِ محشر میں سربلندی نصیب فرمائیں۔ اب تو جس مجلس میں حضرت والا کا ذکر ہوتا ہے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور جی یہ چاہتا ہے کہ کوئی یہی ذکر کرتا رہے، اور حضرت کے احسانات ذہن میں پھرنے لگتے ہیں اور قلب بے چین ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے دبی ہوئی آگ بھڑکا دی۔ تحقیق: مبارک ہو۔

حال: حضرت اسوقت نفس کی ہر حرکت پر سخت نظر رکھتا ہوں۔ تحقیق۔ الحمدللہ

حال: حضرت میں فارسی تو پڑھنے جاتا ہوں لیکن جب سے یہ تمام کیفیتیں اللہ تعالےٰ نے دی ہیں اسکی طرف التفات کم ہو گیا ہے بلکہ کسی کسی وقت تو ڈرتا ہوں کہ یہ شیطان کی رہزنی تو نہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھیں۔ تحقیق: آمین

(۵)

مخدوم مخدومانِ زمان علامہ ارباب عرفان دامت برکاتکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ال: بکمال ادب ملتمس ہوں کہ معذرت نامے کا جواب پاکر قلم جانے کتنی بار کاغذ
سنبھل سنبھل کر چلا ہے لیکن اپنی ہر تحریر کو ناقص سمجھکر مسترد کرتا رہا ہوں اور
ی اصل سبب اپنی کاغذی حاضری کی تاخیر کا ہے ورنہ التماس کے لئے بہت سے
یسے موقعے آئے جو بڑے ہی اہم تھے۔ ان میں سے ایک موقع وہ تھا جب میرے
ے بھائی نے موت وزندگی کی کشمکش کے کئی مرحلوں سے گذرتے رہنے کے
د ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔ مرحوم کے لئے سکون کی دعا کی درخواست کرچکا
نا اب ضرورت تھی کہ اپنے اس محسن کی دعا مغفرت کیلئے فریاد کروں جس کے ایثار و
خلاص کے سائے میں میں نے دینی علوم حاصل کئے تھے۔

دوسرا موقع وہ تھا جب ٹھنڈک کی شہ پاکر میرے پرانے مرض تنفس نے میرے
سینے میں ہیجان پیدا کیا۔ حضرت جب یہاں رونق فروز تھے میں دوا سے پہلے حضرت
ی دعا کی طرف لپکتا تھا لیکن اس مرتبہ قلم جب بھی اٹھا اس پر ایک ہراس طاری ہوا
ور میرا کام نہ ہوسکا البتہ حضرت کے تصور میں گم ہوکر اشعار کہتا رہا اور حضرت کی یاد سے
ستفاضہ کرتا رہا اور دل میں سکون اور روح میں ایک روشنی سی محسوس کرتا رہا۔
کثر ایسا نظر آتا تھا کہ جیسے حضرت واقعی میرے سامنے کھڑے مسکرا رہے ہیں اور
یرے لئے دعا فرما رہے ہیں۔ اسکے بعد آج گیارہ روز ہوئے ایک شدید حملہ
نفس کا ایسا پڑا جس سے سولہ گھنٹے تک تڑپتا رہا۔ نماز بستر پر اشارے سے ادا ہوئی
اسوقت حضرت کی یاد بہت آتی رہی دو روز کے بعد بستر سے اٹھکر روزدو ایک
صفحے حضرت کو لکھ لکھکر پھاڑتا رہا اور آج تہیہ کیا کہ جیسا بھی بن پڑے حضرت سے
اپنے مرحوم بھائی کی مغفرت اور اپنی صحت کے سلئے دعا کی درخواست کردوں

حضرت کے تصور کو میں اپنا ایک بڑا قیمتی سرمایہ سمجھتا ہوں کیونکہ اس صورت
میں قلب ونظر میں دین کیطرف رجحان رہتا ہے اور ایسا محسوس کرتا رہتا ہوں جیسے

تاریک راہ میں ایک چراغ میری رہنمائی کر رہا ہے۔

معذرت نامے کے جواب میں جو ارشادات صادر ہوئے وہ میری امید کے مطابق تھے میں جانتا تھا کہ میرے شوق کی لغزش کو حضرت کی کریم النفسی دل سے معاف کر دے گی۔ صحیفہ عالی کو پاکر برجستہ ایک قطعہ موزون ہو گیا تھا جسے ڈرتے ڈرتے عرض کر رہا ہوں ؎

دامن نگاہِ لطف کا پھر ہاتھ آ گیا | پھر شوق اپنی دولتِ نایاب پا گیا
جیسے کوئی بجھی ہوئی قندیل جل اٹھی | جیسے کوئی چراغ سرِ راہ آ گیا
پھر اک تبسم کرم آ گیں نظر میں ہے | پھر ایک نور دل کی سیاہی پہ چھا گیا

جب بھی چلا شکیلؔ قدم تھرتھرا اٹھے
لغزش کا خوف ایسا قلم میں سما گیا

خادم عقیدت کیش محمد شکیلؔ عباسی

تحقیق: عنایت فرمائے بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

محبت نامہ عرصہ کے بعد آیا۔ حالات معلوم ہوئے بھائی صاحب کے انتقال سے رنج ہوا اللہ تعالےٰ انکی مغفرت فرمائے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس درمیان میں آپ کے مرض نے بھی کچھ شدت اختیار کر لی تھی اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عاجلہ کاملہ مستمرہ عطا فرمائے

باقی حالات جو آپ نے اپنے لکھے ہیں ان سے بہت خوش ہوا۔ اس سے میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کو بھی دولتِ باطنی ملے گی اور آپ محروم دنیا سے نہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی باطنی کیفیات اور حالات میں روز افزوں ترقی نصیب فرمائے۔

میں بحمد اللہ بخیریت ہوں۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

(۶۱)

حال: چراغ طور عرفاں ۔ سراپا نور ایماں دامت برکاتہم

بادب ملتمس ہوں کہ صحیفۂ ہدایت اوائلِ رمضان میں صادر ہوا تھا جس کے جواب کے مسودے میں قوت ممیزہ کاٹ چھانٹ کرتی رہی اور تاخیر کی مدت بڑھتی رہی اس واقعہ کا تذکرہ کل ایک کارڈ میں کر چکا ہوں اس عریضے میں اس حادثہ کا بھی ذکر آ چکا ہے کہ ٹھنڈی ہواؤں کے تند و تیز طوفاں کی زد میں آ کر میری صحت کا یہ حال ہوا کہ ماہ مبارک کا دامن میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور جو سلسلہ حضرت کی دعار سے روزے کا قائم ہوا تھا اچانک ٹوٹ گیا اسی لئے ایک کارڈ دوبارہ دعار فرمانے کے لئے فریاد کی تھی ۔ میرا اب یہ عقیدہ ہو گیا ہے کہ کسی خدا دوست سے دعار کی التجا اسکے ہاتھ اٹھانے سے پہلے ہی قبول ہو جاتی ہے جیسا کہ اسی سال رمضان میں مشاہدہ ہوا کہ ادھر حضرت کی خدمت میں درخواست لکھکر فارغ ہوا ادھر مجیب الدعوات کی طرف سے در اجابت وا ہو گیا یعنی صحت کی ناہمواری میں ایک تبدیلی نظر آئی اور تنفس کی گرفت ڈھیلی نظر آئی، اللہ کا نام لیا اور دوڑ کر ماہِ مبارک کا دامن تھام لیا ۔ حضرت کی نسبت کا شرف کام آیا اور اس مایوس العلاج کے ہاتھ میں نشاط رمضان کا جام آیا تب سے شب میں صرف ایک خوراک دوا کی لے لیتا تھا اور روزے کی ناؤ کو حضرت کے دست دعا کے فیض سے کھے لیتا تھا ہوا میں جتنی بھی ہوتی تھی اس مستفیض کے ایمان میں اتنی ہی ہما ہمی ہوتی تھی داؤں سے جو کام نہیں ہو سکا تھا دعار کی درخواست سے چند لمحوں میں ہو گیا اور دل ایک مستجاب الدعوات کی چشم مروت کی یاد میں کھو گیا ۔

کل سے اس سلسلے کے جوڑنے کا ارادہ ہے جو خاص طور پر حضرت کی دعار سے چل رہا تھا ڈاکٹر نے آج اجازت بھی دیدی ہے ۔ دعا فرمائیں کہ یہ سفینہ ناسازگاری کی کسی چٹان سے اب نہ ٹکرائے اور ہلالِ عید کے ساحل تک بسہولت پہونچ جائے بلکہ اتنی طاقت آ جائے کہ چھوٹے ہوئے روزوں کو عید کے بعد ہی

پیدا کروں۔

حضرت والا کی خدمت میں ارسال کرنے کے لئے عریضہ ترتیب دینے بیٹھتا ہوں تو شوق کچھ اس طرح خیال کے پیچھے پڑ جاتا ہے کہ نثر کو نظم کا لباس پہنانے کے لئے اڑ جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خالی اوقات کا اکثر حصہ حضرت کے تصور میں مصروف رہتا ہے اور اس توفیق پر دل وجد کرتا ہے۔ خیال کی خوش نصیبی ہے کہ حضرت کے مکارم اخلاق سے رنگ و روغن مانگ کر سنورتا ہے۔ چنانچہ حضرت کی دعا سے جو توفیق روزہ رکھنے کی ملی تھی اس کے تصور نے فوراً چند اشعار ترتیب دیئے میرے شوق کا ارمان ہے کہ حضرت اسے ملاحظہ فرمالیں سہ

مری صحت کو جو روزے پہ آج قدرت ہے　　دعائے حضرت والا کی استجابت ہے
ہے اندنوں تو مرے دل میں ایک خواہش بس　　نہ زندگی کی تمنا نہ تازگی کی ہوس
دلا دے مجھکو شریعت سے رخصت افطار　　نہ اتنا تنگ ہو سینے میں میرے سانس کا تار
یہ ناؤ اب کسی چٹان سے نہ ٹکرائے　　ہلال عید کے ساحل سے جا کے لگ جائے
میں چل رہا ہوں عزیمت کے کارواں کے ساتھ　　ہے میرے ساتھ مرے شیخ کی دعا کا ہاتھ
چراغ راہ ہدیٰ، با خدا وصی اللہ　　ضیائے دین و شریعت ہے جگمگاؤ نگاہ

شکیل دیدہ و دل کو جواں سے نسبت ہے
انھیں کی چشم عنایت کی یہ کرامت ہے

اس عریضے کی ترتیب و تہذیب کی اثنا ر میں دو خواب بھی دیکھے ہیں۔ (الف) ایک خواب یہ تھا کہ اپنے ایک شاگرد عزیز کے ساتھ جنکی دوکان پر اکثر بیٹھا کرتا ہوں اور کبھی کبھی سہ پہر کو ان کے ساتھ ناشتہ کرنے کا بھی اتفاق ہوتا ہے بیٹھا ہوا کچھ کھا رہا ہوں اسنے میں محترم واجد علی خاں صاحب سامنے آجاتے ہیں جنھیں دیکھکر یاد آجاتا ہے کہ یہ مہینہ رمضان کا ہے۔ فوراً منہ کے لقمے کو تھوک دیتا ہوں اور دل میں یہ کہتا ہوں کہ بھولکر کھا لینا معاف ہے۔

(ب) دوسرا خواب اُس رات میں دیکھا جسکی شام سے مندرجہ بالا اشعار کی ترتیب دماغ پر مستولی رہی بالخصوص آخر کے دونوں اشعار نے فکر کو حضرت والا کے محاسن صفات کی یاد میں مستغرق رکھا۔ خواب یہ تھا کہ بعض تشویشناک ہنگاموں سے گذرتا ہوا اس مقام پر پہونچا ہوں جہاں حضرت کی حیات ہی میں حضرت کا مزار بنایا جارہا ہے۔ یہ مزار ایک مسجد کے اندر اسکے اندرونی صحن کے جنوبی مشرقی حاشیئے پر واقع ہے۔ ہے تو یہ مزار بہت سادہ و بے تکلف سا لیکن اس میں سنگ مرمر نصب ہیں سرھانے ایک چھوٹی سی محرابی دیوار کھڑی کی گئی ہے اور اسکی پشت پر لوگ بیٹھتے جارہے ہیں۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے حضرت کا عرس کیا جارہا ہے اور دماغ میں تیزی سے یہ خیال بھی ایک لمحے کے لئے دوڑ گیا کہ قوالی بھی ہوگی۔ میرے دل پر غم کا دباؤ اور حیرانی سی ہے لوگ کہہ رہے ہیں کہ تم تو آگے کی صف میں بیٹھو انکا مطلب یہ ہے کہ حضرت کی مجلس میں چونکہ اس خادم کو انتہائی قرب حاصل رہتا تھا اسلئے آج بھی مجھے ممتاز صف میں جگہ ملنی چاہیئے ۔ لیکن میں ایک تأثر کے ساتھ سب سے پیچھے کی صف میں بیٹھ گیا اور دل یہ سوچکر ڈوبنے لگا کہ جو کچھ ہو رہا ہے حضرت کے مسلک کے خلاف ہو رہا ہے۔ بس اسی حالت میں آنکھ کھل گئی۔

(تحقیق)

محبی سلکم اللہ تعالیٰ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پہلے آپ کا کارڈ ملا اسکو پڑھکر احباب کو سنا کر دلِ حزیں کو تسلی دے رہا تھا کہ دوسری ڈاک سے آپکا لفافہ بھی مل گیا سبب حزن تو اب آپ کو معلوم ہی ہوگیا ہوگا۔ اس واقعہ فاجعہ کا ہم سب پر بہت اثر ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی چونکہ صبر بھی مرحمت فرماتے ہیں اسلئے تدریجاً غم کم ہو رہا ہے ورنہ صدمہ عظیم تھا اور ایسے وقت میں پیش آیا کہ خود میں کئی دنوں سے اپنے مرض کی تکلیف اور سخت ریاحی دورہ میں مبتلا ہو چکا تھا اور ابھی اس سے طبیعت پوری طرح سنبھلی بھی نہ تھی کہ یہ لڑکی بیمار ہوئی بعارضہ چیچک اور پھر اس سے جانبر نہ ہو سکی اسی واقعہ کیجانب میں نے

اوپر ذکر کیا ہے کہ اپنے دل حزیں کو تسلی دے رہا تھا۔

خط سے آپ کی علالت اور روزوں کے چھوٹنے کا حال معلوم ہوا اللہ تعالےٰ آپ کو صحت کلی عطا فرمادیں اور بقیہ ایام نشاط کے ساتھ گذار دیں۔

محبت میں تو آدمی نجانے کیا سے کیا کرنے لگتا ہے اور نثر سے نظم کی طرف منتقل ہوجانا یہ تو کچھ ایسی بات ہی نہیں یہ سب آثار محبت سے ہیں۔ اللہ تعالےٰ اس میں ترقی عطا فرمادیں اور اسکے برکات و ثمرات سے جانبین کو بہرہ ور فرمادیں۔

خط کے آخر میں آپ نے دو خواب اپنے لکھے ہیں، پہلے خواب میں آپکے قلب میں رمضان شریف کی جو عظمت واحترام ہے جیسا کہ آپ کے خط کے مضمون سے ظاہر ہوا کہ آپ کو ان روزوں کے چھوٹنے کا بڑا قلق ہوا اسی کو ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ افطار بھی کر رہے ہیں اور پھر بھولے کھا رہے ہیں اور پھر یاد آنے پر فوراً اس سے باز رہتے ہیں یہ سب اسی عظمت کی جانب مشیر ہیں جو اس سلسلہ میں آپ اپنے قلب میں پاتے ہیں چنانچہ واجد سے اسی پانے کیجانب اشارہ ہے۔

اور دوسرا خواب طویل جو آپ نے دیکھا تو فوراً یہ بات سمجھ میں آئی کہ خواب میں بعض مرتبہ بہت لطیف مناسبات ہوتے ہیں۔ پس مزار کے وہ معنی نہیں جو متبادر ہیں بلکہ مزار سے مراد زیارت گاہ کے ہیں اور قبر کو مزار اسی اعتبار سے کہا بھی جاتا ہے تو وہاں ہجوم کا ہونا اور قوالی کا ہونا یہ سب اس کو ظاہر کرتا ہے کہ لوگوں کی توجہ میری جانب نشاط کے ساتھ ہورہی ہے تو کیا عجب آپ عنقریب کوئی ایسی خبر سنیں یا ایسا واقعہ دیکھیں جس سے یکبارگی لوگوں میں جوش وخروش پیدا ہوکر کچھ کام ہوجانے یہاں الٰہ آباد میں ایک دینی دارالعلوم کی بنیاد رکھنے کا خیال ہے اور بستی کے لوگ بھی اب کچھ متوجہ نظر آتے ہیں۔ باقی حیات میں مزار یہ موتوا قبل ان تموتوا کے قبیل سے ہے۔ اہل اللہ اختیاری موت زندگی ہی میں حاصل کرلیتے ہیں اور اسکا حکم ہے۔ چنانچہ یہ حضرات اپنے ارادہ کو اپنے نفس کو سب ہی کو فنا کر دیتے ہیں یہی موت ہے پس چونکہ آپ کو مجھ سے محبت ہے اسلئے ہوسکتا ہے ایسی کوئی بات اعدنا یاں

کوئی کام تیری ذات سے انجام پانے والا ہو جو زیارت گاہ خاص وعام بنے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تعلق خاطر کی وجہ سے یہاں بچی کی قبر اور وہاں احباب کا ہجوم صبح و شام یہ سب آپ پر منکشف ہوا ہو کیونکہ اولاد کی مزار باپ ہی کی مزار ہے۔

والسلام خیر ختام

(صاحب مکتوب کا ایک اور مکتوب ملاحظہ فرماتے چلئے یہ خط مولوی شکیل صاحب مدظلہ نے اپنے ایک لائق محبوب شاگرد پروفیسر عبدالحمید صاحب ڈگری کالج بلرام پور کے نام لکھا تھا دیکھئے حضرت اقدس کا تذکرہ کس محبت سے کیا ہے ماسٹر صاحب موصوف میرے بھی کرم فرما اور مخلص دوستوں میں سے ہیں انھیں کے واسطے سے یہ جواہر پارے ملے جو درحقیقت امت کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ انکو جزائے خیر عطا فرمائے اور صاحب مکتوب جناب شکیل عباسی صاحب کو صحت عطا فرمائے اور حضرت اقدس کے ساتھ ان کے اس مخلصانہ تعلق کا بھرپور صلہ عطا فرمائے۔ آمین)

(مکتوب مولوی شکیل عباسی صاحب بنام پروفیسر عبدالحمید صاحب)

۱۰/۹

عزیزم سلکم اللہ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

میرے حال پر مالک کا خاص کرم ہے کہ روزے نبھ رہے ہیں تراویح میں بحمد اللہ کوئی تکان محسوس نہیں ہوتی۔

اپنا ایک نہایت قیمتی سرمایہ تمھارے سپرد کرتا ہوں ایک یہ کہ تمھارے پاس زیادہ محفوظ رہ سکے گا ہمارے گھر میں تو اس طرح کی چیزوں کی قیمت بہت گھٹ گئی ہے ریٹائرڈ ہونے کے بعد گھر آکر دین کے استخفاف اور دنیا کے اعزاز کو دیکھا تو دل خون ہو گیا اور اسکی ایک بوند ٹپک کر شعر بن گئی ہے

تکلف سے دم گھٹ رہا ہے میاں بھی شکیل آہ اب وہ بیارہ نہیں ہے

دوسرے یہ کہ اس کے کچھ مکتوبات معرفت حق میں شایع ہو سکیں گے۔ ان مکتوبات کو بہت غور سے مطالعہ کرنے کے بعد دیکھو کون سا جزو لایق اشاعت ہو سکتا ہے

الہ آباد کو کوئی بہت معتبر جانے والا ملے تو اسکو بھیجدینا لیکن زیادہ بہتر شکل یہ ہے کہ جب کبھی الہ آباد جانا ہو تو خود لیتے جانا اور کسی ذمہ دار کو خود اپنے ہاتھ سے دے دینا۔

حضرت والا کی یاد کبھی کبھی ایک تیز جھونکے کی طرح آتی ہے اور خیالات منتشر ہو جاتے ہیں اور چند واقعات کرم خاص کے یاد آتے ہیں تو دل کا ایک عجیب حال ہو جاتا ہے۔ لاوارثی سی محسوس ہوتی ہے ـــــ ایک مرتبہ میرے ہونٹ کو انگشت مبارک سے پکڑ کر فرمایا "ذکر ہونٹ سے نہیں دل سے ہوتا ہے" اسوقت یہی موضوع مجلس میں چل رہا تھا

ایک مرتبہ فرمایا "آپ سمجھئے ـــ (پھر مجمع کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) یہ لوگ نہیں سمجھ پائیں گے" ـــ

الہ آباد سے کہلایا کہ "تبلیغ میں خوب کام کرو" ـــ خادم اور مخدوم کے درمیان طریقے کا جو ایک فاصلہ سا تھا وہ بھی ختم ہوگیا لیکن آہ اتنے میں بساط ہی لپیٹ دی گئی اور ایک لمبے چوڑے اندھیرے میں نورانی تبسم کی یاد کا سہارا رہ گیا اور بس۔

اپنے اور بچوں کے احوال لکھکر بھیجو مجھے انتظار رہے گا۔ فقط۔ دعائیں۔

(اس موقع پر صاحب مکتوب کی ایک نظم جو انھوں نے "حضرت والا کی یاد" کے عنوان سے کہی تھی یاد آگئی ناظرین بھی ملاحظہ فرماتے چلیں) :-

تصور کو ہے نسبت ایک نورانی تبسم سے
اسی سے دل میں بھی اک روشنی معلوم ہوتی ہے

بساط اس بزم کی کب کی لپیٹی جا چکی لیکن
نظر اسکی تجلی سے بھری معلوم ہوتی ہے

وہی اک بات جو سو بار گذری ہے نگاہوں سے
زبان شیخ پر آکر نئی معلوم ہوتی ہے

یہ تو نے کیا کیا اے شوق عرض مدعا کرکے
نگاہ شوق میں مجھکو کمی معلوم ہوتی ہے

شکیل اک رند اور راسد جو گم سم بات کیا ہے یہ
کسی اہل نظر کی رہبری معلوم ہوتی ہے

(مکتوب میں جس دارالعلوم کا ذکر ہے وہ یہی مدرسہ "وصیۃ العلوم" ہے اور حضرتؒ کا رسالہ معرفت حق کے بجائے اب "وصیۃ العرفان" نکل رہا ہے)

(۴) آپ فرمایا کرتے تھے کہ دو خصلتیں ایسی ہیں کہ انکا علاج بہت دشوار ہے ایک دلوں سے طمع کا قطع کرنا۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے لئے عمل میں اخلاص پیدا کرنا۔
(۵) آپ فرماتے تھے کہ جس کی عقل بڑھائی جاتی ہے اسکا رزق کم کردیا جاتا ہے۔
(۶) آپ فرماتے تھے کہ بقدر ضرورت دنیا کا طلب کرنا حب دنیا میں داخل نہیں
(۷) فرماتے تھے کہ آب زمزم مثل خوشبو کے ہے جس طرح خوشبو کا رد کرنا (بلا عذر شرعی) خلاف سنت ہے اسی طرح آب زمزم کا رد کرنا بھی خلاف ادب ہے۔
(۸) آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب قرض کے متعلق حدیث میں یہ وارد ہے کہ جبتک میت کے ذمہ قرض رہتا ہے اسکی روح معلق رہتی ہے تو غیبت کا کیا حال ہوگا کیونکہ قرض کو تو ادا کرنے کی صورتیں ہیں اور وارث بھی ادا کرسکتے ہیں مگر غیبت کا دین ادا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اگر کسی شخص کا دین ہمارے ذمہ ہو اور وہ مرجائے تو ہم اسکے وارثوں کو ادا کرکے یا معاف کرا کے بری ہوسکتے ہیں لیکن اگر ہم نے کسی کی غیبت کی اور اسکا انتقال ہوگیا تو ہم اگر اسکے سارے وارثوں کو بلکہ ساری دنیا کو راضی کرلیں اور سب سے معافی مانگتے پھریں تو اسکا مطالبہ ہم سے ساقط نہیں ہوسکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی آبرو اسکے مال سے زیادہ واجب الاحترام ہے۔
(۹) فرماتے تھے کہ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ کو وصیت فرمائی کہ کسی گنہگار کو اسکے گناہ پر کبھی عار مت دلاؤ اور اسکو حقیر مت سمجھو۔
(۱۰) فرماتے تھے کہ علم اگر تمھیں نفع نہ پہونچائے تو وہ تمھیں ضرر پہونچائے گا (یعنی یہ نہ سمجھو کہ علم سے نفع نہ ہوا تو نہ سہی کوئی نقصان بھی نہیں) کیونکہ علم غیر نافع مضر ہے
(۱۱) آپ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم اسوقت تک عقلمند نہیں کہلا سکتا جبتک اپنے نفس کو تمام مسلمانوں سے کمتر نہ سمجھے۔
(۱۲) فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص تمہارا حق غصب کرلے اور بغیر خصومت و مقدمہ بازی کے اسکی وصول کی توقع نہ ہو تو اس حق کو چھوڑ دو کیونکہ تمھارے دین کی اسمیں

حفاظت ہے۔ (اگرچہ قدرے دنیا کا نقصان ضرور ہے)

(۱۳) فرمایا کرتے تھے کہ قرن اول میں جو لوگ شرار (بدعمل) سمجھے جاتے تھے وہ اس زمانہ کے صلحاء و اتقیاء سے بہتر تھے۔

۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی وفات کے بعد امام محمد بن خزیمہ نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ نہایت خوش و خرم پھر رہے ہیں حال پوچھا تو فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بخش دیا اور ایک تاج اور سونے کے جوتے پہنائے اور فرمایا کہ یہ انعام آپ کے اس استقلال پر ہے جو خلق قرآن کے فتنہ میں آپ نے دکھایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے احمد آج تم پھر انھیں الفاظ کے ساتھ مجھ سے دعا مانگو جو تم کو سفیان ثوری سے پہونچے تھے اور جنکے ساتھ تم دنیا میں مجھ سے دعار مانگا کرتے تھے۔ میں نے انھیں الفاظ سے دعار کی، الفاظ یہ تھے یَا رَبَّ کُلِّ شَیْءٍ اَسْأَلُکَ بِقُدْرَتِکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ اَلَّا تَسْأَلُنِیْ عَنْ شَیْءٍ وَاغْفِرْ لِیْ کُلَّ شَیْءٍ (اے تمام چیزوں کے مالک آپکے تمام اشیار پر قدرت ہونیکے طفیل آپسے یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے کچھ سوال نہ فرمائیں اور تمام باتوں کو مجھ سے معاف فرما دیں) حق تعالے نے ارشاد فرمایا کہ اے احمد! یہ سامنے جنت ہے جاؤ اس میں داخل ہو جاؤ۔

الٰہ العالمین اس امام ہمام کی برکات سے ہم سب مسلمانوں کی مغفرت فرمائے آمین۔

۳۹۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ لوگوں سے تمام اختلافات کی اصل تین چیزیں ہیں اور ان تینوں کی تین ضدیں ہیں جو شخص ایک اصل سے جدا ہوتا ہے وہ اسکی ضد میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وہ تین اصل یہ ہیں ایک توحید اور اسکی ضد شرک ہے۔ دوسرے سنت اور اسکی ضد بدعت ہے۔ تیسری طاعت اور اسکی ضد معصیت ہے۔

۴۰۔ حضرت ابوالقاسم نصرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ تصوف کی اصل صرف کتاب و سنت کا التزام اور بدعات و

ہوائے اجتناب اور مشائخ طریق کی عظمت و احترام اور خلق اللہ کے اعذار پر نظر اور اوراد پر مداومت اور رخصتوں کا ترک ہے۔

۴۱۔ حضرت امام محمد بن شیبانیؒ کی کتاب "مبسوط"

(از قلم فیض رقم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی سابق صدر و مہتمم دارالعلوم دیوبند)

حضرت امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ امت کے ان ائمہ میں سے ہیں جنکے علمی احسانات تمام عالم اسلام پر حاوی ہیں آپ کے نام نامی اور جلالت قدر سے کوئی پڑھا لکھا مسلمان ناواقف نہ ہونا چاہیئے۔ آپ امام اعظم حضرت ابو حنیفہؒ کے خاص شاگرد اور خود امام مجتہد ہیں۔ آپ کی عظیم الشان اور کثیر التعداد تصانیف ہمیشہ مسلمانوں کے لئے مایۂ ناز سمجھی گئی ہیں اور فقہ حنفی کا تو مدار ہی تقریباً آپ کی تصانیف پر ہے ان میں سے ایک مشہور و معروف تصنیف "مبسوط" ہے جو ہزار ہزار صفحے کی چھ جلدوں میں تمام ہوئی ہے۔

افسوس ہے کہ علوم اسلامیہ کا یہ عظیم الشان ذخیرہ ابتک طبع نہیں ہوا اور نوادر عالم میں سے سمجھا جاتا ہے[۱]۔

حال میں مخدومی و استاذی شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا شبیر احمد صاحب صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس کتاب کے متعلق ایک عجیب واقعہ ڈابھیل سے تحریر فرما کر المفتی میں شائع کرنے کے لئے عطا فرمایا ہے جو ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ وھو ہذا۔

"حال ہی میں ایک وسیع النظر، بدیع الفکر عالم شیخ محمد زاہد بن الحسن کوثری (طال اللہ بقائہ) کا رسالہ بلوغ الامانی فی سیرۃ الامام محمد بن حسن الشیبانیؒ مطبوعہ مصر ایک دوست نے ہدیۃً بھیجا تھا، کل اسکا مطالعہ کرتے وقت ایک واقعہ نظر سے گذرا بیساختہ دل میں آیا کہ "المفتی" میں شائع کر دیا جائے، لمبی چوڑی چیز نہیں ہے

---

[۱] : اب یہ کتاب عرصہ ہوا طبع ہو چکی ہے۔ (محمد رفیع)

مگر بے حد موثر اور کیف آور ہے امید ہے کہ آپ بھی محظوظ ہوں گے۔ مبسوط امام محمدؒ کے تذکرہ میں صرف ڈیڑھ سطر کی عبارت ہے۔

واسلم حکیم من اھل الکتاب بسبب مطالعۃ المبسوط ھذا قائلاً ھذا کتاب لمحمد کم الاصغر فکیف کتاب محمد کم الاکبرؐ

(بلوغ الامانی ص۱۱)

یعنی علمائے اہل کتاب میں سے ایک بڑے عالم اور حکیم نے امام محمدؒ کی کتاب "مبسوط" کا مطالعہ کیا تو اس کتاب کے مطالعہ نے اسکے قلب میں حقانیت اسلام کا یقین پیدا کر دیا اور اس نے یہ کہکر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا کہ — "جب تمہارے محمد اصغر (یعنی محمد بن حسنؒ) کی کتاب کا یہ حال ہے جو میرے مشاہدہ میں آیا تو محمد اکبر (رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم) کی کتاب کا کیا حال ہوگا۔"

۴۲ - اختلافات فقہا میں سے حق ایک ہے یا متعدد

یہ ایک مشہور علمی مسئلہ ہے کہ جن مسائل میں ائمہ مجتہدین مختلف ہیں ایک چیز کو ایک امام حلال قرار دیتا ہے اور دوسرا حرام اور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ دونوں امام اہل حق ہیں اور ہر ایک کے مقلد کو اپنے اپنے امام کے قول پر عمل کرنا جائز بلکہ واجب ہے تو بحث یہ آتی ہے کہ کیا عند اللہ اس چیز کا حلال ہونا بھی حق ہے اور حرام ہونا بھی، یا حق ایک ہی ہے؟ اسی مسئلہ پر علمائے اصول کی مفصل بحثیں ہیں اور ایک مدت مدید ہوئی یعنی تقریباً بیس سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ سیدی و استاذی شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس موضوع پر ایک رسالہ "ہدیۂ سنیہ" کے نام سے تحریر فرمایا تھا جو اسوقت شائع بھی ہو گیا تھا۔

حال ہی میں اس مسئلہ پر ایک فیصلہ کن تحریر امام محمد بن حسنؒ کی رسالہ بلوغ الامانی سے حضرت ممدوح نے نقل کر از راہ شفقت عنایت فرمائی ہے۔ یہ عبارت چونکہ اس

اہم مسئلہ کا نہایت مکمل اور بہترین حل ہے اسلئے احقر نے مناسب سمجھا کہ ہدیۂ سنیہ کی دوسری طباعت اور اس کے اضافے کا انتظار نہ کروں بلکہ "المفتی" میں اس ترجمہ کو شایع کردوں تاکہ ایک چیز وجود میں آجائے اور دوبارہ جب ہدیۂ سنیہ طبع ہو تو اسوقت اسکا بطور ضمیمہ ملحق کردینا آسان ہوجائے۔ نیز تنہا یہ عبارت بھی اس مسئلہ کے لئے بہت کافی ہے۔ اسلئے ناظرین اس سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ وہ عبارت یہ ہے:۔

وروی بن ابی العوام عن الطحاوی
یضاً عن سلیمان بن شعیب الکسانی عن
بیہ قال املی علینا محمد بن الحسن و
قال اذا اختلف الناس فی مسئلۃ فحرم فقیہ
واحل آخر وکلاھما یسعہ ان یجتہد رأیہ فی لعوت
عند اللہ واحد حلال اوحرام ولا یکون
عندہٗ حلال وحرام وھو شیئ واحد ولکن
لصواب عندہ عزوجل واحد وکلف من
یسعہ الاجتہاد والرأی ان یجتہد رأیہ
حتی یصیب الحق الذی عندہٗ فی رأیہ فان
یصیب الحق الذی ھو عند اللہ عزوجل
فی رأیہ واجتہادہ وسعہٗ ذالک وکان
اصاب ماکلف بہ واداہ وان کان اصاب
ماکلف من اجتہاد فی رأیہ ولم یصب الحق
عند اللہ عزوجل بعینہ فقد ادی ماکلف
بہ وکان ماجورًا فاما ان یقول قائل قد
احل فقیہ وحرم فقیہ فی فرج واحد

نیز ابن ابی العوام نے طحاوی سے اور
انھوں نے شعیب بن الکسانی سے اور انھوں نے اپنے
والد سے روایت کیا کہ انھوں نے نقل فرمایا کہ امام محمد
بن حسنؒ نے ہمیں املا لکھایا جس میں فرمایا کہ جب لوگ
کسی مسئلہ میں مختلف ہوں ایک فقیہ ایک شئے کو حرام قرار دے
اور دوسرا حلال اور دونوں کو اجتہاد کا حق حاصل ہو تو
صواب (حق) اللہ تعالےٰ کے نزدیک (ان
دونوں میں سے) ایک ہی ہے۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک ایک ہی
شے حرام وحلال دونوں نہیں ہوسکتی۔ بلکہ حق اللہ تعالےٰ
کے نزدیک ایک ہی ہوگی اور مجتہد اسکا مکلف ہے کہ وہ اپنی
رائے اور اجتہاد کو اس میں خرچ کرے تاکہ وہ اس
حقیقت کو پہونچ جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ہے
پس اگر اپنی رائے اور اجتہاد میں اس حق کو پہونچ جائے
جو اللہ کے نزدیک حق ہے تو اس پر اسکو عمل کرنے کی
بھی اجازت ہے کیونکہ وہ جس کام کا مکلف تھا اس نے
وہ ادا کردیا۔ اگرچہ جو اللہ کے نزدیک متعین حق ہے
اس پر نہیں پہونچا تاہم جس چیز کا مکلف تھا وہ تو ادا کردیا اور

وکلاھما صواب عند الله عزوجل فھذا الا ینبغی ان یتکلم به ولکن الصواب عند الله عزوجل واحد وقد ادی القوم ما کلفوا به عین اجتھدوا وقالوا باجتھادھم وسعھم الذی فعلوا وان کان احدھما قد اخطاء الذی کان ینبغی ان یقول به الا انه قد اجتھد فقد ادی ما کلف به وان کان اخطاء لان الصواب عند الله عزوجل فی اشیاء کلھا واحد وھذا کله قول ابی حنیفه وابی یوسف وقولنا

(بلوغ الامانی)

اور مستحق ثواب ہوگیا۔ لیکن یہ درست نہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ ایک امام نے ایک عورت کو حلال قرار دیا اور دوسرے نے حرام اور اللہ کے نزدیک دونوں درست اور حق ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حق ایک ہی ہے البتہ قوم فقہا اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوگئی کیونکہ وہ اپنے مقدور بھر اجتہاد کرچکی اسلئے انکو اس پر عمل کرنا جائز ہوگا اگرچہ ان دونوں میں سے ایک نے ضرور حق مطلوب میں خطا کی ہے مگر چونکہ وہ اپنی کوشش کو خرچ کرچکا ہے تو اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوگیا اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے اس نے خطا کی کیونکہ حق تعالےٰ کے نزدیک تمام اشیاء میں حق ایک ہی ہے۔

اور یہ سب امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ابویوسفؒ کا قول ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

۴۳۔ فیشن پرست عورتوں کے لئے موجدین فیشن کا فتویٰ

(یورپ عورتوں کی آزادی اور فیشن نوازی سے تنگ آرہا ہے)

اسلامی تعلیم نے جس طرح عورت کو گھر کی زینت قرار دیا ہے اس سے زیادہ اسکا اہتمام کیا ہے کہ وہ گھر کی ملکہ، اولاد کی مربی، امور خانگی کی منتظم وسلیقہ شعار بنے۔ قرآن وحدیث کے نصوص وارشادات، امہات الامۃؓ کے مرقعات عمل سبھی کچھ اسکے لئے پیش فرمائے لیکن یورپ زدہ قلب ودماغ افسوس کہ اس سے متاثر نہیں ہوتے۔ لیجئے آج خود یورپ ہی کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے، ایک یورپین مضمون نگار کا مقالہ پڑھیئے:۔ (جو انگریزی سے ترجمہ کیا گیا ہے)

"میں یہ دیکھکر حیران ہوں کہ یورپ کی عورت کیا سے کیا بن گئی۔ اس نے تمام نسوانی خصوصیات کو ترک کر دیا جو گذشتہ دور میں عورتوں کے لئے طرۂ امتیاز تھیں۔ عورت میں وہ پہلی سی سادگی ہے نہ محبت نہ اطاعت۔ عورت زمانے کے ساتھ بدل چکی ہے۔ بیوی کی خصوصیات کو ترک کرنے کے بعد عورتوں نے محبوبہ کی خصوصیات اختیار کر لی ہے محبوبہ کی خصوصیات بلاشبہ دلکش ہیں لیکن یہ خصوصیات ہماری دلچسپی کا باعث تو بن سکتی ہیں ان خصوصیات کے ذریعہ ہم معاشرتی سکون کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر ہم معاشرتی سکون چاہتے تو ہمکو ایک باوقار بیوی کی ضرورت ہے محبوبہ کا وجود ہمارے لئے بیکار ہے۔

موجودہ دور کی بیوی کی زندگی کے جس شعبے پر بھی نظر ڈالئے صرف بناوٹ اور ظاہرداری ہی ظاہرداری ہے۔ موجودہ دور کی بیوی آپ سے غیر معمولی محبت کریگی لیکن یہ محبت درحقیقت محبت نہیں ہے بلکہ ایک آرٹ ہے جس کے ذریعہ شوہر کو احمق بنایا جاتا ہے اگر بیویاں درحقیقت اتنی ہی محبت کیا کریں جتنی کہ وہ ظاہر کرتی ہیں تو پھر یورپ میں سو فیصدی شادیوں کا نتیجہ طلاق نہیں ہوا کرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کو محبت کرنے کا فن آگیا ہے یہ ایک ایکٹرس کیطرح اپنا پارٹ ادا کرتی ہیں اور بس۔ اس سے زیادہ انکی محبت کی کچھ وقعت نہیں۔

میں نے ایک دو نہیں ہزاروں عورتوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے شوہروں پر والہ و شیدا نظر آتی ہیں لیکن میں نے جب انکی پرائیوٹ زندگی کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا ہے کہ انکی محبت کا سب سے بڑا حقدار ایک غیر شخص ہے جو بظاہر تو دوست بنا ہوا ہے لیکن درحقیقت وہ ان اظہار محبت کرنے والی عورتوں کی دلچسپی کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ کیا یہ حالات صاف طور پر یہ ظاہر نہیں کر رہے ہیں کہ یورپ کی بیوی ایک پیشہ ور محبوبہ بن گئی ہے۔

موجودہ دور کی بیویوں کے لباس پر نظر ڈالئے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس لباس کا مقصد جسم کی پوشش نہیں ہے بلکہ جسم کو خوشنما بنا کر اور جسم کے بعض حصوں

کو عریاں کر کے مردوں کے سفلی جذبات کو ابھارتا ہے ایک نیک بیوی جو
صرف اپنے شوہر سے غرض رکھتی ہے اسے بھلا نفسانی جذبات کو ابھارنے والے
لباس کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔ یہ سب کچھ جس مقصد کے ماتحت ہو رہا ہے
وہ ظاہر ہے۔ اور یہ مقصد اس قدر تاریک ہے کہ عورت کی ہستی کو اس مقصد نے
مٹا دیا ہے۔

تمدن و معاشرت و تفریحات کے لحاظ سے بھی آپ کو مشکل ہی سے کوئی
بیوی نظر آئیگی۔ ہر بیوی محبوبہ بنی ہوئی ہے اور ہر بیوی کی یہ خواہش ہے کہ شوہر
اسے بچے پیدا کرنے کے لئے مجبور نکرے۔ ذرا غور کیجئے اگر عورت بچے پیدا کرنے
سے گھبراتی ہے تو اسکے وجود کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اور پھر بھی اسکی
ضرورت مان لی جائے تو آخر وہ کونسا سبب ہے جو اسے بچے پیدا کرنے سے متنفر
کئے ہوئے ہے۔ بچے پیدا کرنے سے نفرت کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ
موجودہ دور کی بیوی ایک محبوبہ کی طرح خوش جمال رہنا چاہتی ہے حالانکہ ایک
بیوی کا حقیقی حسن اسکی اولاد ہے۔

یورپ کی بڑھتی ہوئی رَو کو روکنا ہر معقولیت پسند انسان کا فرض ہے
ممکن ہے کہ عورتوں کا محبوبہ پن جوانی میں اچھا معلوم ہو سکے لیکن جوانی کے
چند محدود سال گذرنے کے بعد ہم کو محبوبہ کی ضرورت نہیں ہوگی ہم کو ایک سچے
دوست کی ضرورت ہوگی، ہم کو ایک اچھے ساتھی کی ضرورت ہوگی ہم کو ایک
بہترین شریک زندگی کی ضرورت ہوگی مگر وہ اس زمانہ میں مفقود ہے۔ اس ز
میں حشرات الارض کی طرح محبوبہ پن رکھنے والی عورتیں مل سکتی ہیں مگر شریف ا
نیک بیوی کا ملنا مشکل ہو گیا ہے۔ کسقدر افسوس کی بات ہے کہ جو چیز کہ ایک مسلمان
کہنے اور کرنے کی تھی اسے آج ایک غیر مسلم بیان کر رہا ہے اور کتنے مسلمان ہیں:
اسکو ایک کان سے سنکر دوسرے کان سے اڑا دیتے ہیں حالانکہ ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش　　　ور نبشت است پند بر دیوار

تھوڑی دیر کے بعد جب افاقہ ہوا تو اپنے چہرہ سے گرد جھاڑی اور پھر فرمایا ہاں تو میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمایا ہے (اور حدیث بیان فرمانا ہی چاہتے تھے کہ) اتنے میں دوبارہ پھر چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے۔ اس دفعہ دیر تک یونہی پڑے رہے۔ چنانچہ جب افاقہ ہوا تو چہرے کو پونچھا اور فرمایا کہ بھائی میں تم سے ایک ایسی ہی حدیث بیان کرونگا جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خود سنا ہے یہ کہا اور پھر چیخ مار کر بیہوش ہو گئے۔ اور دیر تک بیہوش رہے۔ افاقہ کے بعد چہرے سے غبار صاف کیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمایا کہ "قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا فیصلہ فرمائیں گے اور سب جماعتیں ٹولی ٹولی کر کے پیش ہونگی، چنانچہ سب سے پہلے جو جماعت پکاری جائیگی وہ ایک عالم قرآن، ایک شہید اور ایک مالدار شخص پر مشتمل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ان عالم صاحب سے فرمائیں گے کیا میں نے اپنی اس کتاب کا علم تمھیں نہیں عطا کیا تھا جس کو میں نے اپنے پیغمبر پر نازل کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا کہ بیشک آپ نے مجھے اس دولت سے نوازا تھا۔ ارشاد ہوگا کہ پھر تم نے اس پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ پروردگار! میں نے دن کے اوقات میں اور شب کی گھڑیوں میں اسکی تلاوت کی۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے۔ اور سب فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے تیرا مقصد تو یہ تھا کہ لوگ کہیں کہ یہ قاری صاحب ہیں، تو دنیا میں تجھے قاری کہا گیا (اب یہاں مجھ سے کیا چاہتا ہے) اسی طرح سے صاحب مال سے کہا جائے گا کہ تو نے اس نعمت کو پاکر کیا عمل کیا؟ وہ عرض کرے گا کہ میں نے اسکے ذریعہ صلہ رحمی کی اور ٹوٹے رشتے جوڑے غریبوں پر صدقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے، اور سب فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے۔ تیری نیت تو ان تمام چیزوں سے یہ تھی کہ شہرہ ہو جائے کہ یہ بہت سخی ہے حالانکہ تو اللہ کے نزدیک بخیل تھا پھر تجھکو دنیا میں جواد اور سخی کہا گیا (اب تو مجھ سے کیا چاہتا ہے)۔ اسی طرح سے وہ شخص جو اللہ کے راستہ میں

ہوا ہوگا اسکو لایا جائے گا۔ اس سے بھی اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم کو کیوں قتل کیا گیا؟ وہ عرض کرے گا میں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں (دین اسلام کی اشاعت کیلئے) جہاد کیا تھا اسی سلسلہ میں کام آگیا اور خون کا آخری قطرہ بہا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی سب بول اٹھیں گے کہ جھوٹا ہے جھوٹا ہے تیری غرض تو یہ تھی کہ تجھکو بڑا بہادر کہکر لوگ یاد کریں سو دنیا میں تجھے کہا جا چکا (اب یہاں مجھ سے کیا چاہتا ہے)۔ یہ فرماکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (توجہ دلانے کے لئے) میرے گھٹنے پر اپنے دست مبارک کو مارا اور فرمایا کہ اے ابوہریرہ یہ ٹولی جو تین صنف پر مشتمل ہے اللہ کی مخلوق میں سے وہ ہے کہ جس کے ذریعہ جہنم کی آگ قیامت میں سلگائی جائے گی۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب یہ حدیث حضرت معاویہؓ کو پہنچی تو وہ بہت روئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی سچ فرمایا اور اسکے رسولؐ نے بھی سچ فرمایا اور (اس حدیث کی تائید میں یہ آیت پڑھی کہ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (جو شخص دنیوی زندگی اور اسکی زینتوں کے حصول کا ارادہ کرے گا تو ہم اسکے اعمال کا بدلہ یہیں دنیا میں چکا دیں گے جس میں ذرا بھی کمی نہ کی جائے گی، یہی لوگ ہیں کہ پھر آخرت میں ان کے لئے سوا دوزخ کے اور کچھ نہ ہوگا اور دنیوی اعمال سب اکارت ہو جائیں اور جو کچھ کیا دھرا تھا سب باطل ثابت ہوگا)۔

اور یہ فرمایا کہ دراصل ان لوگوں نے تو کچھ عمل ہی نہیں کیا تھا۔ (مترجم عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ میں تو ما موصولہ تھا یعنی جو کچھ انھوں نے دنیا میں کیا تھا سب اکارت جائے گا لیکن حضرت معاویہؓ نے مزید اظہار افسوس فرمانے کے لئے ما کو نافیہ لیتے ہوئے یہ فرمایا کہ کیا ہوا اکارت کیا جائے گا دراصل ایسے ظالموں کا عمل، عمل کہلانے کا مستحق ہی نہیں تھا پس گویا انھوں نے کچھ عمل

با ہی نہ تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

حضرت عبداللہ بن حنیف انطاکیؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ
سے جبکہ وہ اسکا اجر طلب کریگا کہیگا کہ کیا میں نے دنیا ہی میں اسکا بدلہ نقد تجھکو نہیں دیدیا
ا؟ (یعنی) کیا مجالس⁵ اور محافل میں تیرے لئے جگہ نہیں خالی کی گئی تھی (کہ مولانا کو
سیٹھ صاحب کو ذرا آگے آنے دو) کیا تو دنیا میں سردار ہو کر نہیں رہا، کیا تیرے لئے
ع وشراء میں آسانی نہیں کی گئی تھی کہ ہر ایک بات میں لوگ تیری رعایت کرتے تھے
ر اسی قسم کی اور سہولتیں تجھے نہیں ملی تھیں؟

کسی حکیم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ "مخلص" کسے کہتے ہیں؟ اس نے کہا
ص وہ شخص ہے جو اپنی نیکیوں کو بھی چھپائے جس طرح سے کہ برائیوں کو چھپاتا ہے
رے حکیم سے پوچھا گیا کہ "اخلاص کی غرض کیا ہے؟ کہا یہ کہ وہ لوگوں کی تعریف
پسند نکرے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ سے سوال کیا گیا کہ انسان کب یہ سمجھے کہ وہ
ذ تعالیٰ کے منتخب اور پسندیدہ اور اسکے مخصوص بندوں میں سے ہوگیا ہے؟ فرمایا کہ

---

⁵ احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ اسلاف اسی لئے اس امر کا بہت اہتمام فرماتے تھے کہ کہیں لوگوں کی
مدارات لین دین میں رعایات کا منشا، ہماری ظاہری دینداری نہونے پائے کیونکہ اسوقت تو ہم نے گویا
دینداری کا عوض پالیا اور اسی کا مصداق ہوئے جسکا ذکر اوپر روایت میں آیا ہے۔ چنانچہ آداب الصالحین میں ہے کہ
یفہ مرعشیؒ نے یوسف بن اسباط کو لکھا کہ "اجی میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنا دین دو کوڑی میں بیچ دیا۔ یعنی میں نے
کہ تم نے کسی دودھ والے سے بھاؤ دریافت کیا اس نے کہا کہ آٹھ کوڑی میں اتنا دونگا تم نے کہا کہ چھ میں دوگے
کو جانتا پہچانتا تھا اس لئے کہدیا کہ اچھا صاحب لے لیجئے تو یہ سمجھ لو کہ اس سے تمہارا یہ دو کوڑی کم کرانا
دو کوڑی کا سوال کرنا ہوا اور اس نے تمہاری دینی وجاہت کے خیال سے کم بھی کر دیا تو گویا تم نے
نا دین دو کوڑی میں بیچ دیا۔ یہ تمہارا دینی نقصان ہوا۔ آئندہ سنبھل کر قدم رکھنا دیکھو کہیں ہلاک
ہو جانا۔ جامی)

ار باتوں سے اسکا علم ہوسکتا ہے۔ ایک[۱] یہ کہ وہ راحت طلبی ترک کردے۔ دوسرے[۲]
لہ تھوڑا یا بہت جو بھی اسکے پاس ہو اسکو خرچ کرنے میں تامل نکرے۔ تیسرے[۳] یہ کہ یوں
ہے کہ لوگوں میں میرا کوئی مرتبہ نہ ہونے پائے یعنی مخلوق کی نظر سے اپنے[۵] کو ساقط
دے۔ اور چوتھے یہ کہ مدح و ذم اسکے نزدیک یکساں ہوجائے ــــ حضرت عدی
ن حاتم طائی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے
ن کچھ لوگوں سے کہا جائے گا کہ جنت کی طرف جاؤ جب وہ اسکے قریب پہونچیں گے
سکی خوشبو سونگھیں گے، اسکے بعد محلات اور تمام اشیاء کو دور سے دیکھیں گے جسے
للہ تعالیٰ نے اہل جنت کے واسطے تیار کر رکھا ہے تو آواز آئیگی کہ ان لوگوں کو وہاں
سے واپس لاؤ جنت میں انکا حصہ نہیں ہے پس وہ انتہائی حسرت اور ندامت

ــــــــــــــــــــ

[۵] حاشیہ قولہ اپنے کو ساقط کردے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ اسپر اپنے حضرت مصلح الامۃ کا ایک ملفوظ
د آیا۔ فرمایا کہ ــــ کانپور میں ایک بزرگ تھے میں کبھی کبھی ان کے پاس جاتا تھا تو معلوم ہوتا تھا کہ واقعی
رگ شخص ہیں ایک مرتبہ ظہر کی نماز کا وقت تھا وہ اندر گھر میں اپنے بچوں کے پاس رہے ہونگے، نماز کا وقت مقرر تھا
نھوں نے لوگوں سے کہہ رکھا ہوگا کہ وقت مقررہ پر نماز پڑھ لی جایا کرے میرا انتظار نہ کیا جائے چنانچہ جب وقت
جاتا تھا تو لوگ نماز پڑھ لیتے تھے ایک دفعہ جب انھیں باہر آنے میں دیر ہوئی تو لوگوں نے نماز پڑھ لی اسکے
عد جب وہ تشریف لائے تو وہیں لوگوں کے سامنے بیٹھکر وضو کیا اور نماز پڑھی ــــ ایسا ہی اپنے حضرت
ولانا (تھانویؒ) کو تھانہ بھون میں دیکھا کہ اگر کبھی اتفاق سے جماعت ہوجاتی اور حضرت اپنے مکان سے
یر میں تشریف لاتے تو اپنی سہ دری سے باہر سائبان میں آکر وضو فرماتے اور وہیں سب کے سامنے تنہا
ماز ادا فرماتے۔ مجھکو اس میں زیادہ خلوص معلوم ہوتا ہے کہ سب کو چھوڑ دیا کہ چاہے یہ لوگ معتقد رہیں یا نہ رہیں
از پڑھنے سے زیادہ یہ خلوص کی بات ہے کہ معتقدین کی نظروں میں خود کو ساقط کردیا جائے اور انکی کچھ پرواہ
کی جائے۔ یعنی خالق پر نظر ہو اور مخلوق کو اپنی نظروں سے بالکلیہ ساقط کردیا جائے۔ (رسالہ معرفت حق ۲۵ اگست ۱۹۷۳ء)

ملاحظہ فرمایا آپ نے اخلاص کی جو تعریف پہلے زمانہ میں تھی وہی بعد کے مشائخ نے بھی فرمائی اور مخلص بندے
ہر زمانہ میں ہوئے ہیں۔ حضرت مرشدیؒ کا آخری جملہ کہ خالق پر نظر ہو مخلوق ساقط الاعتبار ہو حاصل اخلاص ہے۔
اللہ تعالیٰ اسکا حصہ وافر نصیب فرمائے۔ آمین۔ راقم جامی)

کے ساتھ واپس آجائیں گے (ایسی حسرت کہ اوّلون وآخرون میں سے کسی کو بھی ویسی حسرت پیش نہ آئی ہوگی) اور عرض کریں گے کہ پروردگا اگر آپکو ہمیں جہنم ہی میں داخل کرنا تھا تو اپنے اولیاء کے انعامات ومقامات کے دکھلانے سے پہلے ہی داخل فرما دیتے (یہ آپ نے کیا کیا

کہ ۔ دیدار می نمائی و پرہیز می کنی بازار حسن وآتش ما تیز می کنی

کہ جنت دکھایا بھی اور اسکو ہم پر حرام فرما دیا اسکی وجہ سے تو ہمارے شوق میں اور اضافہ ہوگیا جسکی وجہ سے اب نہ داخل ہونے پر حسرت اور بڑھ گئی) ۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے میں نے ایسا قصداً کیا ہے اور اس لئے کیا ہے کہ دنیا میں جب تم تنہا ہوتے تھے تو معاصی کا ارتکاب کرکے مجھے الٹی میٹم دیتے تھے (کہ لیجئے آپ کے منع کے باوجود ہم یہ کر رہے ہیں) اور جب لوگوں سے ملتے تھے تو نہایت بزرگانہ صورت میں جیسے کوئی خدا سے ڈرنے والا ہوتا ہے ۔ اپنے دلی حال کے خلاف محض لوگوں کو دکھلانے کے لئے تم عمل کرتے تھے ۔ تم کو لوگوں کا ڈر تھا اور نہیں ڈر تھا تو میرا ۔ تم نے لوگوں کو بہت بڑا جانا اور قلب میں عظمت نہیں تھی تو میری ۔ کسی بری بات کو اگر ترک بھی کیا تو لوگوں کے خیال سے میرا خیال تمھیں اسوقت بھی نہ آیا لہذا آج کے دن میں بھی تمھیں دردناک عذاب دونگا اور (جنت اسلئے دکھلائی ہے کہ دیکھو) ایسے بڑے ثواب سے تمکو محروم رکھونگا ۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت عدن کو پیدا فرمایا اور اس میں ایسی ایسی چیزیں رکھیں جسے نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے اسکو سنا ہوگا اور نہ کسی بشر کے قلب میں اسکا خطرہ ہی ہوا ہوگا، تو اس سے فرمایا کہ کہہ کیا کہتی ہے یعنی مانگ کیا مانگتی ہے ؟ اس نے قد افلح المؤمنون تین بار کہا یعنی ایمان والوں نے فلاح پائی، اور پھر کہا کہ میں ہر بخیل ۔ منافق اور ریاکار پر حرام ہوں ۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ ریاکار شخص کی چار علامتیں ہیں ۔ تنہائی میں کسل مند ہوتا ہے ۔ لوگوں میں خوب نشاط سے کام کرتا ہے تعریف کئے جانے پر خوب زیادہ کام کرتا ہے اور لوگ دریا مذمت کردو تو عمل میں

کمی کردیتا ہے ۔ حضرت شفیق بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ عمل کا قلعہ تین چیزیں ہیں ایک یہ کہ عمل کو خدا کی توفیق کا ثمرہ جانے تاکہ عجب کی جڑ کٹ جائے ۔ دوسرے یہ کہ مقصود اس سے خدا تعالیٰ کی رضا کا حصول ہو تاکہ نفس اس سے حصہ نہ لے سکے تیسرے یہ کہ اس عمل کا ثواب اللہ تعالیٰ سے چاہے نہ مخلوق سے کچھ طمع رکھے اور نہ ریاکاری کے لئے وہ کام کرے ۔ ان تینوں پر عمل کرنے کی وجہ سے اعمال میں خلوص آجائے گا اور عمل کو خدا کی طرف سے جاننے کا مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسکو اس عمل کی توفیق بخشی ہے کیونکہ جب یہ سمجھ لیگا کہ جو کچھ ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوا تو اس پر اس کو شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگی نہ کہ وہ عجب کریگا اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی نیت سے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دیکھے کہ اس میں خدا کی رضا ہے یا نہیں، اگر ہو تو وہ کام کرے ورنہ نکرے تاکہ وہ کام نفسانی خواہش سے محفوظ رہے اسلئے کہ نفس تو اپنی فکر میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہی ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ نفس تو بری باتوں کا حکم کرتا ہی رہتا ہے اور یہ جو فرمایا کہ عمل کا ثواب خدا سے چاہے مخلوق سے اسکا صلہ نہ چاہے اسکا مطلب یہ ہے کہ خالص اللہ کے لئے وہ کام کرے لوگوں کے کہنے سننے کی طرف التفات نکرے نہ انکی تعریف پر کان دھرے نہ انکی مذمت سے گھبرائے ۔ جیسا کہ بعض حکماء نے فرمایا ہے کہ انسان اپنے عمل کا ادب بکری کے چرواہے سے سیکھے ۔ دریافت کیا گیا کہ وہ کیونکر؟ کہا کہ یوں کہ دیکھو چرواہا جب اپنے ریوڑ کے درمیان نماز پڑھتا ہے تو اسکو کبھی یہ خیال نہیں گذرتا کہ بھیڑ بکریاں اسکی تعریف کریں (کیونکہ جانتا ہے کہ مجھے ان سے کیا ملتا بس یہی خیال ایک مؤمن کو طاعت میں کرنا چاہئے کہ سمجھے مخلوق سے ملنا ہی کیا ہے)

بعض حکماء سے منقول ہے کہ عمل اپنے درست ہونے میں چار چیزوں کا محتاج ہے ۔ پہلی چیز علم ہے جسکی ضرورت عمل سے پہلے ہی ہے اس لئے کہ علم کے بغیر عمل صلاح پذیر نہیں ہوتا کیونکہ عمل جو ہوتا ہے وہ کسی علم ہی کی فرع ہوتا ہے لہٰذا اگر بدون علم کے عمل میں لگا تو اس کے صلاح سے زیادہ

اسکا فساد[۵] ہوگا۔ (ایک کام کرے تو اس میں دس خرابیاں پیدا کریگا)۔ دوسری چیز ابتداء میں نیت ہے کیونکہ بدون تصحیح نیت کے عمل معتبر نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے بس وہی ہے جسکی نیت اس نے کی ہے۔ پس روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ بلکہ تمام طاعات بدون نیت کے صحیح نہیں ہوتیں لہٰذا نیت کی ضرورت تو ابتداء عمل ہی میں ہوگی تاکہ عمل درست ہو سکے۔ تیسری چیز جو عمل کے دوران لازم ہے وہ صبر ہے یعنی خوب جم کر کام کرے تاکہ سکون اور طمانینت حاصل ہو جو کہ عمل کی روح ہے (اس میں گو مشقت ہوگی مگر صبر ہوگا تو اسکو برداشت کرلیگا) چوتھی چیز بوقت فراغت جو لازم ہے وہ اخلاص ہے (مطلب یہ کہ یوں تو اخلاص کی ضرورت شروع سے آخر تک رہتی ہے لیکن آخر وقت میں اسکا اہتمام یوں ضروری ہو جاتا ہے کہ اسوقت بنی بنائی چیز پر شیطان قبضہ کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کرتا ہے لہٰذا اگر انسان ذرا غافل ہوا تو اپنا سرمایہ کھو بیٹھے گا اور) اخلاص کے بغیر خدا کے یہاں کوئی طاعت معتبر نہیں ہوتی

(۵۷۔ قولہ۔ زیادہ اسکا فساد ہوگا۔ اقول۔ جیسا کہ واقعہ مشہور ہے کہ دو بھائی تھے ایک نے علم سیکھا دوسرے نے علم سے پہلے عمل کرنا چاہا اور پہاڑ کی چوٹی پر جاکر عبادت میں مشغول ہوگیا، ادھر یہ بھائی عالم ہوا۔ ایک دن اپنے زاہد و عابد بھائی سے ملنے گیا دیکھا کہ بالکل لاغر ہوگیا ہے اور عبادت میں مشغول ہے جب سلام پھیرا تو اس نے سلام کیا اس نے جواب دیا۔ عالم نے پوچھا کہ بھائی یہ بدبو کیسی آرہی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ میری ناک میں گو کی بتی رکھی ہے اسی کی بدبو ہے۔ اس نے کہا کہ ایسا آپ نے کیوں کیا؟ کہا کہ چمن سے پھول کی خوشبو آتی ہے تو نفس خوش ہوتا ہے جو مجاہدہ کے خلاف ہے اسلئے میں نے نفس کی مخالفت کے لئے ایسا کر رکھا ہے اس نے کہا کہ بھائی آپ نے بڑی جہالت کی بات کی۔ ارے نجاست کے ہوتے ہوئے نماز کب درست ہے؟ آپ نے عبادت ضائع کردی۔ آپ سے میں نے پہلے کہا تھا کہ اول کچھ دین حاصل کر لیجئے آپ نے نہ مانا اور اپنا کتنا نقصان کرلیا۔ جامی)

جب تم اخلاص کے ساتھ کوئی کام کروگے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے قبول فرمائیں گے انسانوں کے قلوب کو بھی تمہاری جانب متوجہ فرمادیں گے۔

حضرت ہرم بن حیانؒ سے مروی ہے کہ جب بندہ اپنے قلب سے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے قلوب کو اسکی جانب متوجہ فرما دیتے یہاں تک کہ انکی بھی شفقت و محبت اسکو حاصل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو جبریلؑ سے فرماتے ہیں کہ میں اس بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبرئیل یہی بات تمام فرشتوں سے فرما دیتے ہیں کہ تمھارا رب فلاں سے محبت رکھتا ہے تم سب بھی اس سے محبت کرو چنانچہ سب آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد اسکی یہی مقبولیت زمین میں اتار دی جاتی ہے دنیا والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں یہی تفصیل بغض میں بھی ہوتی ہے (کہ بلکہ تمام فرشتے اور ساری دنیا والے اس سے بغض رکھتے ہیں)

حضرت شقیق زاہدؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مجھ سے یہ دریافت کیا کہ لوگ صالح گمان کرتے ہیں تو میں یہ کیونکر جانوں کہ میں صالح ہوں یا نہیں؟ حضرت شقیقؒ فرمایا کہ تم اپنے باطنی احوال کو صالحین کے درمیان پیش کرو اگر وہ سب اس پر مطمئن تو سمجھ لو کہ تم صالح ہو ورنہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ اپنے قلب پر دنیا کو پیش کرو اگر رد کردے تو سمجھو کہ تم صالح ہو۔ تیسرے اپنے نفس پر موت کو پیش کرو اگر وہ اس سے گھبرا بلکہ خوش ہو اور اسکی تمنا کرے تو سمجھ لو کہ تم صالح ہو ورنہ نہیں اور جب تمھارے یہ تینوں چیزیں موجود ہوں تو خدا کا شکر کرو اور اس سے التجا کرو، تضرع و زاری کرو تاکہ عمل میں ریا نہ داخل ہوجائے۔ اور وہ سب کیا کرایا ناس کر کے رکھدے (اللھم

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ جانتے ہو کہ مومن کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ و رسولہٗ اعلم فرمایا کہ مومن وہ ہے جو مرتا نہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسکے کانوں کو سنا نہیں دیتے ایسی بات جسکو وہ پسند

حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں اِنَّہَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ یعنی بیشک نماز بہت بھاری ہے مگر ان لوگوں پر جو خشوع کرنے والے ہیں اسی واسطے میں تو نمازی کو ولی سمجھتا ہوں۔ حق تعالیٰ کا فضل ہی ہے کہ نماز پابندی سے ادا ہوتی رہے۔

علیٰ ہذا روزہ کو بہت ثقیل سمجھتے ہیں۔ کانپور میں ایک شخص تھے انھوں نے کبھی روزہ ہی نہیں رکھا میں نے ان سے کہا تو کہنے لگے کہ میں کسی طرح متحمل ہی نہیں۔ میں نے کہا امتحان کے لئے ایک تو رکھو چنانچہ رکھا اور پورا ہوگیا تب معلوم ہوا کہ یہ خیال کتنا غلط تھا کہ میں متحمل ہی نہیں۔

بعضے لوگ حج کا نام سنکر وہاں کی بہت مذمت کرتے ہیں کہ وہاں بدو مار ڈالتے ہیں لوٹ لیتے ہیں اور بعضے تو گئے بھی نہیں مگر اوروں سے سن سنکر وہ بھی مذمت کیا کرتے ہیں۔ یہ سب کم ہمتی کی باتیں ہیں۔ میں انکو قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا ہندوستان میں ایسے واقعات نہیں ہوتے؟ بلکہ اگر وہاں کے مجمع پر نظر کیجائے تو حق تو یہ ہے کہ جس قدر واقعات ہونا چاہیئے اس سے بہت کم ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں اگر اسکا عشر عشیر بھی مجمع ہوجائے تو بہتیرے واقعات ہوجاتے ہیں بلکہ بغیر مجمع کے بھی راستوں میں واقعات ہوجاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بدوؤں کو لوٹ مار حلال ہے اس لئے کہ وہ دائی حلیمہ سعدیہ کی اولاد ہیں۔ یہ تو لغو ہے وہ اگر ایسا کرتے ہیں زیادہ گنہگار ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ضرور کہیں گے اور تم اسکو یاد رکھو کہ حج کا سفر سفر عشق ہے راہ عشق میں تو سب کچھ پیش آتا ہے بلکہ پیش نہ آنا عجیب ہے۔ دنیا کے محبوب سے ملنے کے لئے کیسی کیسی مصیبتیں پیش آتی ہیں مگر سب گوارا کرتے ہیں ؎

فارغ ز عشق را کنج سلامت — خوشا رسوائی کوئے ملامت

(عشق کو سلامتی کا گوشہ پسند نہیں ہے اسکو تو ملامت کی گلی بھلی معلوم ہوتی ہے)

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود — گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

(مولیٰ کا عشق کیا لیلیٰ کے عشق سے بھی کم ہے؟ پھر اس کے لئے گیند بن جانا تو لائق تر ہے)

حکایت :۔ ایک بزرگ ایسے باہمت تھے کہ انھوں نے ۳۴ حج کئے تھے ایک صاحب مولوی منظور احمد صاحب بنگالی تھے مدینہ طیبہ میں رہتے تھے مگر ہر سال حج کیا کرتے تھے اور حج کر کے مدینہ طیبہ لوٹ جاتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو دیکھکر یہ شعر پڑھا سہ

زہے سعادت آں بندہ کہ کرد نزول ... گہے به بیت خدا و گہے به بیت رسول

(اس انسان کی سعادت کا کیا پوچھنا جو کبھی بیت خدا میں آئے اور کبھی بیت رسول کو جائے)

اور بعضے ایسے بھی ہیں کہ قریب بیت اللہ شریف کے رہتے ہیں اور ان کو آجتک بھی حاضری نصیب نہ ہوئی۔ ایک صاحب فرماتے تھے کہ ایک بدوی بیس پچیس برس سے مکہ معظمہ آتا تھا اس نے ایک دن پوچھا کہ یہ لوگ اطراف وجوانب سے اتنی کثرت سے یہاں کیوں آتے ہیں؟ اللہ اکبر! اسکو اتنی بھی خبر نہیں کہ یہاں کیوں آتے ہیں۔

علیٰ ہذا زکوٰۃ میں گرانی ہوتی ہے۔ چالیس ہزار میں ایک ہزار روپیہ جب نکلتا ہے تو گراں گذرتا ہے حالانکہ چالیسواں حصہ بہت ہی کم ہے۔ امم سابقہ پر چوتھائی حصہ مال کا فرض تھا۔ یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ چالیسواں حصہ ہی فرض کیا گیا یہ بھی لوگوں پر بھاری ہے۔ حاصل یہ کہ جسقدر احکام شرعیہ ہیں سب کے اندر لوگوں کو گرانی ہوتی ہے۔ اور جو احکام کرنے کے ہیں ان میں گرانی ہو تعجب نہیں ہے۔ جن امور سے منع کیا گیا ہے ان میں بھی گرانی ہوتی ہے حالانکہ ترک فعل سے اسہل ہے۔ فعل میں تو ایک کام کا کرنا ہوتا ہے اور ترک میں کیا مشقت ہے بلکہ سہولت ہونا چاہیئے دیکھئے ایک ادنیٰ سی شئے غیبت ہے کہ بجز مضرت کے اس میں اور کچھ نہیں، اور گناہوں میں تو کچھ حظ یا نفع دنیوی مرتکب کے زعم میں ہوتا ہے اور اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے لیکن ہم لوگوں سے یہ نہیں چھوٹتی۔

غرضکہ احکام شرعیہ خواہ متعلق فعل کے ہوں یا ترک کے سب میں لوگوں کو گرانی ہوتی ہے اور جب ایک ایک فعل اور ایک ایک ترک بھی گراں ہے تو جبکہ

پچاس عمل کرنے کے ہوں اور پچاس نہ کرنے کے جیسے احکام کی اب موجودہ حالت ہے تو سو شقتیں ہوئیں سنکر جی گھبرا جاوے گا کہ میاں تو بڑی مصیبت آپڑی کہ یہ کام کرو وہ کام نہ کرو۔ سخت الجھن اور دشواری ہے کوئی فلسفی بتلائے تو سہی یہ معما کیسے حل ہو؟ اور یہ دشواری کس طرح سہل ہو؟ اگر تمام فلاسفۂ قدیم وجدید جمع ہوکر سوچیں تو ہرگز کوئی طریقہ ایسا نہیں نکال سکتے جس سے یہ پیچیدگی اور الجھن ہی کھلے اور اگر کوئی سوچ بچار کر کوئی طریقہ نکالے گا بھی تو وہ سہل نہ ہوگا۔

۶۳۔ زبان کی درستی اور خدا تعالیٰ کا خوف پیدا کر لینے سے پھر کوئی گرانی اعمال صالحہ میں نہیں رہتی

حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے بندوں کی اس مشقت اور اس الجھن کو دفع کرنے کے لئے ایک طریقہ نہایت مختصر لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور درست بات زبان سے نکالو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو ٹھیک فرما دیں گے اور تمہارے گناہوں کی مغفرت کردیں گے اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کریگا وہ اولیٰ درجہ کی کامیابی کے ساتھ کامیاب ہوگا) اس آیت کریمہ میں اسی طریقہ کا بیان ہے یہ حاصل ہے اس تقریر کا اجمالاً و تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اول ثابت ہو چکا ہے کہ دو شے مقصود ہیں اعمال صالحہ کا حاصل کرنا اور گناہوں سے بچنا اور ان میں بھی گرانی ہے اسکی سہولت کیلئے دو طریق ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کو اختیار کرلو تو وہ دو چیزیں جو بڑی مشقت کی ہیں آسان ہو جاویں گی۔ ان میں ایک اِتَّقُوا اللّٰهَ ہے دوسرے قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ہے یعنی اللہ سے ڈرو اور بات ٹھیک کہو۔ اس دو شے پر ترتب فرمائی ہیں یُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ یعنی اگر تم ان دو باتوں کو اختیار کرلوگے تو اللہ تعالیٰ تمہارے

اعمال کی اصلاح فرمادیں گے اور تمہارے گناہ بخشدینگے اور ان ہی میں تمکو گرانی تھی جسکا اوپر بیان ہوا ہے۔ حاصل یہ کہ تقویٰ جس کا ترجمہ خدا کا خوف ہے فعل قلب کا ہے اور کہنا فعل زبان کا ہے۔ خلاصہ طریق کا یہ ہوا کہ دل اور زبان کو درست کرو باقی سب کام ہم کردیں گے [illegible] کے متعلق صرف ایک شے بتلائی ہے کچھ جھگڑے کی بات نہیں ہے ایک مختصر کام فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا کرلو۔ جیسے کسی شخص سے کہا جاوے کہ یہ پچاس گاڑیاں ہیں انکو ایک دم سے چلاؤ اور وہ سخت پریشان ہو کہ میں کس طرح سے چلاؤں یہ تو سخت مشکل ہے پھر اسکو ایک طریق بتایا جائے کہ اسی میں انجن لگادو سب گاڑیاں خود بخود چل پڑیں گی ۔ واللہ ایسی بے نظیر تعلیم ہے کہ کوئی حکیم کوئی فلسفی مثل نہیں لاسکتا اور کیوں نہ ہو یہ ایک مطب ہے ایسی ذات پاک کا جو انسان کے رگ پٹھوں کے ریشہ ریشہ سے واقف ہے اسلئے اسکی حالت کو دیکھکر علاج تجویز کیا ہے

۶۴ ۔ زبان کی درستی اور خدا کے خوف کو اصلاح اعمال اور محو ذنوب میں کیا دخل ہے

اب دیکھنا چاہیئے کہ ان دونوں چیزوں کو اصلاح اعمال اور محو ذنوب میں دخل ہے یا نہیں تو بعد تامل یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے افعال کی ترتیب یوں ہے کہ اول قلب سے ارادہ پیدا ہوتا ہے اسکے بعد صدور ہوتا ہے گویا انجن قلب ہے تو اگر قلب درست ہوگیا سب کچھ درست ہوجائیگا بلکہ اگر غور سے دیکھا جاوے تو یہ دنیا کا سارا جہاز اور تمام بکھیڑے سب کے سب قلب ہی کے خیال پر چل رہے ہیں۔ یہ پہاڑ کے برابر عمارتیں یہ ہرے بھرے باغ یہ طرح طرح کے سامان سب کا انجن خیال ہی ہے اسی تو حدیث میں آیا ہے ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت

فسد الجسد کلہ یعنی آدمی کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام جسم درست ہوجاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے اور یہ مسئلہ طبی قاعدہ سے بھی درست ہے اسلئے کہ امراض قلب تمام امراض میں بہت سخت ہیں اگر قلب قوی اور صحیح ہے تو سب امراض کو طبیعت خود دفع کر دیتی ہے۔ اگر قلب میں مرض اور ضعف ہو تو جسم کتنا ہی قوی ہو سب بیکار ہے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ قلب کی درستی سے تمام اعمال کی درستی ہوتی ہے تو قلب کی درستی کس شے سے ہو؟ تو ہم دیکھتے ہیں کہ قلب کے بھی بہت سے افعال ہیں تو اگر حق تعالے تمام افعال کا حکم فرما دیتے یا اجمالاً یہ فرما دیتے کہ اپنے قلب کو درست کرو تو اس صورت میں بھی نفس کو ایک مشقت ہوتی کہ قلب کو کس طرح درست کریں۔ کیا رحمت ہے کہ قلب کے تمام افعال میں صرف ایک مختصر بات فرمائی کہ صرف ہمارا خوف اختیار کرلو باقی سب ہم درست کردیں گے۔ اور وجہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حاکم کا اگر ڈر دل میں بیٹھ جاتا ہے تو اسکی مخالفت کی جرأت نہیں ہوتی اسی طرح اگر خدا تعالیٰ کا خوف کسی کے دل میں بیٹھ جائے تو اس سے گناہ نہ ہونگے اور اعمال کی اصلاح ہوجائیگی اور گذشتہ سے توبہ اور آئندہ کے لئے عزم ترک بھی کرلے گا یہ محو ذنوب ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ تقویٰ کو اصلاح اعمال اور محو ذنوب میں پورا دخل ہے۔ اور تقویٰ اصلاح عامہ کے لئے بمنزلہ علت تامہ کے ہے۔

۶۵۔ خوف سے روکنے والی چیزوں کا بیان اور خدا تعالیٰ کے غفور رحیم ہونے کا مطلب

اب اسکے بعد سمجھنا چاہیئے کہ ہر شے کے لئے کچھ موانع ہوتے ہیں اور کچھ ذرائع اسکی تحصیل کے ہوتے ہیں اسی طرح خوف کے لئے موانع بھی ہیں اور ذرائع اسکی تحصیل کے بھی۔ موانع کو بیان کیا جاتا ہے اور طریق تحصیل آخر میں بیان کیا جاویگا

تو سمجھنا چاہیئے کہ خوف سے روکنے والی صرف دو چیزیں ہیں اول تو عدم ایمان دوسرے تسویل شیطانی۔ عدم ایمان تو ظاہر ہے کہ بفضلہ تعالیٰ یہاں نہیں ہے اس لئے اسکے متعلق تو کچھ کلام کرنا ضروری نہیں ہے البتہ تسویل شیطانی میں ابتلائے عام ہو رہا ہے۔ اسکو بیان کیا جاتا ہے کہ شیطان نے سب کو یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ میاں جو کچھ کرنا ہے کرلو اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے آخر میں توبہ کرلیں گے وہ سب گناہ بخش دینگے۔ چنانچہ ارشاد بھی ہے قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا (آپ لوگوں سے میری طرف سے فرمادیجئے کہ اے میرے وہ بندو جنھوں نے کہ اپنے نفسوں پر ظلم کر رکھا ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بلاشبہ اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دینے والا ہے) تو سن لیجئے کہ حق تعالیٰ بیشک غفور رحیم ہے لیکن غفور رحیم کے وہ معنی نہیں ہیں جو لوگ سمجھتے ہیں بلکہ غفور رحیم کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ نافرمانیاں کرچکے ہیں اور نادم ہیں لیکن انکو یہ تردد ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے تو خیر یہ تدبیر ہے کہ گناہ نہ کریں لیکن گذشتہ کرتوت کی اصلاح کیسے ہو؟ تو ان کے لئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ گذشتہ گناہوں کو بخشنے والا ہے۔ چنانچہ شان نزول میں اسی خیال کے جواب میں نازل ہونا اس آیت کا مصرحًا مذکور ہے۔ پس یہ آیت گناہاں ماضیہ کے لئے ہے نہ یہ کہ آئندہ کے لئے بھی گناہ کی اجازت دے رہے ہیں۔ اب لوگ مستقبل کے لئے بھی اسی آیت کو اپنا متمسک بناتے ہیں یہ سراسر غلطی ہے۔

۶۶۔ توبہ اور گناہوں کی مثال

یاد رکھو کہ توبہ کی مثال مرہم کی سی ہے اور گناہ کی مثال آگ کی سی ہے مرہم تو اسلئے ہے کہ اتفاق سے اگر جل جاوے تو مرہم لگا دیا جاوے اس لئے نہیں ہے کہ اس اعتماد پر کہ ہمارے پاس مرہم ہے آگ میں گھسا کریں۔ جس شخص کے پاس نمک سلیمانی ہو اسکو یہ کب روا ہے کہ جان جان کر بہت سا کھایا کرے نمک سلیمانی تو اسواسطے ہے کہ اگر اتفاق سے بہت کھا جاوے تو نمک سلیمانی کھالیا

اس سے منہم ہو جاوے گا اور جو ایسا کرے گا تو ایک روز جان سے ہاتھ دھوئیگا اسی طرح جو شخص توبہ کے اعتماد پر گناہ کرتا رہے گا ایک دن عجب نہیں وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے ۔ غرضکہ توبہ کے بھروسے گناہ کرنا بہت حماقت ہے

۶۷۔ بہ نسبت اور اعضاء کے زبان کی درستی زیادہ ضروری ہے اور اسکی درستی سے تمام اعضا کی درستی ہو جاتی ہے

اس تمام تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا طریقہ اصلاح اعمال اور محو ذنوب کا فقط اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کرو تو اسی سے تمام اعمال درست ہو جاویں گے ۔ اور زبان کی درستی بھی اگرچہ اس میں داخل ہے مگر پھر زبان کی درستی کو استقلالاً طریقہ کا جزو کیوں بنایا گیا اس میں کیا راز ہے ؟ پس بجائے اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (اللہ سے ڈرو اور درست بات زبان سے نکالو) کے یوں فرماتے یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ یسدد لکم لسانکم ویصلح لکم الخ (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو وہ تمہاری زبان کو بھی درست کر دیگا اور تمہاری اصلاح بھی کر دے گا) یوں نہیں فرمایا بلکہ وقولوا قولاً سدیدا کا اتقوا اللہ پر عطف کیا اور اس کو مستقل طریقہ قرار دیا تو وجہ اسکی یہ ہے کہ اعمال بہت سے ہیں ایک وہ جو ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہا سے ہوتے ہیں ، ایک وہ جو زبان سے ہوتے ہیں اور ان دونوں قسموں میں کئی قسموں کا تفاوت ہے ۔ ایک یہ کہ سوائے لسان کے اور سب جوارح عمل کرنے سے تھک جاتے ہیں پاؤں تھک جاتے ہیں چلنے کی کثرت سے ، ہاتھ تھک جاتا ہے ان اعمال سے جو ہاتھ سے کئے جاتے ہیں ، آنکھ تھک جاتی ہے زیادہ دیکھنے سے مگر یہ لسان بولنے سے نہیں تھکتی ۔ اگر لاکھ برس تک بک بک کرو تو ہرگز نہ تھکے گی یہ بات دوسری ہے کہ زیادہ بولنے سے دل کے اندر بے رونقی سی پیدا ہو کر بولنے سے نفرت ہو جاوے ۔ لیکن زبان کو فی نفسہٖ کوئی تکان نہ ہو گا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ لسانی اعمال سب جوارح کے اعمال سے عدد میں زیادہ ہوں گے پس گناہ بھی

اس سے زیادہ ہونگے ۔ ایک تو یہ تفاوت ہوا دوسرے یہ کہ زبان مثل برزخ کے ہے درمیان قلب وجوارح کے ۔ قلب سے بھی اسکو مشابہت ہے اور اور جوارح سے بھی اور مشابہت ظاہری بھی ہے اور باطنی بھی، ظاہری یہ کہ قلب بالکل مخفی ومستور ہے اور جوارح بالکل ظاہر ہوا اور زبان مستور من وجہ ومکشوف من وجہ ہے (یعنی ایک حیثیت سے چھپی ہوئی اور ایک حیثیت سے کھلی ہوئی ہے) چنانچہ شارع نے بھی اسکا اعتبار کیا ہے کہ صائم اگر منہ میں کوئی چیز لیکر بیٹھ جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اس میں اسکے مکشوف ہونے کا اعتبار کیا گویا جوف میں وہ چیز نہیں گئی اور اگر تھوک نگلے تو بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اس میں مستور ہونے کا اعتبار کیا گویا جوف سے ایک چیز جوف میں چلی گئی ۔ اور غسل میں کلی کرنا فرض ہوا یہ مکشوف ہونے کا اعتبار فرمایا ۔ اور باطنی مشابہت یہ ہے کہ جیسے قلب کی اصلاح سے تمام بدن کی اصلاح ہوتی ہے اسی طرح زبان کی اصلاح سے تمام اعمال جوارح کی اصلاح ہوجاتی ہے جو شخص ساکت ہوکر بیٹھ جائے اسکے ہاتھ سے ظلم نہ ہوگا نہ زیادتی ہوگی نہ کسی سے لڑائی ہوگی نہ تکرار ہوگی اسلئے کہ زبان چلانے ہی سے نوبت ہاتھ پاؤں تک پہونچتی ہے ۔ ان سب سے حدیث کی بھی تصدیق ہوگئی اذا اصبح ابن آدم فان الاعضاء کلھا تکفر اللسان فتقول اتق اللہ فینا فانا نحن بک فان استقمت استقمنا وان اعوججت اعوججنا یعنی جس وقت ابن آدم صبح کرتا ہے تو اسکے تمام اعضاء زبان کو قسم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (اے زبان) ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں پس اگر تو راست ہوگی تو ہم سب راست رہیں گے اور اگر تو کج ہووے گی تو ہم سب کج ہوجاویں گے

تیسرا تفاوت دیگر جوارح اور لسان میں یہ ہے کہ زبان قلب کی معبر ہے زبان سے جو کچھ کہا جاتا ہے اس سے پوری حالت قلب کی معلوم ہوجاتی ہے اور اگر ساکت رہے تو کچھ حال معلوم نہ ہوگا کہ یہ شخص کیسا ہے ؟
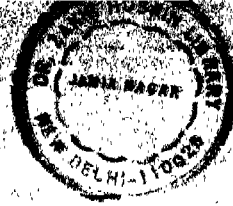
Regd. No. L2/9/AD-111

Monthly **WASIYATUL IRFAN** **SEP. 1982**

23, Buxi Bazar, Allahabad-3

Rs. 30/-

Rs. 24/-

شمارہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء جلد ۵

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ دو روپے | مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۱۰ | ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۲ء | جلد ۵

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱۷۔ ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ماہ اکتوبر ۸۲ء کا شمارہ بھی اپنے وقت پر شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی ۔ ادھر احباب کے متعدد خطوط اس نوع کے آئے جنمیں رسالہ ہی کے دیر سے پہونچنے کی شکایت تھی تاخیر سے جانے کی تو ہم برابر معذرت کرتے ہی رہتے ہیں لیکن دیر سے پہونچنے ہی کے متعلق ہم کیا کہہ سکتے ہیں دفتر سے تحقیق کرنے اور رجسٹر کی حاضری دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ رسالہ برابر جا رہا ہے اور پتہ بھی ٹھیک ہی رہتا ہے لہٰذا اس سلسلہ میں یہاں سے اطمینان رکھئے اور دفتر کو لکھنے کے بجائے اپنے ڈاکیہ یا مقامی پوسٹ آفس کو ہدایت فرما دیجئے کہ آپکی ڈاک کسی اور کو نہ دیجائے اور اسکے ساتھ ساتھ دعا بھی فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دین و دنیا سب ہی کا نظام درست فرما دے ۔

حضرت مخدومی قاری محمد مبین صاحب مع متعلقین ابھی بمبئی ہی میں قیام فرما ہیں اب بعد عید اضحیٰ ہی الہ آباد تشریف لا سکیں گے ۔

ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہ کے ہم عمر اور ہم سبق ایک صاحب چودھری عبد الوحید خانصاحب فتحپوری تھے ابھی گذشتہ دنوں طویل علالت کے بعد فتحپور تال نرجا میں انکا انتقال ہو گیا۔ گاؤں کے معاملات اصلاحی میں زیادہ تر جن حضرات کو ہمارے حضرتؒ گفتگو میں واسطہ بناتے تھے ان میں ایک نمایاں حیثیت جناب چودھری صاحب مرحوم کی بھی ہوتی تھی ۔ اللہ تعالیٰ انکو حضرتؒ کی نصرت کا صلہ عطا فرمائے اور انکی مغفرت فرمائے ۔ پسماندگان کو صبر و اجر سے نوازے ـــــ دوسرے ایک اور محترم جناب مولوی حکیم حبیب اللہ صاحب اترانوی جو ہمارے حضرتؒ کے مجاز صحبت میں سے تھے انکا بھی انتقال طویل علالت کے بعد ۲۳ ستمبر ۸۲ کو ان کے وطن اتراؤں ضلع الہ آباد میں ہو گیا۔ مرحوم مولوی محمد فاروق صاحب الہ آبادی کے خسر تھے ۔ اللہ تعالیٰ حکیم صاحب موصوف کی مغفرت فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے ۔ عام مسلمان ہونے کے علاوہ حضرت والاؒ کے تعلق سے بھی ہر دو حضرات کا حق ہوتا ہے کہ ہم سب ان کے لئے دعا کریں ۔

(ادارہ)

ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ بخاری شریف کی مذکورہ بالا حدیث میں کتنی صاف اور کتنی واضح دلیل ہے اس امر کی کہ استشفاع بالصالحین جائز ہے یعنی ان کے واسطہ اور وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاسکتی ہے بلکہ ایسا کرنا ایک فعل مستحسن ہے۔ اہل حق کے نزدیک کسی مقدس ذوات کا بس اسقدر وسیلہ پکڑنا بالکل جائز ہے اس میں عملی یا اعتقادی کوئی خرابی نہیں ہاں اگر کوئی اس درجہ سے تجاوز کر جائے اور بجائے خدا سے دعا کرنے اور حاجت طلب کرنے کے خود ان بزرگوں ہی کو حاجت روا سمجھنے لگے تو یہ بلاشبہ ناجائز ہوگا اور اسکی سرحد شرک سے مل جائیگی اور اس وسیلہ بنانے میں ان ذوات صالحہ کا زندہ ہونا یا نہ ہونا دونوں برابر ہے کیونکہ انکی ذات کو صرف برکت کے لئے خدا تعالیٰ کے روبرو برائے ترحم پیش کیا گیا ہے خود ان سے کوئی چیز نہیں چاہی گئی ہے نہ کسی فعل کو طلب کیا گیا ہے۔ پس اس امر میں انکا دنیا میں موجود ہونا یا پردہ فرماجانا دونوں یکساں ہے، انکی صلاح دونوں حالتوں میں موجود ہے اور خدا کے سامنے اور اسکے علم میں وہ اپنی دونوں حالتوں میں موجود ہیں لہٰذا انکا دنیا میں ہونا نہ ہونا برابر ہے اور یہاں حدیث سے جس طرح ذوات کے ساتھ استشفاع کے جواز کا حال مفہوم ہوتا ہے اسی طرح سے ایک دوسری حدیث سے جسکو صاحب مشکوٰۃ نے نقل کیا ہے، توسط بالاعمال الصالحہ کا بھی جواز معلوم ہوتا ہے اور وہ حدیث محدثین کے نزدیک حدیث غار کے نام سے مشہور ہے جسکا واقعہ مشہور بھی ہے تاہم یہاں میں بھی اسکو بیان کرتا ہوں تاکہ ناظرین کو قند مکرر کا لطف آجائے اور ایک مومن کے لئے سوا حدیث یار کی تکرار کے اور دوسرا محبوب شغلہ ہی کون سا ہے ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم   الا حدیث یار کہ تکرار میکنیم

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تین شخص سفر میں جارہے تھے انھیں سخت بارش نے آگھیرا اس سے بچنے کے لئے پہاڑ کے ایک غار میں جا چھپے (خدا کا کرنا ایسا کہ) اسی وقت ایک چٹان اوپر سے

گئی اور اس غار کا منہ بالکل بند ہوگیا اور اسکے اندر یہ تینوں بند ہو گئے اسوقت انھوں نے باہم یہ صلاح کی کہ بھائی جس جس نے جو اعمال صالحہ محض خدا کے لئے اخلاص کے ساتھ کیا ہو اب اسکا واسطہ دیکر خدا سے دعا کرو اور نجات چاہو شاید اللہ تعالیٰ اس پتھر کو ہم سے ہٹا دے اور ہم اس بلا سے نجات پا جائیں (اسکے سوا اب کوئی صورت نہیں ہے۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے یوں دعا کی کہ اے اللہ (آپ جانتے ہیں کہ) میرے ماں باپ بہت بوڑھے تھے اور میرے اولاد بھی تھی چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور میں ہی انکی دیکھ بھال کرنے والا اور محنت کر کے انھیں کھلانے والا تھا چنانچہ میں جب شام کو اپنی بکریاں وغیرہ لیکر گھر واپس آتا تو اسے دودھ کو سب سے پہلے والدین کے پاس دودھ لاتا تاکہ وہ خوب سیر ہو کر پی لیں پھر اپنے بچوں کو بچا ہوا دیتا تھا۔ ایک مرتبہ گھاس، چارہ ذرا دور ملا اسلئے شام کو گھر واپسی میں دیر ہوگئی والدین سو چکے تھے میں نے دودھ دوہا اور حسب دستور اسکو لیکر ان کے سرھانے کھڑا رہا جگانا یوں مناسب نہ جانا کہ بوڑھے ہیں نہ جانے پھر نیند آوے یا نہ آوے اور بچوں کو پہلے دینا بھی جی کو گوارا نہ ہوا حالانکہ وہ بھوک کی وجہ سے میرے قدموں پر لوٹ رہے تھے اور دودھ مانگ رہے تھے۔ میں اسی طرح دودھ لئے ہوئے (ماں باپ کا حق بڑا سمجھتے ہوئے رات بھر ان کے سرھانے کھڑا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی تو اے میرے پروردگار اگر آپ کے علم میں میرا یہ عمل اخلاص کے ساتھ رہا ہو تو اسکے واسطے سے دعا کرتا ہوں کہ تھوڑا سا پتھر ہٹا دیجئے تاکہ ہم کم سے کم آسمان تو دیکھ سکیں (غار کی تاریکی میں دم گھٹا جا رہا ہے) ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پس اللہ تعالیٰ نے تھوڑا پتھر کو ہٹا دیا جس سے انکو آسمان نظر آنے لگا (اور فی الجملہ وحشت دور ہوگئی) اسکے بعد دوسرے شخص نے کہا کہ الٰہ العالمین تو جانتا ہے کہ میرے ایک چچا زاد بہن تھی جسکو میں بے حد چاہتا تھا ایسا کہ شاید ہی کوئی شخص کسی عورت سے اتنی محبت کرتا ہو میں نے اس سے اپنی خواہش کا اظہار کیا لیکن اس نے انکار کیا اور کہا کہ پہلے مجھے ایکسو دینار دیدو تب دوڑ دھوپ کر کسی نہ کسی طرح ایک سو دینار فراہم کیا اور اسکو لا کر دیا۔ اس نے اپنا

…ے قابو تو دیا مگر جب میں اسکے قریب ہوا اور اپنی حاجت پوری کرنی چاہی تو اس نے
…ی لجاجت سے کہا کہ اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور اس مہر کو نہ توڑ جسکا توڑنا
…اس نے تجھ پر حرام کیا ہے۔ اس سے ان کلمات کا سننا تھا کہ میں نے اسکو بالکل چھوڑ دیا
…ر اس سے جدا ہو گیا۔ تو اے خداوندا اگر میرا یہ فعل محض تیرے خوف اور تیری رضا کیلئے
…ا ہو تو (اسکے توسل سے دعا کرتا ہوں) کہ مجھ سے اس پتھر کو ہٹا دیجئے۔ چنانچہ وہ پتھر تھوڑا
…سا اور ہٹ گیا (لیکن راستہ نکلنے کیلئے اب بھی کافی نہ تھا)۔ پھر تیسرے شخص نے کہا کہ
…ے اللہ تو دانا و بینا ہے میں نے ایک مزدور سے کچھ مقدار چاول (یا دھان) کے عوض
…وئی کام لیا تھا جب اس نے وہ کام پورا کر دیا تو مجھ سے کہا کہ میری مزدوری لاؤ میں نے
…مقررہ اجرت اس پر پیش کی (کسی وجہ سے، شاید کچھ کم و بیش کے اختلاف کی وجہ سے)
اس نے اسکے لینے سے انکار کیا اور اپنی اس اجرت کو میرے پاس چھوڑ کر چلا گیا میں نے
اسکے غلہ کو زمین میں چھینٹ دیا جس سے بڑا غلہ پیدا ہوا تو میں نے اسے فروخت کر کے
اسکی قیمت سے بہت سے اونٹ خریدے اور ان کے لئے چرواہے اور رکھوالے کا انتظام
کیا۔ بہت دنوں کے بعد وہ مزدور آیا اور کہا بندۂ خدا خدا سے ڈر اور مجھ پر ظلم نہ کر
میری اجرت پوری پوری لا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ گایوں کا گلہ ہے اور ان کے
چرواہے وغیرہ ہیں سب تیرے ہیں ہانک لیجا۔ اس نے یہ سنکر کہا کہ بھائی خدا سے ڈرو
اور مجھ سے مذاق نکرو میں نے کہا کہ نہیں بھائی میں مذاق نہیں کر رہا ہوں بلکہ یہ سب تمہارا
ہی ہے (اور اس سے تفصیل بیان کی) چنانچہ وہ اٹھا اور سب کو ایک طرف ہانک کر
لیکر چلدیا۔ تو اسے اللہ تعالیٰ اگر آپ جانتے ہیں کہ یہ سب میں نے محض آپ کی رضا ر
کیلئے کیا تھا تو بقیہ پتھر بھی ہٹا دیجئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پورا پتھر ہٹا دیا اور غار کا راستہ
کھل گیا وہ سب نکلکر چلے گئے۔ اس حدیث کو بخاری اور مسلم دونوں نے نقل کیا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف باب البر والصلۃ ص۴۲۰)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ ذات حسن اور حسن عمل دونوں کو توسل میں دخل ہے
نیز معلوم ہوا کہ اصل اس مسئلہ میں اعتدال ہے یعنی نہ اتنا غلو کرے کہ حد شرک تک پہونچ

جائے اور نہ معتقد تفریط کرے کہ توسل ہی کو شرک قرار دیدے۔ والمنھج فیھما التوسط والاعتدال اور یہی ہمارے اسلاف کا مسلک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو افراط و تفریط سے بچائے۔

۷۵-(اشیاءِ مورثہ حلاوۃِ ایمان)

فرمایا کہ — بخاری شریف کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ہیں جس شخص کے اندر وہ پائی جائیں گی اسکو ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی۔ ایک یہ کہ اللہ و رسول اسکے نزدیک اپنے ماسوا سے زیادہ محبوب ہو جائیں دوسرے یہ کہ وہ شخص جس کسی سے دوستی کرے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے کرے۔ تیسرے یہ کہ حالت اسلام میں ہوکر) کفر سے اسکو ایسی نفرت ہو کہ کفر کی جانب لوٹنا اسکے نزدیک آگ میں جانے کے مرادف ہو۔

اس حدیث کے جو الفاظ آئے ہیں اس میں پہلی شے کو یوں فرمایا گیا ہے کہ ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما (یعنی اللہ اور اسکا رسول اسکے نزدیک زیادہ محبوب ہوں ان دونوں کے یعنی اللہ و رسول کے ماسوا سے) اسکی شرح کرتے ہوئے صاحب فتح الباری لکھتے ہیں کہ یہاں جو مما سواھما فرمایا ہے اس پر ایک اشکال ہوتا ہے پھر وہ اشکال نقل کر کے اسکے مختلف جوابات بیان فرمائے ہیں اشکال اور شبہ یہ ہوتا ہے دیکھئے اس حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ و رسول کو تثنیہ کے صیغے یعنی ھما کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور ایک ساتھ جوڑا ہے حالانکہ ایک خطیب نے اپنے خطبہ میں ومن یعصھما فقد ضل وغوی کہدیا تھا جس کے معنی ہیں کہ جس نے ان دونوں کی یعنی اللہ و رسول کی نافرمانی کی وہ بے راہ اور گمراہ ہوا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس کہنے کو پسند نہ فرما کر ارشاد فرمایا تھا کہ بئس الخطیب انت تم برے خطیب ہو یہ تم نے اللہ و رسول کو ایک ساتھ کیوں جوڑ دیا؟ یعنی ھما کی ضمیر کے ساتھ دونوں کا کیوں ذکر کیا۔ پھر صاحب فتح نے اس اشکال کے بہت سے جوابات نقل فرمائے

ہیں اور سب سے آخر میں جو سب سے اچھا جواب تھا اسکو نقل فرمایا ہے اسی کو میں بیان کرتا ہوں، فرماتے ہیں کہ :۔

اس حدیث زیر بحث اور خطیب والے واقعہ کی تطبیق اور دونوں کے جمع کرنے کے سلسلہ میں سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ یہاں مذکورہ بالا حدیث میں جو ضمیر تثنیہ کی (یعنی هما کی) لائی گئی ہے تو اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ معتبر باب محبت میں وہ محبت ہے جو دونوں کی جامع ہو یعنی اللہ و رسول دونوں کی محبت ساتھ ساتھ ہو تب وہ معتبر ہے تنہا تنہا کوئی ایک بھی ان میں کارآمد نہیں ہے یعنی صرف خدا کی محبت بدون محبتِ رسول ؐ کے بیکار ہے، اسی طرح سے رسول کی محبت ہو اور خدا کی محبت نہ ہو تو وہ بھی نافع نہیں ہے اور جب ان میں سے کوئی ایک دوسری کے ساتھ مرتبط ہوکر پائی جائے تو وہ کارآمد ہے جس کو دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ اگر کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعوے کرتا ہے اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں کرتا تو وہ کچھ سود مند نہوگی اور اسکی جانب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بھی اشارہ ہے فرماتے ہیں قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یعنی آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میرا اتباع کرو (اور اتباع بدون محبت کے ہوا نہیں کرتی لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ مجھ سے بھی محبت کرو) تو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت فرمانے لگیں گے۔ تو دیکھو اس آیت میں متابعت رسول ؐ کو دو محبتوں کے قُطر کے درمیان رکھ چھوڑا ہے۔ ایک وہ محبت جو بندوں کی اللہ تعالیٰ سے ہو اور دوسری وہ محبت جو اللہ تعالیٰ کی بندوں سے ہوگی (اس سے معلوم ہوا کہ تنہا اللہ تعالیٰ کی محبت ناکافی ہے جب تک کہ اسکے ہمراہ محبت رسول بھی شامل ہو جائے اسلئے کہ دونوں ملکر ہی ایک امر مطلوب بنتی ہے)

اور خطیب کو جو حکم فرمایا کہ تم نے دونوں کو الگ الگ کیوں نہیں بیان فرمایا کیوں دیا تو یہ اسلئے کہ دونوں نافرمانیاں یعنی اللہ کی نافرمانی اور رسول کی نافرمانی، امر واحد نہیں ہے بلکہ الگ الگ شے ہے اور گمراہی کے حاصل ہونے کے باب میں ہر ایک مستقل ہے۔ چنانچہ دیکھو اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ

واولی الامر منکم یعنی لوگو تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر (حکام) کی بھی اطاعت کرو تو دیکھو اطیعوا اللہ کے بعد رسول کے لئے تو اطیعوا کا اعادہ فرمایا اور اولی الامر کے لئے اطیعوا کو نہیں دہرایا اسکی وجہ کیا؟ یہی کہ اطاعت رسول خود ایک مستقل شئے تھی جس طرح سے کہ اطاعۃ اللہ مستقل چیز ہے رہی اطاعۃ اولی الامر تو یہ کوئی مستقل شئے نہیں ہے انکی صرف وہی بات مانی جائیگی جو خدا اور رسول کے فرمان کے مطابق ہوگی تو در اصل یہ اطاعت انکی نہیں ہوتی اللہ و رسول کی ہوئی۔

(حاصل یہ کہ محبت اور اطاعت و نافرمانی کی حیثیت ایک نہیں ہے اللہ و رسول کی محبت میں تو اتحاد ہے کہ ایک بدون دوسرے کے معتبر نہیں اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احب الیہ مما سواھما فرمانا بالکل بجا ہوا۔ اور اللہ و رسول کی اطاعت یا نافرمانی یہ دونوں مستقل یعنی الگ الگ چیزیں ہیں لہٰذا خطیب کا ومن یعصھما میں دونوں کو جوڑ دینا غلط تھا اسی لئے آپؐ نے اسے ٹوکا خطیب کو ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل وغوی کہنا چاہئے تھا۔ راقم عرض کرتا ہے کہ اطاعۃ اللہ و اطاعۃ رسول یا معصیۃ اللہ یا معصیۃ الرسول ان دونوں کے استقلال اور علحدگی کو یوں سمجھئے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر کسی معاملہ میں اللہ کی اطاعت ہو رہی ہو تو وہ رسول کی بھی اطاعت ہو جائے مثلاً حضرت بریرہؓ نے آزاد ہو جانے کے بعد خیارِ عتق کے ماتحت اپنے غلام شوہر کے نکاح میں رہنا نہیں چاہا جو اطاعت اللہ تو تھی لیکن اطاعت رسول نہ تھی کیونکہ آپؐ نے سفارش کی اور چاہا کہ وہ اپنے قدیم شوہر ہی کے ساتھ رہیں مگر بریرہؓ اس پر راضی نہ ہوئیں۔ اسی طرح سے خلع النعال کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک موقع پر نماز میں اپنے پاپوش مبارک اتار دیئے تھے تو پھٹا پھٹ پھٹا پھٹ سب صحابہؓ نے اپنے اپنے جوتے اتار دیئے یہ اتباع اور اطاعت رسولؐ تو ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ کا انکے لئے یہ حکم نہیں تھا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نماز ان کے اس فعل پر نکیر فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ تم لوگوں نے کیوں جوتے اتار دیئے تھے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم نے آپکے جوتے اتارتے دیکھا اس لئے خود بھی اتار دیا کہ شاید یہی

خدا کا حکم ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں جی مجھے تو جبرئیل نے آکر خبر دی تھی کہ آپ کے جوتوں میں نجاست لگی ہوئی ہے میں نے تو اسلئے اتار دیا تھا۔ تو دیکھئے یہاں صحابہؓ کا یہ فعل اتباع رسولؐ تو ہوا مگر خدا کا حکم یا منشاء اسکا نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں میں باہم تلازم نہیں ہے بلکہ دونوں مستقل ہیں اور الگ الگ ہیں لہٰذا ایک ضمیر میں دونوں کا جوڑ نامناسب نہیں تھا جیسا کہ خطیب نے کیا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسپر نکیر فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم)

(راقم عرض کرتا ہے کہ یہ واقعہ خلع نعال بھی ان مقامات میں سے ایک ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چیز کا پہلے سے علم نہ تھا حضرت جبرئیلؑ کے فرمانے اور اطلاع دینے سے ہوا ورنہ لازم آئے گا کہ معاذ اللہ آپؐ نے علم نجاست کے ساتھ ساتھ نماز ادا فرمائی حالانکہ ایسا نہ تھا پس اس واقعہ نیز ایسے بیشمار نصوص کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ عالم ما کان و ما یکون تھے اور آپؐ کو ہر کلی جزئی چیز کا علم تھا یہ نصوص کے خلاف ہے ہمارے لئے یہ عقیدہ بس ہے کہ

ع۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

صاحب فتح الباری نے جو جواب اوپر نقل فرمایا ہے اسکو محاسن اجوبہ میں سے کہا ہے اصل میں یہ جواب قاضی بیضاوی اور علامہ طیبی کا ہے جسکی یہاں تلخیص کر دی ہے

(راقم عرض کرتا ہے کہ جواب میں یہ جو فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت گویا درمیان میں رکھدی گئی ہے بندوں کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے حضرت مرشدی نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ ۔ یہیں سے حضرات صوفیہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برزخ کبریٰ فرماتے ہیں کہ آپ کی ذات مقدس خلق و خالق کے درمیان واسطہ ہے جیسا کہ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ ؎

پے نبردے ہیچکس در منزل حق الیقیں گر نہ بودے ذات پاکت اندریں رہ مقتدا

(یعنی کسی شخص کی حق الیقین کی منزل تک رسائی ہی ناممکن تھی اگر آپ کی ذات مقدس

اس راہ میں مقتدا نہ تھی)۔

اسی مضمون کو شیخ سعدیؒ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا توان رفت جز بر پئے مصطفیٰ

(یعنی اسے سعدی یہ مت سمجھنا کہ راہ صفا بجز رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے (کسی اور طرح سے بھی) طے ہو سکتی ہے ۔ ہرگز نہیں۔)

اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس اللہ سرہٗ یوں فرماتے ہیں کہ ؎

ہرکہ در راہ محمدؐ رہ نیافت تا ابد گردے ازیں درگہ نیافت

(یعنی جس شخص کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہِ سنت کی جانب رہنمائی نہ ہو پائی تو قیامت تک اکو اس درگاہ تک رسائی تو بجائے خود (دہی) اسکی گرد راہ کو بھی وہ نہ پہونچ سکے گا۔)

ان سب مشائخ کے اقوال دال ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ اور ذریعہ یعنی برزخ فرمارہے ہیں۔ لیکن آپ کو برزخ کبریٰ اسلئے کہا جاتا ہے کہ برزخ تو تمام انبیاء کرام علیہ السلام ہیں مگر اور دوسرے حضرات صرف اپنی اپنی امت کے لئے واسطہ ہیں اور ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم کے لئے واسطہ ہیں حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام کے لئے بھی ہیں اسلئے آپ کو برزخ کبریٰ کہا جاتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم (ہکذا افادنا الشیخ علیہ الرحمہ والرضوان)

(۷۶) ۔ صبر کی تین قسمیں)

فرمایا کہ ——— فوائد الفواد میں ہے کہ صبر کے تین مقامات ہیں :- الصبر عنہن ۔ الصبر علیہن ۔ الصبر علی النار ۔ اول صبر عورتوں سے ہونا چاہیئے کہ اصلا انکی جانب رغبت کشش اور التفات نہ ہو یہ صبر عنہن ہے اور بہت خوب ہے۔ اور جو یہ حاصل نہ ہو تو نکاح کرے یا کوئی باندی خریدلے۔ دوسرا صبر بلا سے کیا جاتا ہے الصبر علیہن کے یہی معنی ہیں۔ اور جو بلا اسکے گذر جائے اور خطاؤں میں گرفتار ہوجائے تو صبر علی النار یعنی آگ میں جانے پر صبر کرے ۔ بس ہم نے تو صبر تین طرح کے پائے ۔ واللہ اعلم

(مکتوب نمبر ۲۸۰)

حال:۔ عرض ہے کہ ادہر مسلسل مجلس میں جناب والا نے قرآن مجید کی تلاوت میں دل لگا کر پڑھنے پر زور دیا اور تاکید فرمائی خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ احقر نے بھی اس پر عمل شروع کر دیا۔ الحمد للہ آدھا تہائی پارہ دل لگا کر تلاوت ہو جاتی ہے اور نماز میں بھی دل لگنے کی یہی کیفیت ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال:۔ حضور والا دعاء اور توجہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ پورے طور پر تلاوت اور نماز میں دل لگا دیں۔ تحقیق:۔ دعاء کرتا ہوں۔

حال:۔ شروع کی کچھ نمازیں میرے ذمہ بھی قضا تھیں حضور والا کی فہمائش اور اور توجہ دلانے سے اسکو بھی پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ دعاء فرمائیں کہ ساری قضا نمازیں ادا ہو جائیں

تحقیق: الحمد للہ کہ یہ ضروری کام شروع ہو گیا۔ دعاء کرتا ہوں۔

حال: اسی طرح سے تھوڑے سے مالی حقوق بھی میرے ذمہ تھے انکی بھی ادائیگی شروع کر دی ہے۔ خدا کرے کل ادا ہو جائیں۔ تحقیق: آمین

حال: بفضلہ تعالیٰ معمولات برابر ادا ہو رہے ہیں۔ آخر شب میں نماز تہجد اور ذکر بارہ تسبیح بھی ادا ہو رہے ہیں۔ الحمد للہ دل میں کسی معصیت یا برائی کا تقاضا نہیں ہے۔ سکون ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

(مکتوب نمبر ۲۸۱)

حال: یہ روسیاہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے غلاموں میں سے ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جیسے چراغ گل ہو جانے سے تاریکی زیادہ محسوس ہونے لگتی ہے اس ڈیڑھ سال میں یہی حال رہا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسی رحمت و شفقت والی شخصیت کہیں نظر نہ آئی۔ وصال کے بعد عرصہ تک روتا رہا۔

دو دن متواتر یہ خواب دیکھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ میرے قریب بیٹھے ہوئے ہیں پھر دیکھتا ہوں کہ یہ تو حضرت فتحپوری مدظلہ العالی ہیں پھر وہ صورت حضرت مدنیؒ کی ہوگئی، پھر تھوڑی دیر بعد حضرت فتحپوری کی شکل میں بدل گئی، پھر خواب ہی میں یہ اشارہ ملا کہ اب میرے بجائے یہ ہیں (یعنی آپ) آنکھ کھلنے پر یقین ہوگیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت یہی ہے کہ حضرت فتحپوری سے رجوع کروں — مگر شیطانی وسوسے اب تک سد راہ ہوتے رہے اس ہدایت کے خلاف جی چاہتا رہا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء ہی میں سے کسی سے مناسبت ہو جائے تو حضرت رحمۃ اللہ کی نسبت باقی رہ جاتی جو مجھے زیادہ محبوب ہے مگر کسی سے مناسبت نہ ہو سکی (میرے خیال میں یہ وسوسہ شیطانی تھا) حالانکہ مقصود خدا ہونا چاہیئے نہ کہ کوئی خاص سلسلہ۔

ایک بار میرے سامنے ہی پورہ معروف کے ایک عالم سے حضرتؒ نے فرمایا تھا کہ مولانا وصی اللہ صاحب شیخ وقت ہیں — مجھے کیا خبر تھی کہ مجھے جتانا منظور تھا — آج شب میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ آپ تقریر فرمارہے ہیں اور نظر آپ کی میری طرف ہے۔ فرماتے ہیں کہ کسی کے انتقال کی وجہ سے دین کا کام بند نہیں ہوجاتا اللہ کے بندے جو زندہ ہوتے ہیں کام کرتے رہتے ہیں اور اسی طرح قیامت تک یہ کام جاری رہے گا پھر آپ میری طرف بڑھے ہیں اور میں بھی آگے بڑھا ہوں اور مصافحہ کیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے دست مبارک میں انگلیاں بہت ہی چھوٹی ہیں پورا دست مبارک میں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے پھر آپ نے چھوٹا سا اپنا مستعمل رومال ہاتھ میں لیکر دوبارہ مصافحہ فرمایا ہے۔

آج میں اپنا تعلق آپ سے جوڑتا ہوں اگر آپ قبول فرمائیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے مجھے دوازدہ تسبیح مع ضرب وجہر پھر پاس انفاس پھر اسکی مشق واجرار کے بعد ذکر قلبی کی تعلیم کی تھی۔ پہلے کچھ محنت کرتا تھا مگر حضرت کے وصال کے بعد سے تو بالکل ہی سب چھوڑے بیٹھا ہوں۔ میرا ظاہر و باطن

سیاہ، میری دنیا و آخرت برباد ہے۔ حضرت میری رہبری فرمائیں آپ جو کچھ ہدایت فرمائیں گے اس پر عمل کروں گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

گر قبول افتد زہے عز و شرف ــ اگر اجازت ہو تو حاضر بھی ہو جاؤں۔

تحقیق :ــ خواب اور اسکی تعبیر آپ کے لئے ہدایت اور میرے لئے بشارت ہے۔ حضرت مولانا (مدنی) رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مطبوعہ ملفوظات سے میری نسبت حسن ظن معلوم ہوا تھا آپ کی شہادت سے کہ آپ کے سامنے بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا سنایا اسکی مزید تائید ہوئی اور جی خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو جب کسی کی ہدایت کرنا ہوتی ہے تو اسکی یہی صورت ہوتی ہے کہ لطیفۂ غیبی سے رہنمائی کی جاتی ہے اور وہ لطیفۂ غیبی کسی مانوس شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ مجھے خدمت سے انکار نہیں۔ وظائف جو حضرت مولاناؒ کے ارشاد فرمودہ ہیں اسی کو پابندی کے ساتھ جاری رکھیں اسکے ساتھ میری تصانیف مہیا ہو جائیں تو ان کا مطالعہ کرتے رہیں۔

جب موقع ہو تشریف لائیں میری طرف سے اجازت ہے۔

(مکتوب نمبر ۲۸۲)

حال :ــ احقر اگرچہ سلسلۂ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی قدس سرہ العزیز سے وابستہ ہے مگر آپ کی یاد بھی قلب محزون کے لئے فرحت بخش ہے۔ دل حکایتوں سے لبریز ہے مگر زبان درماندہ کو یارائے سخن نہیں۔ اشتیاق دید عرصہ سے موجزن ہے مگر شامت اعمال اپنی ہے کہ محرومی ہے۔ ہاں خواب میں حضور والا کی معیت اور نیاز حاصل کر چکا ہوں جنکی وجہ سے اور جذبۂ اشتیاق مشتعل ہو گیا ہے ارادہ ہے کہ جون تک قدمبوسی کا شرف حاصل کروں مگر اسکی تکمیل کسی اور کے قبضہ میں ہے اگر اسکی نظر ہو جائے تو کچھ بھی بعید نہیں آپ بھی دعا فرمائیں۔

تحقیق : محبت تامہ سے اشتیاق ملاقات طلب اور فکر آخرت وغیرہ مقاصد معلوم ہوئے جملہ مقاصد کے لئے دل سے دعا گو ہوں۔ اللہ تعالیٰ ملاقات کے ذرائع واسباب بھی مہیا فرمائیں۔ ارادہ کر لیجئے انشاء اللہ سب مراحل سہل ہو جائنگے

(مکتوب نمبر ۳۴۸)

حال : الحمد للہ حضرت کی دعاؤں سے بخیریت ہوں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے سایۂ عاطفت کو قیامت تک ہمارے سروں پر قائم رکھیں۔ سیدی ان دنوں ایک بچے کو سخت بخار ہے، بخار ہمہ وقت رہتا ہے۔ دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسن عمل و خلوص کی توفیق عنایت فرما دیں

تحقیق : دعا کرتا ہوں۔

حال : کیونکہ مخلص ہی کو دنیا میں بھی سکون و راحت ہے۔ مخلص کا رشتہ چونکہ اپنے معبود حقیقی سے صحیح ہوتا ہے اسکے تمام حرکات و سکنات اسی کی رضا کے لئے ہوتے ہیں اور اسکی نگاہ اسی کی ذات میں مقصور ہوتی ہے اسلئے زمانہ کی سازگاری و ناسازگاری اسکو از جا رفتہ نہیں کر سکتی۔

تحقیق : الحمد للہ بارک اللہ سچ فرمایا یہی بات ہے۔

حال :۔ اس صحیح تعلق کا ستون اسکو ہر قسم کے جھونکوں میں ایک جائے پناہ کا کام دیتا ہے۔ تحقیق : سبحان اللہ۔

حال : میرے مولیٰ بس کیا عرض کروں حضرت کے یہاں کی بیش قیمت موتیاں یعنی اخلاق حسنہ جسمیں اخلاص گویا اصل ہے انکی جھلک دل مضطر میں ایک تڑپ پیدا کرتی ہے۔ تحقیق : مبارک ہو یہ تڑپ۔

حال : اپنے قلب کی سیاہیوں کے ساتھ بھی انکا پر تو ایک کیف پیدا کرتا ہے

تحقیق :۔ یہ نورٌ علیٰ نور ہے۔

حال :۔ اگر دل کی اصلاح کے ساتھ ہوتا تو کیا کچھ ہوتا تحقیق : حق تعالیٰ نصیب کر دیتا۔

حال: سچ ہے سہ

جرعہ خاک آمیز چوں مجنوں کند　　　صاف اگر باشد ندانم چوں کند

(شراب کا) خاک آلود گھونٹ بھی جب دیوانہ بنا دیتا ہے تو اگر یہی صاف شفاف ہو تب تو نہ معلوم کیا کر دیگا)

تحقیق: جانتے ہیں "چوں" کیا ہے؟ وہ فنا ہے۔

حال:۔ بس حضرت کی دعاء و توجہات کا سہارا لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے کرم کا منتظر و متمنی ہوں۔ تحقیق: یہ انتظار نہایت محمود اور طلب کا کرشمہ ہے۔

حال: ورنہ اپنی سعی اور اپنی قوت بازو کا حال معلوم ہو چکا ہے۔ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس سیہ کار کو بھی کچھ حصہ اس نعمتِ لازوال کا نصیب فرمائیں جو ایک مومن کا منتہائے مقصود ہے۔

تحقیق:۔ بیشک یہی منتہائے مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائیں۔

(مکتوب نمبر ۲۸۴)

حال: والانامہ نے شرف صدور بخشا ذوق کے متعلق حضرت والا نے جو تحریر فرمایا ہے الحمدللہ وہ سمجھ میں آگیا۔ اس سے دل میں یک گونہ خنکی اور سکون پیدا ہوگیا۔ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: حضرت اقدس قدس سرہٗ کے ملفوظات میں کہیں ذوق کی اہمیت نظر سے گذری ایک جوش پیدا ہوا اور حضرت والا کی خدمت میں لکھدیا۔ اگر ذرا ہوش سے کام لیتا تو قوی امید تھی کہ حضرت والا کی جوتیوں کے صدقے میں باوجود سراپا نالائقیوں اور گندہ حالتوں کے الحمدللہ ثم الحمدللہ ذوق کیا اور کیسا ہوتا ہے اسکا احساس اپنے اندر ہے لہٰذا استفسار کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

تحقیق: ماشاءاللہ مبارک ہو یہ دولت۔

حال: ذوق اپنے اندر پیدا ہوگیا ہے یہ دعویٰ تو میرے حوصلہ سے بہت بڑا

ہوگا لیکن الحمدللہ حضرت والا کی جوتیوں کے صدقہ میں ذوق سے بالکل عاری نہیں ہوں ۔ تحقیق : الحمدللہ ۔

حال : حضرت والا نے جو ارشاد فرمایا اسکا حاصل میری سمجھ میں یہ آیا کہ ذوق تو ایک ذوقی چیز ہے ذوقی چیز کی تعبیر الفاظ میں ہو ہی نہیں سکتی ۔ جیسے جسم میں کسی جگہ درد ہوتا ہو یا بھوک پیاس لگتی ہو تو اسکو الفاظ میں ایسے شخص کو سمجھا دینا جسکو ساری عمر میں کبھی کہیں درد نہ ہوا ہو یا بھوک پیاس کی نوبت نہ آئی ہو کیسے ممکن ہے ۔ ع ۔ ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی ۔

حضرت والا کی تنبیہ سے اب الحمدللہ اس میں ایک حد تک بصیرت حاصل ہو گئی ہے ۔ تحقیق : مبارک ہو ۔

حال : حضرت والا اس ناکارہ کے لئے پوری پوری طرح حضرت والا کا ذوق پیدا ہو جانے کی دعا فرما دیں اور حق تعالیٰ کی کامل رضامندی حاصل ہونے اور وقت پر خاتمہ بخیر ہونے کی بھی دعا فرما دیں ۔

تحقیق : دل سے دعا کرتا ہوں ۔

مولوی شکیل عباسی مدظلہٗ کے نام حضرت مصلح الامۃ کا ایک اور خط

(نوٹ: اس خط میں حضرت اقدسؒ نے خود اپنے ہجرت از وطن کا اجمالی حال بیان فرمایا ہے اور اہل گورکھپور کی دعوت تشریف بری گورکھپور سے معذرت ظاہر فرمائی ہے۔ جامی)

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

میں نے فتحپور کا قیام اپنی مصالح ذاتیہ کی بنا پر ترک کیا تھا اور جب اپنے مولد و مسکن کو ترک کیا تو کہیں رہنا ضروری تھا۔ گورکھپور کے لوگ وہاں موجود تھے انکے ہمراہ گورکھپور آگیا۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا وہاں رہا جب وہاں زیادہ بیمار رہنے لگا یہاں کے آنیکا ارادہ کیا اپنی صحت کے خیال سے اللہ تعالیٰ کا شکر ہے فائدہ ہوا۔ وہاں کی بہ نسبت یہاں بحمد اللہ صحت ہے۔ قیام یہاں (الہ آباد میں) بھی اپنی ذاتی مصلحت کی بنا پر ہوا ہے۔ جب رہنا طویل ہوگیا تو مکان بھی خرید لیا گیا، لوگ بھی آمد و رفت رکھنے لگے۔ اسکو کیا کروں، انکو کیسے روک سکتا ہوں؟ تدریس کا بھی سلسلہ ہے اور بھی کام ہیں جو مجھی کو کرنے ہوتے ہیں۔ آنے جانے میں سب فوت ہو جاتے ہیں۔ صحت خود کہیں آنے جانے سے مانع ہے اور دوسرے امور بھی مانع ہیں۔ طبیعت اب ڈرگئی ہے سہم گئی ہے ہر امر میں خطرہ پیدا ہوتا ہے۔ بہت جگہ سے لوگ بلانا چاہتے ہیں اور بار بار کہتے ہیں۔ اپنے اعذار بیان کردیتا ہوں خاموش ہو جاتے ہیں اولاً تو تعلیم و تربیت میرے بس کی بات نہیں میرے تھوڑا وقت اسکے لئے کافی نہیں کہیں جم کے آدمی رہتا ہے تب ہی کام ہوتا ہے۔ میں نے وہیں قیام کا ارادہ کیا تھا مگر منظور نہ ہوا۔ اب کیا کروں بالکل اپنی مجبوری کا اظہار کرتا ہوں آپ

مجبور سمجھکر معاف فرمائیں۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔

والسلام خیر ختام وصی اللہ عفی عنہ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت والا ترک قیام گھوسی کی وجہ اپنی ذاتی معارف کو فرما رہے ہیں۔ اور وہ یہی تھی کہ مفسدوں نے یہاں کی فضا ایسی مسموم کر دی تھی کہ یہاں دین داصلاح کا کام سکون دیکھوئی کے ساتھ کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ اور حضرت اقدس کا جو مشن تھا یعنی خانقاہی طرز کا کام وہ کامل سکون کو چاہتا تھا پس حضرت والا نے یہاں اپنے دینی کام کے ضیاع کو محسوس فرماکر وہاں سے ہجرت کر جانا ہی مناسب سمجھا۔ باقی یہ بات ہرگز نہیں تھی کہ حضرت اقدس کی پوزیشن یا احترام خدانخواستہ وہاں باقی نہیں رہ گیا تھا اس لئے آپ نے وطن چھوڑ دیا یا وہاں کے فتنہ میں کوئی قتل کا کیس ہوگیا تھا۔ تو یہ تو یہ ان چیزوں کا تو وہاں دور تک پتہ نہ تھا جن حضرات کے لغزش قلم سے اس قسم کی باتیں سرزد ہوگئی ہیں وہ ان انتہائی غیر تحقیقی رویہ اور بے احتیاطی کے ماتحت وقوع میں آئی ہیں۔ اور غلط کا منشا یہ ہوا کہ واقعات کی تحقیق غیر محل سے کی گئی حضرت اقدس کی خدمت میں رہنے والے اور بوقت واقعہ موجود رہنے والے بہت سے لوگ اب بھی زندہ ہیں کاش ان سے ہی دریافت کر لیا جاتا تو یہ بے احتیاطی راہ نہ پاتی۔

اسی طرح سے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرتؒ خود ارشاد فرما رہے ہیں کہ گو کے لوگ وہاں موجود تھے ان کے ہمراہ گورکھپور چلا آیا۔ اب یہ کہنا کہ حضرت پاکستان جانا چاہتے تھے اور گورکھپور کے حضرات وہاں جانے سے مانع ہوگئے اور اپنے یہاں باصرار حضرتؒ کو لائے اور لاکر معاذ اللہ حضرت کو پریشان کیا اور ذلیل کیا، اس قسم باتیں کسی مقصد کے پیش نظر تو کہی جا سکتی ہیں باقی واقعاتی دنیا سے انکا کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ پاکستان کا سفر اسوقت حضرت اقدسؒ کے ارادے میں تو کیا گوشۂ تصور میں بھی نہ تھا۔ اور کسی معاملہ میں اصرار کی کس کی مجال تھی حضرت والا خوشی خوشی گورکھپور تشریف لے گئے تھے اور جو لوگ حضرت کو لے گئے تھے انکا احسان حضرت

عمر بھر ماتے رہے۔ یہ الگ بات ہے کہ باب اصلاح میں کبھی کسی کو کچھ تنبیہ فرما دیا
ہو یا کسی مرید کی غفلت پر اس سے کچھ مواخذہ فرمایا گیا ہو، تو یہ تو اس طریق کے
اور باطنی تعلقات کے لوازم ہی سے تھا۔ کوئی بھی مخلص اپنے شیخ کی ان لیے
کی اصلاحات سے بچا نہیں کرتا بلکہ وہ مخلص ہی بنتا ہے اس قسم کی آزمائشوں میں
پڑنے اور انکے سہنے اور برداشت کرنے کے بعد ہی ؎

آئینہ بنتا ہے رگڑیں لاکھ جب کھاتا ہے دل
دوستو! یہ دل بڑی مشکل سے بن پاتا ہے دل

اب اس نوع کے واقعات کو دیکھکر کسی کو غیر مخلص کہدینا ایسا مغالطہ ہے
کوئی مخلص ہی اس سے بچ سکتا ہے اسی طرح سے حضرت اقدس کے متعلق یہ کہنا
وطن میں لوگ آپ کے دشمن بہت ہو گئے تھے جسکی وجہ سے آپ کو اپنی جان کا
خطرہ لاحق ہو گیا تھا اس لئے آپ نے ترک وطن فرمایا تھا اس قسم کے پروپگنڈے اہل بدعت
نے تو بہت کئے تھے اور ان کے لئے یہ مناسب بھی تھا باقی اہل حق بالخصوص حضرت والا
سے کچھ بھی عقیدت یا تعلق رکھنے والوں سے تو اس قسم کی باتیں کسی طرح زیب
نہیں دیتیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کے صحیح حالات سے واقف
نہ ہو تو اسے ان بزرگ کی سیرت اور حالات لکھنے کی مصیبت ہی کیا آپڑی ہے
کیونکہ اس طرح غلط سلط حالات بیان کرنے سے ان بزرگ سے بجائے قرب و
عقیدت پیدا ہونے کے بُعد پیدا ہونے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے جو کہ صاحب سیرت
کی اعانت نہیں اہانت ہے۔

حضرت اقدسؒ کا رعب وطن میں نہ صرف اپنوں ہی پر تھا بلکہ غیروں پر
بھی بہت کافی تھا کسی کی مجال نہیں تھی کہ کوئی حضرت والا کے سامنے زبان ہلا سکے
آنکھ ملا سکے۔ اسی طرح سے محبت کا یہ عالم تھا کہ اپنے تو فدا تھے ہی غیر مسلم بھی
بے انتہا عقیدت سے پیش آتے تھے۔ الہ آباد تشریف لانے کے بعد جب آپ
دوبارہ وطن تشریف لے گئے ہیں تو حضرتؒ کے ہمراہ الہ آباد سے چند معزز حضرات بھی

[illegible] سے گئے تھے اگر کسی کو حضرت والا کی عزت و احترام اور اپنے پرائے کی [illegible] میں حضرت کا مقام کا اندازہ کرنا ہو تو ان حضرات سے دریافت کرلے جنھوں نے اپنی آنکھوں سے خود قدر و منزلت کے مناظر دیکھے تھے۔

غرض وطن میں نہ قتل کا واقعہ پیش آیا تھا نہ لوگ حضرت کے جانی دشمن ہوئے تھے، نہ حضرت پاکستان جا رہے تھے، نہ وطن میں بے قدری تھی یہ سب باتیں بالکل غلط اور بے بنیاد مشہور کی گئی ہیں۔

رسالہ البلاغ کراچی کی چند ماہ قبل کی اشاعت میں ایک مضمون حضرت کے حالات کا نظر سے گذرا تھا جو اسی قسم کے بہت سے غیر تحقیقی واقعات پر مشتمل تھا۔ آپ خود خیال فرمائیے کہ کسی بزرگ سے مخلوق کو ایسی دشمنی ہو جانا کہ لوگ اسکے جانی دشمن ہو جائیں اسکے مرید قتل و قتال میں حصہ لیں، وہ شیخ اپنے وطن میں بے وقعت اور بے عزت ہو جائے، اسکے ہی مریدین خود اسکو دھوکا دیں، دوسری جگہ وہ شیخ وقت ہو کر بھی اپنے متعلقین کو چھوڑ کر دوسروں سے پناہ طلب کرے اور ایسا ہو جائے جیسے کوئی بے بس اور بے سہارا شخص ہوتا ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ سارے امور اسکے کن صفات عالیہ کے مظہر ہیں اور سیرت کے کون سے درخشندہ موتی ہیں جن سے کسی بزرگ کی سیرت سجائی جائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وطن سے سبب ہجرت صرف یہ ہوا کہ حضرت والا نے وہاں سکون اور یکسوئی مفقود پایا اور اب اس جگہ کو تعلیم و تربیت کے لئے مناسب نہ جانا اس لئے وہاں سے ہجرت فرمائی۔ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اب یہاں فتنہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کی جگہ سے پناہ مانگی ہے اور ایسی جگہ سے دوری اختیار فرمائی ہے اسلئے اب میں یہاں رہنا مناسب نہیں سمجھتا

اوپر حضرت اقدس کا ایک مکتوب مولوی شکیل صاحب کے نام نقل کیا گیا درمیان میں بعض ضروری باتیں آگئی تھیں اب اسی سلسلہ کی ایک اور تحریر ایک دوسرے مولوی صاحب کے توسط سے مولوی شکیل صاحب کو بھیجی گئی چونکہ حالات کیلئے وہ بھی

کاشف ہے اسلئے اسکو بھی ملاحظہ کے لئے پیش کرتا ہوں

حضرت مصلح الامۃ کا ایک اور خط مولوی شکیل صاحب کے نام

محبی سلمکم اللہ وزادعرفانکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

الحمد للہ بخیریت ہوں مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کے جواب کے ہمراہ آپکا بھی محبت نامہ ملکر مزید مسرت کا سبب بنا ۔ میں نے اپنے خط میں "گورکھپور کیوں آؤں اور آؤں کہ نہ آؤں" کا جو سوال کیا تھا تو اسکی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ نے پہلے کبھی مجھے یہ تحریر فرمایا تھا کہ ـــ " اندر سے ایک آواز آتی تھی کہ دلوں کی جس تعمیر میں حضرت نے ہاتھ لگایا تھا اسکا ناتمام رہنا گوارا نہ فرمائیں گے اور کم ازکم کچھ دنوں کے لئے ضرور تشریف لائیں گے ۔ احساس محرومی تڑپ کر کہتا ہے کہ حضرت اب تشریف لائیں گے تو ایکدن بھی حاضری ناغہ نہ ہوگی " ـــ یہ بات مجھے یاد تھی تو میں نے یہ دریافت کرنا چاہا کہ دیکھوں اور لوگ اسکے متعلق کیا کہتے ہیں ؟ کیونکہ مجھے بھی یہ پسند نہیں کہ ایک کام کو شروع کر کے اسکو ناتمام رہنے دیا جائے اسلئے مجھے آپ کی یہ بات بہت پسند ہوئی تھی اور میں بھی دل سے یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات کی زیادہ سے زیادہ خدمت کروں ، گو اسکا اہل تو نہیں تاہم آپ حضرات کی محبت وعقیدت کی وجہ سے اگر اللہ تعالےٰ مجھ سے ہی کوئی کام لے لیں تو کیا بعید ہے لیکن اس خدمت کے لئے میرا جسمانی قرب (کہ میں وہاں آؤں) نہ ضروری ہے نہ کچھ زیادہ مفید ہے ۔ ہاں روحانی قرب البتہ ضروری ہے جو الحمد للہ کہ میرے یہاں ہونے پر بھی آپ حضرات کو حاصل ہے ۔ بس کام کیجئے ۔

باقی وہاں آنے کا مجھے انکار بھی نہیں ہے مگر اسکے لئے ایک شرط ضرور ہے وہ یہ کہ میں یہ سمجھ لوں کہ یہاں کی عارضی غیر حاضری بھی یہاں کے کام کے لئے مضر اور مخل نہ ہوگی اسکا ضرور انتظار ہے کیونکہ ایک جگہ کا ہوتا ہوا کام خراب کر کے دوسری جگہ کا کام بنانا کیا مفید ہوگا لطف تو جب ہے کہ یہاں بھی کام ہوا اور وہاں بھی ۔

جس دن آپ حضرات کے خطوط آئے تھے اتفاق سے مولوی وصی الدین

صاحب ایسے وقت جا رہے تھے کہ موقع تحریری جواب کا نہ تھا چنانچہ میں نے ان سے کہدیا تھا کہ آپ ہی کو جواب بنا کر بھیجتا ہوں مگر دل اس زبانی جواب پر نہ مانا اسلئے آج یہ تحریر بھیج رہا ہوں اسکو سب حضرات کو سنا دیجئے اور یہ آپ کے مولوی عبدالحنان صاحب اور حکیم وصی احمد صاحب کے خطوط کا مشترک جواب ہے۔

حضرت مصلح الامۃؒ کے حالات گورکھپور کے سلسلہ میں راقم نے وہاں کے چند خاص خاص لوگوں کے حالات بیان کئے ہیں چنانچہ آخر میں محترمی مولوی شکیل احمد صاحب عباسی مدظلہٗ کی مکاتبت سے ناظرین کو اندازہ بھی ہوا ہوگا کہ حضرتؒ کا فیض گورکھپور میں کیسا کیسا پہونچا اور چند ماہ کے قیام نے وہاں بھی کیسے کیسے مخلص پیدا کئے چنانچہ ایک کثیر مخلوق کو حضرت والا کا فیض پہونچا جی چاہتا ہے کہ چند حضرات کے خطوط اور نقل کردوں جن سے حضرت والا کا افادہ اور حضرت کے الہ آباد چلے آنے پر وہاں کے لوگوں کے قلبی تاثرات کا اندازہ ہوتا ہے

(مکتوب بنام حضرت مصلح الامۃؒ)

حال: — نہایت ادب سے عرض ہے کہ جس وقت سے حضور والا کی تشریف آوری گورکھپور میں ہوئی اسی وقت سے یہ گنہگار خدمت والا میں حاضری کا شرف حاصل کر رہا ہے اور جو بیش بہا موتی آنحضرت اپنے وعظوں میں بکھیرتے ہیں چن چن کر لاتا ہوں اور حتی الوسع اس سے مستفید ہونے میں مشغول رہتا ہوں۔ احقر ان احکامات کی بجا آوری میں تسکین اور خوشی محسوس کرتا ہے اور خدا سے دعا کرتا ہے کہ اسی حالت کو تا زیست حضور کے طفیل سے قائم و برقرار رکھے۔
مجھے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضری سے دو فوائد روز حاصل ہوتے ہیں اول یہ کہ جتنی دیر نشست ہوتی ہے اتنی دیر عبادت میں گذرتا ہے۔ دوم یہ کہ نئی بات دین کی معلوم کر کے عمل کرنے کی گدگدی دل میں پیدا ہوتی ہے

بسا اوقات اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوتا ہوں کہ حضور والا کو مدت دراز تک ہم لوگوں میں قائم رکھے ۔ تحقیق : آمین ۔ میں اس دعا کا ممنون ہوں ۔

حال :۔ اکثر اس خیال سے بھی کانپ اٹھتا ہوں کہ حضرت ہم لوگوں کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کو نہ تجویز فرمائیں ۔

تحقیق :۔ یہ آپ کی محبت ہے ، محبت میں جدائی گوارا نہیں ہوتی

حال :۔ اور یہ دین کا چشمہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے گورکھپور میں جاری کر رکھا ہے کسی دوسری جگہ رجوع نہ ہو جائے ۔ میرا یہ خدشہ صحیح بھی ثابت ہوا لیکن خدا کا شکر ہے کہ اللہ رب العزت نے اس چشمۂ فیض کی روانی کو دوسرے شہر کی جانب رُخ کرنے سے روک دیا اور جناب ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کو (اللہ تعالیٰ انکو اجر عظیم عطا فرمائے) تیار کر دیا کہ وہ گورکھپور کو اسی چشمۂ دین سے سیراب ہونے میں مدد دیں ۔ یہ گورکھپور اور اہل گورکھپور کی خوش قسمتی ہے کہ ایسی ہستی جو ہندوستان میں نایاب ہے یہاں قیام پذیر ہے ۔

تحقیق :۔ میں آپ کی عقیدت و محبت سے بہت خوش ہوں اور دل سے دعا گو ہوں

حال :۔ میں حضور والا کی شفقت و محبت و عنایت کا تہ دل سے شکر گذار ہوں ، مجھکو حضرت نے کہاں سے کہاں پہونچا دیا جس کا احساس مجھی کو ہو سکتا ہے ۔

تحقیق : اور بھی نفع ہوگا

حال :۔ خداوند عالم کی یاد و اتباع سنت و احکامات شرعیہ کا ذوق و شوق ہر وقت دامنگیر رہتا ہے یہ سب حضور کی توجہ کا نتیجہ ہے ۔ تحقیق : اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ۔

حال : امید ہے کہ حضرت ایسے ہی خیال فرماتے رہیں گے اور اس گنہگار کو نجات کا راستہ دکھلاتے رہیں گے ۔ تحقیق : ضرور بالضرور

ایک اور طالب کا خط حضرت مصلح الامۃ کے نام

حال : حضرت والا کا قیام گورکھپور بیشک ایک نعمت عظمیٰ تھا جس کا احساس

...ہو رہا ہے۔
تحقیق: بیشک اب احساس آپ کو ہوا۔ قدر نعمت بعد زوال۔
حال: حضرت والا کے جانے کے بعد سے عمل میں کوتاہیاں ہو جایا کرتی ہیں جیسے مشعل راہ ہٹنے کے بعد سے راہ رو کو بھٹک پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر حضرت والا کی دعائیں شامل حال رہیں تو اس ناتواں بازوؤں میں قوت خداداد پیدا ہو سکتی ہے
تحقیق:۔ دعا کرتا ہوں
حال:۔ گذرے ہوئے حالات اور کیفیات اور شفقت جب یاد آتی ہے تو اضطرابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے حالانکہ یہ نعمت خلاف امید ملی تھی افسوس کہ ہم لوگوں نے قدر نہ کی، اب اللہ تعالیٰ ارشادعالیہ پر توفیق عمل کی عطا کرے۔
حال:۔ ڈیڑھ سال کے قیام گورکھپور میں حضرت والا نے شب و روز احکام خدا و رسول ہم لوگوں تک اتنا پہونچایا کہ اگر عمل کیا جائے تو کافی و وافی ہے تحقیق بیشک
حال:۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ جن باتوں کو سنا ہے اس پر عمل کی توفیق دیدیں دین کا کام کرتا ہوں اور کوتاہیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔
تحقیق: اللہ تعالیٰ کامیاب فرمائے۔
حال: ع شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا۔
ع۔ تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را
تحقیق: بھائی یہ کیوں لکھ رہے ہو۔ سود تو ہوا ہر شخص کو گو کامل نہ ہوا ہو — تو کامل جلدی ہو جاتا ہے؟

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت والا کو خط میں بہت سے لوگ یہ شعر لکھتے تھے جس سے مایوسی جھلکتی تھی اور پست ہمتی ٹپکتی تھی حضرت کو یہ مضمون لوگوں کا کبھی بھی پسند نہیں ہوا چنانچہ ان صاحب کو بھی ٹوکا کہ "بھائی یہ کیوں لکھتے ہو" ۔ مطلب یہ کہ جب سمجھتے ہو کہ کوئی رہبر کامل مل گیا ہے تو اب کس بات کا انتظار ہے اس سے نفع اٹھاؤ۔ باقی یہ جو اس قسم کی بات لکھتے ہو یہ نفس کا کید اور شیطان کی رہزنی ہے کہ وہ ہمت پست کر کے عمل سے باز رکھنا چاہتا ہے

۴۴ ہرچہ گیرد علتے علت شود

اہلِ یوروپ کے مضحکہ خیز اوقاف

ایک خاتون کا وقف نامہ کتوں کے نام

تمام امور خیر کی طرح وقف کی تجویز و تشکیل کا موجد بھی اسلام ہے جس نے سب سے پہلے گھر کو پہلا وقف قرار دیا اور اعلان فرمایا اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ہ (بلاشبہ روئے زمین میں سب سے پہلا خدا کا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا ہے وہ یہی جو مکہ میں بنایا گیا ہے جو کہ مبارک ہے اور جہاں والوں کیلئے سبب ہدایت ہے) اوقات کی تشریع اس عظیم الشان فائدے کے لئے ہوئی کہ جس وقت انسان دنیا سے رخصت ہو اور اسکے اعمال کا سلسلہ منقطع ہو جائے اسوقت بھی اسکا ثواب اس کو پہنچتا رہے۔ دنیا کی دوسری اقوام نے بھی اسکی نقلیں اتاریں اور اپنے معابد و مشاہد کے لئے اوقاف کئے۔ ان کے اجر و ثواب کے حاصل ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ تو ایک غور طلب مذہبی مسئلہ ہے لیکن اسکے مصارف تو معقول ہیں مگر یوروپ کے مزاجوں کی بے اعتدالی نے کچھ ایسی صورت پیدا کر لی ہے کہ اسے کوئی چیز موافق ہی نہیں آتی، وہاں وقف بھی کئے جاتے ہیں تو وہ بھی کتوں کے نام۔ ذیل کا واقعہ پڑھیئے اور عبرت حاصل کیجئے کہ جو لوگ وحی اور نور نبوت کا اتباع نہیں کرتے وہ کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور کس طرح ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جاتے ہیں۔

"پچھلے دنوں جب انگلستان کی مشہور دولت مند خاتون مسز ایم سی ویل بیمار ہوئی تو اس نے وصیت کی کہ اسکی تمام املاک و جائداد کتوں کو دیدی جائے۔ خاتون کے مرنے کے بعد اسکی وصیت کے مطابق اب اسکی تمام جائداد کے وارث کتے ہیں۔ اس جائداد سے کتوں کی پرورش ایک ٹرسٹ کے ماتحت جاری ہے۔" (اخبار دین و دنیا دہلی ہو جولائی ۱۹۳۵ء)

۵۔ امام شافعیؒ ہارون الرشید کے دربار میں

امام شافعیؒ نے طلب علم کے لیے ایک طویل سفر کیا جس کا مستقل سفرنامہ ان کے بعض تلامذہ نے بھی ضبط کیا ہے اس سفر کے سلسلہ میں بغداد بھی تشریف لے گئے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں جس وقت بغداد میں داخل ہوا تو قدم رکھتے ہی ایک غلام میرے ساتھ ہولیا اور نہایت تہذیب و متانت کے ساتھ مجھ سے پوچھا

"آپ کا نام کیا ہے"؟

میں نے کہا "محمد"

غلام نے والد کا نام دریافت کیا تو میں نے کہا "ادریس"

پھر اس نے نسب دریافت کیا تو میں نے کہا "شافعی"

غلام نے یہ سنکر کہا "آپ مطلبی ہیں؟" میں نے کہا کہ "ہاں"

غلام نے یہ سب سوال سنکر ایک تختی پر لکھ لئے جو اسکی آستین میں تھی اور اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا میں بغداد کی ایک مسجد میں جاکر ٹھہر گیا اور اس فکر میں تھا کہ غلام نے یہ تحقیق کیوں کی اور اسکا اثر کیا مرتب ہوتا ہے یہاں تک کہ جب آدھی رات گذر گئی تو مسجد کے دروازے پر زور سے دستک دی گئی جس سے سب اہل مسجد مرعوب ہوگئے دروازہ کھولا گیا تو کچھ لوگ مسجد میں داخل ہوئے اور ایک ایک آدمی کے چہرے کو غور سے دیکھتے پھرنے لگے یہاں تک کہ وہ میرے پاس آئے میں نے کہا فکر نہ کرو جس کو تم ڈھونڈھتے پھر رہے ہو وہ میں ہوں۔ انھوں نے کہا کہ امیرالمومنین (ہارون رشید) نے آپ کو یاد فرمایا ہے میں فوراً بلا کسی پس و پیش کے اٹھکر ساتھ ہولیا۔

میں نے امیرالمومنین کو دیکھا تو سنت کے مطابق سلام کیا۔ امیرالمومنین نے میرے طرز سلام کو پسند کیا اور محسوس کیا کہ درباری لوگ جو تکلفات میں سلام کرتے ہیں وہ خطا پر ہیں سلام مسنون یہی ہے۔ مجھے سلام کا جواب دیا اور کہا تزعم انک من بنی ھاشم (تم یہ زعم رکھتے ہو کہ میں بنی ہاشم میں سے ہوں) میں نے کہا امیرالمومنین

آپ لفظ زعم استعمال نہ کریں کیونکہ یہ لفظ قرآن میں جس جگہ بھی آیا ہے سب ہم باطل کے لئے آیا ہے۔ امیرالمومنین نے اس قول سے رجوع کر کے تقول (تم یہ کہتے رہو) کا لفظ استعمال کیا تب میں نے جواب دیا کہ "ہاں"

امیرالمومنین نے میرا نسب نامہ پوچھا میں نے اپنا پورا نسب نامہ سنا دیا جو حضرت آدم علیہ السلام تک مجھے یاد تھا امیرالمومنین نے کہا کہ اتنی فصاحت و بلاغت صرف بنی عبدالمطلب ہی میں ہو سکتی ہے۔ اسکے بعد فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو عہدۂ قضاء سپرد کر دوں اور اسکے عوض اپنی تمام سلطنت اور ذاتی جائداد کا نصف حصہ آپ کو دیدوں سب پر آپ کا اور میرا حکم قرارداد شرطوں کے مطابق چلے گا اور حکم کا ماخذ قرآن و حدیث اور اجماعِ امت ہوگا۔

میں نے کہا کہ امیرالمومنین اگر آپ یہ چاہیں کہ اس تمام مال و منال اور سلطنت و حکومت کے عوض میں محکمۂ قضاء کا صرف اتنا کام کر دیا کروں کہ صبح کو اسکا دروازہ کھول دوں اور شام کو بند کر دوں تو میں قیامت تک اسکے لئے بھی تیار نہ ہوں گا۔ ہارون رشید یہ جواب سنکر رونے لگے اور کہا کہ اچھا آپ ہمارا کچھ ہدیہ قبول فرمائیں گے میں نے عرض کیا کہ مضائقہ نہیں لیکن نقد ہونا چاہیئے وعدے نہ ہوں۔ امیرالمومنین نے میرے لئے ایک ہزار درہم کا حکم جاری فرمایا اور میں نے اسی مجلس میں اس پر قبضہ کر لیا جب دربار سے واپس ہوا تو وہاں کے حشم و خدم نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ اپنے انعام میں سے کچھ ہمیں بھی انعام دیجئے۔ چونکہ مجھ سے سوال کیا گیا تھا تو میری مروت نے اس سے کم پر قناعت نہ کی کہ جتنے آدمی بھی تھے سب پر کل مال برابر تقسیم کر لیا اور انمیں ایک حصہ اپنا بھی اسی قدر رکھا جتنا کہ ہر شخص کے حصہ میں آیا تھا۔

(ف) امت کے امام اور علمائے سلف کے حالات کو پڑھیئے اور انکی للٰہیت زہد و قناعت، امراء کے معاملہ میں خودداری، جس مال میں دین کا خطرہ ہوا اس سے اجتناب اور جو حلال طریق سے بغیر ذلت نفس کے ملے اسکی قدر وغیرہ کا سبق لیجئے۔

۴۶- علمائے سلف کے چند ملفوظاتِ حکمت

لوگوں سے اختلاط و اجتناب میں حکمِ معتدل حضرت اکیم بن صیفیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے انقباض و ترش روئی انکی عداوت کا سبب بن جاتی ہے اور ان سے انبساط اور اختلاط بُرے ہمنشینوں کو جمع کر دیتی ہے اسلئے انسان کو چاہیئے کہ انقباض و انبساط کے درمیان راستہ اختیار کرے۔ (تنبیہ المغترین للشعرانی ص۱۸)

اتباعِ سنت سب سے بڑا تقویٰ ہے ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ایک یہ اطلاع ملی کہ فلاں خطہ (والا کرب) سے جو کپڑے آتے ہیں ان میں نجاست کا استعمال کیا جاتا ہے۔ آپ نے ارادہ کیا کہ اسکی منادی کرا دی جاوے کہ لوگ یہ کپڑے استعمال نہ کریں۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین یہ کپڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی آتے تھے اور سب صحابہؓ پہنتے تھے اور خود سید الاتقیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی انکو زیب بدن فرماتے تھے حضرت فاروق اعظمؓ فوراً اس ارادہ سے رک گئے اور استغفار کیا اور فرمایا کہ اگر انکا ترک تقوی ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکو ہرگز استعمال نہ فرماتے۔ (تنبیہ المغترین ص۳)

ف : وجہ یہ ہے کہ اسلام نے جس طرح طہارت و پاکیزگی کی بہترین تعلیم فرمائی ہے اسی طرح شبہات اور اوہام سے بھی بچایا ہے محض اس خیال پر کہ ملک کے عام رواج کے مطابق اس کپڑے میں بھی نجاست ہوگی جو ہمارے ہاتھ میں آیا ہے اس پر نجاست کا حکم نہیں دیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ امام زین العابدینؒ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ میرے لئے ایک کپڑا تیار کرو جسکو بوقت قضاءِ حاجت (استنجاء) استعمال کیا کروں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ مکھیاں نجاست پر بیٹھتی ہیں پھر میرے کپڑوں پر آجاتی ہیں۔ صاحبزادہ نے کہا خوب فرمایا کہ والد محترم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا بلکہ آپؐ کا ایک کپڑا ہوتا تھا جس میں قضاء حاجت بھی فرماتے تھے اور اسی میں نماز بھی پڑھتے تھے۔ امام موصوف نے صاحبزادے

کی بات کی قدر کی اور اس خیال کو چھوڑ دیا۔

تواضع میں تکبر حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص مجمع میں اپنی مذمت بیان کرے اس نے درحقیقت اپنی مدح کی ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اسوقت لوگ اسکی مدح کرینگے اور یہ کید نفس ہے کہ لوگوں سے اپنی مدح کرا کے خوش ہونا چاہتا ہے جسکی سبیل یہ نکالی کہ خود اپنی مذمت کرنے لگے اور یہ علامات ریا میں سے ہے۔

جو چیز اپنے اختیار میں نہ ہو اسکا حقیقی علاج تفویض ہے تربیت اولاد کیلئے زریں اصول شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ میرے بیٹے عبدالرحمن کو ابتدا میں علم کا شوق نہ تھا میں اسکی وجہ سے بہت تنگدل اور پریشان رہتا تھا حق تعالیٰ نے میرے دل ڈالا کہ میں اس معاملہ کو حق تعالےٰ کے سپرد کر دوں میں نے ایسا ہی کیا اسی رات سے بفضل ایزدی اسکو علم کا شوق پیدا ہو گیا اور بغیر میرے کہنے کے خود تحصیل علم میں محنت کرنے لگا اور اپنے ہمسبقوں سے آگے بڑھ گیا۔ حق تعالےٰ نے مجھے ایک بڑی تکلیف سے راحت عطا فرمادی۔

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ

ما انفع لا ولا والعلماء والصالحین	معاملۂ تربیت میں علماء وصالحین کی اولاد کے لئے
من الدعاء لھم بظھر الغیب	کوئی چیز ایسی نافع نہیں جیسی پس پشت
مع تفویض امرھم الی اللہ تعالےٰ	ان کے لئے دعا کرنا اور ان کے معاملہ کو
(تنبیہ المغترین)	حق تعالےٰ کے سپرد کرنا ہے۔

تصحیح نیت کا اہتمام تصحیح اعمال سے مقدم ہے حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اہل جنت کا دخول جنت میں اور اہل جہنم کا جہنم میں ان کے اعمال کیوجہ سے ہوگا ہر فریق کا ہمیشہ کیلئے جنت یا دوزخ میں رہنا محض نیت پر مبنی ہوگا کیونکہ اہل جنت کی نیت یہ تھی کہ اگر وہ ہمیشہ دنیا میں رہتے تو اطاعت کرتے اور اہل دوزخ کی نیت یہ تھی کہ اگر زندہ رہتے تو کفر و شرک کرتے (تنبیہ ص۹)

کون سا عمل زیادہ ہے توراۃ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں جس عمل کو قبول کروں وہی عمل زیادہ ہے اور جس کو میں رد کر دوں وہ کم ہے اگرچہ دیکھنے میں بہت ہو۔ (تنبیہ ص۹)

تعلیم و وعظ کیسے آدمی کا حق ہے حضرت شداد بن حکیمؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص میں تین خصلتیں موجود ہوں وہ اسکا مستحق ہے کہ لوگوں کو وعظ و تعلیم کرے اور جس میں یہ نہ ہوں اسکو وعظ و تعلیم چھوڑ دینا چاہیئے۔ وہ تین خصلتیں یہ ہیں۔ ایک یہ کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائے تاکہ وہ اسکا شکر ادا کریں۔ دوسرے یہ کہ انکو انکے گناہ یاد دلائے تاکہ وہ توبہ کریں۔ تیسرے یہ کہ انکو شیطان کی عداوت پر متنبہ کرے تاکہ وہ اسکے کید سے محفوظ رہیں (تنبیہ ص۱۰)

عشق کیا چیز ہے؟

(حکماء ۔ اطبّاء ۔ صوفیا اور شعراء کے مقالات)

(از قلم حکمت رقم جناب حکیم محمد عمر صاحب طبیب دارالعلوم دیوبند)

عشق ایک ایسا عام لفظ ہے کہ ہر خاص و عام عالم و جاہل، صغیر و کبیر۔ سب کی زبانوں پر جاری ہے لیکن اسکی حقیقت ایک لاینحل معمے سے کم نہیں حکیم صاحب موصوف نے اسکے متعلق حکماء، اطباء، صوفیاء اور شعراء کے بیانات سے دلچسپ مقالہ لکھا ہے جو درج ذیل ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ قرآن شریف میں اس لفظ کا استعمال نہیں کیا گیا ذخیرۂ احادیث میں بھی بجز ایک ضعیف روایت کے جس کو خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لیا ہے اور کہیں نظر سے نہیں گذرا۔ اس بناء پر بعض علماء نے مطلقاً عشق کو مذموم قرار دیا ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ عشق افراط محبت کا نام ہے اور محبت جبکہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کے ساتھ ہو تو ایک فرض واجب ہے اور کسی محل مباح کے ساتھ ہو

تو مباح ہے۔ ایسی صورت میں اگر محبت کی حد سے تجاوز کر جاوے اور عشق کی حد تک پہونچ جاوے تو گو مطلوب فی الدین نہیں مگر معذور ہے۔ مذموم نہیں کہہ سکتے واللہ اعلم۔

(ارشادات نبوت وغیرہ)

ارشاد نبوی | الارواح جنود مجندۃ ما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف (مشکوٰۃ) حدیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ عشق و محبت کی اصل وہ روحانی تعلق ہے جو ازل سے ارواح کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔

فاروق اعظم رض | عشق عذاب کی ایک قسم ہے اور کوئی عقلمند اس بلا کو اپنے اوپر مسلط کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ عشق غیر اختیاری چیزوں میں سے نہیں ہے۔

(حکماء)

بقراط حکیم | العشق طمع یتولد فی القلب و یجتمع فیہ سواد من الحرص (عشق ایک طمع کا نام ہے جو قلب میں پیدا ہوتی ہے اور اس میں ایک حصہ حرص کا جمع ہو جاتا ہے۔ العشق ھوالا بتھاج بتصور حضرت ما والشوق حرکتہ (عشق کسی ذات کے خیال وصال پر خوش ہونے کا نام ہے اور شوق اسکی حرکت ہے)

ارسطو | العشق عمی الحس عن ادراک عیوب المحبوب (محبوب کے عیوب سے اندھا ہو جانے کا نام عشق ہے)

غیر معلوم حکیم | عشق اس خواہش کا نام ہے جو دل میں پیدا ہو کر اور پرورش پا کر قلب میں حرص کا بہت سا مواد جمع کر دیتی ہے اور جب کبھی یہ خواہش زیادہ ہو جاتی ہے تو عاشق اضطراب، حرص اور لالچ کے ہاتھوں بہت پریشان ہو جاتا ہے یہاں تک کہ یہ پریشانی رنج و قلق میں مبتلا کر دیتی ہے اور اسوقت سودا کی زیادتی یا صفرا کی شعلہ انگیزی سے خون کھولنے لگتا ہے۔ چونکہ سودا کی طبیعت میں یہ بات داخل ہے کہ قوت متفکرہ کو خراب کر دے اور قوت متفکرہ کی خرابی عقل کو ضائع کر دیتی ہے اس لئے

آخر کار فضول تمنائیں عاشق کو مجنون بنا کر چھوڑتی ہیں۔ جب عاشق اس حالت کو پہونچ جاتا ہے تو کبھی خودکشی کر لیتا ہے، کبھی رنج میں جان کھو دیتا ہے، کبھی حسن جاناں کی نظارہ بازی کرتے ہوئے خوشی کے مارے مر جاتا ہے کبھی اس طرح درد سے کراہتا ہے کہ روح سینہ میں گھٹ جاتی ہے

افلاطون | عشق حرارت غریزیہ کی اس قوت کا نام ہے جو شہوانی تخیل آفرینیوں اور خیالی تصویروں سے پیدا ہوتی ہے۔ اسکا نشو و نما فطری قویٰ کے سانچہ پر ہوتا ہے اور ہر ایک کو اسکی فطرت کے خلاف دوسرے رنگ کا لباس پہنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ نفسانی مرض اور جنون شوق ہو کر اتنا بیمار کر دیتا ہے کہ اسکی دوا صرف موت رہ جاتی ہے اور کچھ بھی نہیں۔

جالینوس | محبت روح کا ایک فعل ہے اور یہ روح اعضاء رئیسہ میں چھپی ہوئی ہے جب یہ فعل قوت اور کافی اثر پیدا کر لیتا ہے تو دل و دماغ اور جگر خراب ہو جاتے ہیں۔

فارابی | عشق نصف بیماریوں کا مجموعہ ہے اور نصف جنونوں کا اور وہ سب رنجوں سے بڑا رنج ہے۔ عشق بہ نسبت تمام امراض کے نصف کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ بالکل کھلی بات ہے اسلئے کہ روح لطیف ہے اور جسم کثیف۔ تمام بیماریاں جسم میں پیدا ہوتی ہیں اور محبت روح ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ لطیف کا لطیف میں پیوست ہو جانا جلد جلد اور طاقت کے ساتھ اثر جما لیتا ہے اور اسی کے قریب قریب لطیف کا کثیف میں سرایت کرنا ہے جیسے کہ بخار کا ہڈیوں میں بیٹھ جانا اسکے بعد کثیف کا کثیف میں اثر کرنے کا نمبر ہے مثلاً فالج کا کسی عضو پر گرنا۔

ابن خلکان | عشق موت کا ایک گھونٹ ہے اور بربادی کے باغوں میں ایک چھوٹا سا باغیچہ، محبت نظر آنے اور نہ آنے دونوں سے کہیں دور ہے۔ محبت چقماق جیسی چنگاری ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہے اگر چوٹ لگے تو چمک اٹھتی ہے اور نہ لگے تو چھپ جاتی ہے۔

چنانچہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی عمل کرے چاہے وہ کوٹھری در کوٹھری ستر کوٹھریوں کے اندر ہوا اور ہر کوٹھری میں لوہے کا قفل لگا ہو تب بھی اللہ تعالیٰ اس کو اسکے عمل کا لباس پہنا دیتے ہیں یہانتک کہ لوگوں کی زبانوں پر اسکے عمل کا ذکر آہی جاتا ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ یہ زیادتی عمل کیسے زبانوں پر آجاتی ہے؟ فرمایا کہ مومن کی تو دلی خواہش ہوتی ہی ہے کہ وہ اور زیادہ عمل کرے (مطلب یہ کہ کیا اور سوچا ہوا سب ہی زبانوں پر آجاتا ہے)۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جانتے ہو فاجر کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اللہ ورسولہ اعلم۔ آپؐ نے فرمایا کہ فاجر وہ ہے جو مرتا نہیں یہاں تک کہ اپنے کانوں سے ایسی باتیں سن نہیں لیتا جو اسے ناگوار ہوں۔ چنانچہ اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کوٹھری در کوٹھری ستر کوٹھریوں کے اندر کرے اور ہر کوٹھری پر لوہے کا قفل پڑا ہو تب بھی اللہ تعالےٰ اسکو اسکے عمل کی چادر پہنا دیتے ہیں یہاں تک کہ لوگوں کی زبانوں پر اسکا تذکرہ آجاتا ہے اور لوگ اسکو کچھ بڑھ چڑھ کر ہی بیان کرتے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہاں پر زیادتی کی کیا وجہ ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ فاجر بھی چاہتا ہے کہ اپنے فجور میں اور زیادتی کرے

حضرت عون بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں اہل خیر اور صلحاء میں باہم رواج تھا کہ وہ ایک دوسرے کو یہ تین باتیں لکھا کرتے تھے اور (اس طرح سے ایک دوسرے کی خیر خواہی، نصیحت، تبلیغ اور دینی یاد دہانی فرماتے تھے) پہلی چیز یہ لکھتے تھے کہ جو شخص اپنی آخرت کی فکر میں لگا تو اللہ تعالےٰ اسکے دنیوی امور میں اسکی کفایت فرما دیں گے (یعنی اسکو دنیا کی جانب سے بے فکر فرما دیں گے)۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو فیما بینہ وبین اللہ یعنی اپنے اور اللہ تعالےٰ کے درمیانی حالات کی اصلاح کرے گا تو اللہ تعالےٰ اسکے اور لوگوں کے درمیان پیش آنے والے معاملات کو بھی درست فرما دیں گے اور تیسری بات (اسلاف یہ لکھا کرتے تھے کہ) جس شخص نے اپنے باطن کی اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ اسکے ظاہر کو بھی درست فرما دیں گے۔ (سبحان اللہ یہ تھا انکا اخلاص اور اپنے بھائی مسلم کی دلی خیر خواہی اس سنت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے)

حضرت حاتم زاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کو کسی شخص کی ہلاکت منظور ہوتی ہے تو اسکو تین طرح سے سزا دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسکو علم سے نوازتے ہیں اور علماء جیسے عمل سے اسکو روک دیتے ہیں اور محروم کر دیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ صالحین کی صحبت کی اسے توفیق ہوتی ہے لیکن ان کے حقوق کی معرفت اس سے روک لیتے ہیں (جو اسکے لئے سبب ہلاکت بن جاتا ہے) تیسرے یہ کہ طاعت کا باب اس پر کھول دیتے ہیں چنانچہ خوب عبادت کرتا ہے مگر عمل میں اخلاص کو اس سے چھین لیتے ہیں (جسکی وجہ سے وہ عمل صرف تعب بدن اور جسد بے روح ہوکر رہ جاتا ہے)۔ فقیہ ابو اللیث ثمرقندی فرماتے ہیں کہ حاصل ان تمام کا یہ ہوا کہ اسکی نیت بری ہوتی ہے اور باطن خبیث ہوتا ہے اسلئے کہ اگر اسکی نیت صحیح ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسکو علم کے نفع یعنی عمل سے بھی نوازتے اور اخلاص فی العمل بھی اسکو نصیب ہوتا اور صالحین کی حرمت اور عظمت کی بھی اسے معرفت حاصل ہوتی

حضرت فقیہ ثمرقندی نے فرمایا کہ مجھ سے بعض ثقہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جبلہ یحصبیؒ سے یہ روایت بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں عبد الملک بن مروان کے ہمراہ ایک غزوہ میں شریک تھا ہمارے ساتھ ایک ایسا شخص ہولیا جو کہ ساری رات میں بہت تھوڑی دیر سوتا تھا (اور اکثر رات جاگتا تھا اور عبادت کرتا تھا) چند دن تک تو ہم کو اسکا پتہ ہی نہ چلا کہ یہ کون بزرگ ہیں بعد چندے ہمیں معلوم ہوا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں (پھر ہم نے ان سے کچھ سننا چاہا چنانچہ) انھوں نے جو بیان فرمایا ان کے منجملہ یہ حدیث بھی تھی کہ فرمایا کہ — ایک شخص نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کل بروز قیامت کس چیز کی وجہ سے نجات ہو سکے گی؟ آپؐ نے فرمایا اس طرح کہ تم خدا کو دھوکا نہ دو۔ اس نے عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دھوکا کیسے دے سکتے ہیں؟ فرمایا کہ اس طرح سے کہ تم اس کام کو کرو جسکا خدا نے حکم دیا ہے لیکن نیت خدا کی رضامندی کے سوا اور کچھ ہو۔ خبردار ریا سے بچنا اسلئے کہ وہ شرک (اصغر) ہے۔ اور ریاکار شخص کو قیامت کے دن سب لوگوں کے سامنے چار نام سے بلایا جائے گا کہا جائیگا کہ او کافر او فاجر او دھوکے باز او خسارہ میں پڑنے والے! تیرا عمل تباہ ہوا۔ تیرا اجر برباد ہوگیا۔ یہاں

آج میرے پاس تیرا کوئی حصہ نہیں ہے۔ جا جیکے لئے دنیا میں تو نے اسے دھوکے باز عمل کیا تھا اسی سے عوض بھی لے۔ حضرت جیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان صحابیؓ سے کہا کہ واقعی بتایئے آپ کو اس کا واسطہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے کہ آپ نے اس روایت کو بطور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ قسم ہے خدائے وحدہٗ لاشریک کی میں نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی مفہوم یہی تھا الفاظ میں ہو سکتا ہے کہ کوئی لفظ بدل گیا ہو تو وہ بھی غلطی سے بلا قصد کے ہوا ہوگا۔ پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکا دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ خداع کا معاملہ فرمائے گا (اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ)۔

فقیہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ اسکے عمل کا ثواب اسکو آخرت میں ملے تو اسکو چاہیئے کہ اپنے عمل کو اخلاص سے مزین کرے یعنی خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کرے اور اسکو کر کے بھول جائے تاکہ اسکو عجب نہ خراب کر دے اسلئے کہ کہا جاتا ہے کہ طاعت کی حفاظت اسکے کرنے سے زیادہ دشوار ہوتی ہے۔ حضرت ابو بکر واسطی فرماتے ہیں کہ اسلئے کہ عمل کی مثال شیشے کی سی ہے کہ ذرا سی ٹھیس لگی نہیں کہ ٹوٹا نہیں اور جب ٹوٹ گیا تو پھر جڑنے سے رہا یہی حال عمل کا ہے کہ اس کی ریا سے ٹکر ہو جائے تو بس ٹوٹ جائے یا عجب سے ٹکرا جائے تو ٹوٹ جائے۔

اگر کوئی شخص کسی عمل کو کرنا چاہے اور اپنے نفس کی جانب سے اسکو ریا کا اندیشہ ہو تو اگر وہ اس پر قدرت رکھتا ہو کہ اسکو اپنے قلب سے نکال دے تو اسکی کوشش کرے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو بھی عمل کرے محض ریا کے خوف سے عمل نہ ترک کر دے اور بعد میں اپنی ریاکاری کے لئے اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کر لے شاید کہ اللہ تعالیٰ اسکو اسکی برکت سے دوسرے عمل میں اخلاص کی بھی توفیق عطا فرمادے چنانچہ مثال کے طور پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہ دنیا ہی خراب و برباد ہو گئی ہے جب سے کہ ریاکار لوگ مر گئے ہیں اسلئے کہ وہ لوگ نام کے لئے بہت اچھے اچھے کام کرتے تھے

مثلاً مسافر خانوں کا بنانا یا پل و مسجد کی تعمیر کرانا کہ لوگوں کو اس سے نفع ہوتا تھا اور آرام ملتا تھا اگرچہ وہ ریاکاری ہی کے طور پر یہ سب کرتے ہوں۔ ہوسکتا تھا کہ کسی اللہ والے کی دعاء سے انکو نفع پہونچ جاتا۔ جیسا کہ بعض متقدمین سے مروی ہے کہ ایک شخص نے مسافر خانہ بنوایا اور اپنے دل میں کہا کہ دیکھنا چاہیئے کہ میرا یہ عمل خدا کے لئے بھی ہوا ہے یا نہیں؟ پس ایک آنیوالا خواب میں آیا اور اس سے کہا کہ بھائی اگر تمھارا یہ عمل اللہ تعالےٰ کے لئے نہ بھی ہوا ہوگا تو مسلمانوں کی دعاء (جو اس راحت اٹھانے کے بعد) تمھارے لئے ہوگی وہ تو اخلاص سے ہوگی اور خدا کے لئے ہوگی (اس راہ سے نہ سہی تم اس راہ سے کامیاب ہوجاؤگے) یہ سنکر اسکو اطمینان ہوگیا اور اس کو مسرت ہوئی۔ ایک شخص نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے سامنے زور سے کہا کہ اے اللہ! منافقین کو ہلاک و برباد کر دے۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ میاں کیا کہتے ہو؟ اگر یہ منافقین سب کے سب ہلاک ہوجائیں تو تم اپنے دشمن سے جیت نہ سکوگے مطلب یہ کہ پھر جہاد کون کرے گا اور دشمنوں سے کون لڑے گا (یہ ختم ہوجائیں گے تو مخلص کتنے رہ ہی جائینگے انھیں سے دنیا آباد ہے) حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے کہ (مؤمنین و منافقین میں تو چولی دامن کا ساتھ ہے ایک کو دوسرے سے مفر نہیں۔ باقی ہوگا یہ کہ) اللہ تعالےٰ مؤمنین کو تقویت پہونچائیں گے منافقین کی قوت کے ذریعہ اور منافقین کی نصرت فرمائینگے مؤمنین کی دعاؤں سے) فقیہ ابوالیلیثؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں باہم فرائض کی بات نکلی (کہ اس میں بھی ریاء ہوتی ہے یا نہیں چنانچہ) بعض حضرات نے فرمایا کہ فرائض میں ریاء ہوتی ہی نہیں اسلئے کہ وہ تو تمام ہی مخلوق پر فرض ہوتی ہے تو جو شخص خدا کا فریضہ ادا کر رہا ہو تو اس میں وہ ریاکاری کیا کرے گا۔ اور بعض حضرات کی رائے یہ تھی کہ نہیں فرائض میں بھی ریا ہوسکتی ہے جس طرح سے کہ غیر فرائض میں ہوا کرتی ہے۔

فقیہ ابوالیلیثؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ فرائض کو لوگوں کو دکھلانے کے لئے ادا کرتا ہو اس طور پر کہ اگر لوگ نہ دیکھتے ہوں تو اسکو ادا ہی نہ کرے پس یہ شخص تو پورا منافق ہے اور ان لوگوں میں سے ہے جنکے متعلق

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ منافق لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے یعنی ھاویہ میں ہوں گے اور آل فرعون کے ساتھ ہوں گے کیونکہ اگر اسکی توحید خالص ہوتی تو لوگوں کا دیکھنا یا نہ دیکھنا اس کو ادائے فرض سے مانع نہ ہوتا۔ اور اگر فرائض کو تو بہرحال ادا کرتا ہے مگر یہ کہ لوگوں کے سامنے ذرا اچھی طرح اور ٹھیک ٹھیک سے ادا کرتا ہے اور اگر اسکو کوئی نہ دیکھے (تنہائی میں ہو) تو ناقص ادا کرے تو اسکے لئے ناقص ہی کا ثواب ملے گا اور اس زیادتی کا (جو مخلوق کی خاطر کیا ہے) ثواب نہ ملے گا اور قیامت میں اس فرق کا سوال ہوگا اور اس سے حساب لیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ﮯﮧ ——— راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھئے علامہ ابو اللیث سمرقندیؒ نے بھی اخلاص کی بحث میں نفاق کی بحث کو شامل فرمایا ہے اس سے ہمارے شیخ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری ثم الہ آبادیؒ خلیفہ ارشد حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانویؒ کے طریقہ تعلیم کی تائید ہوتی ہے کہ ہمارے حضرت بھی اخلاص پر گفتگو فرماتے ہوئے نفاق پر ضرور گفتگو فرماتے تھے اور ایسی فرماتے تھے کہ منافق کی دھجیاں اڑا دیتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہی اخلاص اور نفاق کی بحث میری ساری عمر کی کمائی ہے۔ چنانچہ نفاق کی ایسی اور اتنی تفصیلی بحث فرمائی کہ اتنی وضاحت کے ساتھ یکجا گفتگو متقدمین کے یہاں بھی شاید مشکل ہی سے مل سکے گی اور اس شدت کے ساتھ اس پر بحث فرمائی کہ علمائے زمانہ میں سے بہت سے حضرات کو حضرت اقدسؒ کا ارشاد گراں گذرا۔ حضرت نے آج عوام کا مرض اسی نفاق کو فرمایا اور ان کے لئے وصیۃ الاحسان تالیف فرمائی اور بڑے رنج اور افسوس کے ساتھ فرمایا کہ حد یہ ہوگئی کہ آج علماء بھی اس سے بری نہیں ہیں الا ماشاء اللہ ان کے لئے تحذیر العلماء عن خصال السفہاء تالیف فرمائی جس میں قرآن و حدیث سے نفاق کی قباحت اور شناعت اور روح المعانی، احیاء العلوم، الفوز الکبیر اور تفہیمات الٰہیہ وغیرہ سے نفاق کے وجود اور اسکی اقسام، نفاق اصلی یا خالص اور نفاق عملی کے اثبات پر خوب خوب بحث فرمائی ایسی کہ علماء دم بخود رہ گئے۔ اور اہل سعادت نے حضرتؒ کی اس خدمت کو

باب دوم

(موت کی گھبراہٹ، پریشانی اور اسکی شدت کا بیان)

حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو محبوب رکھتا ہے (تو اللہ تعالیٰ بھی اسکی ملاقات کو محبوب رکھتے ہیں) مؤمن کے محبت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب اس پر نزع کا عالم طاری ہو جائے گا جس میں کہ توبہ قبول نہیں ہوتی (یعنی بالکل اسکا آخری وقت ہو جائے گا) تو اسکو اللہ تعالیٰ کی جنت اور اسکی رضا کی بشارت دی جائیگی پس اسوقت وہ ان چیزوں سے ملاقات کے لئے بیقرار ہو کر (اسکا جو

بہت سراہا اور پسند کیا۔ اہل توفیق نے اپنے حالات میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ سے توبہ اور انکی جانب انابت فرمائی۔ یہ مقام تفصیل کا نہیں تاہم چند اقتباسات حضرت اقدس کی تالیفات سے اخذ کر کے پیش خدمت ہیں مثلاً یہ کہ:۔

فرمایا کہ — احیاء العلوم میں ہے کہ نفاق کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک تو دین و ایمان سے انسان کو بالکلیہ خارج کر کے کافروں کے ساتھ ملحق کر دیتی ہے اور ان لوگوں کے زمرہ میں انکو داخل کر دیتی ہے جن کا انجام ابدالآباد جہنم ہے اور دوسری قسم اپنے سے متصف ہونے والے کو ایک مدت کے لئے جہنم رسید کر دیتی ہے اور علیین کے درجہ سے اسکو کم اور صدیقین کے مرتبہ سے اسکو محروم بنا دیتی ہے — نیز فرمایا کہ — حجۃ اللہ البالغہ میں ہے کہ ایمان کے پہلے معنی یعنی جسکے اوپر دنیوی احکام کا دار و مدار ہوا اسکا مقابل تو کفر ہے اور دوسرے معنی (جس کے اوپر اخروی احکام کا مدار ہے) اسکے مقابل کی تفصیل یہ ہے کہ اگر تصدیق قلبی نہ حاصل ہو انقیاد ظاہری محض تلوار سے ہو تو یہ نفاق اصلی ہے اور اس قسم کا نفاق رکھنے والا منافق اور کھلم کھلا کافر دونوں عذاب آخرت میں برابر ہیں بلکہ منافقین تو جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ہونگے

فدیہ ہے یعنی موت اسکی) تمنا کرے گا اور اسوقت موت اسکو انتہائی محبوب ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ کو بھی اس سے ملنا محبوب ہو جائے گا۔ یعنی وہ اس پر اپنے فضل کا افاضہ فرمائے گا اور بےشمار بخششوں کی بارشں فرمائے گا۔ (اللہ تعالیٰ کی محبت کے یہ معنی اسلئے بیان کئے گئے کہ محبت کے معنی علماء کی تفسیر کی رو سے کسی کی جانب میلان کے ہیں اور اللہ تعالیٰ چونکہ نفس سے پاک ہیں اسلئے یہ معنی آپ کے شایان شان نہیں تھے لہٰذا اسکو محبت کی جو غایت ہوتی ہے یعنی جود و سخا اس پر حمل کیا گیا۔

اسی طرح سے جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اسکی ملاقات کو ناپسند فرمائیں گے (اسکی صورت یہ ہوگی کہ) کافر جب مرنے

(بقیہ حاشیہ[۲]) اور اگر تصدیق قلبی تو حاصل ہے لیکن جوارح کا وظیفہ یعنی اعمال کا فوت کرنیوالا ہے تو ایسے شخص کو فاسق کہا جاتا ہے اور اگر تصدیق کے ساتھ ساتھ قلب کا وظیفہ یعنی خشوع وغیرہ کا فوت کرنیوالا ہے تو یہ بھی ایک قسم کا نفاق ہے اور اسی کو بعض سلف نے نفاق عملی فرمایا ہے (اور ایسے متصف شخص کو منافق عملاً کہا جاتا ہے)۔

فرمایا کہ — حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں ہیں جس شخص میں وہ سب کی سب ہونگی وہ خالص منافق ہے اور جس کسی میں کوئی ایک خصلت ہوگی اسمیں نفاق کی ایک خصلت ہوگی تا آنکہ اسکو ترک کردے۔ (وہ چار چیزیں یہ ہیں) جب اسکے پاس کوئی شے امانت رکھی جائے تو خیانت کرے اور جب کوئی بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو توڑ ڈالے۔ اور جب جھگڑا کرے تو فحش کلامی پر اتر آئے۔ علامہ نووی رح فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو علماء کی ایک جماعت نے مشکل شمار کیا ہے اسلئے کہ جن خصائل کا اسمیں بیان ہے وہ تو ایک ایسے مسلم میں بھی پائی جاتی ہیں کہ اسکے کافر ہونے پر سب کا اتفاق ہوتا ہے۔ پھر خود ہی کہا کہ مگر اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں ہے اسکے معنی بالکل صحیح ہیں اور وہ یہ ہیں کہ یہ خصلتیں نفاق کی خصلتیں ہیں اور جو شخص ان سے متصف ہے وہ اپنے اندر ان خصال کے پائے جانے میں منافقین کے مشابہ ہے اور انکی صفات سے متصف ہے۔ صاحب فتح الباری فرماتے

کے قریب ان تکالیف اور عذاب کا مشاہدہ کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے تیار فرما رکھا ہے تو وہ اپنی گمراہی اور اس روز بد سے ملاقات پر روئے گا اور اللہ تعالےٰ سے ملاقات کا جو ذریعہ ہے یعنی موت اسکو ناپسند اور مکروہ جاننے لگا تو اللہ تعالےٰ بھی اسکا منہ دیکھنا پسند نہ فرمائیں گے یعنی اپنی رحمت سے اسکو دور کر دیں گے اور اس کے لئے نقمہ کا ارادہ فرمائیں گے۔ یہاں بھی کراہت کے وہ معنی نہ ہوں گے جو مخلوق کے اعتبار سے ہوتے ہیں یعنی کسی شے کا تکلیف دہ ہونا اور انسان کا اسکی وجہ سے مشقت میں پڑ جانا کیونکہ اس مشقت اور تکلیف کی نسبت حق تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص۴۳) ہیں کہ حاصل اس جواب کا یہ ہوا کہ اس شخص کو جو منافق کہا جا رہا ہے تسمیۃ علی المجاز کے قبیل سے ہے یعنی ان خصلتوں سے متصف شخص مثل منافق ہے نہ کہ عین منافق۔ اور ایک جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ مراد نفاق سے نفاق عملی ہے

فرمایا کہ — مسند امام احمد میں حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قلوب کی چار قسمیں ہیں۔ ایک قلب اجرد ہوتا ہے یعنی غل وغش سے پاک وصاف جس میں چراغ جیسی کوئی چیز روشن ہوتی ہے۔ دوسرا قلب اغلف یعنی غلاف سے ڈھکا ہوا۔ اور ایک قلب ہوتا ہے منکوس اور چوتھا قلب ہے مصفح — اب سنو قلب آجرد تو مومن کا قلب ہے اور اسکے اندر کا چراغ اسکا نور ایمان ہے۔ قلب اغلف کافر کا قلب ہے جو کہ کفر کے غلاف میں ڈھکا ہوا ہے۔ قلب منکوس تو یہ منافق کا قلب ہے کہ اس نے حق کو اختیار کر کے پھر اسکا انکار کر دیا۔ اور قلب مصفح وہ قلب ہے کہ جسمیں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی۔

اخلاص کے حصول کا طریقہ : فرمایا کہ طریقہ یہ ہے کہ اہل اخلاص سے اسکو حاصل کیا جاوے ان سے تعلق قائم کیا جائے اور انکے اقوال واحوال کو برابر پیش نظر رکھا جائے۔ انکی صحبت میں کچھ دنوں رہا جائے۔ ناممکن ہے کہ عزم کے بعد اسکا کوئی حصہ نصیب نہ ہو۔ اہل اللہ کی صحبت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے اور صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کو اپنا وظیفہ بنانا چاہیئے۔ اللّٰھم طھر قلبی من النفاق وعملی من الریاء ولسانی من الکذب وعینی من الخیانۃ۔ اے اللہ میرے قلب کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا سے۔ میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک فرما دیجئے۔ انتہیٰ۔

زبان ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص متواضع ہے یا متکبر ہے، قانع ہے یا حریص ہے عاقل ہے یا احمق، دشمن یا دوست، خیرخواہ ہے یا بدخواہ۔ بخلاف ہاتھ پاؤں کے سب میں شبہ ہو سکتا ہے ایک ہی طرح فعل ہاتھ پاؤں سے دوست دشمن سے صادر ہو سکتا ہے۔ مثلاً قتل واقع ہوا تو اس سے یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ یہ قاتل دشمن ہی تھا ممکن ہے دوست ہو اور وہ کسی اور کو قتل کرنا چاہتا ہو اور ہاتھ چوک گیا ہو۔ چنانچہ ایک جگہ کا واقعہ ہے کہ ایک بھائی نے بندوق چلائی اور دوسرے بھائی کے آنکھ میں چھرہ لگا۔ اسی طرح مار پیٹ کبھی عداوت سے ہوتی ہے کبھی تادیب کے لئے ہوتی ہے۔ غرض ایک شق متعین کرنے کے لئے خارجی قرائن کی ضرورت ہوتی ہے بخلاف لسان کے کہ یہ پوری نائب ہے قلب کی۔ چوتھا تفاوت یہ ہے کہ تعلقات دو قسم کے ہیں ایک اپنے نفس کے ساتھ دوسرے غیروں کے ساتھ غیروں کے ساتھ جو تعلق اخوت، محبت، عداوت کا ہوگا وہ بدولت زبان کے ہوگا اور ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ میں ہمکو دوسروں کی امداد کی ضرورت ہے بغیر دوسروں کی امداد کے ہم ایک رکعت تک نہیں پڑھ سکتے اسلئے کہ نماز کا طریقہ ہمکو کسی نے بتلایا ہوگا جب ہم نماز پڑھتے ہیں۔ قرآن شریف کسی نے پڑھایا اسلئے ہم پڑھتے ہیں۔ روزہ کی فرضیت اور اسکی تاکید اور اسکی ماہیت کسی نے بتائی اسلئے روزہ رکھتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس تمام اعمال صالحہ ان بتلانے سکھلانے والوں نے بلا تعلق تو بتلایا نہیں اور وہ تعلق پیدا ہوا ہے لسان سے اور نیز تعلیم بھی ہمکو بذریعہ لسان کی گئی تو اس اعتبار سے لسان کو تمام اعمال صالحہ میں دخل ہوا گویا یہ تمام اعمال صالحہ بدولت لسان ہی کے ہم سے صادر ہوتے ہیں جبکہ دیگر جوارح اور لسان میں اسقدر تفاوت ہوئے اور لسان ہی کو اعمال صالحہ کے وجود میں ایک دخل عظیم ہوا اس لئے حق تعالیٰ شانہ نے اسکو ایک مستقل جزو طریقہ اصلاح کا بنادیا اگرچہ تقویٰ سے جو درستگی ہوگی درستی لسان بھی اسکا فرد عظیم ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ذمہ دو کام ہوئے ایک خدا کا خوف دوسرے زبان کی اصلاح ان دونوں کے جمع ہونے سے آئندہ کے لئے اعمال کی

اصلاح ہوگی اور گذشتہ گناہ محو ہوجاویں گے۔

۶۸۔ اصلاح اعمال میں ہمکو اپنے اوپر نظر نہ ہونا چاہیے

اور یصلح کی نسبت جو اپنی طرف فرمائی حالانکہ بظاہر اصلاح اعمال کام عبد کا ہے تو وجہ اسکی یہ اشارہ ہے کہ ہمکو اپنے اوپر نظر نہ ہونا چاہیئے اور یہ نہ سمجھیں کہ یہ کام ہم نے کیا ہے۔ اسلئے فرماتے ہیں کہ نازمت کرو جو کچھ کرتے ہیں ہم کرتے ہیں۔ اور اگر ہمارے اختیار میں بھی ہے تو یہ ہے کہ مثلاً ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن پوری درستی جو مفہوم ہے یصلح کا یعنی یہ کہ جیسے چاہیئے اس طرح کی نماز پڑھنا اور قلب کا اس میں حاضر ہوجانا یہ سب خدا کی طرف سے ہے اور اس نسبت میں ایک اور لطیف نکتہ ہے وہ یہ کہ گویا فرماتے ہیں کہ یہ اعمال تو تم نے کرلئے لیکن ہم اسکی اصلاح کراکے فرشتوں کی معرفت پیش کرا دینگے جیسے بچہ سے کہا کرتے ہیں کہ یہ شئے اٹھالاؤ اور وہ اٹھا نہیں سکتا تو خود اٹھاتے ہیں اور اسکا ہاتھ بھی لگوا لیتے ہیں اور اٹھانے کی نسبت اسکی طرف کرتے ہیں اور اسپر انعام بھی دیتے ہیں۔ ایسے ہی ہمارا نماز روزہ ہے کہ خود توفیق دیتے ہیں خود رکھواتے ہیں اور خود ہی انعام عطا فرماتے ہیں۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت ہے اور دوسری شئے جو اتقو اللہ پر مرتب فرمائی ویغفر لکم ذنوبکم ہے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بجائے یغفر لکم ذنوبکم کے یجنبکم ذنوبکم فرماتے یعنی تمکو گناہوں سے بچالیں گے یہ نہیں فرمایا اسلئے کہ گناہوں سے بچانا تو یصلح لکم میں آچکا ہے ذنوب ماضیہ باقی تھی انکی نسبت فرمایا کہ انکی بھی فکر نہ کرو انکو بھی اللہ تعالیٰ محو فرما دینگے۔

۶۹۔ تحصیلِ خوف کا نہایت عمدہ طریقہ

اب میں آپ کو خوف (کہ جس سے تمام اعمال درست ہوجاتے ہیں) اسکے حاصل ہونیکا طریقہ بتاتا ہوں اور وہ طریقہ گویا ایک گر ہے اور وہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ وہ بھی حق تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے وہ یہ ہے وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ

یعنی فکر آخرت کیا کرو اور فکر آخرت کا طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کر لو مثلاً سوتے وقت روزمرہ بلا ناغہ بیٹھکر سوچا کرو کہ معاد کیا ہے اور مرکر ہم کو کیا پیش آنیوالا ہے۔ مرنے سے لیکر جنت میں داخل ہونے تک جو واقعات ہونے والے ہیں سب کو سوچا کرو کہ ایک دن وہ آئے گا کہ میرا اس دار فانی سے کوچ ہوگا سب سامان مال واسباب و باغ، نوکر چاکر، اولاد بیٹا بیٹی، ماں باپ بھائی خویش اقارب، دوست دشمن سب یہیں رہ جاوینگے میں تن تنہا سب کو چھوڑکر قبر کے گڑھے میں جالیٹوں گا اور وہاں دو فرشتے آویں گے اگر میرے دن بھلے ہیں تو اچھی صورت میں ورنہ خدانخواستہ ڈراؤنی صورت میں نہایت ہولناک آواز سے آکر سوالات کریں گے۔ پس اے نفس اسوقت کوئی تیرا مددگار نہ ہوگا تیرے اعمال ہی وہاں کام آویں گے۔ اگر سوالات کے جوابات درست ہوں گے تو سبحان اللہ جنت کی طرف کھڑکی کھل جاوے گی اور اگر خدانخواستہ امتحان میں ناکام رہا تو قبر حفرۃ من النار ہوگی اسکے بعد تو قبر سے اٹھایا جاویگا اور نامۂ اعمال اڑا دیے جاویں گے۔ حساب کتاب کے لئے پیش کیا جاویگا۔ پل صراط پر چلنا ہوگا۔ اے نفس تو کس دھوکے میں ہے اور ان سب پر تیرا ایمان ہے اور یقیناً جانتا ہے کہ یہ ہوکر رہیں گے پھر کیوں غفلت ہے اور کس وجہ سے گناہوں کے اندر دلیری ہے کیا دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے؟ اے نفس تو ہی اپنا غمخوار بن اگر تو اپنی غمخواری نہ کریگا تو تجھ سے زیادہ کون تیرا خیرخواہ ہوگا اسی طرح گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ روز ان واقعات کو تفصیل سے سوچا کرے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ انشاء اللہ چند ہی روز کے بعد دیکھو گے کہ خوف پیدا ہو گیا اور خوف پیدا ہونے کے بعد آپ کو ماضی سے توبہ کی فکر ہوگی اور آئندہ کیلئے اطاعت کی توفیق ہوگی اسوقت آپکو مشاہدہ ہوگا لاتقوا اللہ پر کیسے اصلاح اعمال و مغفرت ذنوب مرتب ہوگئے۔

۷۔ اطاعت کاملہ کا محبت پر موقوف ہونا اور محبت کے پیدا کرنے کا طریقہ

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا یعنی جو شخص اللہ و رسول

اطاعت کرے وہ بیشک بڑی کامیابی کو پہونچا یعنی میں اشارہ ہے کہ جو شخص خوشی سے کہنا مانے اسلئے کہ یہ طوع سے مشتق ہے اور خوشی سے کہنا ماننا بغیر اللہ و رسول کی محبت کے نہیں ہوتا اور اللہ کی محبت حاصل ہونے کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا ہے اسکے لئے بھی ایک وقت مقرر کرکے سوچا کرو کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کسقدر نعمتیں ہیں چند روز کے بعد آپ کو مشاہدہ ہوگا کہ ہم سرتاسر عنایتوں اور نعمتوں میں غرق ہیں اس سے آپ کے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت اور اپنی ناکارگی اور تقصیر جاگزیں ہوگی۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ یطع کا تعلق آپ سے بھی ہے آپ سے محبت کا طریقہ بھی یہی ہے کہ حضورؐ نے ہمارے لئے مشقتیں اٹھائیں اور اپنی امت پر شفقت فرمائی اسکو سوچا کرو جب محبت پیدا ہوگی اطاعت خوشی سے ہوگی۔ ادھر محبت ہوگی اور پہلے جو طریقہ بیان کیا ہے اس سے خوف ہوگا یہ دونوں شئے آپ کے دین و دنیا دونوں درست کردیں گے اور بڑی کامیابی سے مراد یہی ہے

۱۷۔ عالم غیب کی وسعت اور اسکے کشف سے اسکا اشتیاق اور عدم کشف کا موجب نقصان نہ ہونا

عالم غیب میں اسقدر وسعت ہے کہ عالم دنیا اس سے وہ نسبت رکھتا ہے جو سوئی پر لگا ہوا ایک قطرہ سمندر سے نسبت رکھتا ہے یعنی یہ عالم دنیا اسکے سامنے مثل ایک قطرہ کے ہے اور وہ اسکے اعتبار سے مثل سمندر کے ہے۔ اہل کشف نے لکھا ہے دونوں عالموں میں وہی نسبت ہے جو کہ رحم مادر اور عالم دنیا میں ہے۔ بچہ اول رحم مادر میں رہتا ہے اور اسکے لئے وہ ایک عالم ہوتا ہے اور اس سے اسقدر مانوس ہوتا ہے کہ اگر شاید وہاں سے اسکی رائے لیکر عالم دنیا میں لایا جائے تو وہ کبھی گوارا نہ کرے اور مچل جاوے لیکن اگر اسی کو کسی طرح وہاں سے نکال لیا جاوے جیسا کہ اسی طرح لایا جاتا ہے اور عالم دنیا میں وہ یہاں کی رونق اور چہل پہل دیکھ

آبادی اور اس معمورۂ دنیا کو دیکھے تو عالم رحم اسکو بالکل ہیچ اور عدم معلوم ہونے لگے۔ اسی طرح اہل دنیا جو کہ اس عالم میں محبوس اور اسیر ہیں جنھوں نے آنکھ کھولنے کے وقت سے آنکھ بند کرنے تک اسکے سوا اور کسی عالم کو دیکھا ہی نہیں جب انسے اس عالم کو چھوڑ دینے اور دوسرے عالم میں چلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو سخت پریشان ہوتے ہیں۔ انکا دل مضطرب ہوتا ہے اور وہ کسی طرح اس عالم کی جدائی گوارا نہیں کرتے۔ ہاں وہ لوگ جنکو خدا تعالےٰ نے عیناً یا ذوقاً علم سکا شفہ دیا ہے اور وہ اس عالم کو مشاہدہ کر چکے ہیں اور انکو اسکی جدائی کا نہ قلق ہوتا ہے نہ وہ اس سے گھبراتے ہیں بلکہ وہ اس عالم سے انتقال کے متمنی اور آرزو مند رہتے ہیں۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ پہلے لوگوں کے مقابلہ میں یہ لوگ زیادہ مقبول اور صاحب کمال ہیں اسواسطے کہ ان کی فضیلت یا تو اشتیاق کی وجہ سے ہو سکتی ہے یا کشف کی وجہ سے سو اشتیاق کی وجہ سے تو اسلئے یہ صاحب فضیلت نہیں کہ جب عالم غیب اور اسکے نعم ولذائذ کو دیکھ چکے ہیں پھر اسکی طرف رغبت کرنا اور اسکا مشتاق ہونا کیا کمال کی بات ہے۔ خوشنما باغیچہ کو جو شخص دیکھے گا سیر کا متمنی ہوگا۔ اور کشف کی وجہ سے اس لئے صاحب فضیلت نہیں کہ کشف دلیل بزرگی اور مقبولیت کی نہیں اسکی بنا محض مجاہدہ اور کثرت ریاضت پر ہے۔ اکثر ہنود کو بھی ہونے لگتا ہے اور مرنے کے بعد تو سب ہی کو ہوگا البتہ اہل کشف کو اس اعتبار سے ضرور فضیلت ہے کہ دنیا میں رہکر جو ذوق ان کو حاصل ہے دوسروں کو نہیں۔

۷۲۔ کشف نہونے کی صورت میں عمل کا زیادہ موجب کمال ہونا

اور کشف کی حقیقت (یعنی تحقیق) معلوم ہو جانے سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ بعض ناواقف لوگ جو کشف کے درپے ہوتے ہیں اور اسکو بڑی چیز سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کشف نہ ہونے کی صورت میں اگر عمل ہو تو وہ زیادہ کمال کی بات ہے۔ چنانچہ خداوند جل وعلا جائے مدح میں فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیۡنَ

یُؤمِنُونَ بِالْغَیْبِ دہ وکر یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا ۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا ای الخلق اعجبھم ایماناً یعنی تمام خلق میں سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے ؟ صحابہ رضؓ نے عرض کیا الملائکۃ یا رسول اللہ یعنی فرشتوں کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے آپؐ نے فرمایا ان کے ایمان نہ لانے کی کیا وجہ ہوتی ؟ جبکہ ہروقت کلام و احکام سے مشرف ہوتے ہیں۔ صحابہ نے کہا کہ پھر انبیاء علیہم السلام کا۔ آپ نے فرمایا کہ بھلا وہ کیوں ایمان نہ لاتے ہروقت تو ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ صحابہ نے فرمایا کہ پھر ہمارا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم کیوں نہ ایمان لاتے ہروقت مجھے دیکھتے ہو مجھ سے سنتے ہو۔ آخر صحابہؓ نے عرض کیا حضور پھر کون لوگ ہیں ؟ آپؐ نے فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد آویں گے جنھوں نے نہ مجھکو دیکھا ہوگا نہ نزولِ قرآن کی کیفیت دیکھی ہوگی محض چند لکھے ہوئے کاغذ دیکھکر ایمان لاویں گے۔ انکا ایمان زیادہ عجیب ہے۔ مقصود اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ مکاشفہ کی نسبت عدم مکاشفہ کی حالت زیادہ تفضیل اور اسلم ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مطلقاً غیر مکاشفین مکاشفین سے افضل ہیں۔ اگر اہل کشف میں اور فضائل کلی ہوں جیسے انبیاء علیہم السلام تو وہ افضل ہونگے۔ اور اعجب ہونا دوسری بات ہے۔

۴۷۔ جن لوگوں کو عالم غیب منکشف نہیں ہوا انھیں عالم دنیا کے چھوڑنے سے قبل موت کی وحشت ہوتی ہے لیکن اگر اہل ایمان ہوں تو وہ وحشت بعد انکشاف باقی نہیں رہتی

جن لوگوں کو عالم غیب منکشف نہیں ہوا وہ لوگ اس دنیا کو چھوڑتے وقت گھبراتے اور مضطرب ہوتے ہیں جالینوس کے متعلق مشہور ہے کہ جب مرنے لگا تو یہ تمنا کرتا تھا کہ میری قبر میں ایک سوراخ رہے تاکہ دنیا کی ہوا آتی رہے۔ لیکن غیر مکاشفین

اگر اہلِ ایمان کامل ہیں تو گو انکو طبعاً اس عالم کو چھوڑنا (قبل موت) گراں گذرے اور وہ موت سے گھبراویں جیسا کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کلنا یکرہ الموت (ہم میں سے ہر ایک موت کو مکروہ سمجھتا ہے) مگر یقین مرنے کے قریب جب بشر ہوتا ہے۔ اور اسی طرح مرنے کے بعد جب اس عالم کی سیر کریں گے اور اسکو دیکھیں گے اور اسکی وسعت آنکھوں کے سامنے ہوگی تو انکی وہی حالت ہوگی جو کہ رحم مادر سے نکلکر اور دنیا کو دیکھکر بچے کی ہوتی ہے کہ وہ اپنے پہلے عالم کو بھول جاتا ہے اور عالم دنیا کے سامنے اس عالم کو لاشئی محض سمجھنے لگتا ہے۔ حکیم سنائیؒ اسی کی نسبت فرماتے ہیں سہ

آسمانہاست در ولایتِ جاں   کار فرمائے آسمانِ جہاں

(روح کی حکمرانی میں بہت سے آسمان ہیں جو اس آسمان دنیوی میں دخیل اور کار فرما ہیں)

در رہ روح پست و بالا ہست   کوہہائے بلند و صحرا ہست

(اسی طرح سے روحانی منازل میں بھی بلندیاں بھی ہیں اور پستیاں بھی نیز بلند و بالا پہاڑ بھی ہیں اور جنگلات بھی)

۴۷۔ مرید کو متعارف طور پر توجہ دینے میں خرابی اور اسکے ضرر مع چند شبہات اور ان کے جوابات

اکثر محققین صوفیہ نے مریدوں پر متعارف توجہ دینے کے طریق کو بالکل ترک فرما دیا۔ اسلئے کہ اس طریق توجہ میں مرید کے اندر کسی کیفیت کے القار کے لئے اسقدر مستغرق کرنا شرط تصرف ہے کہ بجز اس مقید القار کے کسی طرف التفات نہ ہو اور تمامتر خیالات سے بالکل خالی ہو جاوے، حتیٰ کہ اسوقت حق تعالیٰ کی طرف بھی توجہ کم ہو جاتی ہے۔ سو اسقدر توجہ مستغرق خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ انکو غیرت آتی ہے اور انکو سخت گراں گذرتا ہے کہ یہ شخص خدا سے بالکل غائب ہو جاوے۔ اور ایک ضرر شیخ پر توجہ متعارف میں یہ ہوتا ہے کہ اپنے تصرفات دیکھکر چند روز میں عجب پیدا ہو جاتا ہے دوسرا ضرر یہ ہوتا ہے کہ اس متعارف طریق توجہ سے شہرت ہو جاتی ہے اور جب شہرت

سکے اسباب مقصود الترک ہوں وہ اکثر مضر ہوتی ہے۔ تیسرا یہ ضرر ہوتا ہے کہ شیخ اگر ضعیف القویٰ ہو تو بیمار پڑ جاتا ہے۔ یہ تین ضرر شیخ کو ہوتے ہیں اور مرید کو یہ ضرر ہوتا ہے کہ وہ شیخ پر اتکال کر لیتا ہے خود کچھ نہیں کرتا اس لئے اسکی نسبت محض انعکاسی ہوتی ہے اکتسابی نہیں ہوتی اور نسبت انعکاسی کو قیام نہیں ہوتا۔ اگر کسی کو شبہ ہو کہ یہ توجہ خود حدیث سے ثابت ہے چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ غطنی فبلغ منی الجھد (مجھے اتنی زور سے دبوچا کہ تکلیف ہونے لگی) سو اسکے دو جواب ہیں ایک تو یہ کہ اس غط کو توجہ کہنا محض بے دلیل ہے اسکا حاصل صرف الصاق بالصدر مع شدۃ ہے نہ کہ توجہ متعارف اور اگر تسلیم بھی کیا جاوے تو ممکن ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بوجہ قوت ملکی توجہ میں اسقدر استغراق کی ضرورت نہ ہوئی ہو جو توجہ الی الحق کو مانع ہو و ذلک لا یضر اگر کہا جاوے کہ ممکن ہے منفعل کی تفاوت استعداد سے کسی وقت کمال استغراق کی ضرورت نہ ہو تو جواب یہ ہے کہ فاعل کو تو ہر صورت میں کمال استغراق کی ضرورت ہوگی البتہ تفاوت استعداد سے منفعل میں فرق ہوگا کہ تام الاستعداد بسہولت اور جلد متاثر ہوگا اور ناقص الاستعداد بدیر متاثر ہوگا۔

۷۵۔ فیض رسانی کی وہ صورتیں جنمیں کوئی خرابی اور ضرر نہیں، مع زیادت تحقیق توجہ متعارف

ہاں دو صورتیں فیض رسانی کی اور ہیں ایک تو ان کے اختیار سے بھی خارج ہے وہ یہ کہ ان کی ذات بابرکت کے فیوض و برکات سے کہ ان کو اس طرف التفات بھی نہیں عالم مستفیض ہوتا ہے جس طرح بارش کہ اسکے برسنے سے ہر قابل حصۂ زمین میں قوت نمو پیدا ہو ہی جاتی ہے خواہ بارش چاہے یا نہ چاہے یا آفتاب کہ اس کے طلوع کے وقت جو چیز اسکے مقابل ہوگی ضرور منور ہوگی۔

Regd. No. L2/9/AD-111

nthly WASIYATUL IRFAN OCT. 1982

23, Buxi Bazar, Allahabad-3

Rs. 30/-

Rs. 24/-

وصیۃ العرفان

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبدالمجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد ۳

اعزازی پبلشر صغیر حسن نے باہتمام عبدالمجید صاحب پرنٹر نیر اسرار کریمی پریس الہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۲-۹-۱-۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

انگریزی سال کے حساب سے گویا اس سال کا آخری سے پہلا شمارہ ہے لیکن قمری اور اسلامی سال کی ابتداء اس شمارہ سے ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سنین ماضیہ کی طرح اس سال بھی ہر قسم کی آسانیوں سے ہمیں نوازے تاکہ ہم رسالہ کو ناظرین کی خدمت میں وقت پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر سکیں۔

آپ حضرات کے علم میں ہے کہ رسالہ ہر ماہ اب بجائے پانچ پیسہ کے پندرہ پیسہ میں روانہ کیا جاتا ہے۔ اسطور پر تقریباً سوا روپیہ ہر رسالہ پر سالانہ خرچ دفتر کے ذمہ زیادہ پڑ رہا ہے علاوہ ازیں دیگر مزید گرانی کے سبب تنہا رسالہ کو جو گرانباری ہو رہی ہے خیال ہوتا ہے کہ اسے احباب پر تقسیم کر دیا جائے اس کے متعلق حتمی فیصلہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اشاعت میں عرض کیا جائے گا۔

اسوقت ایک خوشخبری یہ سن لیجئے کہ "تالیفات مصلح الامۃ" کا حصہ چہارم پریس میں دیا جا چکا ہے انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی منظر عام پر آجائیگا۔ تیار ہونے پر ہم ناظرین کو اسکی اطلاع بھی کر دینگے۔

پانچ روپے میں متفرق پندرہ رسالوں کا جو سٹ دفتر سے جا رہا ہے اس میں موجودہ تمام متفرق رسالوں کو ملا کر پندرہ پندرہ کا سٹ بنا دیا گیا ہے جس میں کوئی رسالہ مکرر تو نہیں ہے باقی کس کس ماہ کا کس سٹ میں ہے اسکا دریافت کرنا اب ذرا مشکل امر ہے اسکو اسقدر ارزاں اسی لئے کر دیا گیا ہے تاکہ آپ آسانی سے لیکر اہل کو تقسیم فرما سکیں اور دفتر اسکی حفاظت سے بچ جائے۔

حضرت قاری صاحب مدظلہٗ ابھی عاشورہ محرم تک تو الٰہ آباد تشریف لائے نہیں ہو سکتا ہے کہ اب محرم گذر جانے کے بعد جلد ہی تشریف لے آویں۔ خیریت سے ہیں۔ چھوٹی ہمشیرہ صاحبہ مدظلہا ابھی بمبئی ہی میں زیر علاج ہیں۔ صحت کے لئے دعا فرماویں۔

ہمارے مکرمی مولوی جامی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ بھی پیر میں ایک دنبل نکل آنے کے سبب آجکل پھر کچھ علیل سے ہیں انکی صحت کیلئے بھی دعاء فرمائیں۔ والسلام

(ادارہ)

(گذشتہ سے پیوستہ) پھر آپ نے فرمایا کہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ الصوم نصف الصبر والصبر نصف الایمان۔ پھر خود ہی اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا اور نصف الصبر کا مطلب جاننے کے لئے صبر کے معنی جاننا چاہیئے۔ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ غلبۂ باعثۂ ہوئی پر باعثۂ حق کا غلبہ ہونا یہ صبر ہے۔ پھر فرمایا کہ باعثۂ ہوئی کی اصل دو چیزیں ہیں۔ ایک خشم دوسری شہوت اور صوم شہوت کو مقہور کرتا ہے۔ پس یہاں سے ہم نے صوم کو نصف صبر پایا۔ اور یہ جو فرمایا کہ الصبر نصف الایمان تو ایمان کی صفت دو چیزیں ہیں ایک عقائد دوسرے اعمال۔ (اور صبر کی وجہ سے اعمال پر قدرت ہوتی ہے جیسا کہ صبر علی الطاعۃ اور صبر عن المعصیۃ کے عنوان سے سمجھا جاسکتا ہے) (فوائد الفواد)

(۷) فکر آخرت اور غم دنیا کا انجام)

فرمایا کہ —— جمع الفوائد میں ہے کہ حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی تمامتر فکر آخرت ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسکے قلب کو (ہر فکر و غم سے) آسودہ فرمادیں گے اور اسکی جملہ پراگندگیوں کو درست فرمادیں گے اور دنیا اسکے پاس ناک رگڑتی ہوئی آئیگی اور جس شخص کی فکر اور غم دنیا بنکر رہ گئی تو اللہ تعالیٰ فقر اور غربت کو اسکی آنکھوں کے سامنے فرمادیں گے اور اسکا ہر کام پراگندہ ہر شے منتشر سی ہوکر رہ جائیگی اور (وہ کوشش چاہے جتنی کرے) دنیا اسکو اتنی ہی ملے گی جتنی کہ اللہ تعالےٰ نے اسکے لئے مقدر فرما رکھی ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ وہ فقر کی حالت میں شام کرے گا اور فقر ہی کی حالت میں صبح کرے گا۔ اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کی جانب دل سے متوجہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی مومنین کے قلوب کو اسکی جانب اعتقاد اور امتثال کے ساتھ متوجہ فرمادیں گے اور لوگوں کے قلوب میں اسکی جانب سے شفقت اور محبت ڈالدیں گے اور خدا کی طرف سے ہر بھلائی اسکی جانب تیزی سے پہونچا کرے گی۔

(۸) حدیث شریف کی ایک دعا اور اسکی وضاحت)

فرمایا کہ ـــــ ابن ماجہ میں باب الانتفاع بالعلم والعمل بہٖ کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعاء بھی مانگتے تھے کہ اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں علم سے جو نفع نہ دے۔ اور اس دعاء سے جو آپکے یہاں سنی نہ جائے۔ اور اس قلب سے جس میں خشیت نہ ہو۔ اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو۔

ابن ماجہ کی شرح انجاح الحاجۃ کے حاشیہ میں اسکی یوں وضاحت کی گئی ہے علامہ طیبیؒ نے فرمایا کہ دیکھو ان چاروں امور کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا وجود ایک غایت پر مبنی ہے اور غرض ہر ایک سے اسکی وہ غایت ہی حاصل ہوتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ علم کی تحصیل اسلئے کیجاتی ہے تاکہ اس سے انسان منتفع ہو چنانچہ جب اس سے اس کو نفع ہی نہ ہو تو حاصل ہونے سے فائدہ کیا؟ اب وہ بجائے مفید ہونے کے وبال ہوگا اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پناہ مانگی ہے اسیطرح قلب اسلئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ اسکے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے اور اسکو انسان اسپنے شرح صدر کے لئے آلہ بنائے اور اسلئے بنایا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس میں نور عطا فرما دیں اور جب وہ ان امور سے عاری ہوگا تو وہ قلب قاسی شمار ہوگا جس سے پناہ طلب کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ انلوگوں کے لئے ہلاکت ہے جن کے قلوب قاسی (سخت) ہو گئے ہوں۔ اسی طرح سے نفس کا حال ہے کہ نفس وہ عمدہ ہے جو کہ اس عالم سے جو دار غرور ہے دوری اختیار کرے اور اس عالم کی جانب رغبت کرے جو ہمیشہ ہمیش کا گھر ہے اور اگر وہ نفس ایسا حریص ہو جائے کہ ایسا ہو جائے کہ سیر ہی نہ ہو اور لذات دنیا کا شب و روز حریص ہو تب تو وہ انسان کا بدترین دشمن ہے جس سے پناہ مانگنا اور دور ہی رہنا بہتر ہے۔ یہی حال عدم استجابت دعاء کا ہے کہ وہ دلیل ہے اس امر کی کہ داعی کو نہ تو اپنے علم سے نفع ہوا ہے، نہ اسکے قلب میں خوف خداوندی ہے (اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی پناہ مانگی ہے اور اس سے پناہ مانگنا گویا علم سے منتفع ہونے اور قلب میں خشوع پیدا ہونے کی دعاء کرنا ہے واللہ تعالیٰ اعلم)۔

(۹۷ ۔ فتن کی ایک حدیث)

(عوف بن مالک) رفعہ یکون امام الدجال سنون خوادع یکثر فیھا المطر ویقل النبت ویکذب فیھا الصادق ویصدق فیھا الکاذب، ویؤتمن فیھا الخائن، ویخون فیھا الامین وینطق فیھا الرویبضۃ قیل یا رسول اللہ وما الرویبضہ قال من لا یؤبالہ ۔ (جمع الفوائد ج ۲)

فرمایا کہ ـــ جمع الفوائد میں زمانۂ فتن سے متعلق ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ خروج دجال سے پہلے پہلے چند سال ایسے گذریں گے جن کو دھوکا اور خداع کی کثرت کے سبب سنون خداع کہنا زیادہ مناسب ہے ۔ ان میں ہوگا یہ کہ بارش تو خوب ہوگی لیکن پیداوار بہت کم ہوگی ۔ سچا شخص جھٹلایا جائے گا اور جھوٹے کی تصدیق کیجائیگی خائن اور بددیانت انسان پر اطمینان کیا جائے گا اور دیانت دار اور امین شخص کو خائن کہا جائے گا اور اس زمانہ میں رُوَیبضہ بھی بولے گا ۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ رویبضہ کون ہے ؟ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص جس کی لوگوں کی نظروں میں کچھ بھی وقعت اور عظمت نہ ہوگی (وہ گویا رئیس قوم اور لیڈر بن تقریر کرے گا مطلب یہ کہ نہونے والی بات بھی ہوگی اور سوپ تو سوپ چھلنی کیا بولے جس میں بہتر چھید، کی مثال ختم ہوجائیگی) (یہ سب امور خروج دجال سے قبل ہوکر علامت بنیں گے کہ کذب و خداع کا اعلیٰ فرد اب آنے والا ہے جسکی پیشوائی میں دنیا انھیں سب رذائل سے پُر رہے گی اور پھر اسکے آنے کے بعد نفاق و خداع کی جیسی کچھ گرم بازاری ہوگی ظاہر ہے اللھم احفظنا من فتنۃ الدجال ۔

(۹۸ ۔ حق تعالیٰ صالحین کا انتظام فرماتے ہیں)

فرمایا کہ ـــ حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے آیۃ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ کے تحت فرمایا ہے کہ ۔ وسد اللہ

خلّتہ برغبة خدیجةؓ فیہ ومواساتہا بہ وکانت من ایسر نساء قریش۔ وکذالک من احبہ اللّٰہ یسر لہ فی عبادتہ (حجۃ اللّٰہ البالغہ ص۱۵۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوائج اور ضروریات کے پورے ہونے کا یہ بندوبست فرمایا کہ خود حضرت خدیجہؓ کے قلب میں آپؐ سے (نکاح کرنے کی جانب خیال اور آپ کے ساتھ ہر قسم کی خیر خواہی کا جذبہ پیدا فرما دیا۔ چنانچہ پھر انھوں نے اپنے مال سے آپ کی خوب خوب اعانت کی اور حضرت خدیجہؓ قریش کی رئیسہ اور مالدار عورت تھیں۔

آگے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک خدائی انتظام ہے۔ چنانچہ اسی طرح سے حق تعالیٰ نے جس شخص کو اسکی طاعات، عبادات اور صدق نیت اور اخلاق کی وجہ سے محبوب رکھتے ہیں اپنے بندوں میں سے کسی اہل ثروت کو اسکی جانب متوجہ فرما دیتے ہیں جسکی وجہ سے وہ دنیا کی جانب سے مطمئن ہو کر دین کا کام یکسوئی کے ساتھ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں دونوں اجر کے مستحق ہوتے ہیں

(۸۱۔ حضرت ابوہریرہؓ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ نصیحتیں)

فرمایا کہ ـــــــ جمع الفوائد میں ہے حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون شخص ہے جو ان کلمات کو سیکھکر خود ان پر عمل کرے یا کسی دوسرے ہی کو سکھلا دے جو ان پر عمل کرے۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ میں ہوں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ چنانچہ آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ باتیں گنوائیں' یہ فرمایا کہ حرام چیزوں سے بچو تم سب سے زیادہ عبادت گذار شمار ہو گے، اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر قانع اور راضی رہو تم سب سے زیادہ امیر ہو کر رہو گے اور اپنے پڑوسی پر احسان کرو تم مومن سمجھے جاؤ گے اور دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو تم مسلم کہلاؤ گے۔ اور ہنسی کی کثرت نہ رکھو اسلئے کہ زیادہ ہنسنا قلب کے لئے موت ہے (ترمذی شریف)

(۸۲۔ ایک عمدہ حدیث اور اسکی شرح)

فرمایا کہ ــــــــ جمع الفوائد میں ہے حضرت بریدہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ان من البیان سحراً وان من العلم جہلاً وان من الشعر حکماً وان من القول عیلاً یعنی بعضا بیان بھی بس جادو ہی ہوتا ہے ۔ اور بعضا علم جہل ہوتا ہے اور بعض اشعار حکمت سے پُر ہوتے ہیں اور بعضا قول بالکل لغو اور بیکار ہوتا ہے ۔

حضرت صعصعہ بن صوحانؓ کہتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل صحیح فرمایا چنانچہ یہ چاروں باتیں حق ہیں اسلئے کہ آپؐ نے یہ جو فرمایا کہ بعضا بیان (تقریر) جادو ہوتا ہے تو واقعی ایک شخص پر ایک حق لازم آتا ہے اور اپنے خصیم (مقابل) کے سامنے اس مقدمہ کی ایسی تقریر کرتا ہے (اپنی سحر بیانی اور زبان آوری کے ساتھ) کہ اسکی تقریر حق کو اپنے پر سے الٹ کر مقابل خصم کے سر اسطرح سے ڈالدیتی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی کا حق اس پر آتا ہے اور یہ ظالم نہیں بلکہ مظلوم ہے اور اس بیان کو سحر اسلئے فرمایا کہ سحر کے معنی ہیں کسی شے کو انسان کی نظروں میں بدل دینا نہ یہ کہ اسکی حقیقت ہی کو تبدیل کردینا ۔ تم دیکھتے نہیں کہ ایک فصیح بلیغ شخص ایک انسان کی تعریف کرتا ہے یہاں تک کہ سننے والوں کے قلوب میں بھی اسکی محبت ہوجاتی ہے پھر اسکی ہی مذمت کرتا ہے تو تمام لوگوں کے خیالات بدل جاتے ہیں اور بجائے محبت کے اس سے لوگوں کو بغض ہوجاتا ہے ۔ اسی تبدیلی کیوجہ سے اسکو سحر فرمایا ۔

اسی طرح سے آپؐ کا یہ فرمانا کہ بعضا علم جہل ہوتا ہے مراد اس سے اس شخص کی گفتگو ہے جو ایک بات کو جانتا نہ ہو لیکن دوسروں سے اسے اس طرح بیان کرے جیسے خوب جانتا ہے اب یہ شخص جب دوسروں سے بیان کریگا تو جہالت کی بات نقل کریگا نہ کہ علم کی مگر سمجھتا ہوگا اسکو علم ہی کی بات ۔

اور یہ فرمانا کہ بعضا شعر حکمت سے بھرا ہوا ہوتا ہے تو ان سے وہی مواعظ

اعلیٰ مثال مراد ہیں جنھیں لوگ اشعار میں بیان کرتے ہیں اور لوگوں کو ان سے نصیحت حاصل ہوتی ہے اور یہ جو فرمایا کہ بعض کلام بکلی لغو اور مہمل ہوتا ہے تو اس سے مراد تمھاری وہ بات ہے جو تم کسی ایسے شخص سے کہو جسے اسکی جانب اصلا التفات نہ ہو یا تم کوئی ایسا کلام کسی شخص سے کرو جو اسکی فہم سے بالاتر ہو (ظاہر ہے کہ یہ دونوں کلام بالکل بے سود اور لغو ہی ہوں گے) اور اس آخری بات سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں منع بھی فرمایا ہے کہ — لوگوں سے ایسی باتیں نہ بیان کرو جس کو وہ نہ سمجھ سکیں۔ نیز فرمایا کہ نا اہل کو حکمت کی باتیں نہ سکھلاؤ ایسا کروگے تو علم و حکمت پر ظلم ہوگا۔ اور اہل حکمت سے حکمت کی باتیں بیان کرنے میں کچھ دریغ نہ کرو اگر ایسا کروگے تو ان لوگوں پر صریح ظلم ہوگا۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نا اہل کو علم سکھانے کی مثال یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ ایسا ہے جیسے موتیوں کا ہار سور کے گلے میں پہنانا اس روایت کو ابو داؤد نے نقل کیا ہے

(منتخبات ج ۲)

(۸۳۔ عارف کا کلامِ معرفت شیطان کے حق میں تیر کا کام کرتا ہے)

فرمایا کہ —— روح البیان میں ہے کہ حضرت ابوسعید خراز قدس سرہٗ نے ایک بار ابلیس کو دیکھا چاہا کہ اس کو ڈنڈے سے ماریں۔ اس نے کہا کہ اے ابوسعید! میں لاٹھی ڈنڈے سے نہیں ڈرا کرتا بلکہ میں ڈرتا ہوں تو شمس معرفۃ کی شعاع سے جو کسی عارف کے سمار قلب میں طلوع ہو۔ (راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت ابوسعیدؒ کا یہ ارشاد چونکہ چند تشبیہات پر مشتمل ہے اسلئے توضیحاً عرض ہے کہ یہاں معرفت کو شمس فرمایا اور اسکی شعاع یہی عارف کا کلام ہے اور سورج چونکہ آسمان پر ہوتا ہے اسلئے معرفت کے شمس کا آسمان قلب عارف کو فرمایا ہے — حاصل یہ ہوا کہ اگر میں ڈرتا ہوں تو عارفین باللہ کے کلام سے کیونکہ وہ نفس سے کاٹنے والا اور حق سے جوڑنے والا ہوا کرتا ہے جو مجھ پر انتہائی شاق ہے۔ واللہ اعلم)

(مکتوب نمبر ۲۸۵)

حال: الٰہ آباد سے واپسی پر برابر وہاں کی مجلس کا حال اور حضرت والا کی شفقت کا تصور رہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں حضرت والا کے یہاں جو چیز ملتی ہے اپنی آنکھوں نے ابھی تک دوسری جگہ نہیں دیکھا۔ حضرت والا نے رخصت ہونے سے کچھ دیر قبل جو ارشاد فرمایا تھا اور عملی کوتاہیوں پر جو تنبیہ فرمائی تھی بحمداللہ تعالیٰ اسکا دل پر کافی اثر ہے۔ **تحقیق**: الحمدللہ۔

حال: اسی وقت طے کرلیا تھا کہ زندگی کے جو دن بھی باقی ہیں انکو بیکار ضائع کرنے سے کچھ فائدہ نہیں یہ کوئی عقلمندی کی بات نہیں کہ دوسروں کی اصلاح کی تو فکر کرے اور اسکے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہو اور اپنی اصلاح سے غافل رہے یہ نفس کا دھوکا اور مکر ہے۔ **تحقیق**: بیشک

حال: عقلی طور پر تو اسکا احساس اس سے قبل بھی ہوتا رہا مگر اس احساس نے عملی شکل کوئی نہ اختیار کی اگر کچھ دن عمل ہوا بھی تو اس پر مداومت نہ ہوسکی۔ حضرت والا کی توجہ کی برکت سے اب اس پر عمل شروع کردیا ہے۔ جو دعا ارشاد فرمائی تھی اور مولانا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب نے پرچے میں لکھکر جو اوراد عنایت فرمائے تھے بفضلہ تعالیٰ ان پر عمل شروع کردیا ہے۔ **تحقیق**: الحمدللہ

حال: حضرت والا دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ استقامت اور خلوص نصیب فرمائیں۔
تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

(جواب میں یہ تحریر بھی گئی)

آپ کا خط حضرت والا کے نام آیا ماشاء اللہ آپ نے نفس کا جو خوب پکڑا — یہ کوئی عقلمندی کی بات نہیں کہ دوسروں کی اصلاح کی تو فکر کرے اور اس کے لئے سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہو اور اپنی اصلاح سے غافل رہے یہ نفس کا دھوکا ہے —

بالکل صحیح بات ہے۔ بس اگر اسی کو سمجھ لیجئے گا تو بڑے عقبہ سے نکل جائیے گا۔ کسی سے کام دراصل اللہ تعالیٰ لیتے ہیں اور فائدہ اور فیض اللہ تعالیٰ پہونچاتے ہیں بس انسان مخلص بننے کا مکلف ہے پھر تو لوگ ناک رگڑیں گے اور اسی سے اصلاح کی خواہش کریں گے۔ اور اگر اخلاص ہی نہ ہو تو پھر یہ سب ہماہمی کا ہے کے لئے ہے خدا تو اس کام سے راضی نہیں ہے اس لئے اس کام میں برکت بھی نہیں۔ اسلئے آدمی کو ہر کام میں خدا کی مرضی اور اپنے اخلاص کی فکر ضروری ہے۔

(مکتوب نمبر ۲۸۶)

حال:۔ ۱۲ مئی کو لکھنؤ سے یہاں آیا۔ عرض ہے کہ مدھوبنی دربھنگہ میں گرد ونواح کے چند اشخاص مجھ سے حسن عقیدت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کو میں نے جناب والا اور امیر شریعت بہار کے غائبانہ تعارف کرائے تاکہ دست بیعت سے سرفراز ہوں لیکن کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

چونکہ مجھ سے تعلق جوڑنا چاہتے ہیں اور دست بیعت کے لئے مجبور کرتے ہیں میں نے ان لوگوں کو اپنی حالت بتلا دی کہ میں خود دست بیعت سے ہنوز محروم ہوں پھر خلافت کا کوئی سوال ہی نہیں کہ تم لوگوں کی اصلاح کروں اور بیعت بھی کروں، مگر خوش عقیدگی کی رو میں بہہ رہے ہیں کچھ سننا نہیں چاہتے۔ جناب والا سے عرض ہے کہ ایسی صورت میں ناچیز کیا جواب دے اور کیا کرے؟

مجھے بہت افسوس ہے کہ دار المبلغین لکھنؤ میں رہکر نیاز سے محروم رہا۔ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ کوشش کروں گا۔

حضور والا سے استدعا ہے کہ نماز میں لطف نہیں معلوم ہوتا توجہ خاص غائبانہ کی ضرورت ہے۔

تحقیق:۔ آپ نے ان لوگوں کو جو جواب دیا وہ صحیح ہے لیکن پھر جب انکی جانب سے اصرار ہوا اور خوش عقیدگی کا اظہار ہوا تو اس سے آپ کیوں متاثر ہو گئے

اور اس بارے میں مجھ سے کیوں استصواب کی ضرورت ہی محسوس کی۔
ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص علم حدیث اور عربی سے قطعی ناواقف ہے اور اس سے
اور لوگ درخواست کریں کہ ہمیں بخاری شریف پڑھا دیجئے اور وہ انکار کرے
کہ میں نے پڑھا نہیں ہے۔ عربی بھی نہیں جانتا، تم فلاں مدرسہ میں جاکر پڑھو تو اگر
وہ لوگ خوش عقیدگی ظاہر کریں اور اصرار کرنے لگیں تو اسکی وجہ سے کیا جواب
بدل جائیگا اور یہ شخص پڑھانے کے لئے تیار ہو جائے گا؟ پھر یہاں کیوں
تردد پیدا ہو۔
نماز میں لطف پیدا ہونے کے لئے بھی آپ ہی کی توجہ کی ضرورت ہے

(مکتوب نمبر ۲۸۷)

حال: حضور والا کی خیریت دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ عرصہ سے حضور والا کی خیریت
مزاج پوری طرح سے دریافت نہ ہو سکی جس سے خیال تو برابر لگا رہتا ہے۔
آنے کا ارادہ بھی برابر ہے لیکن کوئی نہ کوئی عذر بوقت قصد روانگی سامنے
آجاتا ہے۔ یوں تو ایک ٹرین سے آنا جانا ہو سکتا ہے مگر بزرگوں کیخدمت
میں بعجلت جانا آنا بے ادبی معلوم ہوتی ہے اس وجہ سے کافی تاخیر ملاقات
میں ہو گئی۔ حضور والا معاف فرمائیں اور دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ جلد توفیق
ملاقات کی دیدیں۔ حضور والا کی ذات جب تک گورکھپور میں تھی قلبی حالت
بہت اچھی معلوم ہوتی تھی، بعد سفر حضور والا بالکل خراب حال ہے۔ پھر بھی
جب حضور والا کی تعلیمات پر غور کرنے کا موقع ملتا ہے اسوقت اپنے پر
ملامت کرتا ہوں اور اسکے خلاف پھر عمل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں غرضکہ
حضور والا کی تعلیمات سے فائدہ ہوتا رہتا ہے۔ حضور والا دل سے دعا کر دیں
اللہ تعالیٰ اپنا بنالیں اسی کے مقتضیٰ پر عمل کرنے کی توفیق دیدیں۔
ہماری برادری کے لوگ عتاب غ کیے جاتے ہیں۔ ان کی تنظیم کرنے

کچھ حضرات لوگ متوجہ ہو رہے ہیں میں بھی شامل ہونا چاہتا ہوں چند حروف لیلو۔ نصیحت حضور والا سے معلوم کیوں کہ تنظیم میں جامعہ ہو وہ دینِ خالص ہو اور تابع ہو کر دنیا ہو۔ نیز اسی برادری میں کوئی بزرگ گذرا ہو تو اسی نسبت سے تنظیم کیجائے تاکہ بہتر نسبت سے بہتری پیدا ہو جائے۔ حضور والا دل سے دعا کردیں اللہ پاک عافیت وادین کی دولت سے نوازیں۔ امید کہ حضرت والا بخیر ہونگے

نوٹ: ایک صاحب نے بتلایا ہے کہ علامہ ابن خلدون نے جلد چہارم یا پنجم میں اسی برادری کے ایک بزرگ کا ذکر کیا ہے

تحقیق: الحمد للہ بخریت ہوں میری تو سمجھ ہی میں آپ کی بات نہیں آئی — یہ برادری کے نام پر مسلمانوں کی تنظیم، تنظیم ہے یا تفریق؟ آپ لوگوں کو یہ سب کیا ہو گیا ہے۔ مدتوں آتے جاتے رہتے ہیں مگر فہم ذرا نہیں پیدا ہوتی اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ آج مسلمانوں کا بگاڑ کس چیز کی وجہ سے۔ کیا دین کے چھوڑنے کی وجہ سے نہیں ہے؟ پھر اسکا علاج دین پیدا ہوگا نہ کہ برادری۔

اور اگر اسی طرح تنظیم کرنی ہے تو نوح علیہ السلام کو یا آدم علیہ السلام کو لیکر کیجئے نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں اور آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں اور یہ دونوں اللہ کے اولوالعزم پیغمبر ہیں۔

(مکتوب نمبر ۲۸۸)

حال: معروض خدمتِ اقدس یہ کہ حضرت والا کی توجہ کے برکات کئی ماہ سے اس ناکارہ پر چند در چند نظر آتے ہیں۔ عجیب حالت رہتی ہے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کے طفیل میں اپنا غم احقر کو عنایت فرمایا ہے اور اپنی طرف ہا کر کھینچ لیا ہے۔ جو کیفیات پیدا ہوتی ہیں بیان نہیں کر سکتا۔ دنیاوی تکلیفات بہت ہوتی ہیں مگر اسی قدر اللہ تعالیٰ نے صبر کی دولت عطا فرمادی ہے جسکا ثمرہ بھی محسوس کرتا ہوں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صبر اور توکل کی راہ پر اللہ تعالیٰ میری رہبری فرمارہے

میّا۔ تحقیق : الحمد للہ۔

حال :۔ حالانکہ یہ چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق ہے مگر حضرت والا کی خدمت میں ظاہر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اصلاح ہو جائے۔ تحقیق : بیشک

حال : ادھر ایک ماہ مسلسل دنیاوی مشاغل کی کثرت سے ان حالات میں کمی ہو گئی تھی مگر اب پھر اللہ تعالیٰ کا فضل محسوس کر رہا ہوں۔ حضرت والا دعاء فرمائیں کہ احقر کا حال درست ہو جائے۔ تحقیق : دعاء کرتا ہوں۔

حال : اسکول کے اوقات کے علاوہ تحصیل معاش کے دوسرے ذرائع میں مشغول ہونا بہت ہی کھلتا ہے کیونکہ ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اپنے اوپر دیکھتا ہوں اور پھر ایسا گراں مایہ وقت تحصیل دنیا کے لئے ضایع کرنا بڑی بے غیرتی کی بات معلوم ہوتی ہے بلکہ خوف ناقدری بھی معلوم ہوتا ہے۔

حال :۔ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ پرسوں بعد عشاء بستر پر سونے کے لئے لیٹا۔ نیند کا غلبہ تھا فوراً آنکھ لگ گئی۔ مکان کی چھت پر لیٹا تھا سامنے دوسرے کے مکان کی چھت اس سے اونچی ہے۔ خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس چھت کیطرف سے تشریف لا رہے ہیں اور احقر سے فرمایا کہ دنیا کیطرف نظر نکرو اور التجا بھی نکرو۔ فوراً آنکھ کھل گئی یہ خواب غلبۂ نیند میں کچھ اچھی طرح دیکھ نہ سکا مگر الفاظ مذکور بالکل یاد ہیں۔

تحقیق ، بہت عمدہ خواب ہے۔ تعبیر ظاہر ہے۔

حال : اپنی بے بضاعتی حضرت والا کی خدمت میں پیش کرتا ہوں تاکہ حضرت والا کی توجہ اور دعاؤں کی برکت سے اپنا نقص اور کھوٹ دور ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر چلنے کی توفیق حاصل ہو۔ اور ان کے خاص فضل کا مورد بن سکوں۔ تحقیق : آمین

(مکتوب نمبر ۲۰۹)

حال :۔ ادھر کچھ دنوں سے قلب پر خشیت کا غلبہ ہے۔ ہر وقت رلانے والی باتیں

اور رونے والی کیفیت پیش نظر رہتی ہے۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا قلب پر بعض
ایسے احساسات کا بھی ورود ہوتا ہے جنھیں الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے تنہائی
اور خاموشی محبوب معلوم ہوتی ہے۔ اوروں کی پریشانی عین اپنی پریشانی معلوم
ہوتی ہے۔ درود شریف کا ورد زیادہ تسکین بخش معلوم ہوتا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: جی بے اختیار چاہتا ہے کہ کاش جلد حاضری ہو سکتی، خود حضور کرم فرما کر کھینچ لیں
تو میری خوش نصیبی ورنہ اور رکاوٹیں تو پیدا ہی ہوتی رہتی ہیں۔ ارادہ ہے کہ انشاء اللہ
جولائی کے مہینے میں حاضری دوں۔ دعا فرمائیں کہ پہونچ سکوں۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: اب تو بے ساختہ دل یہ کہتا ہے ؎

اے کاش وہ دن اب آجائے محبوب کے قدموں میں جا کر
میں اشک نگہ سے تلووں کو دھو دھو کے بجھاؤں پیاس اپنی

تحقیق: تو پھر آئیے۔

(مکتوب نمبر ۲۹۰)

حال: سیدی وسندی، مرشدی ومولائی۔ شمس العارفین، بدر الکاملین۔ نخبۂ زماں
صفوۂ دوراں۔ شمیم گلزار معرفت، نسیم ریاض حقیقت۔ مورد الطاف رحمانی
مہبط انوار یزدانی۔ لازال اللہ شموس فیوضکم بازغۃً رافعۃً ومتعنا اللہ تعالیٰ بطول حیاتکم
المبارکہ۔ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حال: طالب عافیت مزاج سامی ہوں۔ گزارش خدمت مبارکہ میں ہے کہ تین چار روز سے
کچھ علیل ہوں، کل کی ٹھنڈی ہوا سے طبیعت پر کچھ اور اثر پڑ گیا ہلکا بخار ہو گیا، کچھ
تکلیف ہے البتہ کوئی کام رکا نہیں ہے روز روز کام بسہولت ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ
حوصلہ کے ساتھ کام کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ تحقیق: آمین۔

حال: دعا فرمائیں کہ طبیعت خدا پرست ہو جائے نہ وظیفہ پرست اور کام صورت سے

گذر جائے اور معنی سے آشنا ہو جائے۔ تحقیق : دعا کرتا ہوں۔

حال : کچھ لوگوں کی پست حوصلگی کا شاکی ہوا اسکا اثر طبیعت پر تھوڑا پایا پھر سوچا کہ یہ بھی پست حوصلگی کی بات ہے۔ اگر ہر خیال اپنے باطن کی تعمیر میں صرف ہو تو بہتر ہے بعض دنیوی باتوں کا جب ذرا سا اثر دیکھا تو اس خیال سے تقویت ہو گئی۔ روباہ مزاجی تو ٹھیک نہیں، شیر مرد نہیں تو شیر مرد ہونے کا حوصلہ تو چاہیئے تحقیق : بیشک

حال : کرگس اور شاہین دونوں ایک ہی فضا میں پرواز کرتے ہیں مگر ایک کی نظر مردار چیز پر مبنی ہے اور دوسرے کی پاکیزہ پر۔ بعض چیزوں کو رذیلہ کی ادنیٰ مطابقت کے باعث غیر اختیاری سمجھے ہوئے تھا غور کے بعد اختیاری معلوم ہوئیں۔ بعض موقعوں پر نفس کا تعلق واضح ہو جاتا ہے۔ تحقیق : الحمد للہ۔

حال : اللہ کا شکر ہے توجہ کا حال ٹھیک ہے اگر خارجی اثر ہوتا ہے تو فکر مآل کا تازیانہ متنبہ کر دیتا ہے یا استغفار و اعتاب۔ تحقیق : الحمد للہ۔

حال : چند روز سے ایک فکر ہے کہ برسوں سے کتنے کام ہیں کہ میرے اور میرے مولا کے درمیان بطور وعدے کے رہے ہیں کچھ یاد ہیں اور اللہ کے فضل سے پورے ہو رہے ہیں کچھ کا ذہول ہو گیا ہے اللہ پاک کی ذات مستغنی ہے ہر چیز سے۔ اگر عدم ایفار کی سزا میں وبال ہو تو ہلاکت ہے اس معاملہ میں حضرت والا کی توجہ کا محتاج ہوں۔
تحقیق : دعا کرتا ہوں

حال : سید الاستغفار کے استحضار سے تھوڑی تسلی ہے۔ تحقیق : الحمد للہ

حال : مثنوی مولانا روم قدس سرہٗ سے کچھ قلبی انس بڑھ رہا ہے۔ کم ہی کم دیکھتا ہوں۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ فہم سلیم عطا ہو ہمت اور حوصلہ نصیب ہو۔ ہر ہر لمحہ خواب اور بیداری میں اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہوں۔ فکر آخرت کسی اور کام کا نہ رکھے دین کی سمجھ اور سلامت روی حاصل ہو، اہل و عیال کو صلاح و فلاح ملے۔ تعلق مع اللہ کا کوئی ذرہ حصہ میں آوے۔ تحقیق : آمین۔

(مکتوب نمبر ۲۹۱)

حال: گزارش حال میں عرض یہ ہے کہ یہ احقر مجلس میں روز شرکت کرتا ہے جو کچھ حضرت والا بیان فرماتے ہیں یہ ناچیز اسکو خوب غور سے سنتا ہے اور اس پر عمل کی کوشش بھی کرتا ہے اور انشاء اللہ کوشش کرتا رہے گا۔ میرے حضرت آپ کی برکت سے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت سی باتیں چھوٹ گئیں اور برائیاں ہیں انکو بھی چھوڑنے کی کوشش میں لگا رہتا ہوں۔ مجلس میں آنے سے میرے حضرت بہت کچھ فائدہ ہو رہا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: ایک بڑا فائدہ تو میرے حضرت یہ ہے کہ پہلے جو قرآن شریف پڑھتا تھا تو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ ہم نے کیا پڑھا بس یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے قرآن شریف پڑھا۔ حضرت کی برکت سے حضرت کی زبان مبارک سے یہ سنا کہ بھائی قرآن شریف کو دل سے پڑھا کرو تو پھر اسکا فائدہ دیکھو۔ حضرت کی زبان مبارک سے سننے کے بعد اسکو اپنے دل میں رکھ لیا ہے۔ اب جو پڑھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خالق و مالک کا کلام پڑھ رہا ہوں۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: کبھی کبھی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اسوقت بہت ہی خوف معلوم ہوتا ہے اور یہ خیال کر کے قرآن شریف پڑھنا شروع کرتا ہوں کہ میں اپنے رب کو سنانے جا رہا ہوں۔ نماز پڑھنے کی حالت میں بھی کبھی کبھی یہی حالت ہو جاتی ہے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں لیکن دل کی بھی حالت خراب ہو جاتی ہے۔

تحقیق: ماشاء اللہ۔ (اور جس حالت کو خراب لکھ رہے ہیں خدا کو وہ پسند ہے)

حال: میرے حضرت ہمارے ذمہ قضا نماز بھی ہے کئی سال پہلے اسکو شروع کیا اور پھر چھوٹ گئی۔ حضرت والا نے مجلس میں اسکو پڑھنے کو کہا کہ قضا نماز پڑھو یہ سنکر احقر نے پڑھنا شروع کیا ہے۔ حضرت کی برکت سے پانچ مہینہ ہوا کہ برابر پڑھ رہا ہوں۔ دعا کا طالب ہوں۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

اسکے بعد ایک خط حاجی ولی محمد صاحب کا ملاحظہ فرمایئے ۔ حاجی صاحب موصوف مولوی حکیم وصی احمد صاحب کے بڑے بھائی تھے اور حضرت اقدسؒ کے مخلص خدام میں سے تھے ۔ حکیم وصی احمد صاحب کے مکان میں منتقل ہونے میں دخل حاجی صاحب کے تعلق خاص اور انکے اخلاص کو بھی تھا ۔ یہ کئی بھائی تھے اور ان کا بڑا خاندان تھا سب ہی حضرات کم وبیش حضرتؒ کے عقیدت مندوں میں تھے ۔ حاجی صاحب موصوف بڑے سیدھے سادے اور بھولے بھالے انسان تھے گورکھپور میں اردو بازار میں عطار کی دوکان تھی اور اس میں شک نہیں کہ حضرت اقدسؒ سے اس وقت کو دلی محبت تھی ۔ خط ملاحظہ فرمایئے کہ کس طرح چند سادے لفظوں میں اپنے قلبی درد کا اظہار کیا ہے

(خط جناب حاجی ولی محمد صاحب بنام حضرت مصلح الامۃؒ)

حال :۔۔ مخدومی محترمی جناب حضرت والا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

الحمد للہ کہ خادم خیریت سے ہے حضرت والا کی دعا چاہیئے ۔ حضرت والا کی صحت کے لئے ہملوگ دعا کرتے ہیں ۔ اور خدا تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت والا کا قدم اور آجائے خدا کے حکم سے ۔ خادم ولی محمد

تحقیق :۔۔ مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

بھائی صاحب اتنی جلدی گھبرا گئے ، ابھی تو کچھ ٹھیک ہو رہا ہوں ۔ دیکھو بھائی دین کی خدمت کے لئے صحت بہت ضروری ہے اور یہ بغیر اسکی حفاظت کئے نہیں ہوسکتی میں آپ لوگوں کیطرف دل سے متوجہ ہوں برابر خیال لگا رہتا ہے اور میں نے آنے جانے سے کب انکار کیا ہے ۔

آپ میری طرف سے حکیم وصی احمد صاحب سلمہ کی اہلیہ سے کہدیجئے کہ تم کیوں رنج میں اپنی صحت خراب کر رہی ہو، کیا اب ملاقات ہو ہی نہیں سکتی ؟ دیکھو تو میں کس قدر آیا مجھے کسقدر تکلیف تھی یہاں آکر اچھا ہوگیا اس سے آپکو اور سب کو خوش ہونا چاہیئے صحت بہت ضروری چیز ہے مجھکو اتنا غم پسند نہیں میرا یہ خط وہ بار بار پڑھیں انکا غم

اسی سے جاتا رہیگا بلکہ یہ خط میرے سب متوسلین کو پڑھکر سنا دیجئے۔ میں سب کے لئے دعا کرتا ہوں اطمینان رکھیں۔ والسلام۔

وصی اللہ عفی عنہ

ذیل کا ایک اور خط جناب حکیم وجیہ اللہ صاحب کا ہے۔ آپ بھی غالباً اعظم گڈھ کے باشندے تھے گورکھپور میں مطب فرماتے تھے وہاں کے مشہور اطبا میں سے تھے حضرت اقدسؒ سے ملتے تھے لیکن بہت کم ۔ دیندار آدمی تھے اور اپنے ہی مسلک کے لوگوں میں سے تھے لیکن رجحان کچھ مودودی خیالات کی جانب بھی تھا اسی لئے ان کا خط پاکر حضرت کو تعجب بھی ہوا اور مسرت بھی جیسا کہ جواب والا سے ظاہر ہے۔

خط جناب حکیم وجیہ اللہ صاحب بنام مصلح الامۃؒ

حال : — محترم و مولانا سلام مسنون ۔ آپ کے بلا علم و اطلاع تشریف لیجانے پر اسلئے اور بھی افسوس رہا کہ نیاز نہیں حاصل کر سکا اور ایک افسوس و مایوسی کا باعث یہ ہوا کہ بعد میں آپ نے گورکھپور چھوڑ دینے اور الہ آباد میں مستقل رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ مولوی غیاث الدین صاحب اور حاجی ولی محمد صاحب سے واپسی پر خیریت مزاج معلوم کرتا رہا۔ بہرحال یہ توقع اور امید ضرور قائم ہے کہ خصوصی اوقات میں اس ناچیز کے لئے بھی عاقبت بخیر ہونے کی دعا فرماتے رہیں گے۔

بزرگوں کی صحبت میں بیٹھنے میں جو فائدہ ہے اس پر پورا پورا یقین رکھنے کے باوجود اپنی بعض معذوریوں کے باعث اسکا حق نہیں ادا کر سکا کاش یہ پہلے سے معلوم ہوتا کہ یہ مواقع تھوڑے سے ہی دنوں کے لئے میسر ہوئے ہیں تو شاید یہ تساہل نہ ہوتا۔ فقط۔

والسلام ۔ نیازکیش حکیم وجیہ اللہ

تحقیق : — محبی و مکرمی زادکم اللہ تعالیٰ اخلاصکم واعزکم اللہ واکرمکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ کا محبت نامہ ملا آپ کے اس تعلق اور محبت کا میرے قلب پر خاص اثر ہوا۔ اس سے پہلے آپ کے تعلق کا اندازہ نہ تھا لیکن آپ کے اس خط سے بیحد متاثر ہوا اور

معلوم ہوا کہ آپ کو مجھ سے اتنا زیادہ تعلق ہے واقعی آپ حضرات کو میری جدائی کا صدمہ اور قلق ہے۔ لیکن حکیم صاحب میں کرتا کیا دیکھتے ہیں کس حال میں یہاں آیا ہوں، انتہائی کرب اور تکلیف تھی جسکی وجہ سے سفر پر مجبور ہوا اگر ویسے آجاتا تو آپ حضرات کے لئے بیشک رنج اور افسوس کا موقع تھا مگر میں تو کسی اور ہی حال میں آیا۔ بہرحال آ ضرور گیا ہوں لیکن آئندہ کے لئے کچھ کہہ نہیں سکتا ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(میرے دوست نے تو میرے گلے میں پھندا ڈال رکھا ہے اسی رسّی کو کھینچتے ہوئے مجھے جہاں چاہتا ہے لیجاتا ہے)

اہل گورکھپور کی محبت کا مجھ پر اثر ہے۔ رہا ملاقات کا معاملہ تو یہ کیا مشکل امر ہے؟۔۔۔۔ جب باہم محبت ہے تو محبت ہر چیز کو آسان کر دیتی ہے۔ والسلام۔

وصی اللہ عفی عنہ

(خط جناب ماسٹر واجد علی صاحب بستوی بنام مصلح الامۃ رح)

حال:۔۔۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ یہاں پہونچنے پر پہلا کام یہی کیا کہ اپنے جملہ دینی بھائیوں کو نشار گرامی سے مطلع کیا تاکہ رضائے حق کا مورد بنوں۔ جن جن حضرات سے انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں سے ملاقات ہوتی گئی تشریح و وضاحت کے ساتھ نشار گرامی کو پیش کرتا رہا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ عند الملاقات پیش کرتا رہوں گا۔ تحقیق: اللہ تعالیٰ توفیق دے

حال:۔۔۔ احقر نے بھائیوں کی خدمت میں جو کچھ پیش کیا اسکا خلاصہ حضرت اقدس کیخدمت میں بغرض اصلاح پیش ہے:۔

عرض کیا کہ ہم باشندگان گورکھپور پر حق تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے کہ حضرت والا مدظلہ العالی ہم میں سے ہر ایک سے خوش ہیں اور کسی سے ناراض نہیں ہیں یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اسکی ہمکو بجان و دل قدر کرنی چاہیئے۔ تحقیق: بیشک

ہماری بےحسی اور غفلت کا مقتضا تو یہ تھا کہ انجام اسکے برعکس ظہور پذیر ہوتا لیکن قربان جائیے حق تعالیٰ کی اس رافت اور انعام کے کہ بجائے ناراضگی ہم کو اپنی رحمت کا مطلع

سے نوازے جا رہا ہے فرضِ عین ہے کہ اب سے ہم میں سے ہر ایک اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر دانی کو اعمالِ خالص پیش کر کے اور حضرت والا کی مزید خصوصی شفقتوں کو اپنے شاملِ حال کر کے رحمتِ الٰہی کا مورد بنے۔ تحقیق:۔ بیشک

حال:۔ یہ بھی عرض کیا کہ حضرت والا مدظلہ العالی کے یکایک الہ آباد تشریف لیجانیکا واحد سبب حصولِ صحت ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ روز افزوں ترقی کے ساتھ صحت نصیب ہو رہی ہے۔ ہم طالبان و محبانِ صادق میں سے ہر ایک کے لئے نہایت مسرت و سجدۂ شکر کا مقام ہے کہ حضرت والا دامت برکاتہم نہایت عافیت و راحت سے ہیں اور لوگ فیضیاب ہو رہے ہیں ہماری مخلصانہ محبت کا مقتضاء یہی ہے کہ حضرت والا مدظلہ العالی کو حق تعالیٰ صحتِ کاملہ عطا فرمائیں اور اپنا یہ ظل ہم پر قائم و دائم رکھیں

اب ہم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ انعامِ خصوصی کی دل سے قدر کریں اور حضرت والا مدظلہ اپنی طویل مدت کے قیام میں شب و روز جو تعلیم اور تربیت دی ہے اس پر اپنے کو مامور کرلیں اور اپنے اعمال پیش کر کے اپنی اپنی اصلاح کریں اور محبوب کی فرقت میں جو تکلیف ہو اسپر صبر کریں اور اپنے اس انعامِ خصوصی میں اس طرح عمل کر کے اضافہ و ترقی کے طالبِ صادق بنکر حق تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کریں۔ تحقیق:۔ بیشک

حال:۔ اگر ہم لوگ اس طرح کام پر لگ جائیں گے تو حضرت اقدس نے فرمایا ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو رستہ کھلتا نظر آئیگا اور فلاحِ دارین نصیب ہو گی۔ حضرت والا بجان و دل دعاء فرمائیں کہ حق تعالیٰ ہم جملہ وابستگان و منتسبین کو منشاء گرامی کے بموجب صدق و اخلاص کے ساتھ کام پر مامور فرما دیں۔

تحقیق:۔ دل سے دعاء کرتا ہوں یہ مضمون بہت ضروری ادا ہوا۔

حال:۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ حضور والا کی دلی دعاؤں کی برکت سے اس ناکارہ کو جملہ حرکات و سکنات میں اپنے باطن کی اصلاح کر کے اللہ و رسول اور حضور والا سے تعلقِ صحیح میں رسوخ پیدا کرنے کی فکر و دھن قلب میں جاگزیں ہو گئی ہے۔ حضرت والا دل سے یہ دعاء فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے اس ناکارہ کے قلب سے مکمل طریقے

غفلت کا ازالہ فرما کر مقصود کی تحصیل میں بامراد فرما دیں۔

مزید خیر و برکات، کام کا مسلمان بننے اجملہ خواطر کو قلب سے نکالنے، ازالۂ غفلت میں بامراد ہونے اور حسن خلق سے متصف ہونے کی دل سے دعا فرما دیں۔

تحقیق: — دعا کرتا ہوں۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ صاحب مکتوب بالا جناب مکرمی ماسٹر واجد علی صاحب بستوی بھی میاں صاحب مارج اسلامیہ کالج گورکھپور میں پڑھاتے تھے وطن تو آپ کا بستی ضلع کا ایک دیہات تھا لیکن عرصہ سے گورکھپور ہی میں قیام رہا۔ پرانے اور معمر لوگوں میں سے تھے اور گورکھپور کے تو سابقین اولین میں سے تھے حضرت والا کے مخصوص لوگوں میں آپکا شمار تھا۔ فتحپور تال نرجا کے اپنے ابتدائی قیام ہی میں دیکھتا تھا کہ حضرت والا کے یہاں جب ماسٹر صاحب تشریف لاتے تو خاصا مجمع اہل بستی اور گورکھپور کا آپ کے ہمراہ ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ بستی، دیوریا اور گورکھپور کے بہت سے لوگوں بالخصوص نوجوانوں اور تعلیم یافتہ لوگوں کے دین پر لگنے اور حضرت اقدس ؒ سے اصلاحی تعلق کرنے کا ذریعہ ماسٹر صاحب مرحوم ہی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت نصیب فرمائے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت والا بھی اپنے زمانۂ قیام گورکھپور میں اہل گورکھپور سے گفتگو کرنے میں واسطہ مولوی امجد اللہ صاحب کو بناتے یا پھر ماسٹر صاحب موصوف ہی کو بناتے تھے پنشن ہو جانے کے بعد اپنے وطن بستی ہی میں مستقل طور سے رہنے لگے اور حضرت اقدس کے وصال کے کچھ دنوں بعد حضرت ماسٹر صاحب بھی اپنے شیخ سے جا ملے۔ بہت ہی خوب آدمی تھے نہایت فہیم، متواضع اور نرم خو انسان تھے اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرما دے۔ آمین۔)

(خط جناب حکیم مولوی عبد الحق صاحب بنام مصلح الامۃؒ)

حال: — گذارش ہے کہ حضرت والا کے تشریف لیجانے کے بعد گورکھپور میں جیسے خیر و برکت ہی ختم ہو گئی امید ہے کہ حضرت کی تندرستی بہ نسبت گورکھپور کے قیام کے الہ آباد میں بہتر ہو گی خاکسار حسن عمل و حسن خاتمہ کے لئے دعا کا خواہاں ہے۔

تحقیق : ــــ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ تمہارے جانے کے بعد گورکھپور کی خیر و برکت ہی ختم ہوگئی، یہ آپ کا ایمانی احساس ہے۔ اہل ایمان اور اہل ادراک کو یہ احساس ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ خیر و برکت میں برابر ترقی عطا فرمائے اور کبھی ختم نہ ہو۔ آپ حضرات کی محبت و جدائی کا مجھے بھی خیال ہے۔

(دوسرا خط جناب مولوی صاحب موصوف کا بنام حضرت مصلح الامۃؒ)

حال : ــــ گذارش ہے کہ عرصہ سے خیال ہو رہا تھا کہ ایک عریضہ خدمت اقدس میں ارسال کروں مگر اپنی تساہلی کیوجہ سے نہ لکھ سکا غالباً جناب عالی کی طبیعت ٹھیک ہوگی۔ ایک شخص کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت نے فرمایا کہ یہاں صحت بھی ٹھیک ہے اور کام بھی خوب ہو رہا ہے۔ تحقیق۔ الحمد للہ ہو رہا ہے۔

حال : ــــ حضرت یہ تو گورکھپور والوں کی بدقسمتی ہے کہ مکان کے اندر پاور ہاؤس آجانے کے باوجود اپنے قلوب کو تاریک ہی رکھا اور اس بدقسمتی کی کوئی حد ہے کہ آج بھی مطمئن ہیں۔

تحقیق : ــــ جن لوگوں نے روشنی حاصل کی ہے انکا اطمینان دوسرے قسم کا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ سن لو کہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

حال : ــــ اس اطمینان نے مسلمانوں کو تباہ کر ڈالا کہ دینی امور میں ترقی کی کوئی حرص ہی نہیں اور دنیاوی امور میں اسی نسبت سے غیر مطمئن ہیں۔

تحقیق : ــــ اطمینان بالدنیا نے بیشک تباہ کر ڈالا مگر سب ایسے نہیں۔

حال : ــــ احقر نے ارادہ کیا تھا کہ شوال کی کسی تاریخ میں خدمت اقدس میں حاضری کے لئے سفر کروں گا مگر میری بدقسمتی کہ امام صاحب ایک ماہ کے لئے وطن تشریف لے گئے اور مجھے انکی جگہ پر امامت کا فرض انجام دینا پڑتا ہے۔

مولانا مدنیؒ کا وصال ہوا ہے ابتک چین نصیب نہ ہوا، اور یہی حال دنیا کا بھی ہوگیا ہے کہ مطلب کا حال بہت خراب ہے مالی حالت بہت سقیم ہوگئی ہے خرچ کا چلانا مشکل ہوگیا ہے

عید کے بعد تو آ حاضر ہو سکتا تھا مگر یہ وجہ بھی مانع ہوئی ۔ تحقیق : معقول عذر ہے ۔
حال :۔ حضرت سے استدعا ہے کہ دعا فرمائیں کہ دینی و دنیاوی دونوں قسم کی راحت نصیب ہو ۔ تحقیق :۔ دل سے دعا کرتا ہوں ۔

راقم عرض کرتا ہے کہ مذکورہ بالا دونوں خطوط جناب مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ کے ہیں ۔ آپ طبیب بھی تھے اور گورکھپور کی جامع مسجد کے نائب امام بھی تھے حضرت والا کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے ۔ جامع مسجد کے امام صاحب بھی حضرت اقدس سے واقف تھے لیکن چونکہ وہ خود بھی مقامی طبیب تھے اسلئے مجلس وغیرہ کے موقع پر تو انھیں کبھی تشریف لاتے دیکھا نہیں ۔ یوں وہ بدن کے بھی بھاری تھے اس لئے چلنا پھرنا مشکل ہوتا تھا البتہ حضرت اقدس سے محبت بہت فرماتے تھے ۔ حضرت بھی جمعہ کی نماز زیادہ تر جامع مسجد ہی میں پڑھتے تھے ، گورکھپور کی جامع مسجد بڑی مسجد ہے جمعہ کے دن بالکل بھر جاتی ہے ۔ حضرت والا کے لئے یہ دشواری تھی کہ اگر اندر جگہ لینے کے خیال سے پہلے تشریف لیجاتے تھے تو اپنے مرض اور ضعف کی وجہ سے اتنی دیر تک انتظار کا تحمل مشکل ہوتا اور وقت پر روانہ ہونے پر جگہ ملنی مشکل ہو جاتی اس مجبوری اور معذوری کو معلوم کر کے امام صاحب نے جامع مسجد کے اندر مسجد سے متصل ہی اپنا ایک کمرہ حضرت والا کے لئے خالی فرما دیا تھا حضرت نماز سے ایک دو گھنٹہ قبل تشریف لیجاتے اور اسی میں آرام فرماتے پھر اذان کے بعد وہیں ضروریات سے فراغت فرما کر وضو فرماتے اور جماعت کے وقت بس کمرہ کا دروازہ کھول کر مسجد میں آجاتے اس انتظام کی وجہ سے بڑی ہی سہولت ہو گئی تھی اور حضرت والا کو نہایت ہی آرام ملا ۔ نماز کے بعد امام صاحب بھی تشریف لاتے اور حضرت سے ملاقات فرماتے یہی معمول عرصہ تک رہا ۔ یہاں کے امام صاحب مولوی فضل اللہ صاحب حضرت مولانا نور محمد صاحبؒ پنجابی کے صاحبزادے تھے جو کہ فتحپور ہسوہ کے مدرسۂ اسلامیہ میں کبھی صدر مدرس رہ چکے تھے اور حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی نور اللہ مرقدہٗ کے اجل خلفاء میں سے تھے ۔ اور انھیں مولانا نور محمد صاحبؒ سے ہمارے الٰہ آباد کے حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ خلیفہ حضرت مولانا تھانویؒ نے اپنے

زمانۂ قیام تھورہ میں مشکوٰۃ شریف سبقاً سبقاً پڑھی تھی ۔ غرض امام صاحب جامع مسجد ایک بزرگ کی اولاد تھے اسلئے بھی حضرت والا انکا بہت احترام فرماتے تھے انھیں امام صاحب کے نائب یہ مولوی حکیم عبدالحق صاحب تھے جنکے خطوط اوپر نقل کئے گئے ۔

یہاں جن حضرات کا بھی تذکرہ مستقلاً یا ضمناً ہوا ہے ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات تھے جن کو حضرت والا سے خصوصی تعلق بھی تھا یہاں سب کا بیان مقصود نہیں ہے اسلئے صرف چند پر اکتفا کیا گیا کیونکہ بتلانا صرف یہ ہے کہ حضرت والا کے گورکھپور پہونچ جانے پر وہاں کی بھی دینی کھیتی لہلہا اٹھی اور چمن معرفت میں بہار آگئی اطراف و جوانب کے لوگ بھی خوب خوب رجوع ہوئے اور دوسرے مقامات کے حضرات کے لئے بھی حضرت تک رسائی آسان ہوگئی ۔ لکھنؤ سے سیدھی ریلوے لائن آنے کی وجہ سے گونڈہ ۔ بہرائچ ۔ سیتا پور اور خود لکھنؤ سے بھی لوگ زیارت و ملاقات کے لئے آنے لگے ۔ ایک دفعہ مولوی محمد منظور صاحب نعمانی تشریف لائے ۔ ایک دفعہ مولوی محفوظ الرحمان صاحب نامی بہرائچ سے تشریف لائے ۔ ایک دفعہ صدیق حسن صاحب جو غالباً لکھنؤ میں پبلک سروس کمیشن کے ممتاز لوگوں میں سے تھے وہ بھی آئے ۔ صدیق حسن صاحب نے واپس جاکر لکھنؤ سے مولوی نثاراللہ صاحب مرحوم کو اپنے اس سفر کے تاثر کا خط لکھا اس میں یہ بھی لکھا کہ : ــــ

> مجھے سب سے زیادہ خصوصی اور نمایاں چیز جو حضرت کے یہاں نظر آئی وہ یہ تھی کہ میں نے وہاں سب ہی حضرات کے چہروں پر ایک سکون اور اطمینان سا دیکھا جو کہ آج کی دنیا میں ہر جگہ مفقود ہے ۔

یہ الفاظ راقم کے ہیں مگر مفہوم ان کے کہنے کا یہی تھا ۔ حضرت والا نے انکی یہ بات مجلس میں سنائی اور فرمایا کہ انھوں نے جس سکون و طمانینت کو لکھا ہے جانتے ہیں وہ کیا چیز ہے ؟ وہ ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق کا اثر جو خدا کی جانب سے مومن کو اس دنیا میں عطا ہوتا ہے اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل کو سکون حاصل ہوتا ہو پھر جب قلب میں سکون آگیا تو دیگر جوارح تو قلب کے تابع ہی ہوتے ہیں اذا صلحت صلح الجسد کلہ جب قلب درست ہو جاتا ہے تو تمام جسم درست ہو جاتا ہے ۔

عرب کی ایک عاشق | مسکین المحب کل شیٔ عدوہ حتی ھبوب الریاح تشفہ ولمعان البرق یورقہ ورسوم الدیار تحرقہ والعذل یولمہ والتذکر یقلقہ
مسکین عاشق، ہر چیز اسکی دشمن ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں اسکو بے چین کرتی ہیں بجلی کی چمک اسکی نیند اڑا دیتی ہے، آثار دیار اسکے قلب میں آگ بھڑکاتے ہیں، لوگوں کی ملامت اسکو ایذا پہونچاتی ہے، یاد محبوب اسکو بیقرار کر دیتی ہے

ایک بدوی عورت | محبت میں عقل باقی رہتی ہے، جسم گھٹنے لگتا ہے، آنسو خاموشی کے ساتھ بہنے لگتے ہیں۔ ہر نیا دن محبت میں ایک نئی روح پھونک دیتا ہے اور محبت معشوق کی بے رخی سے نہ بالکل ختم ہوتی ہے نہ کم ہوتی ہے۔

نیمی | عشق نہ عاشقوں کے اختیار سے ہوتا ہے نہ انکی خواہش سے بلکہ عاشق ہونا ایسا ہی ہے جیسے مہلک بیماریوں میں گرفتار ہو جانا اس میں اور اس میں رتی برابر فرق نہیں۔

ابو دائل | محبت اگر انتہائے دیوانگی یا اسکی قسم میں سے نہیں تو جادو کا نچوڑ تو یقینی ہے۔ محبت نام ہے معشوق کے ساتھ بلا واسطہ متعلق ہو جانے کا۔

(صوفیائے کرام)

عراقیؒ | عشق اشارت بذات احدیت مطلقہ است واختیار جملہ متاخرین ہمیں است عاشق آنرا گویند کہ عقل در دو نباشد و خبر از سر و پا ندارد و خواب و خور بر خود حرام گرداند۔ زبان بذکر و دل بفکر و جان بمشاہدہ او مشغول دارد۔ (دراصل عشق اشارہ ہے ذات واحد مطلق کی طرف اور کیونکہ مصنف کا اسکے تعلق پر چسپاں ہے۔ مگر عشق ماباجی و باقیم داد، چنانچہ جملہ متاخرین کی یہی رائے ہے عاشق اسکو کہتے ہیں کہ جسمیں عقل فنا ہو چکی ہو وہ اپنے سر اور پیر کی خبر نہ رکھتا ہو اور کھانا پینا اور سونا اپنے اوپر حرام کرلے اور اپنی زبان کو محبوب کی یاد میں، قلب کو اسی کے فکر و خیال میں اور روح و جان کو اسی کے مشاہدے میں مشغول رکھے (اس کیفیت کا نام عشق ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا انسان حق تعالیٰ ہی کی محبت میں کیا کرتا ہے)

شہاب الدین سہروردیؒ | سب سے پہلے جذبۂ پسندیدگی پیدا ہوتا ہے اسکے بعد قرب و نزدیکی کی خواہش پیدا ہوتی ہے جو بڑھتے بڑھتے میں تبدیل ہو جاتی ہے اسکے بعد محبت ہے پھر وہ جب بڑھتی ہے

اور اسکے بعد عشق ہے لیکن عشق آخری منزل نہیں ہے کیونکہ عشق بڑھ جانے کے بعد تیم ہو جاتا ہے
اور تیم میں زیادتی ہونے سے ولہ کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور جنون کا درجہ غالباً اسکے بعد آئے

جنید بغدادی | عشق محبت سرمدی ہے جسے خدا کی مہربانی ہر جاندار کو عطا کیا کرتی ہے۔

خواجہ ابراہیم مستقی شارح تعرف | محبت کہ میان مخلوقات باشد اول درجہ موافقت طبع
ہست کہ بیند شنود کہ طبع آں چیز آرام گیرد چوں مدتے بریں موافقت طبع بماند درجہ ثانی میل گردد
میل بہ نفس ماہیت کہ نفس بہ صحبت آں چیز و آں کس میل کند و از دیگراں اعراض سازد چوں
مدتے بایں مقام گذشتہ براسے کہ بمقام ثالث رسد مودت گردد چوں مدتے کہ بایں مقام بوم گذشت
برآید چہارم درجہ محبت گردد، و در محبت سخن بسیار است۔ چوں گذشت چندیں بایں مقام باشد
بدرجہ پنجم رسد ولہ گردد و حیرت باشد و متحیر گردد۔ چوں از مقام پنجم بلند بدرجہ ششم آید و آں مقام
ششم را تیمی خوانند چوں دیگر بایں مقام ششم بماند بدرجہ ہفتم رسد و آں عشق است۔

(جو تعلق اور لگاؤ کہ باہم دو مخلوق میں ہوا کرتا ہے اسکا پہلا درجہ طبعی موافقت کہلاتا ہے
یعنی طبیعت اسکے دیکھنے اور سننے سے ایک گونہ راحت پاتی ہے۔ پھر جب ایک زمانہ اسی موافقت
پر گذر جاتا ہے تو وہ درجہ ثانی پر ہو جاتا ہے اسکو میل کہتے ہیں اور میل نفس کی ایسی خواہش کو
کہتے ہیں کہ جس شے یا شخص کی جانب یہ ہوتی ہے بس اسی کی مصاحبت کی جانب رغبت کرتی ہے
اور اسکے سوائے انسان بے تعلق سا ہو جاتا ہے پھر جب ایک مدت اس حال پر گذر جاتی ہے تو تعلق کا
تیسرا درجہ حاصل ہو جاتا ہے جسکو مودت کہتے ہیں۔ اسی طرح سے جب ایک عرصہ اس کیفیت پر گذر جاتا ہے تو چوتھا درجہ تعلق کا
قلبی ہو جاتا ہے اسکو محبت کہتے ہیں (یہ چوتھا درجہ ہے) اور محبت کی تشریح میں لوگوں نے بہت طول طویل کلام کیا ہے
پھر جب یہاں سے بھی آگے ترقی کر جاتا ہے تو ولہ و شیدا کا مقام اسے حاصل ہو جاتا ہے اور محب پر ایک حیرت سی طاری ہو جاتی
ہے اور جب اس پانچویں مقام سے بھی آگے کو بڑھتا ہے تو تیمی کے مقام میں ہو جاتا ہے اور جب اس سے بھی ترقی
کرکے اور آگے بڑھتا ہے تو ساتویں مقام میں پہونچ جاتا ہے اسی کو عشق کہتے ہیں۔

۴۸۔ حضرت بندار بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ اہل بدعت کی صحبت حق سے اعراض پیدا کرتی ہے

۴۹ - دارالاسلام بغداد کا ایک عجوبہ

بغداد جو صدیوں تک خلفاء، وملوک کا دارالسلطنت رہا سے طبعی طور پر ضروری تھا کہ یہاں ان بادشاہوں کی موت کی گھاٹی ہوتی مگر اس کے عجائب میں سے ہے کہ اس عظیم الشان دارالسلطنت میں کسی بادشاہ کو موت نہیں آئی جتنے خلفاء وملوک اس میں آباد رہے سب کی وفات یہاں سے نکلنے کے بعد دوسرے شہروں میں ہوئی۔

خلیفہ ابو جعفر منصور جو بانی بغداد ہیں انکا انتقال سفر حج میں ہوا اور مکہ معظمہ میں حجون پہاڑ کے نزدیک دفن کئے گئے۔

خلیفہ مہدی نے ماسبذان میں انتقال کیا۔ خلیفہ ہادی عیسیٰ آباد میں مرے۔ ہارون الرشید کا طوس میں انتقال ہوا۔ مامون الرشید کی وفات بلاد روم بذندون کے اندر واقع ہوئی۔ اسی طرح سے انکی اولاد میں جس قدر بادشاہ ہوئے سب کی وفات دوسرے شہروں میں ہوئی۔ محمد امین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ بغداد میں قتل کئے گئے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ بھی خاص شہر بغداد کے اندر مقتول نہیں ہوئے شہر بغداد سے باہر تھے وہاں قتل کئے گئے اسی مضمون کو ایک بغدادی شاعر منصور نمری نے اپنے اشعار میں لکھا ہے

اعاینت فی طول من الارض والعرض ۔ کبغداد دارًا انها جنة الارض

قضی ربها ان لایموت خلیفةٌ بها انه ما شاء فی خلقه یقضی

(تاریخ بغداد للخطیب ص۶۹ ج۱)

(ترجمہ) کیا آپ نے زمین کے طول وعرض میں بغداد جیسا کوئی شہر دیکھا ہے بلاشبہ وہ زمین کی جنت ہے اس شہر کے مالک نے حکم کر دیا ہے کہ کوئی بادشاہ اس میں نہ مرے گا بیشک وہ اپنی مخلوق میں جو چاہے حکم کرتا ہے۔

فائدہ :- ہندوؤں اور دوسری اوہام پرست قوموں میں اگر کہیں ایسا ہوتا کہ اتنے عظیم الشان دارالسلطنت میں کوئی بادشاہ نہ مرے تو اس شہر کی پوجا پاٹ شروع کر دیتے اور خدا جانے کیا کیا عقیدے اور خیال قائم کرتے۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں ہی کو یہ عقل و فہم دیا ہے کہ ہر چیز کی حقیقت تک پہنچتے ہیں

علماء و حکماء سے کہ کوئی خطرہ خیال دکھنے والے تھے اسی کا اعلان کرتے تھے کہ اس میں بغداد
کی زمین یا آب و ہوا کی کوئی تاثیر نہیں بلکہ یہ سب کچھ اسی مالک الملک و قضا و قدر کے حکم سے
ہے جس کے قبضہ میں یہ سب باتیں ہیں [illegible] اس شہر کو عجیب خصوصیت عطا فرمادی اور اگر
وہ چاہے تو آج اسکو بدل دے اور اس [illegible] زمین کو موت کا گھاٹ بنا دے [illegible]
فعال لما یرید [illegible]

۵۰۔ مکالمہ ابوجعفر منصور اور رومی سفیر

خلیفۃ المسلمین ابوجعفر منصور عباسی نے جب شہر بغداد کی تعمیر کی تکمیل کر کے اسکو اپنا
پایہ تخت بنایا تو شاہ روم کا ایک سفیر یہاں پہونچا۔ بغداد کی سیر و تفریح کے بعد دربار شاہی میں حاضر
ہوا اور امیرالمومنین منصور سے عرض کیا کہ جہاں پناہ آپ نے ایسا شہر بنایا ہے کہ آپ سے پہلے
کسی بادشاہ کو میسر نہیں ہوا مگر اس میں تین عیب ہیں ایک یہ کہ پانی سے دور ہے اور انسان کو پانی
کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ دوسرے یہ کہ انسان کی نظر فطرۃً سبزی کو پسند کرتی ہے اس
شہر کی بناء میں اسکی رعایت نہیں کہ کچھ درخت اور چمن ہوتے۔ تیسرے یہ کہ آپ کی رعیت آپ کے
ساتھ ہی اس شہر میں آباد ہے اور جب بادشاہ کی رعیت اسکے ساتھ اس طرح خلط ملط ہو کر رہتی ہو
اسکا راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔

امیرالمومنین نے کہا کہ یہ عیب جو تم نے شمار کئے کوئی قابل التفات چیز نہیں کیونکہ پہلا
عیب یعنی پانی کی نہروں سے دور ہونا سو اسکا جواب یہ ہے کہ بقدر ضرورت پانی یہاں شہر میں موجود
ہے اور ضرورت سے زائد کی تو فضول ہے۔ دوسری چیز یعنی چمن وغیرہ سو اسکا جواب یہ ہے کہ ہم
لہو لعب کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔ اور تیسرا عیب کہ میرا راز پوشیدہ نہیں رہ سکتا تو آپکو معلوم
ہونا چاہئے کہ میرا کوئی راز ہی ایسا نہیں جس کو میں اپنی رعیت سے پوشیدہ رکھوں میری رعیت
سب کی سب میری اولاد کی طرح ہمراز ہے۔

منصور کا نظریہ اپنی جگہ پر صحیح تھا لیکن بغداد کی رفتار نے ان میں [illegible] کے
[illegible] کرنے کیلئے مجبور کیا اور اسی وجہ سے بغداد کی تمام آبادی کو [illegible]

منتقل کر دیا گیا اور دجلہ سے دو نہریں بغداد میں لائی گئیں (تاریخ بغداد للخطیب)

۵۱۔ دکانوں پر ٹیکس

امیر المومنین منصور عباسی کے زمانہ تک دکانوں پر کوئی خراج (ٹیکس) عائد نہیں کیا گیا تھا ان کے بعد خلیفہ مہدی نے بمشورہ ابو عبید اللہ دکانوں پر ٹیکس لگایا (تاریخ بغداد ۷۹/۱)

۵۲۔ ایک بغدادی سقّا کی عالی ظرفی

حضرت ذو النون مصریؒ کو ایک مرتبہ کسی دشمن نے تہمت لگائی اور اس سلسلہ میں وہ قید کر کے بغداد لائے گئے قصر حکومت کے نیچے ہتھکڑی اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے پڑے تھے پیاس کا غلبہ تھا اس فکر میں تھے کہ کس سے کہیں اور کون دے۔ اتفاقاً ایک شخص نہایت خوش لباس سامنے آیا جس کے ہاتھ میں بلوریں جام اور بغل میں مشکیزہ تھا حضرت ذو النونؒ نے خیال کیا کہ یہ شاہی ساقی ہے ہماری بات کیا سنے گا لیکن لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ کوئی درباری آدمی نہیں بلکہ عوام کو پانی پلانا اس کا کام ہے آپ نے اس سے پانی طلب کیا اس نے نہایت ادب و احترام سے پانی پلایا حضرت ذو النونؒ نے خوش ہو کر ایک دینار اس کے سامنے پیش کیا اس نے انکار کیا حضرت ذو النونؒ نے اصرار فرمایا تو کہا کہ آپ قید میں ہیں اور یہ انسانیت اور مروت سے بعید ہے کہ کسی قیدی سے کچھ لیا جائے۔ حضرت ذو النونؒ اس سقا کی عالی ظرفی سے بہت متعجب ہوئے اور فرمایا کرتے تھے کہ مروت و عالی ظرفی سیکھنا ہو تو بغداد کے سقا سے سیکھو۔ (تاریخ بغداد للخطیب)

۵۳۔ مغربی تمدن و معاشرت کی مضرت خود اہل یورپ کی نظر میں

اسلام روز اول سے انسان کو سادہ معاشرت کی تعلیم دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا اسوۂ حسنہ اور اسلاف عظام کا طرز عمل یہی ہدایت کرتا ہے۔ اور جب تک مسلمانوں کی تمدنی و معاشرتی زندگی صرف تک وہ اسی اسوہ کے پابند تھے خوش نصیبی سے آج کل مسلمانوں نے

اپنی روایات کو بھلا کر اقوام یورپ کی تقلید شروع کردی جسکا نتیجہ ظلم اور دین مذہب بیزاری پستی اور بہائم کی طرح ہوس رانی اور اسباب عیش و عشرت کی فراوانی ہے انھیں قرآن و حدیث سنایا جاتا ہے تو التفات نہیں کرتے، اسلامی تاریخ کیطرف توجہ دلائی جاتی ہے تو تنگ نظری کا سبق سمجھتے ہیں اسلئے ہم اسوقت خود موجدین فیشن و تمدن جدید کا وہ متفقہ فیصلہ نقل کرتے ہیں جو انھوں نے تمدن جدید کی ٹھوکریں کھانے کے بعد صادر کیا ہے

مقلدین یورپ کیلئے یورپ کا فتویٰ
(انگلستان کی انجمن تجدید صحت و حیات کا پروگرام)

انگلستان کی انجمن تجدید صحت و حیات نے تندرستی اور صحت کیلئے کچھ اصول طے کرکے شایع کئے ہیں جو ہر ممبر کے پاس چھپے ہوئے موجود رہتے ہیں یہ اصول رسالہ "چشمہ حیات" دہلی مجریہ ماہ جون ۱۹۳۸ء میں شایع ہوئے ہیں ان میں سے ہم چند چیزیں نقل کرتے ہیں جو صریح اسلامی تعلیمات ہیں۔ اہل یورپ نے بہت سی ٹھوکریں کھاکر اور نقصان اٹھاکر بالآخر انکو اختیار کیا ہے یہ مسلمانوں کے لئے درس عبرت ہے کہ غیر اقوام اسلامی تعلیمات کی خوبیاں محسوس کرکے اسکی طرف آرہی ہیں اور مسلمان دوسروں کی تقلید کو معراج کمال سمجھ رہے ہیں ؎

یک سبد پُر ناں ترا بر فرق سر　　تو ہمی جوئی لب ناں در بدر

(ایک ٹوکرا روٹیوں سے بھرا ہوا تیرے سر پر رکھا ہے اور (افسوس) تو ہے کہ روٹی کا ایک ریزہ مانگتا پھرتا ہے)

مغربی معاشرت

غذا | سادہ کھاؤ۔ جب خوب بھوک لگے اسوقت کھاؤ۔ تحریک پیدا کرنے والی غذا نہ کھاؤ بلکہ صرف طاقت برقرار رکھنے والی چیزیں کھاؤ۔ عام طور پر ایک قسم کے کھانے کھاؤ۔ اپنے کھانے کو

اسلامی معاشرت (ارشاد نبوی)

غذا اور پانی | آئندہ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو (الوان طعام) مختلف قسم کے کھانے اور مختلف مختلف قسم کے پانی اور شربت اور مختلف رنگ کے کپڑے پسند کریں گے۔ وہ میری امت کے بدترین لوگ ہیں (ترغیب و ترہیب ص۱۱ ج۳)۔

ارشاد نبوی ہے کہ سونے کے وقت اپنے دروازے بند کرو اور اور کھانے کے برتنوں کو ڈھک دو اور پینے کے برتنوں مشکیزہ وغیرہ

ڈھک کر رکھی جائیں تاکہ ہوا کے جراثیم خاک دھول مکھیاں جوئیں کیڑے ان پر یورش نہ کرسکیں۔ کھانے کی چیزیں جو کھلی رکھی ہوں مت کھاؤ خاصکر وہ جنکا رنگ، مزہ اور بو بدل گئی ہو۔

پانی | پانی کے برتن ڈھکے ہوئے ہونے چاہئیں اور کسی ایک برتن میں زیادہ عرصہ تک پانی نہ رکھنا چاہیئے تجربہ اور مقامی حکیم حالات بتائیں گے کہ کس برتن میں کتنے عرصہ تک پانی رکھنا صحت کیواسطے مفید یا مضر ہے مگر برتن کے منہ کو ڈھکنا بہر حال ضروری ہے۔

روشنی | غیر قدرتی روشنی کا استعمال جسقدر بھی کم کیا جائے بہتر ہے خصوصاً رات کو سوتے وقت۔

غسل | سوائے ہاتھوں کے اور کسی جگہ کیلئے صابن استعمال کرنے کی عادت اگر چھوڑ دی جائے تو صحت کی ترقی دیکھنے کے قابل ہوگی

کپڑے | اچھے ہوتے ہیں گیشں ہا [illegible] کے تسمے نیچے اور اسی قسم کی چست ڈھیلی جوتی چاہئیں تاکہ [illegible]

ستر جلد کردو (دیکھئے مسند امام احمد ص ۳۲ ج ۲)

روشنی | حدیث میں ارشاد ہے واطفئوا سرجکم (یعنی سوتے وقت اپنے چراغ گل کردو) اور عام عادت شریفہ یہی تھی کہ شب کو بلا ضرورت روشنی کا استعمال نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ نماز تہجد کیلئے بھی اسکا التزام نہ تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ اس حالت کے متعلق فرماتی ہیں والبیوت یومئذ لم تکن فیہا السرج (یعنی اس زمانہ میں گھروں میں چراغ جلانے کی ایسی عادت نہ تھی کہ اسکے بغیر کام ہی نہ کریں) آج یورپ کی تہذیب نے ہرجگہ رات کو دن بنا رکھا ہے یورپ کی اندھی تقلید کرنے والے اور بجلی کی روشنی کو جدید تہذیب سمجھنے والے خود اہل یورپ کے اقوال دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔

غسل | غسل میں صابون کا استعمال تو خود انہیں مغرب کی ایجاد ہے جو آج اسکو منع کر رہے ہیں اسلام نے تو اس میں بھی اپنے اصول کے مطابق سادگی کی تعلیم دی ہے۔

لباس | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا عام لباس کرتا اور تہبند تھا اور کبھی صرف دو چادریں ایک اوڑھنے کے لئے اور ایک تہبند کیلئے ہوتی تھیں کبھی کبھی جبہ بھی استعمال فرماتے تھے۔ بعض حضرات پاجامہ بھی استعمال فرماتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پاجامہ کو پسند فرمایا ہے مگر یہ سب لباس ڈھیلا ڈھالا ہوتا تھا چست لباس پسند نہ تھا یہ چست لباس کی جگہ انہیں دانایان فرنگ کی ایجاد ہے جو آج اسکو صحت و تندرستی کے لئے مضر فرما رہے ہیں۔ اسی طرح ربڑ اور ربڑ کی اشیاء کا استعمال بھی انہیں لوگوں کی مایۂ فخر ایجاد ہے جن کے ذریعہ مدتوں دنیا کی صحت کو خراب کرنے کے بعد یہ مضرت کا اقرار کیا جارہا ہے یورپ کی تقلید کرنے والے روشن خیال حضرات دیکھیں کہ انھوں نے سنت رسولؐ کے مقابلے میں یورپ سے کیا لیا اور ایک مضر اور کتنا ہلکا سودا

بچھونے وغیرہ کی چیزیں جہاں تک ممکن ہو دبیز ہوں۔ یہ اصول یہ سمجھنا چاہئے کہ جسم کو گرم رکھنے کے لئے سردیوں میں ایک کپڑا پہننا چاہئے کہ جس میں گرمی زیادہ ہو اور کپڑوں کا وزن ہلکا ہو گرمیوں میں ایسے کپڑے ہوں کہ وہ پسینہ نہ رکیں [illegible] جذب کر سکیں۔

ننگے پیر | آپ جس قدر ننگے پیر رہ سکیں بہتر ہے۔ جہاں کہیں آرام اور حفاظت کے ساتھ ننگے پیر پھرنا ممکن ہو یا صرف سلیپر کھڑاؤں وغیرہ سے کام چل جائے وہاں بوٹ اور شوز نہیں استعمال کرنے چاہئیں۔

سونا | نرم پروں کے گدے گدے بستروں پر سونا صحت کیلئے بیحد مضر ہے۔

(ماخوذ رسالہ چشمۂ حیات دہلی)
(مارچ ۱۹۳۰ء)

فرمایا کہ یورپ اب [illegible]
یعنی [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے بلکہ آپ کا ارشاد ہے علیکم بالبیاض من الثیاب فلیلبسہا احیاءکم وکفنوا فیہا موتاکم فانہا من خیر ثیابکم (کنز [illegible] بروایت [illegible] مسند [illegible] وغیرہ) یعنی تم سفید کپڑوں کے پابند رہو زندہ بھی اس کو استعمال کریں اور مردوں کا کفن بھی یہی ہو کیونکہ سفید کپڑے بہترین لباس ہیں۔

ننگے پیر رہنا | اسلامی معاشرت اور نشست جو تمام بلاد میں مشہور و معروف ہے یہی ہے کہ جوتے اتار کر فرش پر بیٹھتے ہیں جو صرف چلنے پھرنے کے وقت استعمال کرتے ہیں بلکہ اس میں بھی کسی وقت ننگے پیر چلنے کو عار نہیں سمجھتے۔ حضرات صحابہ کرام کی معاشرت بھی یہی تھی جوتوں کو جزو بدن بنا لینے کو خاص یورپ ہی کی لغو معاشرت نے دنیا میں جاری کیا کرسیوں کی نشست رکھی گئی کہ بیٹھنے اور کام کاج کی حالت میں بھی جوتے نہ اتریں بلکہ مغربی صاحب بہادر تو سوتے ہوئے بھی آرام کرسیوں پر جوتوں سمیت دراز ہو جاتے ہیں خدا کا شکر ہے کہ آج یورپ بہت سی مضرتیں برداشت کرنے کے بعد اسی نظریہ پر آیا جس کو اسلام نے اول قائم فرمایا تھا لیکن افسوس تو یہ ہے کہ ہمارے بھائی اس وقت بھی آنکھیں نہیں کھولتے وہ اسی معاشرت کو فخر و عزت بنائے بیٹھے ہیں جس سے یورپ عاجز آکر توبہ کر رہا ہے۔

سونا | نرم گدوں پر سونا جس کو آج یورپ نے مضر صحت بتلایا ہے اسلامی معاشرت پہلے ہی اس سے دور تھی۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا جس کے اندر کھجور کے درخت کا گودا بھرا ہوا تھا۔
بعض مرتبہ ازواج مطہرات میں سے کسی نے کوئی کپڑا بچھا دیا تو آپ نے اٹھوا دیا۔

تنبیہ | اسلامی معاشرت و سادہ زندگی جس طرح مسلمان کو دنیوی لذات میں انہماک سے روکتی ہے اسی طرح صحت و تندرستی اور دنیوی راحت کی بھی کفیل ہے۔ جو لوگ صحت پرستی میں مبتلا ہیں خدا کے لئے اب تو غور کریں۔ اگر اپنے مذہبی فریضے سے متاثر نہیں ہوتے تو انہیں کا نسخہ [illegible]

[illegible]

حضرت ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا پسند کرنا یا اسکو مکروہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کی رحمت فرمانے یا لعنت فرمانے کا سبب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا معاملہ بندے کے معاملہ کے سبب سے ہوا کرتا ہے ایسا نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ ان سے محبت یا عدم محبت فرماتے ہیں اسوقت بندوں کے اندر بھی محبت یا کراہت ہوگی بس انکا یہ وصف بیان کرنا مقصود ہے۔ توضیح اسکی یہ ہے کہ محبت دراصل (اصالۃً) اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور بندے کا اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا یہ اسکے تابع ہے اور اسی کا پرتو ہے جس طرح سے کہ پانی کی پرچھائیں دیوار پر معلوم ہوتی ہے اور اسکی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو اسکو اپنی جانب متوجہ فرمالیتے ہیں اور اپنے کام میں لگا لیتے ہیں، چنانچہ قرآن شریف میں بھی یحبونھم ویحبونہ آیا ہے اس میں یحبونھم کی تقدیم یحبونہ پر جو ہے اس میں بھی اس مضمون کیجانب لطیف اشارہ موجود ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی لقاء کی محبت کا مزا چکھا دے۔ آمین۔

(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی تو حضرات صحابہؓ نے (یہ خیال کر کے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری ملاقات کا محبوب ہونا جب موقوف ہے اس پر کہ ہمکو انکی لقا محبوب ہو یا بعنوانِ دیگر اس پر کہ ہمکو موت پسند ہو اور یہاں معاملہ دوسرا ہے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ پھر تو ہم یہ درجہ نہ پا سکیں گے اسلئے کہ ہم میں سے ہر شخص موت کو ناگوار جانتا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بھی یہ کراہت مراد نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مومن کا جب آخری وقت ہوتا ہے تو خدا کی جانب سے ایک بشارت دینے والا آتا ہے اور اسکو ان تمام انعامات و درجات کی بشارت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اسکے لئے تیار کر رکھی ہیں تو اسکے منہ میں پانی آجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے حاصل کرنے کیلئے جن میں لقاء اللہ بھی ہوتی ہے موت کو پسند کرنے لگ جاتا ہے اور اللہ کی ملاقات سے بڑھکر کوئی چیز اسکو محبوب نہیں ہوتی اسوقت اللہ تعالیٰ بھی اسکی ملاقات کو پسند فرماتے ہیں۔ اسی طرح سے فاجر یا منافق کی موت کا وقت ہوتا ہے تو عذاب آخرت سے ڈرانے والے فرشتے اسکے پاس

شخص آیا اور عرض کیا کہ میں آپکی خدمت میں اسلئے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ مجھے غرائب علم (نادر معلومات) تعلیم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم نے راس العلم (یعنی بنیادی علوم) میں سے کیا کیا سیکھا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ راس العلم کیا شے ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ اللہ رب عز و جل کو پہچان لیا ہے؟ عرض کیا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ تو پھر تم نے اسکی معرفت کا کیا حق ادا کیا؟ عرض کیا کہ جو کچھ خدا کو منظور تھا اور اس نے توفیق دی وہ کیا ہے۔ فرمایا اچھا یہ بتاؤ تم موت سے بھی باخبر ہو؟ عرض کیا ضرور۔ فرمایا کہ پھر تم نے اسکے لئے کچھ تیاری بھی کر رکھی ہے؟ عرض کیا جی ہاں جو کچھ خدا تعالیٰ نے توفیق دی کام کیا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ پہلے ان امور کو اچھی طرح سے درست کر کے آؤ (یعنی خدا کی معرفت اور موت کی تیاری ذرا اچھا سے کر کے آؤ) پھر اسکے بعد میں تمھیں غرائب علم تعلیم کروں گا۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور دو سال کے بعد پھر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھ کو اپنے قلب پر رکھو اور سنو! جو بات اپنے لئے پسند کرو اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند کرو اور جس بات کو اپنے لئے پسند کرو اسکو دوسروں کے لئے بھی پسند کیا کرو — یہ غرائب علم ہے — تو دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کی تیاری راس العلم کے قبیل سے ہے یعنی بنیادی اور اصولی چیز ہے لہٰذا سب سے پہلے مسلمان کا پہلے اہتمام کرے۔ (اسی کے اہتمام اور دوسری عبادات بھی درست اور صحیح طریقہ سے ادا ہوں گی۔

دو) نیز حضرت عبداللہ بن مسعود ہاشمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا (یعنی اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہدایت دینا چاہتے ہیں اسکے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں یعنی اسلام کی جانب سے اسکو شرح صدر حاصل ہو جاتا ہے اور جس شخص کی گمراہی اسے منظور ہوتی ہے تو اسکے سینہ کو تنگ کر دیتے ہیں ایسا کہ اسلام اسکو ایسا شاق معلوم ہوتا ہے جیسے آسمان پر چڑھنا ہو۔) اسکے بعد فرمایا کہ جب اسلام کا نور کسی کے سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے (منشرح ہو جاتا ہے

عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ اس آیتِ شرحِ صدر کی کوئی ظاہری علامت بھی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں ہے۔ اس خیالی جگہ دھوکے کی بستی سے نفرت ہوجانا اور اس دار کی طرف جو کہ دائمی ابدی ہے دل کا مائل ہوجانا اور موت سے پہلے اسکی تیاری میں لگ جانا۔

حضرت میمون بن مہران حضرت میمون بن مہران سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پند و نصیحت کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت جانو۔ اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔ اپنی صحت کو بیماری سے پہلے۔ اپنی فرصت کو مشغولی سے پہلے۔ اپنی وسعت اور امیری کو فقر و تنگدستی سے پہلے۔ اپنی زندگی اور اور حیات کو موت سے پہلے۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ جملوں میں علوم کا ایک دفتر جمع فرما دیا ہے اسلئے کہ انسان جوانی میں جتنے کام کر سکتا ہے بڑھاپے میں اسکے لئے کہاں ممکن ہے پھر اگر جوانی اسکی کسی معصیت میں گذری تو بڑھاپے میں وہ کام کیسے ترک کر دے گا۔ لہٰذا انسان کو چاہیئے کہ جوانی ہی میں خود کو اعمالِ خیر کا خوگر بنالے تاکہ بڑھاپے میں بھی اس پر قائم رہنا آسان ہو۔ اسی طرح سے یہ جو فرمایا کہ اپنی صحت کو بیماری سے پہلے غنیمت جانو اسلئے کہ صحت مند شخص کو اپنے جسم اور مال پر پورا قابو ہوتا ہے جس طرح چاہے اسکو صرف کرے لہٰذا صحت کو با غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ اور اپنے مال اور صحت کو اعمالِ خیر میں صرف کرنا چاہیئے اسلئے کہ بیمار ہو جانے کی وجہ سے بدن سے طاعت نہ ہو سکے گی اور (اگر خدانخواستہ یہ بیماری اسکی مرض الموت ہوئی تو) ایک تہائی سے زائد مال کا صرف کرنا اسکے لئے ممکن نہ ہو سکیگا۔ اور یہ جو فرمایا کہ اپنی فراغت کو اپنی مشغولی سے قبل غنیمت جانو تو اس سے مراد یہ ہے کہ رات کی فرصت کو دن کی مشغولی کے مقابلہ میں غنیمت جانو چنانچہ رات میں نوافل پڑھا کرو اور دن میں روزے رکھا کرو، بالخصوص سردیوں کے ایام میں کہ اسکے دن چھوٹے ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سردی کے ایام مومن کے لئے بمنزلہ ایک غنیمت ہی کے ہے کہ رات لمبی ہوتی ہے تو خوب نماز پڑھ سکتا ہے۔ دن چھوٹا ہوتا ہے تو روزے آسانی سے رکھتے ہیں۔ ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب رات لمبی ہوتی ہے تو تم اسکو سو کر چھوٹی نہ کر دیا

اور دن روشن ہوتا ہے تو تم اسکو اپنی معصیت کی وجہ سے تاریک بنا دیتا۔ اور یہ جو فرمایا کہ اپنی امیری کو غربت اور فقیری سے پہلے غنیمت جانو اسکا مطلب یہ ہے کہ خدا نے جبکہ تمہیں آتنا مال دیا ہے کہ جسکی وجہ سے تم مطمئن ہو تو اسکو غنیمت جانو اور اس حال پر شکر ادا کرو اور لوگوں کے جیب اور ہاتھ پر تمہاری نظر نہ ہو۔ اور یہ جو فرمایا کہ اپنی حیات کو موت کے قبل غنیمت جانو تو یہ اسلئے کہ انسان جب تک زندہ رہتا ہے تو عمل پر قادر رہتا ہے اور مرجاتا ہے تو اسکا عمل منقطع ہو جاتا ہے لہٰذا مومن کو چاہیئے کہ زندگی کے ایام کو ضایع نہ کرے اور آئندہ جو عمر باقی ہے اسکو غنیمت جانے۔ کسی حکیم نے فارسی میں کہا ہے کہ ـــــــ

بکودکی بازی، بجوانی مستی، بہ پیری سستی، خدا را کے پرستی؟ ـــــ یعنی تم بچپنے میں تو کھیلا کئے اور جوانی کو مستی میں گذارا بڑھاپے میں سست رہے تو بتاؤ خدا کی عبادت کب کروگے؟ کیا مرنے کے بعد کروگے۔ مطلب یہ کہ عمل اور عبادت کا زمانہ تو بس زندگی اور حیات کا زمانہ ہے اور ملک الموت سے خوشگوار ملاقات کا یہی وقت ہے اس کو ہر وقت پیش نظر رکھو کیونکہ ملک الموت تم سے کسی آن غافل نہیں ہیں۔

(احقر مترجم عرض کرتا ہے کہ اسی مضمون کو ہمارے خواجہ صاحبؒ نے یوں فرمایا ہے ؎

جو کھیلوں میں تو نے لڑکپن گنوایا ۔۔۔ تو بدمستیوں میں جوانی گنوائی

جو اب غفلتوں میں بوڑھاپا گنوایا ۔۔۔ تو پھر یہ سمجھ زندگانی گنوائی)

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک الموت کو ایک صحابی کے سرھانے دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (شفقتہً وسفارشاً) فرمایا کہ ان کے ساتھ ذرا سہولت ہی کا معاملہ کرنا یہ مؤمن ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مطمئن رہیئے اور یہ بشارت سنیئے کہ میں ہر مومن کے ساتھ نرمی ہی کا معاملہ کرتا ہوں۔ اور اے محمد! سنئے میں جب ابن آدم کی روح قبض کرنے آتا ہوں تو اسکے متعلقین چیختے ہیں اور شور مچاتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ چیخ و پکار کیسی؟ بخدا میں نے کچھ ظلم تو اسکے اوپر کیا نہیں ہے اور نہ اسکے وقت مقررہ سے پہلے آیا ہوں اور نہ اسکو اس کی اجل معہود سے پہلے لیجا رہا ہوں تو اسکی روح کے قبض کرنے میں میرا کیا قصور ہے؟ اب اگر

یہ لوگ یہ سنکر اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہو جاتے ہیں تو مستحق اجر ہوتے ہیں اور اگر وہ
ناگوار سمجھتے ہیں اور جزع فزع کرتے ہیں تو گنہگار ہوتے ہیں۔ اور مجھ پر عتاب کرنے کا تو
انکو کوئی حق ہی نہیں ہے۔ اور میرا معاملہ تو یہ ہے کہ ایک ہی کیا بقیہ اور جو لوگ ہیں ایک ایک
کر کے سب ہی کو لیجاؤں گا۔ اور مجھے تو اس گھر میں بار بار آنا ہے لہٰذا تیار رہو اور ہوشیار
ہو جاؤ۔ اور یہ تمہارے خام یا پختہ گھروں میں سے کوئی گھر بحر و بر میں نہیں ہے مگر یہ کہ وہ میری
نظروں کے سامنے ہوتا ہے اور ان میں بسنے والے سب لوگوں کو میں دن میں پانچ بار غور سے
دیکھتا ہوں یہاں تک کہ ان کے ہر چھوٹے بڑے کو میں نے الگ الگ کر کے پہچان لیا ہے۔ اور
اے محمد! بخدا میں اگر ایک مچھر کی بھی جان لینا چاہتا ہوں تو بدون حق تعالیٰ کی اجازت
اور حکم کے قبض روح پر اقدام نہیں کرتا اور نہ قادر ہوتا ہوں بلکہ جب خدا تعالیٰ ہی کا حکم
ہوتا ہے جب ہی اسکی روح کو قبض کرتا ہوں۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں
کو ہنستے ہوئے دیکھکر اُن سے فرمایا کہ اگر تم لوگوں کو لذتوں کو توڑ دینے والی چیز کی یاد ہوتی تو تمہارا
یہ حال نہ ہوتا۔ لذتوں کو ختم کر دینے والی شے یعنی موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ اور یہ فرمایا کہ
قبر یا تو جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہوگی یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوگا

حضرت عمرؓ نے ایک بار کعب احبارؓ سے دریافت کیا موت کا کچھ حال بیان کرو۔
انھوں نے کہا کہ حضرت بس اجمالاً یوں سمجھئے کہ موت ایک خاردار درخت ہے جو انسان کے
پیٹ میں داخل کیا گیا ہو یہاں تک کہ جب اندر پہونچکر ہر ہر کانٹا اسکی ہر ہر رگ انسانی سے
معلق ہو جائے اور پھر اسکو کوئی طاقت ور آدمی اپنی پوری قوت سے کھینچے جسکی وجہ سے جو حصہ
کٹ جائے کٹ جائے اور جو رہ جائے رہ جائے۔

حضرت سفیان ثوریؒ کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کے سامنے موت کا تذکرہ
ہوتا تھا تو ان پر اتنا اثر ہو جاتا تھا کہ بالکل از کار رفتہ ہو جاتے تھے اور لوگوں کا فیض اٹھانا
بند ہو جاتا تھا چنانچہ اس حالت میں اگر ان سے کوئی شخص کوئی بات دریافت کرتا تو فرما دیتے
کہ بھائی مجھے معلوم نہیں ہے۔

ایک حکیم کا کہنا ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ کسی عاقل کے لئے انکو بھلا دینا جائز نہیں ہے ایک تو موت دوسرے دنیا کا فنا اور اسکے احوال کے تقلبات۔ تیسرے وہ آفات جن سے امن کی کوئی سبیل نہیں۔

حضرت حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ چار چیزیں ہیں کہ انکی قدر چار ہی شخص جان سکتے ہیں۔ جوانی کی قدر بوڑھے ہی جان سکتے ہیں۔ عافیت کی قدر اہل مصیبت اور اصحاب بلا ہی سمجھ سکتے ہیں۔ صحت کی قدر بیمار ہی پہچان سکتے ہیں اور زندگی کی قدر مردے ہی جان سکتے ہیں۔ فقیہ ابواللیثؒ فرماتے ہیں کہ انکا یہ مقولہ تو سابقاً بیان کی ہوئی اس حدیث کے مضمون کے مطابق ہے جس میں آتا ہے کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے قبل غنیمت جانو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ میرے والد صاحب اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اس زبان اور عقل رکھنے والے پر تعجب ہوتا ہے جس پر موت کا سانحہ پیش آئے کہ آخر وہ اسکی حقیقت کیوں نہیں بیان کرتا۔ فرماتے ہیں کہ پھر اسکے بعد والد صاحب ہی مرض الموت اور جان کنی سے دوچار ہوئے ان کے ہوش وحواس بالکل بجا رہے اور زبان بھی آخر وقت تک چلتی رہی۔ مجھے اس حالت میں انکی زندگی کا کہا ہوا مقولہ یاد آگیا چنانچہ میں نے یاد دلایا کہ ابا جان آپ ایسا ایسا کہا کرتے تھے اب خود آپ پر وہی دور طاری ہے کچھ آپ ہی ارشاد فرمائیے کہ موت کی کیفیت کیسی ہوتی ہے؟ انھوں نے کہا کہ بیٹا کیا بیان کروں اسکی پوری کیفیت تو بیان سے بالاتر ہے۔ ہاں کچھ بیان کرتا ہوں۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے کاندھوں پر بہت بڑا پہاڑ رکھ دیا گیا ہے یا یوں سمجھو کہ مجھے سوئی کے ناکے کے اندر گھس کر نکلنے کا مکلف کیا جا رہا ہے یا یوں سمجھو گویا میرے سارے پیٹ میں ببول کا کانٹا چبھا ہوا ہے یا یوں سمجھو کہ آسمان زمین دونوں ایک چکی کے دو پاٹ ہیں اور مجھے ان کے درمیان میں دبا دیا گیا ہو۔ پھر والد مرحوم نے فرمایا کہ بیٹے ٹھیک بات تو وہ یہ کہ میرا حال تین طرح ادلتا بدلتا رہا سب سے پہلا دور تو مجھ پر وہ گذرا کہ مجھے سب لوگوں سے زیادہ حرص تھی کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں پاؤں اور قتل کر دوں اگر اسی دور میں مر جاتا تو یقیناً جہنم رسید ہو جاتا اگر میں اپنے اسی خیال پر مر جاتا۔ پھر مجھے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق بخشی اور اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہیں رہ گیا تھا

آپ نے مجھے جیا دیں بھی بھیجا اور میں نے کفایت سے مقابلہ کیا۔ اسے کاش کہ میرا اسی زمانہ میں انتقال ہوگیا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں ملتیں اور آپ میرے جنازہ کی نماز پڑھتے (یہ میرا دوسرا دور تھا) پھر اسکے بعد تو میں دنیا میں مبتلا ہوگیا اور کچھ خبر نہیں کہ میرا اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا مرتبہ و مقام ہے۔ (یہ میرا تیسرا دور ہے) حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد میں والد صاحب کے پاس بیٹھا ہی تھا کہ آپ نے آنکھ بند کرلی اور واصل بحق ہوگئے۔ (اللہ تعالیٰ رحم اور مغفرت فرمائے)۔

حضرت شقیق بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں چار چیزیں ہیں کہ لوگوں نے زبان سے تو وہی کہا جو میں کہتا ہوں اور وہ بات صحیح بھی ہے مگر عمل کی رو سے میرے خلاف سب نے کیا یعنی قول کے تقاضے کے خلاف کام کیا۔ ایک یہ کہ جسکو دیکھو وہ یہی کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور غلام ہوں اور ان کے کام دیکھو تو آزاد اور خود مختار لوگوں جیسے کام کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ زبان سے سب یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری روزی کے کفیل ہیں مگر بدون کچھ دنیا پاسے ہوئے ان کے قلوب مطمئن بھی نہیں ہوتے۔ تیسرے یہ کہ لوگ زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے لیکن دنیا کے لئے مال جمع کرتے ہیں (اور آخرت کے ثواب کی کچھ فکر نہیں۔) چوتھے یہ کہ زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ موت کا آنا برحق ہے مگر عمل اس طرح کر رہے ہیں جیسے انکو مرنا ہی نہیں ہے۔

حضرت ابو درداؓ سے مروی ہے بعض روایت میں حضرت ابوذرؓ کا نام آتا ہے بعض میں حضرت سلمان فارسیؓ کا ذکر ہے لیکن مشہور ابوذر ہی کا نام ہے کہ آپ سے مروی ہے فرمایا کہ تین چیزیں مجھے عجیب معلوم ہوئیں یہاں تک کہ مجھے ان کی وجہ سے ہنسی آگئی اور اسی طرح تین چیزوں کی وجہ سے مجھے رنج ہوا یہاں تک کہ میں رو دیا۔ صنف اول کی پہلی چیز وہ طالب دنیا ہے کہ جس کے پیچھے موت لگی ہو، یعنی یہ ظالم اپنے طول امل میں مست ہے اور پیچھے موت پکڑ رہی ہے اسکی اسے ذرا فکر نہیں۔ دوسرا وہ غافل جو مغفول عنہ نہیں ہے یعنی خود موت سے غافل اور سامنے قیامت موجود۔ تیسرا وہ کھلکھلا کر ہنسنے والا جسے یہ خبر نہ ہو کہ خدا اس سے خوش ہے یا ناراض ہے (ان تینوں کی حماقت پر ہنسی آتی ہے)۔

دوسری اختیاری ہے جیسے مریدین کے لئے دعا کرنا اُن کے عمل کی نگرانی کرنا، شفقت سے نصیحت کرنا اسکو بھی توجہ بالمعنی اللغوی کہا جاتا ہے مگر اصطلاحی توجہ بمعنی تصرف نہیں سو اسکا کچھ مضائقہ نہیں بلکہ مسنون ہے کیونکہ طریق توجہ کے ترک کا سبب محض یہ تھا کہ اس میں ذات باری سے غیبت ہے اور چونکہ اس دوسرے طریق میں ترک التفات الی اللہ نہیں بلکہ زیادتِ التفاتِ الی اللہ ہے اس لئے یہ مذموم نہیں بلکہ مطلوب ہے اور گو اسوقت توجہ الی الخلق بھی ہوتی ہے مگر وہ توجہ صارف عن التوجہ الی الحق نہیں ہے بلکہ دعا کی تو حقیقت ہی توجہ الی الخالق ہے گو لنفع الخلق سہی اور یہ نفع بھی خاص ضی حق ہے۔ اور نگرانی اور نصیحت و تعلیم وغیرہ میں اعتدال توجہ الی الخلق غیر مانع عن الحق ہے اور وہ بھی باذن الخالق ہے تو انہماک فی الخلق وغیب عن الحق نہیں ہے۔

حاصل یہ کہ توجہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں، ایک وہ کہ جس میں خدا تعالیٰ سے غیبت ہے دوسرے وہ کہ اس میں احداث التفاتِ الی الخلق ہو۔ پہلی قسم کملار کے یہاں متروک ہے دوسری قسم مطلوب و محمود ہے۔ البتہ پہلی قسم کی توجہ سے اگر اپنے تصرف کا اظہار یا زیادت جاہ منظور ہو تو مذموم ہے۔ پس اسکا وہی مرتبہ ہے جو غلام پہلوان اور رنجیت سنگھ کی کشتی کا ہے۔ جس درجہ میں یہ کشتی مذموم و محمود ہے بالکل اسی درجہ میں یہ توجہ بھی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ توجہ مروج فی نفسہ کوئی مطلوب و محبوب چیز نہیں ہے لیکن اگر اسکی غایت محمود ہو تو اس میں بالعرض مطلوبیت کی شان پیدا ہو جاتی ہے جس طرح ورزش کہ اگر اس سے غرض محض اظہار قوت صولت ہو تو لغو ہے اور اگر اعانت مخلوق اس سے مطلوب ہے تو محمود ہے۔ پس یہ توجہ ایک مرتبہ میں طاعت ہے لیکن اس سے زیادہ درجہ میں وہ توجہ ہے جو انبیار اپنے اصحاب و امت پر فرماتے تھے یہی انبیار کا طریق توجہ ہے جسکو کاملین نے اختیار کیا ہے کہ اس میں وہ خطرہ نہیں ہے جو کہ مروج طریق میں ہے اور وہ توجہ ہے خلق کی طرف جو کہ سالک کے لئے نہایت مضر ہے حتیٰ کہ ابتدار میں مطلق افادہ کے ارادہ سے بھی توجہ کرنا مضر ہوا ہے

حکایت: ایک بزرگ کی حکایت مشہور ہے کہ اپنے ایک مرید کو مدت تک ذکر و شغل

بتلاتے رہے اور اس میں تغیر و تبدل بھی کرتے رہے لیکن مرید کو کچھ نفع نہ ہوا آخر مدت
کے بعد اس سے پوچھا کہ تم یہ ذکر و شغل کس نیت سے کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ حضرت
یہی نیت ہے کہ اگر کسی قابل ہو جاؤنگا تو دوسروں کو نفع پہونچاؤں گا۔ شیخ نے کہا کہ
توبہ کرو یہ شرک ہے کہ ابھی سے بڑے بننے کا خیال ہے اور خلق مقصود بالنظر ہے۔ جب
اس نے اس خیال سے توبہ کی فوراً فائدہ محسوس ہوا گویا افادہ کی غرض سے بھی جو کہ بظاہر
محمود ہے خلق کی طرف توجہ کرنا ابتدا سلوک میں مضر ہوتا ہے

۷۶۔ شیخ کامل مرید کی اصلاح سے نہ خود مایوس ہوتا ہے نہ اسکو مایوس کرتا ہے

اور اس حکایت سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ شیخ کامل کبھی مایوس
نہیں ہوتا نہ مرید کو مایوس کرتا ہے۔ جیسا یہ شیخ مدت تک تغیر و تبدل کرتے رہے اور
نفع نہ ہونے سے جواب نہیں دیا بلکہ اسی کاوش میں رہے حتیٰ کہ مرض اور اس کا
علاج نکال ہی لیا وہ طبیب حاذق کی طرح کسی نہ کسی نئی ادھیڑ بن میں برابر لگا ہی
رہتا ہے برخلاف ظاہری اور ناقص پیروں کے کہ وہ ایسے موقع پر گھبرا جاتے ہیں اور
دوسرے کو بھی مایوس کردیتے ہیں اسی پر حافظ شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

بندۂ پیر خراباتم کہ لطفش دائم است — زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

(میں تو پیر خرابات کا غلام ہوں کہ اس کی توجہ اور احسان ہمیشہ دائمی رہتی ہے اور یہی شیخ وزاہد کی توجہ تو وہ کبھی ہوتی ہے کبھی نہیں بھی ہوتی)

(مصرعہ ثانی میں شیخ سے مراد شیخ ناقص ہے)۔ بلکہ اگر کشف سے بھی کسی کی شقاوت
ظاہر ہو جاوے تب بھی مایوس نہیں ہوتے بلکہ دعا ر تبدل بالسعادۃ کی کرتے ہیں۔ البتہ
اگر کسی نبی کو وحی سے کسی کا ختم علی الکفر ہونا معلوم ہو جائے تو اسوقت مایوس ہونا
خدا ہی کے حکم سے ہے

۷۷۔ ہر شخص منصب ارشاد کی لیاقت نہیں رکھتا

نیز اسی حکایت سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ ہر شخص منصب ہدایت کی لیاقت

نہیں رکھتا۔ بہت سے نام کے ایسے ہادی ہیں کہ جنکی غرض ہدایت سے محض طلب جاہ
ہے اسی لئے حدیث میں ارشاد ہے لا یقص الا امیر او مامور او مختال یعنی وعظ
کہنے کی ہمت وہی کرے گا جو یا تو خود امیر المومنین ہے یا امیر المومنین کی طرف سے
مامور ہے یا متکبر اور نفس پرور ہے اسلئے کہ جب ہدایت عامہ کا کام امیر المومنین کی
ذمہ داری میں ہے تو اسکو وہ خود کریگا یا خود نکریگا تو کسی کو اس خدمت پر مامور کریگا
پس جو شخص نہ یہ ہے نہ وہ ہے اور پھر بھی ایسا کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ آپ بھی خواہ مخواہ
اپنے کو پانچویں سواروں میں گنتا ہے۔

۶۸۔ آجکل مخلص واعظوں پر مختال ہونیکا شبہ مع جواب اور اسکی تحقیق کہ وعظ کہنا کسکو جائز ہے

لیکن اس سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب بغیر امیر یا مامور ہوئے وعظ کہنا
مختال ہونے کی علامت ہے تو آجکل کے تمام وعاظ میں سے تو ایک شخص بھی امیر یا مامور
نہیں تو کیا یہ سب کے سب حدیث کی تیسری شق میں داخل ہیں۔ جواب یہ ہے کہ فقہ کا
یہ مسئلہ ہے کہ جس جگہ حاکم نہ ہوں وہاں اگر متقی پرہیزگار اہل الرائے مسلمان کسی ایک شخص
کو کوئی منصب دیدیں تو وہ سب ملکر امیر کے قائم مقام سمجھے جاویں گے اور انکا اعطا امیر
ہی کا اعطا ہوگا کیونکہ اگر غور کرکے دیکھا جاوے تو اعطار منصب کا اختیار جو امام کو ہے
وہ بھی درحقیقت اہل اسلام ہی کو ہے اور امام بحیثیت انکا نائب ہونے کے انکا کام
کرتا ہے کیونکہ امام کا امام ہونا تو خود اہل اسلام کے اتفاق پر ہے پس اگر وہ موجود نہو
تو خود انکا فعل ضرور جائز ہوگا جیسے جمعہ کی نماز کیلئے انتخاب امام کا کہ اگر امیر موجود نہ ہو
اور مسلمان ملکر کسی کو منتخب کرلیں تو وہ امام صحیح ہوجاتا ہے یا ناظر وقف کو امام کی عدم موجودگی
میں اہل اسلام کے انتخاب سے کسی خاص شخص کو عہدۂ نظارت وقف دیا جاسکتا ہے۔ پس
جب دیندار فہیم مسلمانوں نے ملکر ایک شخص کو وعظ ونصیحت کیلئے انتخاب کرلیا ہو خواہ قولاً یا حالاً
تو ایسے شخص کو وعظ کہنا جائز ہے۔

۹۷۔ جو لوگ وعظ کہنے کے اہل نہیں ہیں انکے وعظ سے گمراہی پھیلتی ہے

بدون اہل دین اور اہل عقل کے انتخاب کے جو لوگ اس کام کو کر رہے ہیں اور اہل نہیں ہیں وہ وعظ کے رنگ میں گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ ضروری مسائل تک سے انکو واقفیت نہیں ہوتی اور وعظ کہنے کی جرأت کر بیٹھتے ہیں۔

حکایت:۔ سہارن پور میں ایک جاہل دیہاتی نے آکر وعظ کہا اندازیہ کہ آپ نے قبل از نماز پوچھا کہ یہاں واج (وعظ) تو نہیں ہوتی معلوم ہوا کہ نہیں پس نماز کے بعد پکار مارا کہ ساہبو (صاحبو) واج ہوگی۔ سنتیں پڑھکر وعظ کہنے بیٹھے اعوذ باللہ بسم اللہ غلط سلط پڑھکر یٰسین پڑھنی شروع کی آیتیں الٹی سیدھی پڑھکر ترجمہ کیا خوبصورت کیا۔ اے محمد۔ اے محمد۔ اے محمد۔ اگر تجھکو پیدا نہ کرتا' نہ زمین پیدا کرتا نہ آسمان نہ عرش وکرسی وغیرہ وغیرہ پھر فرماتے ہیں بھائیو تھکے ماندے ہیں اسلئے آدھی وعظ اب ہوئی باقی پھر ہوگی۔ کوئی نابینا ذی علم اس مجلس میں موجود تھے انھوں نے واعظ صاحب کو اپنے پاس بلاکر بٹھلایا اور پوچھا کہ آپ کی تحصیل کہاں تک ہے فرماتے ہیں کہ ہماری تسیل ہا پڑھی ہے۔ بس ایسے واعظ رہ گئے ہیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ لوگ گو لغو ہیں اور اپنی اور دوسروں کی تضیع اوقات کرتے ہیں مگر پھر بھی ان بیچاروں سے اسقدر نقصان نہیں ہوتا اور اتنی گمراہی نہیں پھیلتی جتنے وہ لوگ پھیلاتے ہیں کہ آب دتاب کی تقریریں مشق کئے ہوئے ہیں، بڑے بڑے الفاظ یاد ہیں، صوفیہ کی صطلاحات از بر ہیں حافظ کا دیوان پیش نظر ہے، زبان ہے کہ آب رواں کی طرح بہتی چلی جاتی ہے لیکن واقفیت اور حقیقت دیکھو تو محض ہیچ۔ یہی لوگ ہیں کہ ان سے امت کے اکثر افراد تباہ ہوئے اور ہو رہے ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

حرف درویشاں بدزد دمرد دوں   تابہ پیش جاہلاں خواند فسوں

(کمینہ اور کم ظرف آدمی درویشوں کے الفاظ چرالیتا ہے تاکہ انکو جاہلوں کے (دنیا طلبی کا) منتر بناکر پیش کرے (یعنی اسکو لوگ واقعی بزرگ جانکر خوب تبرکا نذرانہ دیں)

اور یہی لوگ ہیں جنکو حدیث میں دجال کے لفظ سے فرمایا گیا ہے۔

۸۰۔ ابتدائے سلوک میں وعظ کہنا ممنوع ہے

غرض اس حدیث سے یہ بات صاف معلوم ہوگئی کہ وعظ طاعت ہے لیکن اگر اس میں نیت خراب ہو تو وہی گناہ ہو جاتا ہے۔ صوفیہ نے اسی راز کو سمجھکر ابتدائے سلوک میں وعظ گوئی سے بالکل منع فرمایا ہے کہ قبل اصلاح نفس اس میں اغراض فاسدہ ہوتے ہیں

۸۱۔ محقق شیخ کی کیسی شان ہوتی ہے؟

پس معلوم ہوا کہ ہر شخص اہلیت ارشاد کی نہیں رکھتا۔ سو شیخ ہونا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ دیکھو محقق شیخ کی وہ شان ہوتی ہے کہ جو اوپر کی حکایت میں مذکور ہوئی کہ کس دقیق مرض کو مرید کے سمجھ لیا جسکی نیت ذکر شغل سے بڑا بننا اور خلق کو مطمح نظر بنانا تھا۔

۸۲۔ محققین کے نزدیک متعارف توجہ اور تصور شیخ کے ناپسندیدہ ہونیکی وجہ اور غیر اللہ سے محبت کی حد

یہ توجہ اگرچہ (بالغیر) طاعت ہو لیکن وہ کاملین کے لئے طاعت نہیں کیونکہ اسمیں مخلوق کی طرف کامل توجہ لازمی ہے اور ان کے حق میں غیر اللہ کی طرف التفات کرنا سخت گناہ ہے ؂

بہرچہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف چہ ایماں بہرچہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش چہ زیبا

(جو تجھے دوست سے ہٹادے وہ بھلا ہی ہے چاہے دنیا اسکو کفر کہے یا ایمان کہے اور جو شے تجھکو دوست سے دور کردے وہ مذموم ہے خواہ وہ نقش برا ہو یا اچھا ہی کیوں نہ ہو)

خلاصہ یہ کہ نفس توجہ اگرچہ زیبا ہو لیکن جب اس نے خدا سے ہٹا دیا تو یقیناً زشت ہے اسی طرح تصور شیخ کا شغل بھی محققین نے اکثروں کو تبلانا ترک کر دیا ہے۔ سبب یہی ہے کہ تصور شیخ میں مرید کی پوری توجہ شیخ کی طرف ہوتی ہے ذات باری کیطرف بالکل

التفات نہیں ہوتا اور یہ عیب کاملین کے یہاں جرم ہے۔ خوب کہا ہے ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی   شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(پلک جھپکنے کی مدت بھر کیلئے یار سے غافل نہو شاید کہ وہ اسی آن تم پر نظر کرم فرمائے اور تم اس سے غافل رہو) ممکن ہے کہ جس وقت یہ شخص پیر کے تصور میں مصروف ہو دہی وقت ادہر کیطرف کی توجہ کے نافع ہونے کا ہو اسی لئے کاملین کی طبیعت اچٹتی ہے اور انکو سخت وحشت ہوتی ہے۔ اسکی بالکل ایسی مثال ہے جیسے او جھڑی کہ اسکو حلال تو ضرور کہیں گے اگر غلاظت سے صاف ہو لیکن ایک لطیف المزاج آدمی سے پوچھو کہ اس کے خیال سے کلی وحشت ہوتی ہے۔ اور صاحبو! اصل تو یہ ہے کہ جب ایک دل میں دو خیال نہیں آسکتے۔ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں پھر کیونکر کہا جائے کہ جو توجہ کہ اس میں خدا کا خیال ضعیف اور مخلوق کا خیال غالب ہو، پھر اسکو قصداً پیدا کیا جائے تو وہ مطلوب ہوگی۔

حکایت :۔ حضرت ابراہیم ادہم کا واقعہ مشہور ہے کہ جب بیٹے سے جو شیخ محمود کے نام سے مشہور ہیں ملے اور مسرت کا جوش غالب ہوا تو ندا آئی کہ ؎

حب حق ہو دل میں یا حُبِّ پسر   جمع ان دونوں کو تو ہرگز نہ کر

آخر وہ حجاب کلی مرتفع ہوگیا اور ان کا انتقال ہوگیا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بیٹے سے بالکل محبت ہی نکرے جس قدر انکا حق شرعی ہے وہ حب حق پر غالب نہ ہو عین سنت ہے۔ پس شیخ سے کلی اتنی محبت نہ ہونی چاہیئے جو کہ خدا کو بالکل بھلا دے جیسا آجکل جاہل فرقوں میں متعارف ہے۔ اسی طرح بیوی بچوں سے وہ محبت نہ ہو کہ خدا کی طرف توجہ نہ رہے لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (دیکھو تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمکو اللہ کی یاد سے غافل نہ کردیں) الطاف خداوندی کے قربان ہوجیئے یہ حکم نہیں فرمایا کہ اولاد سے بالکل محبت نکرو جانتے ہیں کہ محبت اولاد طبعی ہے امتثال نہ ہوسکیگا اس لئے یوں فرماتے ہیں کہ اسقدر اس کے درپے نہ ہو کہ خدا کو بھول ہی جاوٴ

۸۳۔ ترک توجہ متعارف پر ایک شبہ اور اسکا جواب

ممکن ہے کسی کو یہ شبہ پیدا ہو کہ توجہ تو اسقدر مذموم ٹھہری اور جو غرض توجہ کی ہے وہ

ضروری ہے پس اگر توجہ ترک کریں تو امر ضروری کا ترک لازم آتا ہے اور توجہ اختیار کریں تو امر مذموم کا اختیار لازم آتا ہے۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ توجہ سے جو غرض ہے اسکا حصول توجہ ہی میں منحصر نہیں کیونکہ اگر اسکا حصول اسی میں منحصر ہوتا تو انبیاء علیہم السلام اسی طریق کو اختیار فرماتے جب انھوں نے ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ اسی طریق میں اسکا انحصار نہیں ہے بلکہ دوسرا طریق بھی موجود ہے یعنی تعلیم و ارشاد شفقت و دعا اور یہ طریق ایسا ہے کہ جس میں کوئی خطرہ ہے نہ کچھ اندیشہ۔

۸۴۔ قرآن شریف جمال حق کے لئے آئینہ ہے اور اسکی خوبیاں

قرآن شریف کی تعریف میں ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

چیست قرآں؟ اے کلام حق شناس رونمائے رب ناس آمد بہ ناس

(قرآن کیا ہے؟ اے حق بات کے سننے والے سن لے لوگوں کے رب کی معرفت کا آئینہ بنکر آیا ہے لوگوں کے پاس)

حرف حرفش راست در بر معنئے معنئے در معنئے در معنئے

(اسکا ایک ایک حرف اپنے معنی پر بالکل منطبق ہے اور اسکے معنی کا تو پوچھنا ہی معنی کے اندر معنی اور اسکے اندر معنی پائے جاتے ہیں)

اور رونما اسلئے کہا کہ خداتعالی کو دنیا میں بلاواسطہ تو دیکھ نہیں سکتے۔ پس کلام اللہ کو پڑھنا گویا دیدار خداوندی سے محظوظ ہونا ہے اس موقع پر ایک حکایت یاد آئی اس سے اس کی پوری حقیقت ظاہر ہوگی۔

حکایت:۔ ایک مرتبہ ایران کے بادشاہ کے خیال میں ایک مصرعہ آگیا

مصرع۔ درابلق کسے کم دیدہ موجود ۔۔۔ مصرعہ کہکر بڑی خوشی ہوئی لیکن دوسرا مصرعہ نہ کہہ سکا۔ شعراء کو جمع کیا اور مصرعہ لگانے کی فرمائش کی کسی سے مصرعہ نہ لگ سکا کیونکہ ایک مہمل مضمون ہے آخر سب کو زندان کی دھمکی دی ان لوگوں نے پریشان ہوکر ہندوستان عالمگیر کے پاس خط لکھا کہ تمھارے یہاں بڑے بڑے شاعر ہیں کسی سے مصرعہ کہلاکر ہماری جان بچاؤ۔ چنانچہ شعراء کو وہ مصرعہ دیا گیا لیکن مضمون ایسا بے تکا تھا کہ کسی کی کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا شدہ شدہ زیب النساء متخلص بہ مخفی کو بھی اسکی خبر پہونچی اس نے بھی غور کیا

لیکن مصرعہ نہ لگ سکا اتفاقاً ایک روز مسند پر بیٹھی آنکھوں میں سرمہ ڈال رہی تھی آئینہ سامنے تھا کہ سُرمہ کی تیزی سے ایک آنسو آنکھ سے گرا اسکی ہئیت دیکھکر فوراً دوسرا مصرعہ اسکے ذہن میں آگیا۔ ع۔ مگر اشکِ بتانِ سرمہ آلود۔ چنانچہ عالمگیر کو خبر ہوئی اور شعر پورا کر کے ایران بھیجا گیا۔ جب بادشاہ نے مصرعہ سنا اسکے اور تمام شعرار کے دل میں اس شاعر کی بڑی قدر ہوئی اور شاہ ایران نے عالمگیر کو لکھا کہ اس شاعر کو ہمارے پاس بھیجدو۔ عالمگیر کو جب اس پیغام کی خبر پہونچی تو بہت زچ ہوا کہ اگر شاعر کو ظاہر کرتا ہوں تب بھی مشکل ہے اور انکار کرتا ہوں تو بھی مشکل ہے۔ آخر اس نے زیب النسار سے کہا کہ تمہاری شاعری کا یہ نتیجہ ہوا۔ زیب النسار نے کہا کہ تم اسکے جواب میں یہ لکھدو کہ ؎

درسخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

(اسے مخفی کلام کے اندر میں اسطرح سے موجود ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول کے اندر لہٰذا جس کسی کو مجھے دیکھنا ہو تو وہ مجھکو میرے کلام میں دیکھے)

چنانچہ یہ لکھکر بھیجدیا گیا معلوم ہوا کہ مستورات سے ہے (یعنی یہ شاعرہ کوئی پردہ نشین عورت ہے)

پس اسی طرح ہمارا مطلوب حقیقی جس کے دیدار کے ہم متمنی ہیں بوجہ اس کے کہ ہم اسکے دیدار کی تاب نہیں لاسکتے اور ہم اسکو دیکھ نہیں سکتے گویا یہ فرمارہے ہیں ؎

درسخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

اور وہ سخن یہی کلام اللہ ہے جس کی شان یہ ہے کہ ع معنے در معنے در معنے ۔ جسقدر زیادہ پڑھتے جاؤ اسی قدر زیادہ علوم منکشف ہوتے جاویں گے۔ چنانچہ حدیث میں ہے لاتنقضی عجائبہ (اسکے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں ہیں) اور پھر لطف یہ کہ جاہلوں کو بھی لطف آتا ہے اور عالموں کو بھی مزا آتا ہے۔ صاحبِ ظاہر بھی جان کھوتا ہے اور صاحب باطن بھی قربان ہوتا ہے ؎

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را بو اصحاب معنی را

(اسکے حسن کا یہ عالم ہے کہ وہ دل وجاں ہر دو کو تازہ کردیتا ہے اپنے ظاہری رنگ سے ارباب ظاہر کو اور اپنی خوشبو سے ارباب معنی کو)

حدیث میں ہے لا یخلق من کثرۃ الرد (یعنی یہ قرآن کثرت تکرار سے پرانا بھی نہیں ہوتا) واقعی میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ کتنا ہی سنو جی نہیں بھرتا نیا مزہ آتا ہے۔

Regd. No. L2/9/AD-111

Monthly WASIYATUL IRFAN NOV. 1982

23, Buzi Bazar, Allahabad-3

Rs. 30/-

Rs. 24/-

شمارہ ۱۲ دسمبر ۱۹۸۲ء جلد ۵

زیر سرپرستی حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی
جانشین حضرت مصلح الامۃ

فی پرچہ ۲ دو روپئے | مدیر: عبد المجید عفی عنہ

شمارہ ۱۲ | صفر المظفر ۱۴۰۳ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۲ء | جلد ۵

فہرست مضامین

ترسیل زر کا پتہ: مولوی عبد المجید صاحب ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد ۳

اعزازی پبلشر: صغیر حسن نے باہتمام عبد المجید صاحب پرنٹر و منیجر اسرار کریمی پریس الٰہ آباد سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ وصیۃ العرفان ۲۳ بخشی بازار۔ الٰہ آباد سے شائع کیا

رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۰۲-۱-۷-ڈی ۱۱۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

وصیۃ العرفان بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۸۲ء کا شمارہ نظر نواز ہے۔ الحمد للہ کہ یہ رسالہ انگریزی سال یعنی اپنے حسابی سال کا آخری شمارہ ہے اور خانقاہ وصی اللّٰہی سے نکلنے والے رسالہ کی انیسویں جلد کا اور وصیۃ العرفان کے نام سے نکلنے والے رسالے کی پانچویں جلد کا اس پر اختتام ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ادارہ کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور رفقائے ادارہ کو مزید توفیق عطا فرمائے کہ وہ آئندہ بھی اسی آب و تاب کے ساتھ سالکین راہ مولیٰ اور طالبین دین خدا کیلئے صاف مسلک اور شفاف روحانی غذا فراہم کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کے مرشد، دینی رہنما اور روحانی پیشوا حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ کی قبر کو نور سے بھر دے انھوں نے ہمارے قلوب کو نور عرفان سے بھرنے کا سامان فراہم فرمایا اور ان کے جانشین امین حضرت قاری محمد مبین صاحب کی عمر میں برکت عطا فرما دے کہ انھوں نے حضرت اقدسؒ کے بعد اپنی نگرانی و سرپرستی میں رکھکر حضرت نور اللہ مرقدہ کی اس امانت کی کما حقہ، حفاظت فرمائی۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ ان تمام رفقائے کار اور معین و مددگار احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے جنکی کسی نوع کی سعی اجرائے رسالہ کیلئے ممد و معاون ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے اُن ناظرین کے بھی شکرگذار ہیں جنھوں نے مضامین رسالہ سے متاثر ہو کر خدام رسالہ کیلئے دعائیں کیں۔ خدا تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کس کی طلب اور دعا، اسکی راہ سے خار و خس و خاشاک کو بلیدہ دور کئے جا رہی ہے اور کس کے سہارے یہ کشتی مسلسل چلی جا رہی ہے۔

(ایک اطلاع اور ایک گذارش)

جیسا کہ گذشتہ شمارہ میں بھی عرض کر چکا ہوں ---- اب طے یہی ہوا ہے کہ رسالہ کا چندہ آئندہ سال یعنی ۱۹۸۳ء سے بائیس ۲۲ روپیہ کر دیا جائے ---- لہٰذا ناظرین ۱۹۸۳ء کیلئے ۲۲/= روپیہ ارسال فرما دیں۔ اور ششماہی چندہ اب ۱۲/= روپیہ ہوگا اور تمام ہی حضرات سے یہ بھی گذارش ہے کہ سال آئندہ کے لئے ۲۲/= روپیہ پیشگی چندہ فوراً ارسال فرما دیں۔ اور جن حضرات نے ۱۹۸۲ء کا بھی چندہ جزءً یا کلاً نہ دیا ہو وہ ہمارے حال پر کرم اور رسالہ پر رحم فرمائیں۔ والسلام۔

(ادارہ)

۴۴۔ لَا یُحَدِّثُ فِیْہِمَا نَفْسَہٗ کا مطلب

فرمایا کہ ـــــ مشہور حدیث ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے میرے اس وضو کیطرح وضو کیا اور اسکے بعد دو رکعت نماز پڑھی ایسی کہ جس میں اسکے نفس نے کوئی بات نہ کی ہو (یعنی وساس سے خالی ہو) تو اللہ تعالیٰ اسکے گزشتہ گناہ سب معاف فرمادیں گے۔ حضرت مولانا تھانویؒ کے ملفوظات میں ہے کہ حضرت گنگوہی کے درس حدیث میں یہی حدیث آئی تو کسی طالب علم نے حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت کیا ایسی نماز کا پڑھنا ممکن بھی ہے جس میں کوئی خطرہ اور وسوسہ نہ گزرا ہو پھر حدیث کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ حضرت گنگوہی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تم نے کبھی ایسی نماز پڑھنے کی کوشش بھی کی ہے یا یونہی شبہ کر رہے ہو اس پر وہ طالبعلم خاموش ہوگیا

حضرتؒ کا مقصد یہ تھا کہ یہ سب عملی چیزیں ہیں جو لوگ عمل کرتے ہیں ان کے احوال ہیں تم نے جب ابھی اس کوچہ میں قدم ہی نہیں رکھا تو پھر شبہ کرنا کیسا؟

حضرت گنگوہیؒ کے سبق کا یہ اشکال اور حضرتؒ کا یہ جواب بھی سن رکھا تھا لیکن "احکام الاحکام" میں مسئلہ پر پوری بحث نظر سے گذری ایسی کہ جس سے حدیث کا مفہوم بالکل بے غبار ہو جاتا ہے اور ہر شخص کو اس جواب سے قناعت ہو جاتی ہے۔ صاحب احکام الاحکام فرماتے ہیں کہ حدیث میں لایحدث فیھما نفسہ جو آیا ہے یعنی ان دو رکعتوں میں تحدیث بالنفس نہ ہوا ہو تو اسکا مطلب یہ ہے کہ خواطر اور وساوس اسکے نفس پر وارد نہ ہوئے ہوں۔ چنانچہ ان وساوس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ خواطر جو نفس پر بے اختیار ہجوم کرکے آتے ہیں اس طرح سے کہ انکا دفعیہ نفس کے لئے کسی طرح ممکن نہیں ہوتا بلکہ ان سے چھٹکارا پانا متعذر اور دشوار ہوتا ہے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ وہ ایسے وساوس ہوتے ہیں کہ نفس کا تعلق تو ان سے ہو جاتا ہے اور نفس انکے ساتھ مشغول بھی ہو جاتا ہے مگر انکو دفع کرنا اور قطع کرنا بھی نفس کے لئے ممکن اور آسان ہوتا ہے یعنی ان میں نہ لگنا چاہے یا لگ کر بھی ان سے بچنا چاہے تو بچ بھی سکتا ہے۔

پس ہوسکتا ہے کہ حدیث شریف میں یہی دوسری قسم کے وساوس مراد ہوں اول قسم والے (جو ہجوم کرکے آتے ہیں اور ان سے بچنا متعذر ہوجاتا ہے) مراد ہی نہ ہوں بلکہ اس حکم سے وہ اپنے عسر اور دشواری کی وجہ سے مستثنیٰ ہوں ۔ لہٰذا اب اس صورت میں حدیث میں کیا اشکال رہا ؟ جن وساوس سے بچنا ممکن ہے ان سے بچے بالقصد ان میں نہ لگے اور جو بلا اختیار ہجوم کرکے آویں وہ مراد ہی نہیں ہیں) اور حدیث میں بھی یحدث جو فرمایا گیا ہے یہی دلیل ہے کہ قسم دوم والے اختیاری وساوس ہی مراد ہیں کیونکہ معنی یہ ہیں کہ نفس نے ان وساوس کی تحدیث نہ کی ہو یعنی کسبًا و فعلًا و اختیارًا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ مراد دونوں ہی قسمیں ہوں یعنی وساس غیر اختیاریہ اور اختیاریہ سب سے قلب نماز میں خالی رہا ہو۔ پھر اس صورت میں اشکال کا جواب یہ ہے کہ بھائی ایسی نماز پڑھنا اگر دشوار اور متعذر ہے تو ہو، تعذر اور عسر جو دور کیا گیا ہے یا جسکا رفع کرنا ضروری ہوتا ہے وہ ان امور میں سے ہے جنکا انسان کو مکلف بنایا گیا ہو یعنی اسپر لازم کیا گیا ہو کہ وہ یہ کام کرے اگر نہ کرے گا تو بازپرس ہوگی اور یہاں ایسا نہیں ہے یہ نماز کسی پر لازم اور فرض نہیں ہے کوئی نہ پڑھ سکے نہ پڑھے۔ حدیث کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ ایک نماز ایسی فضیلت والی بھی ہے کہ جو پڑھ سکے پڑھے اسکا ایسا ایسا اجر ملیگا نہ پڑھ سکے نہ پڑھے اسکو وہ مخصوص اجر نہ ملیگا اس سے نہ پڑھنے پر مواخذہ بھی نہ ہوگا۔ (پس یہ ایسا ہی ہوا جیسے کوئی شخص یہ اعلان کرے کہ جو شخص اس زمانہ میں بخاری شریف کامل حفظ کرکے سنادے گا اسکو اتنا انعام دیا جائے گا تو اس اعلان پر کیا اعتراض ہے ؟ اب اگر کوئی کاشتکار یہ کہے کہ صاحب مجھے کھیتی سے کہاں فرصت جو میں یاد کرسکوں۔ یا کوئی ملازم پیشہ کہے کہ حضرت مجھے ایام ملازمت میں کہاں موقع جو میں یاد کرسکوں۔ یا کوئی پیشہ وریوں کہے کہ مجھے اپنے کام سے کہاں چھٹی کہ میں یہ کام کرسکوں، یہ تو آپ نے تکلیف مالایطاق فرمادیا ہے تو جو جواب آپ ان لوگوں کو دیں گے وہی یہاں سمجھ لیجئے۔ یعنی یہی کہا جائے گا کہ

بھائی تمھیں موقع نہیں ہے نہ کرو۔ جس کو موقع اور توفیق ہوگی وہ کرے گا اور انعام حاصل کرے گا اور اگر کوئی بھی نہ کرسکے نہ کرے کچھ فرض تو ہے نہیں۔

ہاں اس موقع پر اتنا البتہ ضروری ہوگا کہ وہ کام ایسا ہونا چاہیئے جو طاقت بشریہ سے خارج نہ ہو بلکہ انسان کے بس اور امکان میں اسکا کرنا ہو یعنی جس بات پر وہ اجر اور انعام دیا جا رہا ہے وہ کام انسان کے تحت القدرۃ ہونا چاہیئے انکے لئے کرنا محال نہ ہو تو یہاں بھی معاملہ ایسا ہی ہے اسلئے کہ (احادیث بخاری مع شرح زوائد امام بخاری کو یاد رکھیئے) اسی طرح سے جو اللہ والے اور صالحین بندے مشاغل دنیویہ سے یکسو ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی یاد ان کے قلب میں رچ بس جاتی ہے اور قلب انکا جب اس یاد کی وجہ سے آباد ہوجاتا ہے ایسا کہ غیر اللہ کا گذر وہاں نہیں ہو پاتا تو انکو ایسی نماز بھی حاصل ہوجاتی ہے جو وساوس سے بالکل خالی ہو سہ

آسکے غیر مرے خانۂ دل میں کیسے کہ خیال رخ دلدار ہے درباں اپنا

چنانچہ بزرگوں کی ایسی نمازوں کے کہ جن میں خواطر و وساس کا گذر نہ ہو بیشمار واقعات ہیں جنکا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(حاصل یہ کہ حدیث شریف کا مطلب بالکل بے غبار ہے ایسی نماز ہوسکتی ہے بلکہ لوگوں نے پڑھی بھی ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ ہم اس درجہ کو نہ پہونچ سکے ہوں۔ ع۔ سمجھیں نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا۔)

۸۵۔ تحریم نمیمہ اور کذب کی تفصیل

فرمایا کہ ـــــ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے (وہاں ٹھہر گئے) اور ارشاد فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات کی وجہ سے یہ عذاب نہیں دیئے جا رہے ہیں (بلکہ بہت ہی چھوٹی اور معمولی بات کے ترک پر انکو عذاب ہو رہا ہے) ان میں

سے ایک تو پیشاب (کی چھینٹوں) سے اجتناب نہیں کیا کرتا تھا اور دوسرا لوگوں میں باہم، چغلی کھاتا تھا۔ اسکے بعد آپؐ نے کھجور کی ایک تازہ شاخ لی اور اسکے دو حصے کئے اور ایک ایک ان دونوں کی قبر پر گاڑ دیا۔ ہمراہی صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا شاید کہ جب تک یہ خشک نہوں ان کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے۔

اس حدیث کے تحت صاحب احکام الاحکام لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں نمیمہ کی قباحت کی واضح دلیل موجود ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ نمیمہ عذاب قبر کا سبب ہوا تو (علماء کے نزدیک) یہ محمول ہے نمیمہ محرمہ پر۔ کیونکہ اگر کسی نمیمہ کا ترک کسی مفسدہ کو مستلزم ہو جائے جسکا تعلق کسی دوسرے سے ہو (یعنی ترک نمیمہ کی وجہ سے کسی دوسرے کو شدید نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو جائے) یا اسکے وقوع میں ایسی مصلحت ہو کہ کسی دوسرے شخص کا اس مصلحت کے ترک کرنے سے ضرر ہو رہا ہو تو وہ نمیمہ منع اور حرام نہ ہوگا اور اسکو ترک نہ کیا جائے گا بلکہ نمیمہ کا وقوع ہی بہتر ہوگا چنانچہ دیکھو اگر کوئی شخص کسی ایسے قول پر مطلع ہوا جسکا کہدینا ہی کسی انسان کے دفع ضرر کا سبب ہو رہا ہے یعنی اگر یہ اس شخص سے جس کے متعلق وہ بات سنی ہے اس کو کہدیگا تو وہ ضرر سے بچاؤ کرلے گا تو اس سے اس بات کا کہہ دینا (جسکو اس نے کسی اور سے سنا ہے) واجب ہے اور گو یہ بھی نمیمہ ہی ہے مگر حرام نہیں بلکہ اب نہ کہنا حرام ہے کیونکہ کہدینا واجب ہے۔

اور احیاء العلوم میں ہے کہ کذب حرام لعینہ نہیں ہے یعنی اپنی ذات کی رو سے حرام نہیں ہے بلکہ اسلئے حرام ہے کہ اسکی وجہ سے مخاطب کو یا کسی اور کو ضرر پہونچتا ہے جس کا اقل درجہ یہ ہے کہ وہ شخص جس سے وہ غلط بات بیان کی گئی ہے وہ ایک شئے کو واقع کے اعتبار سے اسکے خلاف پہ سمجھ لے گا جسکی وجہ سے یہ جاہل قرار دیا جائیگا اور اسکے اس نقص کے علاوہ کبھی دوسرے کا نقصان بھی اس کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔ تاہم بہت سی جہالت یوں پسندیدہ شمار کیجاتی ہے کہ اس میں

نفع بھی ہوتا ہے بس اسطرح سے کذب میں بھی نفع حاصل ہو جاتا ہے لہٰذا اسکی خاطر کذب ماذون فیہ (شرعاً روا اور جائز) ہو جائیگا۔ اور کبھی کبھی تو واجب بھی ہو جائے گا۔

میمون بن مہران کہتے ہیں کہ کذب بعض مقامات پر صدق سے بہتر ہوتا ہے (چنانچہ حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے بھی فرمایا ہے کہ " دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" یعنی وہ جھوٹ جسمیں مصالحت کی شان اور فائدہ ہو اس سچ سے کہیں بہتر ہے جو موجب فتنہ ہو جائے۔ آگے فرماتے ہیں کہ) دیکھو اگر کوئی شخص کسی شخص کو تلوار لیکر دوڑائے تاکہ اسکو قتل کر دے وہ مظلوم تمھارے مکان میں گھس آیا اور چھپ گیا اب اگر وہ قاتل تمھارے پاس آکر پوچھے کہ تم نے فلاں کو دیکھا ہے؟ تو تم کیا کہو گے یہی ناکہ میں نے اسے نہیں دیکھا تو کیا یہ تم نے سچ کہا ہے؟ بس اسی سے سمجھ لو کہ یہ کذب واجب ہے کہ ایک شخص کی جان اسکی وجہ سے محفوظ رہی جاتی ہے۔

ہم اسی مسئلہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ دیکھو کلام جو کیا جاتا ہے وہ کسی نہ کسی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا ہے اب جو جائز مقصد سچ سے بھی حاصل ہو سکتا ہو اور کذب سے بھی تو ایسے موقع پر جھوٹ بولنا حرام ہے اور اگر تمھارا مقصد کذب بیانی سے حاصل ہو سکتا ہو صدق سے نہیں اور ہے وہ مقصد جائز تو کذب بھی یہاں مباح ہوگا اور وہ مقصد واجب ہو تو کذب بھی واجب ہوگا' جیساکہ اسکے ذریعہ سے کسی چھپے ہوئے مسلمان کی جان بچائی جاسکتی ہو تو چونکہ یہ واجب ہے لہٰذا کذب بھی یہاں واجب ہوگا۔ اور جہاں کہیں جنگ کا مقصد یا اصلاح ذات البین (دو مسلمانوں میں صلح کرانا) یا مظلوم کی دلجوئی بدون کذب کے نہ ہو رہی ہو تو ایسے موقع پر کذب مباح تو ہے مگر حتی الامکان اس سے پرہیز ہی کرنا چاہئے اسلئے کہ اگر کذب کا دروازہ اپنے اوپر کھول لے گا تو اندیشہ ہوگا کہ جہاں ضرورت نہ بھی ہو یعنی بغیر کذب کے بھی کام چل جاتا ہو وہاں بھی کذب اختیار کریگا مطلب یہ ہے کہ ضرورت ہی کے درجہ پر مقصور نہ رہے گا۔ باقی حرمت کذب سے یہ چند مقامات جو مستثنٰی کیے گئے تو اسکی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضرت ام کلثومؓ سے مروی ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کذب کی اجازت نہیں فرمائی ہے مگر تین مواقع پر انسان کذب کہتا ہے اصلاح ذات البین کے لئے، یا کذب بیانی کر دے جنگ کے موقع پر کہ الحرب خدعۃ، یا انسان اپنی بیوی سے خلاف واقع بات کہدے اسکو اپنی جانب مائل کرنے کے لئے کیونکہ زوجین میں باہم الفت وموافقت مطلوب شرعی ہے اور یہ اسکا ذریعہ ہے۔

(۸۶۔ سزا کی معصیت سے مناسبت اور حکمت)

فرمایا کہ ——— تفسیر روح البیان میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ناپ تول میں کمی کیجانے لگے گی تو بارش بند ہو جائیگی۔ جب (مخلوق میں) زنا کی کثرت ہو جائیگی تو لوگ ہلاک ہونے لگیں گے۔ اور کذب اور جھوٹ کثرت سے پھیل جائے گا تو لوگوں میں لڑائی جھگڑا فتنہ و فساد کی زیادتی ہو جائے گی۔ آگے صاحب روح البیان اسکی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ـــ حکمت یہ ہے کہ زنا میں بھی نفس کی ہلاکت ہوتی ہے کیونکہ ولدالزنا کو ہلاک شدہ ہی سمجھو (اسلئے کہ جسکی دنیا میں نہ کچھ قدر و منزلت ہو نہ کوئی اسکا پرسان حال ہو نہ اسکی تعلیم و تربیت ہو اسکی زندگی بھی کوئی زندگی ہے) پس وہ حکماً ہالک ہی ہے اسی لئے اسکی سزا بھی موت سے دی گئی۔ دیکھتے نہیں ہو کہ جب تول میں کمی کی تو اسکا بدلہ بارش کی کمی سے دیا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی رزق کی کمی کا ذریعہ ہے جیسا کہ اس نے غلہ وغیرہ لوگوں کو کم دیا تو خدا نے بھی اپنے کوٹے میں کمی فرمادی اسی طرح کذب چونکہ سبب ہے لوگوں میں باہم تفرقہ و عداوت کا اسی لئے اسکی سزا فتنہ و فساد سے دی جاتی ہے ـ باقی مصیبت جب واقع ہوتی ہے تو عام ہو جاتی ہے تو اسکا یہ عموم اخوان الشیاطین کے حق میں عقوبت اور عذاب بنکر واقع ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے صالحین بندوں کے حق میں رحمت اور شہادت بنکر وجود میں آتا ہے اسلئے کہ موت مومنین کے لئے تو تحفہ ہے اور فاسق کیلئے حسرت ہوتی ہے۔

(مکتوب نمبر ۲۹۲)

سوال: میں اپنی بے عملیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے حضرت والا کے نیاز سے محروم ہوں بار بار دل میں خیال آتا ہے کہ خط ہی کے ذریعہ اپنی کمزوریوں کو دور کروں لیکن باوجود ارادے کے غفلت میں مبتلا ہو جایا کرتا ہوں۔ حضور والا کچھ لکھنے میں بھی سست ہوں میں آپ کا ہوں میرے حق میں دعا کر دیں تاکہ صحیح طریقہ پر آپ کا بن جاؤں۔

تحقیق: بہت دنوں کے بعد آپ نے یاد فرمایا۔ آپ نے لکھا ہے کہ اپنی بے عملی اور کوتاہیوں کی وجہ سے نیاز سے محروم ہوں۔ بھائی بے عملی اور کوتاہی بیشک بُری چیزیں ہیں اور انسان میں بہت بہت دنوں تک باقی رہتی ہیں لیکن ملاقات اور دریافت احوال وغیرہ کا تعلق اس سے نہیں ہے یہ سب امور قلب سے متعلق ہیں اور تعلق کی فرع ہیں۔ محب بے عمل ہو سکتا ہے لیکن محبوب کو بھول نہیں سکتا اور نہ اس سے صبر ہی کر سکتا ہے غفلت اور کمزوری الگ چیز ہے، آدمی جب اسکو دور کرنیکا ارادہ کرتا ہے تو وہ دور بھی ہو جاتی ہے۔ باقی آپ نے یہ خوب لکھا کہ میں آپکا ہوں اس سے خوشی ہوئی اور چونکہ اس قسم کی سستی سے یہ شبہ ہو سکتا تھا اسی لئے غالباً آپ نے بالقصد اس جملہ سے اسکو زائل فرمایا۔ بس یہی میرا مطلب ہے کہ بے عملی اور کوتاہی وغیرہ تو قابل معافی ہو بھی جایا کرتی ہیں لیکن ایسی کوئی بات جس سے یہ شبہ ہو کہ ماننے ہی میں کسر ہے زیادہ تکلیف کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

(مکتوب نمبر ۲۹۳)

سوال: بچوں کی تعلیم و تربیت کا کام آہستہ آہستہ ہو رہا ہے۔ بندہ کا جو مقصد تھا وہ ابھی حل نہیں ہوا۔ الحمد للہ پرانی جگہ سے نجات ملی۔ جہاں اپنے لوگ زیادہ تھے اور بچے انکی صحبت کا اثر بہت زیادہ لیتے تھے اسی لئے اب جو مکان بنوایا ہے

جہاں اپنے لوگ بالکل ہی نہیں ہیں انکا ماحول ہی بدل گیا۔ اب ضرورت ہے کہ کامل توجہ کے ساتھ دین کی اہمیت ان کے کانوں میں ڈالی جائے تاکہ اللہ تعالیٰ سے قوی تعلق ہو جاوے۔ عرض ہے کہ حضرت والا دعا فرمائیں کہ ہم لوگوں کا ایمان یقین کامل ہو جائے۔

(جواباً یہ تحریر بھیجی گئی)

الحمدللہ کہ ان دنوں احقر کو خدمتِ مبارکہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہے۔ یہ ایام میرے لئے بہت ہی مبارک ہیں۔ حضرت کے دیدار سے اگر آنکھیں شاد ہیں تو حضرت کے ارشادات عالیہ سے قلب مسرور ہو رہا ہے۔ الحمدللہ علی ذالک۔ آج آپ کا لفافہ حضرت کو ملا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ چند کلمے تسلی کے میں بھی لکھدوں تاکہ آپ کے لئے مزید طمانیت اور سکون کا باعث ہو۔ ...... صاحب کے تعلیمی سلسلہ میں گذارش ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں اولاً کام آہستہ آہستہ ہوتا ہے۔ ہر کام کا یہی دستور ہے پھر ہوتے ہوتے عنقریب وہ دن بھی آئیگا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ خوش ہو جائیں گے اور کام منشاء کے موافق ہونے لگے گا۔ حضرت نے فرمایا ہے کہ تعلیم کا کام بہت مشکل ہے اور تربیت اس سے زیادہ مشکل۔ ...... صاحب ابھی صرف اتالیق ہیں اور اتالیق کا کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ بچوں کو گھیر گھار کے رکھے تاکہ بچے بری صحبت سے محفوظ رہیں اور کچھ پڑھتے بھی رہیں۔ سو یہ کام الحمدللہ بخوبی انجام پا رہا ہے یہ کیا کم ہے کہ آپ کے بچے ایک دیندار صالح آدمی کے سپرد ہیں اور اسکی زیر نگرانی ہیں۔ یہ بہت بڑی بات ہے گھبرانا دل کو کمزور کر دیتا ہے۔ ہمت پست ہو جاتی ہے۔ غور کیجئے کہ جب تھوڑی مدت میں ...... صاحب اتنا بدلے ہیں کہ زمین آسمان کا ان میں انقلاب پیدا ہو گیا ہے تو زیادہ مدت تک جب آمد و رفت جاری رکھیں گے تو کہاں سے کہاں پہونچیں گے اندازہ فرمائیے کہ پھر اسوقت کام کی رفتار بھی بدل جائیگی ہر چیز میں نمایاں فرق ہوگا۔ لہٰذا قدرے صبر سے کام کیجئے سر دست انکی اس تعلیم کو غنیمت سمجھئے۔ دوسری بات یہ ہے

اصل مربی آپ ہیں۔ ۹ بجے تک آپ گھر رہتے ہیں ان اوقات میں آپ خود تربیت کیجئے۔ نگرانی فرمائیے اور اسکو سیکھئے مربی بغیر سیکھے نہیں ہو سکتا۔ اور نرمی کے ساتھ ۔۔۔ صاحب سے یہ خدمت لیجئے ان سے نرمی سے گفتگو فرمائیے۔ حسن خلق کو تو آپ نے بار بار حضرت سے سنا ہے اس پر عمل کیجئے صبح و شام انکی مزاج پرسی کیجئے۔ مومن صالح کا دل بہت جلد پگھل جاتا ہے۔ کام لینا تو آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اخلاق اور حسن خلق سے سب کچھ ہو سکتا ہے اور سب کام آسان ہو جاتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ آپ نے خود ہی تحریر فرمایا ہے کہ بُرے ماحول سے بچے محفوظ ہو گئے تو اب کیا چاہتے ہیں۔ ماحول بُرا رہا نہیں اور ایک دیندار کی صحبت میں ہیں بس سر دست اسی کو غنیمت سمجھئے اور اس مختصر کو زیادہ تصور فرمائیے

(مکتوب نمبر ۲۹۴)

حال: ایک عجیب لطیف اصلاح کے ساتھ گرامی نامہ ملا اور جس لفظ پر خط ڈالنے سے پہلے جی کھٹکتا تھا اس پر گرفت سے ایک گونہ لطف بھی محسوس ہوا اور خط پڑھکر بیساختہ ہنس پڑا حالانکہ اسکے پہلے عموماً آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ حضرت والا میں آپ کے غلامانِ غلام سے تو بے نیاز ہو نہیں سکتا آپ سے کیا بے نیازی برتوں گا۔ اس لفظ کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اندنوں حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کے مواعظ نیز چند کتابیں اور طالبین کے خطوط کے جواب جو تحقیقی انداز میں دیئے گئے تھے اسکے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی اس میں بعض ذمائم جو اپنے اندر میں پاتا تھا اسکی اصلاح کی کوشش شروع کی اور بعض نعمتیں باطنی جو اللہ رب العزت نے اپنے فضل سے بغیر استحقاق کے آپ کے توسط سے عطا فرمائیں ان کو میں نے بہتر حالات سے تعبیر کیا تھا یہ نہیں کہ اب میں بہتر ہو گیا ہوں اور آپ کی شفقت بھری اصلاح کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں اس خیال سے بھی اللہ اپنے حفظ و ایمان میں رکھے۔ بیشک مرید کی کتاب کیا میرا تو ایمان ہے کہ زندگی کی حقیقی تشریح اگر کوئی کر سکتا ہے تو محقق پیر ہی کر سکتا ہے۔ سو الحمد للہ میں حضرت کے متعلق ایسا ہی خیال رکھتا ہوں

مجھکو ادھر ادھر بھٹکنے کی کوئی ضرورت نہیں، صراط مستقیم کی ڈوری جو کتاب و سنت سے ماخوذ ہے وہ آنجناب کے ہاتھ میں ہے۔ نری بے جان کتابیں اس سلسلہ میں بغیر آپ کی رہنمائی کے کیا مددگار رہونگی۔

تحقیق: آپ کا محبت نامہ پڑھکر مسرور ہوا آپ کے فہم سے جی خوش ہوا۔ حضرت مولاناؒ کے ان مواعظ اور ملفوظات کے دیکھنے کی اجازت ہے۔ خوب دیکھئے الحمدللہ کہ آپ اس باب میں حد پر قائم ہیں۔ چونکہ دیکھتا ہوں کہ لوگ کتابوں کو لیکر مشائخ ہی سے مستغنی ہو جاتے ہیں جو ان کے لئے نہایت مضر عقبہ ہوتا ہے اسلئے آپ کو لکھا تھا باقی جو چیز جس درجے کی ہو اسکو وہیں رکھا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

الحمدللہ کہ میں جو بات سمجھانا چاہتا تھا آپ نے اچھی طرح سمجھ لیا۔ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر چلا دے بہت دن سے آپ تشریف بھی نہیں لائے اس لئے خیال تھا کہ شاید جلد ہی آدیں بہرحال اللہ تعالیٰ آپ کے کاروبار میں ترقی عطا فرمادیں اور ملاقات کے اسباب مہیا فرمادیں۔

(مکتوب نمبر ۲۹۵)

حال: اگر حضرت اقدس کی یہ رائے ہو کہ میں تجارت میں ہاتھ نہ دوں بلکہ جیسا پڑھنے پڑھانے کا شغل ہے اسے ویسے ہی جاری رکھوں، یا اگر تجارت کروں تو اکیلے، دوسروں کے ساتھ شامل نہ ہوں بلکہ تنہا تجارت کروں تو حضرت اقدس کی گرامی رائے کی اطلاع ملے۔ چند دن ہوئے یہاں . . . . کا ایک جلسہ ہونے والا تھا جس میں مولانا . . . . صاحب آئے ہوئے تھے مسلمانوں کی چونکہ متفقہ کوشش اور دینی دنیوی امور کی بہتری کے لئے وہ جماعت کام کر رہی ہے اسلئے میں نے بھی اس میں حصہ لیا خصوصاً چونکہ مسلمانوں کا ابھی اور کوئی ادارہ نہیں ہے جس میں مسلمانوں کی بہبودی اور فلاح کا پروگرام ہو۔ چند صاحبان مجھے منع کرنے لگے کہ اس ادارہ میں شرکت کرنا اچھا نہیں چونکہ پہلے سے اس پر جمیع مسلمانوں کا وثوق نہیں۔ اب حضرت

اقدس سے التجا ہے کہ آیا اس ادارہ کی مدد کرنا اور متفقہ طور سے مسلمانوں کی بہتری کے لئے کوشش کرنا میرے حق میں بہتر ہے یا نہیں۔ مجھے معلوم اور مطلع کریں۔

تحقیق: آپ نے دو امر کی بابت مجھ سے مشورہ طلب فرمایا ہے ایک تو تجارت کے متعلق کہ شرکت میں کروں یا تنہا تو اسکے متعلق اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ مشہور ہے کہ ساجھے کی ہانڈی چوراہے پر پھوٹتی ہے۔ دیانت وامانت اس زمانے میں عنقا ہے اسلئے کام چاہے کم چلے لیکن اکیلا ہی اچھا ہے۔

اور دوسرا مشورہ جماعت میں شرکت کے متعلق ہے اس کے متعلق یہی کہتا ہوں کہ آپ تو خود عاقل و بالغ ہیں نفع و نقصان کو سمجھتے ہیں اسلئے جو بات سمجھ میں آئے کیجئے مجھ سے تو تعلق اصلاحی ہے اگر اس کے متعلق دریافت کیجئے گا جواب دیدوں گا اور قومی کام کرنے کے سلسلے میں اگر اس تعلق کو بھی حارج سمجھئے اسے بھی حذف کیجئے۔

(مکتوب نمبر ۲۹۶)

حال: معروض خدمت ہوں آج بروز پنجشنبہ حضرت والا نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ احقر مزید اپنی حالتِ موجودہ عرض کرے۔ بڑی شرم کی بات ہے اس احقر کے لئے کہ احقر کو اپنی طرف سے غفلت ہے اور حضرت والا کو اللہ پاک کی مخلوق کا اسقدر خیال ہے۔ سبحان اللہ۔ اور اس مخلوق میں بالخصوص اس روسیاہ پر بھی نظرِ لطف وکرم ہے۔ اللہ پاک حضرت والا کے دینی و دنیاوی مدارج بلند فرمائیں۔ اور حضرت والا کی عمر دراز فرمائیں۔ تحقیق: آمین۔

حال: ایک عشرہ ہوا عریضہ تحریر کیا تھا اس میں عبادت میں یکسوئی کسی قدر حاصل ہونے کی اطلاع دی تھی۔ حضرت والا سے دعا فرمانے کے لئے عرض کیا تھا الحمدللہ قلب کو حاضر رکھکر تلاوت وتسبیح وغیرہ پڑھنے کی سعی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا انتظار کررہا ہوں اور خود بھی دعائیں کرتا ہوں کہ اللہ پاک اپنی بھی

عبادت کی لذت سے آشنا کر دیں۔ حضرت والا بھی دعا فرمائیں کہ زندگی کا صحیح مصرف اس احقر کے عمل سے ظاہر ہونے لگے اور وقت ضائع ہونے سے بچ جائے۔

تحقیق: آمین۔

حال: ملازمت کے سلسلے میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ بہر نوع رزق حاصل کرنے کے سلسلہ میں ہے اور ضروری ہے لیکن حضرت سچ تو یہ ہے کہ مجھکو جسمانی نہیں روحانی سخت اذیت رہتی ہے۔ غیر مسلم ماحول سے سخت وحشت ہوتی ہے۔ دفتر کے اوقات میں جو نمازیں ادا کرتا ہوں ان میں عجلت کرنا پڑتی ہے اور یکسوئی میں کمی ہو جاتی ہے سات یا آٹھ گھنٹے روزانہ غیر مسلموں کے ساتھ رہنے سے قلب کی حالت میں نسبتاً فرق ہو جاتا ہے۔

تحقیق: برداشت کرو یہ مجاہدہ ہے۔

حال: مکان پر واپس آکر کافی دیر کے بعد تقریباً نماز عشاء کے وقت تک سکون ہو پاتا ہے اور قلب کی حالت نماز عشاء تک الحمد للہ بہتر ہو جاتی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: ظاہرہ اسباب تو یہ ہیں کہ میں خوشامدی نہیں خوشامد سے متنفر ہوں بالخصوص ڈاڑھی والا اور لوٹا چٹائی ہمراہ رکھنے والا لہٰذا ظاہرہ تو مجھ سے افسران اور ساتھ کے بابو لوگ خائف رہتے ہیں ادب سے بات کرتے ہیں لیکن پوشیدہ طور پر قلم کے زور سے مجھکو پریشان کرتے ہیں، سخت ذہنی اذیت والی ڈیوٹی مجھکو دے رکھی ہے جس میں سخت ذلت بھی ہے سکون یک لخت غائب ہے۔ ایسے افسوسناک ماحول کے زیر اثر مجھکو بعد مجاہدہ کر کے عبادات کے اوقات میں انتشار قلبی سے بچنا پڑتا ہے حالانکہ اسی ملازمت میں دوسرے شعبے ایسے بھی ہیں جہاں دوسرے میرے ساتھی سکون سے اطمینان سے کام کرتے رہتے ہیں لیکن وہ شعبے مجھکو نہیں دیئے جاتے۔ اللہ پاک سے بہت بہت دعائیں کرتا ہوں

تحقیق: اسکے سوا کیا چارہ ہے۔

حال: اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہتا ہوں۔ بڑی سعی کرتا ہوں کہ اللہ پاک

راضی ہو جائیں رحمت کے دروازے کھولدیں۔ تحقیق: آمین

کئی دن سے قلب میں یہ بات آرہی ہے کہ غالباً اللہ پاک یہی چاہتے ہیں کہ میں زبان کو حق و ناحق تمام اقسام کی باتوں سے بند کردوں اور بالکل گمنام ہو جاؤں۔ خواہش والے دل کو خواہشوں کے لئے مردہ اور اللہ پاک کیلئے زندہ کردوں۔ دنیا کے سب عزیز و اقارب کے حقوق تو ادا کرتا رہوں لیکن انکی محبت جو قلب میں راسخ ہو چکی ہے اسکو اللہ پاک کے لئے نکال پھینکوں اور جب تک اللہ پاک کا حکم نہ ہو اپنے قلب کو مردہ تصور کروں۔ تحقیق: خوب

حال: جب تک حق موضوع پر تقریر کرنا نہ چھوڑوں گا، ناحق بھی نہ چھوٹے گا۔ میں دیکھتا ہوں کہ حق کے ساتھ ناحق بھی نکل جاتا ہے۔ تحقیق: بیشک

حال: کھلی آنکھوں دیکھتا ہوں کہ اللہ پاک ہر قسم کے گناہوں سے بچانا چاہتے ہیں بڑی امداد فرماتے ہیں لیکن شیطانوں کا لشکر بھی اپنی حرکات سے باز نہیں آتا جب بھی شیطانی لشکر مجھ پر قابو پالیتا ہے اسکے دوسرے ہی دن مصیبت کا نزول ہو جاتا ہے۔ ایسی مصیبت جس کا تحمل میرا دماغ اور قلب نہیں کر سکتا۔ جہاں تک انتشار قلبی بے اطمینانی اور عدم سکون کا تعلق ہے میری زندگی اسکے لئے وقف ہے ادھر نفس کشی اور حتی الوسع عبادت جاری ہے، اُدھر جیسے تسبیح ٹوٹ گئی ہو۔ آفات کا سلسلہ جاری ہے۔ جائے قرار بھی نہیں۔ احقر بے حد سعی کرتا ہے کہ ایک بھی گناہ سرزد نہ ہو تاکہ مصائب کا سامنا نہ کرنا پڑے لیکن پھر بھی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں حضرت والا کی معیت سے بڑی قوت ملنا شروع ہو گئی۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: ورنہ یہ احقر تو نفس کے ہاتھوں تباہ ہو چکا ہوتا۔ حضرت والا سے مستدعی ہوں کہ حضرت والا توجہ خاص فرمائیں کہ احقر ایسی پیچیدگیوں سے سکون سے نکل جائے اللہ پاک سے ایسا تعلق ہو جائے جیسا اللہ پاک اس احقر سے چاہتے ہیں۔ اللہ پاک اپنی پناہ میں لے لیں۔ تحقیق: آمین

حال: خواہ موت دیکر خواہ موت سے پہلے ہی راضی ہو کر کیونکہ دنیا مجھکو چھوڑ چکی ہے

حالانکہ ابھی میرا دل دنیا سے قطعی سرد نہیں ہوا ہے۔ یہ میرا نقص ہے لیکن اپنی خباثتوں کے باوجود اللہ پاک کی رحمت سے توقع کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگیں اور میں اُن سے۔

حال: مجھکو دنیا میں کسی کی محبت نہ مل سکی حضرت والا کی شفقت و محبت الحمد للہ حاصل ہوئی لیکن یہ تو دنیا وی نہیں بلکہ دینی ہے اور خاص اللہ پاک کیلئے ہے تحقیق: مبارک

حال: اس راستے کی تکالیف منازل اور حالات و کیفیات سے حضرت والا سے زیادہ واقف میری عقل و تجربہ کے لحاظ سے اسوقت کون ہے؟ لہٰذا حضرت والا دست گیری فرمائیں۔ تحقیق: ضرور

حال: حضرت والا کی شفقت و لطف و کرم کے طفیل یہ روسیاہ اللہ پاک کے حضور میں سرخ رو ہو سکتا ہے۔ الحمد للہ دعائیں کرتے کرتے اس درجہ پہ پہونچ گیا کہ حضرت والا سے رائی کے برابر ہی سہی محبت کرنے والا ہوں لیکن ہوئی ضرور۔ زیادہ کا دعویٰ نہیں کرتا۔ شرم آتی ہے اسکا اہل نہیں۔ بلا تکلف سچی قلبی حالت حضرت والا سے نہ عرض کروں تو اس دنیا میں کس ہمدرد سے عرض کروں۔
تحقیق: ضرور کہیئے فائدہ ہوگا۔

(مکتوب نمبر ۲۹۷)

حال: الحمد للہ نسبتاً عملی اہتمام جاری ہے۔
تحقیق: اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے
حال: لیکن ان ایام میں غلبہ نیند کی بنا پر دو یوم تہجد قضا ہوگئی اور خاص بات جو باعث خلجان ہے وہ یہ ہے کہ طبیعت ذکر میں بمقابلہ صلوٰۃ تہجد زیادہ لگتی ہے اور ذکر میں توجہ نسبتاً زیادہ ہوتی ہے حالانکہ اصل اول ہی ہے اس لئے حضرت والا سے گذارش ہے کہ مناسب علاج فرمائیں۔
تحقیق: اصل اول ہی ہے اور اصل الاصل ہے ذکر کے راسخ ہونے سے تہجد کا بھی فضل حاصل ہو جاتا ہے

پس یہاں جو آپ لوگ تھوڑا بہت ذکر وغیرہ کر لیتے ہیں یہ اسی کا اثر ہے جسکو یہ صاحب لکھ رہے ہیں یہ سنا کر فرمایا کہ اس قسم کی بات صرف انھوں نے لکھی ہے یوں آنے کو یہاں بہت لوگ آتے ہیں مگر ایسی بات کسی نے نہیں کہی بات یہ ہے کہ عاقل شخص ہیں کم از کم دنیا کی تو عقل رکھتے ہی ہیں اسلئے انکی عقل نے رہنمائی کی اور انکو متوجہ کیا کہ آخر کیا بات ہے کہ آج جبکہ دنیا والے پریشان ہیں یہ لوگ کس دنیا کے لوگ ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ہشاش بشاش اور گویا دنیوی افکار سے بیفکر نظر آتا ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدس نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ بالکل بجا اور عین صواب ہے لیکن کیا ہم لوگ اور کیا ہمارا ذکر و شغل، بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جو حضرت والاؒ کے قلب مبارک میں تعلق مع اللہ کی وجہ سے جو طمانینت اور سکینہ عطا فرما رکھی تھی پاس والوں پر بھی اسی کا پرتو پڑتا تھا دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ یہ سکون انکا ذاتی ہے حالانکہ وہ کسی اور کا مرہون منت ہوتا تھا۔ دھوپ میں پڑے ہوئے آئینہ کو دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ یہ آئینہ خود چمک رہا ہے لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ یہ فیض حضرت شمس کا ہے ؎

مری طلب بھی کسی کے کرم کا صدقہ ہے   قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

مولانا محفوظ الرحمن صاحب نامی سے ناظرین واقف ہی ہوں گے بہرائچ کے مدرسہ نور العلوم سے تعلق تھا کچھ دنوں کے لئے چھوٹی اسمبلی کے پرائیوٹ سکریٹری بھی رہ چکے تھے اسلامی اور قومی خدمت کا جذبہ رکھتے تھے قرآن کے ترجمہ کیجانب قوم کو متوجہ کیا اس سلسلہ میں ترجمہ قرآن پر آسانی سے واقف ہو جانے کے لئے اور عربی قواعد پر وقوف کے سلسلہ میں کچھ کتابیں بھی تصنیف فرمائی تھیں۔ چنانچہ جس زمانہ میں حضرت اقدسؒ کا قیام وطن ہی میں تھا مولانا نے حضرت والا کو ایک خط بھی لکھا تھا اور اپنے رسائل بھی ارسال فرمائے تھے اس طور پر حضرت والاؒ سے

غالباً تعلق مولانا کو پہلے سے تھا۔ وہ خط اور اسکا جواب ہدیۂ ناظرین ہے۔

مولانا محفوظ الرحمان صاحب نامی کا مکتوب گرامی حضرت مصلح الامۃؒ کے نام

گرامی نامہ کے صدور نے عزت بخشی اور جناب کے مبارک کلمات سے بڑی ہمت افزائی ہوئی مجھے یقین ہے کہ اگر ہمیں آپ جیسے بزرگوں کی رہبری حاصل ہوجائے جو کام کی کوتاہیوں پر تنبیہ فرمائیں اور کام کو صحیح معنیٰ میں مفید بنانے کیلئے مشورے عنایت فرمائیں تو بڑے سے بڑا کام ہو سکتا ہے۔ جو نصاب تعلیم اس ناچیز نے تیار کیا ہے اس کا مکمل سٹ خدمت مبارک میں روانہ کررہا ہے اسمیں جتنی کوتاہیاں اور فروگذاشتیں ہوں انکا اس ناچیز کو اعتراف ہے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کے اس فضل وکرم پر سراپا تشکر ہے کہ اس نصاب کے ذریعہ ہندوستان کے ہر صوبہ میں ہزاروں مسلمان بچے بچیاں، مرد وعورتیں عربی زبان اور ترجمۂ قرآن سے مناسبت پیدا کررہے ہیں اگر ہر ہر ضلع کے لوگ پوری قوت سے اسکی طرف متوجہ ہوجائیں تو انشاء اللہ چند ہی سال میں اردو ہی کو نہیں بلکہ عربی زبان کو مسلمانوں میں فروغ ہوجائے گا اور اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وحی الٰہی اور تعلیمات نبوی سے استفادہ آسان ہوجائے گا۔ بہر حال دعاء اور سرپرستی کا طالب ہوں۔ والسلام

احقر محفوظ الرحمان نامی۔ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ

حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب باصواب

کارڈ پہونچا اور اس کے قبل چھ کتابوں کا مکمل سیٹ۔ کتابیں ماشاء اللہ اپنی افادیت۔ کتابت۔ طباعت اور نفاست میں میرے نزدیک بہت عمدہ اور مرغوب ومطلوب معلوم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ انکو مفید اور نافع بنائیں۔ اشتہار سے آپ کے عزائم بھی معلوم ہوئے آپ کی حوصلہ مندی سے جی بہت خوش ہوا دل سے

دعا کرتا ہوں کہ آپکا حقیقی مقصد (یعنی قرآن سے مسلمانوں میں مناسبت پیدا کرنا) حاصل ہو جائے اور یہ بات حق تعالیٰ کو کچھ دشوار نہیں وہ تو صرف نیتوں کا خلوص، اپنی کوشش سے صرف نظر اور اسکے بعد صبر و استقلال، بس انھیں چیزوں کو دیکھتے ہیں اسکے بعد انکے یہاں نہ انہوں کے لئے کوئی تنگی ہے نہ دوسروں کے لئے کُلًّا نُمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا (ہم انکی بھی مدد کرتے ہیں اور انکی بھی آپ کے رب کے عطایا کے ساتھ اور آپ کے رب کا عطیہ کسی سے رکا ہوا نہیں ہے) کام کرتے جائیے کام ہوتے اور اسکے نتائج نکلتے دیکھکر خود ہی سب کے دل سے دعائیں نکلیں گی۔ میں نے آپ کی کتاب تو فی الحال اپنی لڑکیوں کو پڑھانا تجویز کیا ہے۔ عملی تجربہ کے بعد کوئی بات قابل ذکر سمجھ میں آئیگی تو انشاء اللہ لکھوں گا۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہٗ۔ یکم ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ

مولانا نامیؒ سے حضرت والاؒ کی یہ مکاتبت بہ زمانۂ قیام وطن ہوئی تھی اس غائبانہ تعارف کے بعد گورکھپور کے زمانۂ قیام میں مولانا نامی حضرت کے یہاں تشریف لائے اور ملاقات کا بھی موقع ملا اور مجلس میں بھی شرکت کی اور حضرت اقدس سے ملکر بہت محظوظ ہوئے۔

وطن میں پیش آنے والے حالات کی مصلحت اب سمجھ میں آئی کہ اللہ تعالیٰ کو اس طرح سے حضرت کے فیض کو عام کرنا تھا چنانچہ عسیٰ ان تکرھوا شیئًا و ھو خیر لکم (یعنی ہو سکتا ہے کہ تم کسی کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے حق میں بہتر ہو) کی تفسیر سمجھ میں آگئی چنانچہ آپ نے بھی گذشتہ سطور کے خطوط سے اندازہ فرمالیا ہوگا کہ اہل گورکھپور نے بھی حضرت والا سے کیسا کیسا فیض اٹھایا اور کس درجہ حضرتؒ کی محبت لوگوں کے قلوب میں پیوست ہوگئی تھی جس کا ظہور حضرت کی جدائی کے بعد ہوا نیز پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ وطن ہی میں حضرت اقدسؒ نے اصالۃً اپنے

ہر دو عزیز جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ اور مولوی قمران صاحب سلمہٗ کو خود ہی پڑھانا شروع کر دیا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں خود حضرت اقدسؒ سے سنا یہ فرماتے تھے کہ سہارن پور اور دیوبند سے فارغ ہو کر جو مولوی صاحبان میرے پاس آئے تو کبھی کسی موقع پر کتاب سے کوئی مضمون نکلوانے یا کبھی کچھ عبارت پڑھوانے کی ضرورت پیش آئی تو انکو نہایت ہی کم استعداد بلکہ بدا ستعداد تک پایا اس سے میں نے سمجھا کہ اب ان مدارس میں بھی تعلیم اطمینان بخش نہیں ہو رہی ہے کہیں سیاست کے شمول نے طلبہ کو علم دین سے ہٹا دیا کہیں تعداد طلبہ بڑھ جانے کے سبب طلبہ کی نگرانی جیسی ہونی چاہئے ہو نہیں پا رہی ہے اسلئے انکی علمی استعداد کمزور ہوتی جارہی ہے یہ منظر دیکھکر میں نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ اپنے ان بچوں کو کہیں باہر تعلیم کے لئے نہیں بھیجوں گا بلکہ خود ہی انکو تعلیم بھی دوں گا اور انکی تربیت بھی کرونگا اور کبھی اسی سلسلہ میں بطور تحسر یہ بھی فرماتے کہ مجھے ان مدارس سے بھی اس قدر علم کے ضیاع کا اندیشہ نہیں تھا ورنہ شاید میں اب سے بہت پہلے اپنے یہاں تعلیم و تعلم کا کچھ سلسلہ جاری کئے ہوتا اور اگر بڑے پیمانہ پر نہ سہی تو دو چار دس کو تو پڑھا ہی دیتا ۔ اس خیال کے تحت حضرتؒ نے اپنے دونوں بچوں یعنی دامادوں کو کہیں باہر جانے نہیں دیا بلکہ خود ہی پڑھایا ۔ پھر جب اسباق ہونے لگے تو قرب و جوار کے کچھ طلبہ اور بھی آکر شریک ہو گئے ۔ حتیٰ کہ فارغ التحصیل جو مولوی صاحبان حضرت سے متعلق ہوتے وہ بھی اپنے زمانۂ قیام میں اجازت لیکر درس میں بھی شریک ہو جاتے اور جو اہلِ علم خانقاہ میں مستقلاً مقیم تھے ان کے لئے تو شرکت درس لازم ہی تھی ۔ چنانچہ کوپا گنج کے حکیم مولوی بشیر الدین صاحب ۔ مولوی نثار احمد صاحب ۔ مولوی عبد الرؤف صاحب ۔ مولوی محمد صاحب ۔ مولوی ابو الحسنات صاحب ۔ گھوسی کے مولوی وقار احمد صاحب مرحوم اور ان کے برادرِ خورد مولوی عمار احمد سلمہٗ ۔ جون پور کے مولانا عبد الحلیم صاحب مدظلہ اور مولوی محمد حنیف صاحب ۔ اسی طرح سے یہ ناکارہ عبد الرحمٰن جامی اور اس کے برادرِ خورد مولوی عبد العلیم جیسی سلمہٗ ۔ نیز مئو سے آکر مولانا ریاست علی صاحب مدظلہ

مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ۔ مولانا محمد امین صاحب مرحوم اور انکے علاوہ اور دوسرے بہت سے حضرات وقتاً فوقتاً شریک درس ہوتے رہے اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق سب ہی حضرات نے حضرت والا سے علاوہ مدرسہ کے علم کے مزید علمی اخذ فیض کیا۔ چنانچہ بلا کسی تصنع اور مبالغہ کے عرض کرتا ہوں کہ اس ہیچمداں کو جو کچھ آیا وہ سب حضرت اقدس ہی کے فیض کا صدقہ ہے۔ جسطرح سے کہ علم طب کے طلبہ طبیہ کالج میں طب پڑھتے ہیں لیکن ان کے اس علم کا اجرار کسی حاذق طبیب کے مطب میں شرکت کے بعد ہی ہوتا ہے اسی طرح مذکورہ بالا تمام علمار کیجانب سے کہتا ہوں کہ سب نے مختلف مدرسوں میں پڑھا پڑھایا ضرور تھا لیکن حضرت اقدسؒ نے ہم سب کو حقیقی علم سے روشناس کرایا۔ اور کسی مسٔلہ کی تحقیق اور کسی تحقیق کا ریسترچ علمی کیونکر کیا جاتا ہے یہ حضرت ہی نے سب کو سکھلایا اس میں دو رائے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کیجانب سے حضرت اقدسؒ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور حضرت والا کی آرام گاہ کو نور سے بھر دے۔ ہم نالائقوں کو کسی لائق بنانے کے لئے بلا شبہ حضرت والا نے بڑا تعب اور بہت ہی مشقت اٹھائی۔ حضرت اقدس کا یہ احسان فراموش نہیں کیا جا سکتا اور حضرت والا کے اس احسان سے ہم لوگ تا زندگی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، اسکا منکر ہو جاتا تو بجائے خود رہا اسکو بھلا دینا بھی ظلم عظیم ہی ہے۔ بہرحال تعلیم و تعلم کا یہ سلسلہ حضرتؒ کے وطن سے گورکھپور منتقل ہو جانے کے بعد گورکھپور میں بھی بدستور قائم رہا۔

یہاں ناظرین پر یہ امر بھی مخفی نہ رہے کہ حضرت اقدس کا یہ مدرسہ جو بہت ہی مختصر اور نہایت ہی محدود اور گویا خانقاہ کے زیر سایہ ہی قائم تھا اس کے وجود میں آنے کا اولین سبب حضرت اقدس کی اولاد یعنی حضرت کے داماد ہی بنے جن میں سب سے پہلا نمبر حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب دام مجدہٗ ہی کا تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس کے تعلیمی اور اس سلسلہ کے سب سے پہلے سبق اور سب سے آخری سبق ہر ایک میں محب مکرم جناب قاری محمد مبین صاحب دام مجدہم شریک رہے اور دوسرے حضرات تو

بعد میں آتے گئے اور شریک ہوتے گئے۔ پس کس قدر ظلم کیا ہے اس سوانح نگار نے جس نے حضرت اقدس کے شاگردوں کی گنتی میں حضرت قاری صاحب جیسے اولین و آخرین شاگرد کو شمار ہی نہیں کیا۔ رہی یہ بات کہ تحصیل علم کے بعد انکا کسی مدرسہ سے تعلیم و تعلم کا تعلق نہیں دیکھا گیا تو یہ تو کوئی وجہ عدم شمار کی ہو نہیں سکتی تھی بہت سے حضرات دیوبند سے فارغ ہوئے اور علاوہ تعلیم و تعلم کے دیگر مشاغل میں لگے اور مشہور ہوئے آج دیوبند کے فارغین میں انکا نام بھی موجود ہے چنانچہ حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ کا اگر علمی اور تعلیمی کام کسی پر مخفی بھی رہا ہو تو حضرت نور اللہ مرقدہٗ کا جانشین ہونا۔ حضرتؒ کی خانقاہ کا متولی ہونا اور حضرتؒ کے مدرسہ کا مہتمم ہونا تو کوئی پوشیدہ بات نہ تھی پھر جہاں حضرت والا کا ذکر آئے وہاں اتنی جیسے متعلق کو کیونکر بھلایا جا سکتا ہے۔ اب اگر اس عدم ذکر کا منشا لاعلمی اور عدم واقفیت ہوئی ہو تو اللہ تعالے معاف فرمائے اور اگر کوئی غلط جذبہ اسکا باعث بنا ہو تو حضرت اقدس کے متبعین تو اس حق تلفی کو معاف نہیں کر سکتے۔ اتنی بڑی غلطی اور ایسی زبردست بھول کا پیش آجانا محض تعجب ہی کی بات ہے بقول قائل ؎

فان کنت لاتدری فتلک مصیبۃ   وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

(تم اگر حقیقت حال سے ہی ناواقف تھے تو یہ بھی ایک مصیبت ہی تھی اور اگر واقف تھے تب تو وہ مصیبت دوچند ہو گئی)۔ اور میں اس موقع پر حضرت قاری صاحب مدظلہ کی جانب سے یہ کہتا ہوں وافوض امری الی اللہ واللہ بصیر بالعباد اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں سے (اور ان کے احوال سے) باخبر ہیں۔ خیر یہ گفتگو تو حضرت والا کے تعلیم و تدریس کے سلسلہ میں آگئی غرض یہ کہ رہا تھا کہ گورکھپور میں بھی یہ سلسلہ باقی رہا۔

اللہ تعالیٰ نے اس عالم میں چونکہ خیر و شر دونوں کو توأم بنایا ہے چنانچہ جہاں پھول ہوتے ہیں وہیں کانٹے بھی ہوتے ہیں جہاں خزانہ ہوتا ہے وہیں سانپ بھی ہوتا ہے۔ جہاں حق ہوتا ہے وہاں باطل بھی ہوتا ہے۔ جہاں کوئی بڑا ولی ہوتا ہے

وہیں بڑا شیطان بھی ہوتا ہے اسلئے یہاں گورکھپور میں بھی اسکا ہونا ناگزیر تھا ابھی وطن میں اسکا نمونہ آپ سب نے ملاحظہ فرمایا کہ دین کا کام کیسے سکون و اطمینان کے ساتھ ہو رہا تھا اور آن کی آن میں معاذ اللہ کیا سے کیا ہوگیا۔ تقریباً اسی نوع کا ایک واقعہ یہاں بھی پیش آیا۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ جب حضرت والاؒ کا فیض عام ہوا اور شہر کے ہر ہر گوشہ سے لوگ مجلس والا میں آنے لگے اور یہ کوئی سالانہ یا ماہانہ جلسہ نہ تھا بلکہ روزانہ کا ایک معمول تھا تو اسکی اطلاع اہل بدعت میں بھی پہونچی اب آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ ان مبتدعین پر کیا گذر گئی ہوگی؟ پوری جماعت میں اس نور حق کو بجھانے کے سلسلے میں مشورے ہونے لگے اور تدبیر سوچی جانے لگی یہ سمجھتے تھے کہ نہ حضرت والا کی طرح مجلس کیجا سکتی ہے اور نہ ویسا با اثر وعظ کہنا کسی کے بس کی بات ہے، نہ حضرتؒ کا مزاج مناظرہ کا تھا کہ اسی کو میدان جنگ بنایا جاتا اس لئے دماغ عاجز تھے کہ پھر انکے ساتھ کس طرح سے مقابلہ کیا جائے؟ بالآخر شیطان نے جو سب اہل اہوا کا گرو گھنٹال ہے ایک تدبیر یہ سمجھائی کہ انکو معاذ اللہ دنیا دار اور امراء پرست پیر مشہور کردو وہ اپنے سے اس الزام و بہتان کو دفع کرنے کے لئے یہ کوٹھی ترک کردیں گے اور ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ جسقدر لاؤ لشکر جمع ہے ان سب کے قیام کے لئے کوئی دوسری جگہ ملے گی نہیں اسلئے یہ کہیں اور جا کر بسیں گے اور ہم لوگ ان سے نجات پا جائیں گے یہ اسکیم بنا کر ان رقیبوں نے مکرمی مولوی ثناء اللہ صاحب مرحوم اور محترم جناب مولوی امجد اللہ صاحب مرحوم کے "اقارب" میں نظر دوڑائی کہ کون ان میں سے ان کے لئے "عقارب" کا کام کرسکتا ہے چنانچہ تلاش کر ہی لیا اور پھر اس کے بعد جب رقیب اور اقارب کا گٹھ جوڑ ہوگیا تو وہی کھیل کھیلا گیا جو اہل باطل بالعموم اہل حق کے مقابلہ میں کھیلا کرتے ہیں یعنی گمنام خط اور گمنام پوسٹر کا سلسلہ شروع کیا گیا جس میں یہ ظاہر کیا گیا کہ حضرتؒ کا قیام یہاں گورکھپور میں صرف مولوی ثناء اللہ صاحب اور مولوی امجد اللہ صاحب کے رحم و کرم پر ہے یہی لوگ انکا سہارا ہیں اور انھیں کا

مکان انکا آشیانہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سب حرکات سے ان دونوں حضرات یعنی مولوی نثار اللہ صاحب اور مولوی امجد اللہ صاحب) کا دور کا بھی تعلق نہیں تھا یہ دونوں حضرات ا[illegible]ن کے قریبی اعزہ بالکل بے قصور اور اہل شر اور اہل شہر کی ان اسکیموں سے قطعی ناواقف تھے۔ بہرحال اسی سلسلہ کی ایک تحریر حضرت والا کی نظر سے گذری کھلی ہوئی بات ہے کہ اب ایسے موقع پر حضرت والا جیسے حساس اور غیرت مند کیلئے اسکے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہ تھا کہ وہ اپنا ظاہری تعلق اس گھر اور اس گھرانہ سے منقطع کرلیں تاکہ معاندین اور تمام اہل شہر یہ سمجھ لیں کہ ان حضرات (یعنی گورکھپور کے رؤسا) پر حضرت کے قیام کا دارومدار نہیں ہے ان سے اور ان کے مکان سے بے تعلق ہوکر بھی حضرت گورکھپور میں قیام فرما سکتے ہیں اس طور پر مخالفین کا خیال بکھر غلط ہو جائیگا اور وہ لوگ اپنے خیال کی تردید کیوجہ سے نہایت درجہ ذلیل وخوار ہوں گے۔ پس تبدل مکان سے حضرت والا کا مقصد ان رقیب وقریب کو انکی اسکیم میں رسوا وذلیل کرنا تھا نہ کہ معاذ اللہ اپنے ان دونوں محسنوں (مولوی نثار اللہ صاحب اور مولوی امجد اللہ صاحب) کو رسوا کرنا۔

وہی فہم کا پھیر اور تعبیر کی غلطی یہاں بھی بعض حضرات سے واقع ہوگئی کہ انھوں نے اس واقعہ کو اس طرح سے بیان کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا ان دونوں رؤسا گورکھپور (مولوی نثار اللہ ومولوی امجد اللہ صاحب) ہی سے ناراض ہوگئے اور گویا اس سلسلہ میں جو تکلیف حضرت کو پہونچی اسکا سبب ہی یہی لوگ تھے۔ حاشا وکلا ایسا نہیں تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنا بچہ باہر جاکر محلہ کے لڑکوں سے پٹ کر آتا ہے تو شریف باپ اسی کو دو طمانچہ اور رسید کرتا ہے حالانکہ وہ مظلوم اور بیقصور ہوتا ہے یہ محض اس کی اصلاح وتربیت کے طور پر ہوتا ہے نہ کہ مجرمانہ سزا کے طور پر۔ یہی یہاں یعنی حضرت والا اس واقعہ کے پیش آنے پر اپنے ان ہر دو مخلص خدام پر بھی خفا ہوئے یہ صحیح ہے لیکن وہ خفگی بطور تنبیہ کے تھی کہ تم لوگ یہاں اتنے دنوں سے رہتے ہو اپنے اور پرائے سب کے مزاج سے واقف ہو تم نے حالات کا جائزہ کیوں نہیں لیا اور کیوں ایسے مغفل رہے۔

۵۴ - جرمنی میں آزادی نسواں کا حشر

مغربی تہذیب نے عورتوں کو جو آزادی دے رکھی تھی اسکے نتائج نظروں کے سامنے ہیں لیکن اب زیادہ دنوں تک یہ آزادی باقی نہ رہ سکے گی جرمنی میں اسکا ردعمل شروع ہو چکا ہے اور یہ جس زور کا تھا تجزراس سے زیادہ زوردار ہے ہٹلر نے عورتوں کو پھر گھر کی چہار دیواری میں بند کر دیا ہے اور اعلیٰ تعلیم حسب سابق عورت کے لئے پھر "شجر ممنوعہ" قرار دی گئی جرمنی چاہتا ہے کہ عورتیں کچھ نہ کریں صرف بچے پیدا کریں جنکی آئندہ جنگ میں ملک کو ضرورت ہے۔ ایک نازی لیڈر الفرڈ روزبرگ کہتا ہے کہ "جو عورت بچے نہیں پیدا کرتی بیاہی ہو یا بن بیاہی سماج کے لئے لعنت ہے" لڑکیوں کے لئے اعلیٰ تعلیم علانیہ ممنوع نہیں قرار دی گئی لیکن اس راہ میں اتنی دشواریاں پیدا کر دی گئی ہیں کہ اسکا حاصل کرنا انکے لئے تقریباً ناممکن ہے۔ برلن یونیورسٹی کی یونین کا صدر کہتا ہے کہ "یونیورسٹیاں صرف مردوں کے لئے بنائی گئی ہیں عورتوں کی تعلیم کا مقصد صرف یہ ہے کہ انکو ماں بننے کے لئے تیار کیا جائے ہم عورتوں کی تعلیم محض کلچر کے خیال سے بالکل بے سود سمجھتے ہیں لڑکیوں کو ماں بننے کے لئے ایک سادہ کلچر سے زیادہ کی ضرورت نہیں اور یہ چیز وہ ثانوی مدارس میں حاصل کر لیتی ہیں یہ مدرسے انکی عام صحت اور ورزش کا بھی اہتمام کرتے ہیں جو تندرست ماں بننے کے لئے سب سے مقدم شئے ہے۔ ان اسکولوں میں ضروری اور مفید معلومات، کھانا پکانے اور صفائی کے آداب، حفظان صحت اور ورزش کے ضروری طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ اور تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ لڑکیوں کے دل میں نازی اصول جاگزیں ہوں۔ انکو جنگ کی برتری حکومت کی سربلندی اور ہٹلر کی مشق کرائی جاتی ہے اور ان میں نسلوں اور خاندانوں کے ذہنی اور خلقی تفاوت کے نظریہ کو مقبول بنایا جاتا ہے۔

ثانوی نصاب کے ختم کر لینے کے بعد لڑکی کچھ عرصہ تک کسی گھر کی خادمہ یا کسی فارم کی مزدور یا بچوں کی اتا بنکر گھریلو اور عملی زندگی کے تجربات حاصل کرتی ہے حکومت

نوجوان اور بن بیاہی لڑکیوں کو اپنے خزانے سے قرض دے دے کر ازدواجی زندگی کے لیے ابھارتی رہتی ہے تاکہ انکو گھریلو زندگی میں کوئی زحمت محسوس نہ ہو بعد ازاں چند برسوں کے اندر وہ اسکو بالاقساط ادا کر دیتی ہے۔ اگر ایک مقررہ میعاد کے اندر کوئی بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو چوتھائی قرض ساقط ہو جاتا ہے اس طرح پر عورت کے ہاتھوں سے عمل و نفع کا پچھلا میدان جاتا رہا۔ اس تحریک کے ائمہ چاہتے ہیں کہ عورت کو تمام عملی سرگرمیوں سے ہٹا کر صرف معمولی گھریلو کاموں میں قید کر دیں۔ لیکن ہنوز عورت کے لئے وہی کام ممنوع ہوئے ہیں جن کے لئے مرد تیزی سے لپک رہے ہیں اور جنکو وہ آسانی سے انجام دیکر نفع اٹھا سکتے ہیں۔ کارخانوں فارموں اور سرکاری محکموں میں چھوٹی چھوٹی ملازمتوں کے دروازے اب بھی لڑکیوں اور عورتوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں لیکن یہ بھی اسوقت تک کھلے رہیں گے جب تک مرد انکی طرف متوجہ نہیں ہوتے مردوں نے جہاں توجہ کی عورتوں کو یہ تنگ میدان بھی فوراً ان کے لئے خالی کر دینا پڑے گا۔ اب جرمنی میں عورت سیاسی محکموں اور بڑے بڑے انتظامی عہدوں پر بالکل نظر نہیں آتی بلکہ معلمہ اور لیڈی ڈاکٹر کی حیثیت میں بھی بہت کم دکھائی دیتی ہے۔ ان کے لئے یونیورسٹیوں کے دروازے بالکل بند ہیں ۱۹۳۳ء میں قانونی کالجوں نے صرف سات لڑکیوں کو داخل کیا کیونکہ وہ چاہتے ہیں کہ عورت کسی سول ملازمت کی خواہش نہ کر سکے۔ آج وہاں نہ کوئی عورت کسی اسکول کی ہیڈ ماسٹر ہے اور نہ کسی یونی ورسٹی کی پروفیسر۔ بڑے بڑے تمام علمی عہدے صرف مردوں کے لئے مخصوص ہیں۔ ۳۵ برس کی عمر سے پہلے کسی عورت کے لئے سرکاری ملازمت کا تعلق جائز نہیں ہے۔ مرد اور عورت اگر ہر حیثیت سے برابر ہوں تو حکومت مرد کو ترجیح دیتی ہے۔

حکومت اسکی وجہ یہ بیان کرتی ہے کہ اسکے پیش نظر یہ ہے کہ لڑکیاں ازدواجی زندگی کیطرف مائل ہوں۔ لیکن اگر یہ بھی ہو جائے کہ جرمنی کے تمام مرد شادی کر کے اپنی بیویوں کے نان نفقہ کے ذمہ دار ہو جائیں جب بھی جرمنی میں لڑکیاں اور عورتیں بے مرد کی بچ رہیں گی۔

جرمنی میں عورت اسوقت نہ صرف مادی حیثیت سے ستم رسیدہ ہے بلکہ اخلاقی اعتبار سے بھی مظلوم ہے اس نے زندگی کی تمام چہل پہل سے محروم ہوکر اپنی دنیا اپنی چہار دیواری کے اندر بسا لینی چاہی لیکن موجودہ گورنمنٹ اسکو اس چھوٹے سے دائرے کے اندر بھی آزاد چھوڑنا نہیں چاہتی چنانچہ اسکو اسکی اجازت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت آزادانہ طریقہ پر اپنے حسب منشا کرسکے بلکہ نازی گورنمنٹ بچوں کی تربیت کی ذمہ دار خود بن گئی ہے تاکہ انکو شروع ہی سے اپنے نازی اصولوں پر لیکر چل سکے۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ نہایت ظالمانہ ہے یہ ماں اور اسکے بچے کے درمیان تفریق کرنا ہے جو عورت آسانی سے برداشت نہیں کرسکتی یا تو عورت کو باہر کی چہل پہل دو اور اگر اسکو اس سے الگ کرکے اندر قید کرنا چاہتے ہو تو اسکو اس دائرے کے اندر وہ سب کچھ دو جو اسکا ہے اور یقیناً اس میں سب سے اہم اسکا بچہ ہے جسکی مادی اور اخلاقی تربیت کی وہ تنہا ذمہ دار ہے۔

کبھی کبھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جرمنی خواتین اس قید و بند میں کیسے خوش رہ سکتی ہیں۔ اسکا جواب دیا جاتا ہے کہ بن بیاہی لڑکیاں شوہر کی تمنا کرنا سیکھیں اور اسکے لئے موثر پروپیگنڈا جاری کریں اور شادی شدہ عورتیں اپنی اہلی زندگی پر قناعت کریں کچھ دنوں کے بعد طبیعتیں آپ سے آپ بدل جائیں گی۔

موجودہ حکومت کا رعب دلوں پر اس طرح چھایا ہوا ہے کہ عورتوں میں اس طرز عمل کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہیں ہے وہ یاس و ناامیدی کی حالت میں اس تماشہ کو دیکھ رہی ہیں اور اب سمجھنے لگی ہیں کہ عورت صرف بیوی اور ماں بننے کے لئے پیدا ہوئی ہے کیسی بیوی اور کیسی ماں ؟ ایسی بیوی جو بچے پیدا کرنے کیلئے فرض انجام دے اور ایسی ماں جو دودھ پلانے کی خدمت بجالائے اور اسکا تو خیال بھی نہ کرے کہ وہ گھر کی مالکہ اور بچے کی ماں ہے۔ عورت نے اپنے حق سے زیادہ لیا تھا زمانہ نے اس کو مع سود کے واپس لے لیا۔

(از اصلاح "سرائے میر اعظم گڑھ")

۵۵- ہندوستان میں حدیث اور مذہب حنفیہ کی عظیم الشان خدمت اور علماء مصر کا اعتراف

حجاز و عراق اور مصر و شام علوم اسلامیہ کے مرکز سمجھے جاتے ہیں اور یہ سمجھنا صحیح بھی ہے اور جس طرح ہندوستان جغرافیائی حیثیت سے ان سے بعید اور الگ تھلگ ہے اسکا مقتضیٰ بظاہر یہ تھا کہ علوم اسلامیہ میں اسکا کوئی خاص حصہ نہ ہوتا لیکن خدا کی دین (عطاء الٰہی) کسی ضابطہ کی پابند نہیں وہ جس جگہ اور جس قوم اور جس شخص کو چاہتا ہے اپنے انعامات سے مالا مال فرماتا ہے اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ (اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھیں یعنی کسے عطا فرمادیں)

ہندوستان کو اللہ تعالیٰ نے جسطرح یہ شرف عطا فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سب سے پہلے پیغمبر (آدم علیہ السلام) اور وحی الٰہی سب سے پہلے اسی خطہ پر نازل ہوئی اسی طرح یہ رحمت کاملہ بھی اسکے حصہ میں لکھدی کہ اسلام اور علوم اسلامیہ کی حقیقی اور صحیح خدمت جو اسوقت ہندوستان میں ہورہی ہے آج اسکی نظیر بلاد اسلامیہ میں بھی نظر نہیں آتی۔

یہ ضرور ہے کہ مغربی تعلیم اور نئی روشنی (جسکو نئی اندھیری کہنا زیادہ موزوں ہے) کے اثر سے مذہب اور علوم مذہبیہ سے عام مسلمانوں میں بیگانگی اور اسکی وجہ سے علوم و علماء کی کساد بازاری روز بروز بڑھتی جاتی ہے لیکن اس حالت میں بھی یہاں اللہ تعالیٰ کے ایسے مخلص بندے موجود ہیں جو اس کس مپرسی اور بے قدری کی حالت میں بھی اپنے اوقات کو علمی خدمت کیلئے وقف کئے ہوئے ہیں اور وہ بڑی بڑی خدمتیں کر رہے جس کا انتظام سلطنتوں سے بھی مشکل تھا۔ ان غریبوں کے پاس اتنا سرمایہ بھی نہیں ہوتا کہ اپنی تصنیف کو مطبع تک پہونچا سکیں اور کہیں مر بھر کر کوئی تصنیف طبع بھی ہوگئی تو یہ صورت نہیں بنتی کہ اسکو عام طور پر شایع کر سکیں اور اس خزینۂ علوم کو اسکے مستحقین تک پہونچا سکیں، اور کہیں اتفاق سے کوئی تصنیف بیرون ہند چلی جاتی ہے تو علمائے

علما اسکو کس طرح قبول کرتے ہیں اسکا ایک نمونہ آپ تحریر ذیل میں ملاحظہ فرمائیں گے

بقیۃ السلف حجۃ الخلف حکیم الامت مجدد الملت سیدی و سندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم کی تصانیف مفیدہ جو لفضلہ تعالیٰ سات سو سے زائد ہیں (زادہا اللہ تعالیٰ امثالہا) ان میں سے چند تصانیف حجاز و مصر وغیرہ بلاد اسلامیہ میں پہونچیں وہاں کے ماہر علما رنے انکو ایک نعمت عظیمہ اور مایۂ ناز علمی خدمت سمجھا۔

حضرت ممدوحؒ نے مدت ہوئی ایک تصنیف کی بنا ڈالی تھی جس میں حنفی المذہب سے مسلمانوں کے لئے مذہب امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ہر مسئلہ پر قرآن وحدیث سے شواہد و دلائل جمع کئے گئے ۔عرصہ دراز سے موصوف نے یہ خدمت اپنے عزیز خاص اور مجاز خاص مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ کے سپرد فرمائی اور انکی تحریر کو باستیعاب خود ملاحظہ فرمانے اور ضروری اصلاحات عطا فرمانے کا التزام کیا۔ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے اس جدوجہد اور دقت نظر سے اس کام کو انجام دیا کہ آجکل بہت ہی دشوار ہے حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ عظیم الشان خدمت اب تقریبًا پندرہ جلدوں میں مکمل ہو چکی ہے جنمیں سے دس طبع ہو چکی ہیں باقی زیر طبع ہیں۔ یہ عظیم الشان تصنیف فتاوی حنفیہ کی بے نظیر تنقیح، متن حدیث کی شرح اور مباحث اسناد اور اصول حدیث کے متعلق علوم سلف وخلف کا نچوڑ ہونے کی حیثیت سے علم حدیث وفقہ کی ایسی جامع کتاب ہوگئی کہ اسکی نظیر موجود نہیں۔

کتاب کی چند جلدیں مصر پہونچیں مصر کے مشہور و معروف مصنف علامہ زاہد کوثری نے اسکے متعلق اپنے ایک علمی مضمون میں اظہار رائے فرمایا ہے۔

اسی طرح شیخ التفسیر والحدیث سیدی واستاذی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی نے حال میں علم حدیث کی ایک ایسی عظیم الشان خدمت فرمائی ہے کہ اس قرن میں اسکا تصور مشکل تھا یعنی حدیث کی مشہور کتاب صحیح مسلم جس پر کوئی مفصل و مبسوط شرح ایسی موجود نہ تھی جس پر اکتفا کیا جاسکے، امام نوویؒ کی شرح

مل اور جامع شرح ہے لیکن اول تو موصوف شافعی المذہب ہیں اس لئے مذہب
کے اصول پر یہ شرح کی گئی حنفیہ کے لئے اس پر قناعت نہیں ہو سکتی، دوسرے
بہت سے مواقع تشنۂ تفصیل بھی باقی ہیں۔ حضرت ممدوح نے بفضلہ تعالیٰ اس
شرح کی تصنیف کو نصف سے زائد مکمل کر لیا ہے اور ہنوز سلسلۂ تصنیف جاری ہے
ن جلدیں طبع ہو چکی ہیں علامہ کوثری نے اس شرح مسلم کے متعلق بھی اپنے اس
مضمون میں اظہارِ خیال فرمایا ہے وہ بھی آپ اس عربی مضمون میں ملاحظہ فرمائیں گے
اسی طرح فقیہ العصر محدث الوقت شیخ المشائخ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب
سہارنپوری قدس سرہٗ کی عظیم الشان تصنیف "بذل المجہود شرح سنن ابی داؤد" جو عنقریب ہوا
چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور بیان و توصیف سے بے نیاز ہے اس پر نیز علامہ شوق
... سرہٗ کی کتاب "آثار السنن" اور دوسرے علمائے ہند کی خدمات حدیث پر
بھی علامہ موصوف نے اس مضمون میں فاضلانہ تبصرہ فرمایا ہے۔ یہ مضمون علمائے ہند
کے لئے ایک ماہر عالم کی سند اور مایۂ ناز ہونے کے علاوہ علم حدیث و فقہ کی مستقل
تاریخ اور ہر زمانہ ہر دور اور ہر ملک میں اسکی جو جو خدمتیں ہوئی ہیں اسکا ایک اجمالی مگر
جامع نقشہ ہے اور علماء و طلباء حدیث کے لئے معلومات نافعہ کا خزانہ ہے اس لئے
ہم اسکی اصل عبارت کو مع ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

احادیثِ احکام کی خدمت

اور بلادِ اسلامیہ میں اسکے مختلف دور

(از علامہ کوثری مصری) (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)

لابد لمن ينتمي الى الفقه من ان يكون ذا عناية بالاحاديث والاثار الواردة عن الصحابة والتابعين ومن بعدهم

"جو شخص علم فقہ سے تعلق رکھے اس کے لئے ضروری ہے کہ ان احادیث و آثار صحابہ اور اقوال تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کو معلوم کرنے کا خاص

في الاحكام الاصلية والفرعية فيكون
على بينة من امره فيصون نفسه من
محاولة اجراء القياس على ضد النصوص
ويحترز من مخالفة الاجماع في
المسائل المجمع عليها لانه لايمكن
تفريق ما يعمل فيه القياس مما لايعمل
هو فيه وتمييز ما يستساغ فيه الخلاف
مما لايسوغ فيه غير الاتباع المجرد
الا لمن احاط خبرًا بموارد النصوص ووجوه
تفقه فيها واستقراء الآثار الواردة من
فقهاء السلف في الاحكام فهو الذي
يقدر ان يتصون من القياس في
مورد النص. وهو الذي يستطيع ان
يحترز من الخلاف في موطن الاجماع
ولذلك تجد علماء هذه الامة
واولادها قد سعوا سعيًا بليغًا في جميع
الادوار في جمع ادلة الاحكام والكلام
عليها متنًا وسندًا او دلالة على
الاختلاف اذواقهم ومشاربهم في
شروط قبول الاخبار وعلى تفاوت مداركهم
في النصوص والآثار. وكانت امصار
المسلمين تتناوب على الاضطلاع باعباء
العلوم السنة مدى القرون

اہتمام کرے جو احکام اصول و فروع کے متعلق وارد
ہوئے ہیں، تاکہ وہ ایک حجت پر قائم ہو اور اپنے
نفس کو بمقابلہ منصوص قیاس کرنے سے بچا سکے
اور مجمع علیہا مسائل میں مخالف اجماع سے بچ سکے
کیونکہ جن مواقع میں قیاس جائز ہے اور جن میں
جائز نہیں ہے .... اسی طرح
جن مسائل میں اختلاف رائے جائز ہے اور جنمیں
ان کے درمیان امتیاز کرنا صرف اسی پر موقوف
ہے کہ موارد نصوص اور ان میں وجوہ استنباط
سے باخبر ہو اور فقہاء سلف سے جو اقوال متعلقہ
احکام منقول ہیں ان پر حاوی ہو وہی شخص
اپنے آپ کو موارد نص میں قیاس کرنے سے محفوظ
رکھ سکتا ہے اور مواقع اجماع میں اجماع کا خلاف
کرنے سے بچ سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس امت کے علماء اور
رہنمایان مذہب نے ہر زمانہ اور ہر دور میں
ادلۃ الاحکام (وہ آیات واحادیث جن سے
احکام فقہیہ نکالے گئے ہیں) جمع کرنے میں
سعی بلیغ فرمائی ہے اور سندًا و متنًا ان پر کلام
کیا ہے اور عمل بالحدیث کے بارے میں اپنے
اپنے ذوق و مذاق اور مذہب و مشرب
کے اعتبار سے مختلف شرائط مقرر فرمائی ہیں
بلاد اسلامیہ ہر دور میں علوم سنت کی نشر و اشاعت

ان تعمر في ذلك قطر عام قطراً اخر
بواجبه في هذا الباب وهكذا وكانت
من اكبر الاقطار حظاً من العلوم مابين
شرعيه وعقليه وادبية
والاسيما علوم السنة والفقه
البلاد العراقيه ايام مجد الدولة
العباسيه الى تاريخ انقراضها
وماخلفت علماءها من المآثر
الخالدة شاهد صدق على
ذلك ثم خلفها في حيازة القدح
المعلى في العلوم - الدولة المصرية
على آثار مما نكما في عهد
الدولتين البحريه والبرجيه
والآثار الباقيه من الدولتين
والجامعات العلمية التي
كانت الملوك والامراء
شيدوها لم تزل
ماثلة امامنا تنطق
عن ماض مجيد ولم
تزل مشاهد في التاريخ
مبلغ ما كانوا يدرون
عليها من الخيرات
في سبيل العلم ـ

اور شرح و تسہیل میں نوبت بہ نوبت مشغول رہے
ہیں ایک ملک کے لوگوں نے کسی وقت میں
یہ سستی شروع کی تو دوسرے کسی ملک کے
علماء اس خدمت کے لئے کھڑے ہو گئے۔
اور سب سے زیادہ حصہ بلاد عراق کے اس
دور کا ہے جب دولت عباسیہ ان میں عروج
پر تھی، یہاں تک کہ دولت عباسیہ کا خاتمہ ہوا
تو اسکے ساتھ ہی ساتھ اس علمی خدمت کا بھی
یہاں سے خاتمہ ہو گیا۔ علماء عراق کے وہ علمی
آثار جو آج تک صفحات کتب میں مدون چلے
آتے ہیں ہمارے اس بیان پر شاہد عدل
ہیں۔ دولت عباسیہ اور بلاد عراق کے بعد
یہ نعمت خداوندی اور علوم اسلامیہ کی خدمت
میں حظ عظیم دولت مصریہ کے ہاتھ آیا جو اپنے
دونوں دور یعنی دولت بحریہ و برجیہ میں برابر
قائم رہا۔ ان دونوں دولتوں کے آثار باقیہ
اور وہ مدارس عالیہ جو ان ملوک و امراء کے بنائے
ہوئے ہیں آج بھی ہمارے سامنے کھڑے
ہوئے اپنے قابل فخر عہد ماضی کی خبر دے
رہے ہیں اور ہم ہمیشہ کتب تاریخ میں ان
بیش بہا اقوام و عظیم الشان خزائن کا مطالعہ
کرتے رہتے ہیں جو ملوک مصر اشاعت علوم
اور اعانت سائلین کیلئے پانی کی طرح بہاتے تھے

اور جن تین پر مجھے رونا آتا ہے ان میں سے پہلی چیز احباب کا فراق ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کا فقدان ہے ۔ دوسری چیز موت کی ہولناکی (الامان والحفیظ) اور تیسری شے اپنے رب کے سامنے پیشی ہے جس کے متعلق کچھ خبر نہیں کہ جنت کا فیصلہ ہوتا ہے یا جہنم کا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اے لوگو! موت کے متعلق جس قدر تمکو معلومات ہیں اگر اتنی معلومات حیوانات کو ہو جائے تو تمھیں عمدہ چربی والا گوشت کھانے کو نہ ملے ۔ (مطلب یہ کہ مارے خوف کے اسکی چربی پگھل جائے اور وہ نہایت کمزور اور دبلا ہو جائے)

حضرت حامد لفاف سے مروی ہے کہ جو شخص موت کو برابر یاد رکھتا ہے وہ تین عنایتوں سے نوازا جاتا ہے ۔ ایک تو یہ کہ اسکو جلد توبہ کی توفیق حاصل ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ تھوڑی بہت جو روزی نصیب ہوتی ہے اس پر اسکو قناعت ہو جاتی ہے اور تیسرے یہ کہ عبادت میں نشاط حاصل ہوتا ہے ۔ اور جو شخص موت کو بھلا دیتا ہے اس کو تین سزا دی جاتی ہے ۔ توبہ میں ٹال مٹول ۔ کفاف روزی میں بھی عدم رضا ۔ اور عبادت میں کسل اور سستی ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردے کو زندہ فرما دیا کرتے تھے (اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ عطا فرمایا تھا) ایک کافر منکر نے ان سے کہا کہ یہ تو آپ نئے مردوں کو زندہ کرتے ہیں جن میں احتمال یہ بھی ہے کہ وہ مرے ہی نہ ہوں لہٰذا ہم تو جب جانیں جب آپ پرانے مردے کو زندہ کیجئے ۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے تم ہی اسکا انتخاب کر کے بتلاؤ کسے زندہ کر دوں لوگوں نے سام بن نوح علیہ السلام کا نام لیا آپ انکی قبر کے پاس تشریف لائے دو رکعت نماز پڑھی دعاء فرمائی ۔ اللہ تعالےٰ نے سام بن نوح کو زندہ کر دیا ۔ دیکھا تو بالکل سن سفید داڑھی اور سر کے بال پکے ہوئے تھے اور چمک رہے تھے ۔ کسی نے ان سے کہا کہ جناب یہ کیا ماجرا ہے آپ کے زمانے میں تو بال سفید نہیں ہوا کرتے تھے ؟ سام بن نوح نے کہا کہ میں نے اچانک جو آواز سنی تو میں سمجھا کہ قیامت آگئی ہے اسکے خوف اور ہیبت سے یہ میرے سب بال سفید ہو گئے

دریافت کیا گیا کہ آپ کو انتقال فرمائے ہوئے کتنا عرصہ گذرا ہوگا کہا تقریباً چار ہزار سال لیکن موت کی تلخی مجھ سے ابتک نہیں گئی ہے۔

کہا گیا ہے کہ کوئی مومن نہیں ہے مگر یہ کہ مرنے کے بعد اس پر حیات اور رجوع الی الدنیا کو پیش کیا جاتا ہے تو سوا شہداء کے اور کوئی دوبارہ دنیا میں آنا پسند نہیں کرتا موت کی اسی سختی اور تلخی کے تصور سے جسکو وہ بھگت چکا ہے (تاکہ پھر دوبارہ یہ موقع نہ آنے پائے) اور شہید کو شہادت میں چونکہ بجائے کلفت کے لطف آتا ہے اسلئے وہ تمنا کرے گا کہ دوبارہ زندہ کیا جائے تاکہ شہادت کی لذت سے دوبارہ لطف اندوز ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت کسی وقت آپ مجمع میں تشریف رکھتے اور ہم خدام کو بھی اپنی صحبت سے استفادہ کا موقع عطا فرماتے تو زہے نصیب ہوتا فرمایا کہ بھائی میں چار باتوں میں مشغول ہوں ان سے فارغ ہوجاؤں تو تمھارے پاس بیٹھوں۔ عرض کیا گیا وہ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ایک تو مجھے یوم میثاق کی یاد آتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے عہد لیا تو ایک فریق کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ لوگ تو جنتی ہیں اور مجھے کوئی پروا نہیں اور دوسرے کے متعلق فرمایا کہ یہ اتنے لوگ دوزخی ہیں اور مجھے ان کی کوئی پروا نہیں ہے اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ میں ان دونوں جماعتوں میں سے کس جماعت میں سے ہوں۔ دوسری چیز یہ کہ میں نے اس میں غور کیا کہ پیدا ہونے والا بچہ جب شکم مادر میں آتا ہے اور اس میں جان پڑجاتی ہے تو جس فرشتے سے متعلق اسکی تخلیق کا انتظام ہوتا ہے وہ دریافت کرتا ہے کہ یا رب یہ بچہ تیار ہوگیا ہے اسکو سعید لکھوں یا شقی؟ تو اب مجھے یہ معلوم نہیں کہ اسوقت میرے بارے میں حق تعالیٰ کی بارگاہ سے کیا جواب صادر ہوا تھا۔ تیسری بات یہ کہ جب ملک الموت آئے تھے اور انھوں نے میری روح قبض کرنی چاہی تو پوچھا کہ پروردگار اس کا حشر کس جماعت میں سے کروں؟ مومنین میں سے یا کافرین میں سے؟ مجھے اسکا بھی حال معلوم نہیں کہ اس سوال کا میرے متعلق کیا جواب دیا گیا۔ چوتھی چیز یہ کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں غور کیا جو قیامت میں ارشاد ہوگا کہ اے مجرمو! تم نیک لوگوں سے جدا ہوجاؤ۔ ہٹو الگ۔ اب مجھے یہ نہیں معلوم ہے کہ اسوقت کس جماعت میں سے ہونگا

مطیع یا مجرم؟ دنیا و امور مجھے اپنی فکر میں ڈالے ہوئے ہیں جسکی وجہ سے مجھے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ خوش خبری ہو انکو اور قابلِ مبارکباد ہیں وہ لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ نے فکر آخرت اور فہم دین سے نوازا ہے اور جنکو غفلت کی نیند سے بیدار فرما دیا ہے اور خاتمہ کا غم ان پر مسلط کر دیا ہے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ کہ ہمارا خاتمہ بھی بخیر فرمائے اور خاتمہ بشارت پر فرمائے اسلئے کہ مومن کے لئے موت کے وقت اللہ تعالیٰ کے پاس سے بشارت ہوتی ہے جیساکہ ارشاد ہے کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر استقامت برتتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر دوام اختیار کرتے ہیں یا مطلب یہ کہ اسکے فرائض کو ادا کرتے ہیں اور اسکے محارم سے بچتے ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معاذ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ کہ جس طرح سے قول کے ذریعہ استقامت برتتے ہیں اسی طرح سے عمل سے اسکا ثبوت دیتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ سنت اور جماعت پر مستقیم رہتے ہیں۔ ان پر موت کے وقت فرشتے بشارت لیکر اترتے ہیں اور وہ یہ کہ تم نہ تو کچھ خوف کرو اور نہ غم کرو یعنی دنیوی امور کا آخرت میں اندیشہ نکرو اور بشارت سنو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ یعنی جس جنت کا اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کی زبان سے تم سے وعدہ کیا تھا۔

چنانچہ کہا گیا ہے کہ موت کے وقت جو بشارت ہوگی وہ پانچ قسموں پر منقسم ہے ایک تو ہوگی عامہ مومنین کے لئے اور ان سے کہا جائے گا کہ تم ابدی عذاب کا اندیشہ نکرو۔ یعنی تم ہمیشہ عذاب میں نہیں رکھے جاؤگے بلکہ انبیاء اور صالحین تمہاری سفارش کریں گے اور غم نکرو ثواب کے فوت ہو جانے کا اور بشارت حاصل کرو جنت کی یعنی تمہارا انجام بالآخر جنت ہی ہوگا۔ دوسری بشارت مخلصین کے لئے ہوگی ان سے کہا جائیگا کہ اپنے اعمال کے مردود ہو جانے کا اندیشہ نکرو کیونکہ تمہارے اعمال سب مقبول ہو چکے ہیں اسی طرح سے ان پر ثواب کے فوت ہونے کا بھی اندیشہ نکرو اس لئے کہ تمہارے لئے اس پر دو چند سہ چند اجر ہے اور جو لغزشیں تم سے ہوگئی ہیں ان پر آج غم نکرو جبکہ تم نے ان سے توبہ کرلی تھی۔ تیسری بشارت تائبین کی ہوگی ان سے کہا جائیگا کہ اپنے گناہوں سے اب اندیشہ نکرو کیونکہ وہ تو

ات کئے جا چکے ہیں اور اب آئندہ ثواب کے نہ ملنے کا بھی اندیشہ نہ کرو کیونکہ تم نے
کرلی ہے ۔ چوتھی بشارت زہاد کے لئے ہوگی یعنی ان سے کہا جائیگا کہ حشر و حساب کا
یشہ نہ کرو اور زیادتی ثواب کے ختم ہونے کا بھی اندیشہ نہ کرو اور اس طرح سے جنت
بشارت حاصل کرو کہ تم سے اسکا نہ کوئی حساب ہوگا اور نہ تم کو عذاب ہوگا ۔ پانچویں بشارت
عمل رکے لئے ہوگی جو لوگوں کو خیر کی باتیں بتلاتے تھے اور خود بھی اپنے علم پر عمل کرتے
ے ان سے کہا جائیگا کہ قیامت کے احوال سے نہ ڈرو اور اب قیامت میں غم بھی نہ کرو
کہ تمکو تمھارے اعمال نے بہت دنوں غم میں ڈال رکھا ہے ۔ اور جنت کی بشارت
بیل کرو تم اور وہ لوگ جنھوں نے تمھارے کہے پر عمل کیا ۔ پس خوشخبری ہو ہر اس شخص
کے لئے جسکو قیامت میں کسی نوع کی بھی بشارت سنائی جائے کیونکہ بشارت اسی کیلئے
گی جو کہ مومن ہو اپنے عمل میں نیکو کار ہو اس پر فرشتے نازل ہوں گے وہ اس سے پوچھیں گے
کون لوگ ہو اس لئے کہ تم سے زیادہ حسین چہرے والا اور خوشبو والا ہم نے کسی کو نہیں دیکھا
ہیں گے کہ ہم وہی فرشتے ہیں جو تمھارے اعمال کی محافظت کرتے تھے اور دنیوی
رگی میں اسکو لکھتے رہتے تھے اب ہم آخرت میں بھی تمھارے بہترین رفیق ثابت ہوں گے
ب ایسا ہے تو مومن کو بھی چاہیئے کہ وہ غفلت کی نیند سے اٹھے اور غفلت سے بیدار ہو جائے
ر غفلت سے بیدار ہو جانے کی چار علامتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ دنیوی کام میں ٹال مٹول
یا کرے اور بس بقدر ضرورت پر قناعت کرے ۔ دوسرے یہ کہ آخرت کی باتوں کو حرص
ر رغبت کے ساتھ کرے اور جہاں تک ہوسکے اس میں جلدی کرے ۔ تیسرے یہ کہ دین
ے معاملات کو علم اور کوشش کی روشنی میں ادا کرے چوتھے یہ کہ خلق کے معاملات کو نصیحت اور
ت کے ساتھ انجام دے

کہا گیا ہے کہ لوگوں میں افضل وہ شخص ہے جس میں پانچ خصلتیں ہوں ۔ ایک یہ کہ اپنے
ب کی عبادت کی جانب متوجہ ہونے والا ہو ۔ دوسرے یہ کہ ظاہر حال میں مخلوق کے لئے نفع
ال ہو تیسرے یہ کہ لوگ اسکے شر سے امن میں ہوں ۔ چوتھے یہ کہ لوگوں کے پاس جو دنیا ہے
ں سے خود کو مایوس کرلے ۔ پانچویں یہ کہ موت کے لئے تیاری کئے ہوئے ہو۔

اے میرے بھائی! سنو اور سمجھو کہ ہم سب لوگ مرنے ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور اس سے مفر نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے (حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ آپ بھی ایک دن ختم ہو جائیں گے اور یہ لوگ بھی مر جائیں گے اور فرمایا کہ تمکو بھاگنا کچھ نفع نہ دیگا یعنی اگر تم موت سے بھاگنا چاہو تو بھاگ نہ سکو گے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ ان سب نصوص سے لازم آیا ہے کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ موت سے پہلے موت کی تیاری کرے اور اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر یوں فرمایا ہے کہ اچھا تو پھر تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو (کہ ہم حق پر ہیں اور جنت ہماری میراث ہے) مگر تم لوگ اسکی تمنا ہرگز کبھی نہ کر سکو گے بوجہ اپنی ان کرتوتوں کے جو تم پہلے کر چکے ہو۔ دیکھو اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ مومن صادق موت کی تمنا کرے گا اور کاذب اس سے بھاگے گا اپنی بداعمالیوں کیوجہ سے اسلئے کہ مومن صادق چونکہ موت کی تیاری کئے ہوتا ہے تو اسکو اپنے رب سے ملنے کا اشتیاق ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابو الدرداءؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے فقر اسلئے محبوب ہے تاکہ خدا سے میری تواضع بنی رہے اسی سے مانگوں اور اسی سے گڑگڑاؤں۔ اور مرض مجھے اسلئے عزیز ہے کہ اسکی وجہ سے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح سے میں موت کو بھی دوست رکھتا ہوں اپنے رب سے اشتیاقِ ملاقات کیوجہ سے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ کوئی نیک یا بد ایسا نہیں ہے کہ اسکے لئے موت بہتر نہ ہو کیونکہ اگر نیک ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ خدا کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے بہت ہی اچھی چیز ہے۔ اور اگر وہ فاجر و فاسق ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ایسوں کو ڈھیل دے رکھی ہے کہ خوب جی بھر کر گناہ کرلیں (لہٰذا اگر مر جائیں گے تو آئندہ گناہ ہونا بند ہو جائیگا۔)

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ موت مومن کیلئے بمنزلہ سواری کے ہے۔ اور حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ مومنین میں سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کے

اخلاق اچھے ہوں۔ پھر دریافت کیا گیا کہ مومن میں سب سے زیادہ عقلمند کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو موت کو زیادہ یاد رکھتا ہو اور اسکے لیے خوب تیاری کر لی ہو۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عقلمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو پہچانے اور مابعد الموت کے لئے عمل کرے اور عاجز و جہل وہ شخص ہے جو اپنے نفس کا اتباع کرے اور اللہ تعالیٰ سے خوب آرزوئیں باندھے یعنی مغفرت کی توقع رکھے۔

باب سوم۔ عذاب قبر اور اسکی سختی کا بیان

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک انصاری کے جنازے میں جا رہے تھے قبرستان پہونچنے پر معلوم ہوا کہ ابھی قبر تیار نہیں ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف کو بیٹھ گئے ہم سب لوگ بھی آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے اور اس طرح سے خاموش اور ساکن بیٹھے جیسے کہ ہمارے سروں پر گویا چڑیا بیٹھی ہے کہ ذرا ہم نے حرکت کی نہیں کہ وہ اڑی نہیں آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی کہ جس سے آپ زمین کو کرید رہے تھے اتنے میں آپ نے اچانک اپنے سر مبارک کو اٹھایا اور دو بار یا تین بار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر سے پناہ مانگو۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ مومن بندہ کا جب سفر آخرت کا وقت ہوتا ہے اور دنیا سے اسکی روانگی ہونے کو ہوتی ہے تو اسکے پاس ایسے فرشتے آتے ہیں جنکے چہرے آفتاب کی طرح روشن اور منور ہوتے ہیں اور ان کے ہمراہ جنت سے لایا ہوا کفن اور خوشبو ہوتی ہے وہ میت کے قریب بیٹھ جاتے ہیں اور منتہائے نظر تک انکی صفوف نظر آتی ہیں پھر ملک الموت آتے ہیں اور اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ اے نفس مطمئنہ اللہ کی مغفرت اور اسکے رضوان کی طرف چل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سنکر اسکی روح نکلنا چاہتی ہے چنانچہ جس طرح سے قطرہ پانی کا مشک وغیرہ سے ٹپکتا ہے اسی طرح سے

وہ بدن مومن سے ٹپک پڑتی ہے فرشتہ اسکو اپنی ہتھیلی پر لے لیتا ہے اور فوراً ہی اسی کفن اور خوشبو میں رکھ دیتا ہے چنانچہ اسکے اندر سے مشک کی بہترین خوشبو آتی ہے ایسی کہ اس روئے زمین میں ویسی خوشبو کوئی نہیں ہوتی اسکے بعد وہ سب فرشتے اسکو لیکر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گذرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سبحان اللہ کس قدر عمدہ خوشبو آرہی ہے وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے یعنی اسکا عمدہ سا نام لیتے ہیں اور جب آسمان دنیا پر پہونچتے ہیں تو اسکا دروازہ کھلوا کر اوپر کو چڑھتے ہیں اس آسمان کے فرشتے بھی فرط مسرت سے بطور مشایعت اگلے آسمان کے پھاٹک تک اسکو پہونچانے کے لئے جاتے ہیں یہی معاملہ اسکے ساتھ ہر آسمان پر ہوتا ہے چنانچہ جب اسکو لیکر یہ فرشتے ساتویں آسمان پر پہونچتے ہیں تو اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ کہ اسکا نام علیین کی فہرست میں لکھ دو اور اسے پھر زمین ہی پر (اسکی قبر میں لیجاؤ) اس لئے کہ ہم نے اسکو مٹی ہی سے پیدا کیا ہے اسی میں اسکو لوٹائیں گے اور اسی سے پھر اسکو دوبارہ نکالیں گے۔ چنانچہ وہ روح جسم مومن میں لوٹا دی جاتی ہے پھر اسکے پاس دو فرشتے آتے اور سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میرا دین و مذہب اسلام ہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص جو تم میں مبعوث کئے گئے تھے ان کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے یعنی تم کیا کہتے ہو۔ وہ کہتا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ تیرا علمی حال کیا تھا؟ وہ کہیگا کہ میں نے کتاب اللہ یعنی قرآن کو پڑھا اسپر ایمان لایا اور اسکی تصدیق کی۔ اسکے بعد خدا تعالیٰ کی جانب سے ایک پکارنے والا پکارے گا کہ میرے بندے نے ٹھیک جواب دیا اور سچ کہا اسکے لئے قبر میں جنت سے لاکر بستر بچھا دو اور اسکو جنت کا لباس پہنا دو اور اسکے لئے جنت کی جانب دریچہ کھول دو چنانچہ اس سے جنت کی ہوا آئیگی اور جنت کی خوشبو آئیگی اور اسکی قبر کو تا حد نظر وسیع کر دیا جائے گا۔ اور اسکے پاس ایک شخص آئے گا نہایت ہی حسین اور بہترین خوشبو والا اور اس سے کہیگا تمھیں مبارک ہو وہ حال جس نے تمھارے لئے آج ان سب چیزوں کو فراہم کر دیا ہے اور آج کا یہ دن وہی دن ہے جس کا تم سے

وعدہ کیا گیا تھا۔ وہ مومن کہے گا کہ آپ کون ہیں؟ آپ سے تعارف چاہتا ہوں وہ کہے گا کہ (مجھے نہیں پہچانا میں آپ کا عمل صالح ہوں (خدا نے اسکو یہ شکل عطا فرمائی ہے)۔ مومن (یہ خیال کرے کہ ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ جب جنت کی ایک ادنی جھلک کا یہ عالم ہے تو خود وہ جنت کیسی ہوگی) یہ کہیگا کہ پروردگار قیامت جلد قائم فرما دیجئے کہ میں اپنے اہل وعیال اور خدم وحشم سے ملوں۔

اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح سے عبد کافر کا جب دنیا کو ترک کرنے اور سفر آخرت کرنے کا وقت آتا ہے تو اسکے پاس کالے بہت سے فرشتے آتے ہیں لیکن سیاہ چہرے والے اپنے ساتھ موٹا ٹاٹ یا کمبل لئے ہوتے ہیں اور دور دور تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں اور اسکے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خبیث نفس نکل اپنے رب کے غضب کیطرف اور اسکے عذاب کیطرف بس اسکے یہ کہنے ہی سے اسکے تمام اعضا رل جاتے ہیں اور گرنے شروع ہوتے ہیں جس طرح سے کہ بھیگے ہوئے کمبل سے قطرات گرتے ہیں اور اسکی رگ رگ اور پٹھا پٹھا کٹ کر گر جاتا ہے بالآخر اسکی روح ایک قطرۂ ناپاک کی طرح اسکے ہاتھ پر گرتی ہے جسکو وہ فوراً ہی ٹاٹ پر رکھ لیتے ہیں اور اس میں سے سڑے ہوئے مردار کی سی بو آتی ہے پھر اسے لیکر وہ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں وہ کہتے ہیں توبہ توبہ کیسی خبیث اور بدبودار یہ روح ہے فرشتے کہتے ہیں کہ فلاں بن فلاں کی روح ہے اور اسکا برا سا نام لیکر بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ سماء دنیا پر جب پہونچتے ہیں تو وہاں کے فرشتے بوجہ نفرت اور کراہت کے دروازہ نہیں کھولتے اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی لاتفتح لھم ابواب السماء الخ یعنی ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ لوگ جنت میں داخل ہوسکیں تاآنکہ درزی کی سوئی کے ناکہ میں اونٹ داخل نہ ہو جائے (یعنی نہ یہ ہوسکے گا نہ وہ ہوگا۔ اسکو تعلیق بالمحال کہتے ہیں یعنی کسی چیز کو کسی دوسری محال چیز پر معلق کرنا) پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اسکو سجین والوں میں لکھو چنانچہ اسکی روح کو وہیں نیچے گرا دیا جائیگا جیسے کوئی مکروہ شے پھینکدی جاتی ہے

(باقی آئندہ)

۸۵۔ قرآن شریف کی دلچسپی پر ایک شبہ اور اسکا جواب

اگر یہ کہا جائے کہ یہ سارا لطف خوش آوازی کی وجہ سے ہوتا ہوگا تو ہم کہیں گے کہ آخر جو لطف اور وہ ربودگی قرآن پڑھنے سے ہوتی ہے شعر پڑھنے سے کیوں نہیں ہوتی اسمیں وہ مزا کیوں نہیں حاصل ہوتا؟ اور کسی کو اس میں زیادہ مزا آتا ہو تو وہ ابھی قابل خطاب ہی نہیں ہوا۔ اسکو چاہیئے کہ صحت ادراک و سلامت حال پیدا کرنے کی کوشش کرے پھر موازنہ کرے صاحبو! قرآن تو قرآن ہے اگر کبھی مکہ میں جاکر وہاں کی تکبیر نماز میں سنو تو معلوم ہو کہ کیا چیز ہے۔ سچ سچ وہ تکبیر ایسی معلوم ہوتی ہے کہ جیسی ذبح کے وقت کی تکبیر کہ دل میں چھری نکلتی جاتی ہے۔

۸۶۔ طاعت میں اگر مزہ نہ آوے تو اسکو ترک نکرنا چاہیئے اور لذت حاصل کرنے کی تدبیر۔

لیکن اگر کسی کو مزہ نہ آوے وہ تلاوت ترک نکرے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہم تو اسوقت قرآن پڑھیں گے جب ہمکو مزہ آنے لگے مگر یہ خیال بالکل لغو ہے۔ اسکی تو ایسی مثال ہے کہ کسی شخص سے کہا جائے کہ تم مقویات کھا پی کر جلدی سے بالغ ہو جاؤ تاکہ تمکو سن بلوغ کے لطف حاصل ہو جائیں اور وہ جواب میں یوں کہے کہ صاحب میں پہلے سن بلوغ کی لذت کو دیکھ لوں کہ کیسی ہوتی ہے تب اسکی تدبیر کروں گا۔ تو فرمائیے کہ اس احمق کو کس طرح وہ لذت دکھلادی جائے اور سوائے اسکے کیا جواب اسکو دیا جاویگا کہ تم جب بالغ ہو جاؤ گے خود تم کو معلوم ہو جاویگا اسکے سوا کوئی تدبیر اسکے حصول کی نہیں۔ اسی طرح ان نابالغ پیروں کو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس لذت کے حاصل کرنے کی کوئی تدبیر اسکے سوا نہیں کہ کہ ہمت کرکے پڑھنے لگو چند روز میں جب تمہارا قلب عالم طفلی سے نکلکر سن بلوغ میں پہونچے گا خود بخود اسکو یہ لذت حاصل ہوگی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ خاص بلوغ اسوقت

حاصل ہوگا کہ تلاوت اور دیگر اعمال میں ہوائے نفسانی کا دخل نہ ہو بلکہ مطلقاً اس ہوائے نفسانی کا اتباع چھوڑ دو اور اطاعت خدا و رسول میں سرگرم ہو جاؤ کہ طریقت کا بلوغ یہی ہے ؎

خلق اطفالند جز مستِ خدا نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

(تمام مخلوق مانند بچے کے ہیں سوا اللہ والوں کے اسلئے کہ کوئی شخص بالغ کہلانے کا مستحق نہیں ہے بجز اسکے جو ہوا و ہوس چھوڑ چکا ہو)

اور بعینہٖ یہی غلطی اکثر اہل سلوک کو ہوتی ہے کہ وہ ابتدا میں یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو ذکر میں لذت ملنے لگے اور جب لذت حاصل نہیں ہوتی تو پریشان ہوتے ہیں اور بعض اوقات ذکر کو چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ سخت غلطی ہے کیونکہ ذکر میں لذت آنے کا اسکے سوا اور کوئی طریقہ نہیں کہ ذکر کی زیادتی کرے جس قدر ذکر زیادہ ہوگا قلب زیادہ معتاد (عادی ۱۲) ہوگا۔ دوسرے خیالات کمزور پڑیں گے۔ ذکر میں خود بخود لذت حاصل ہوگی اسکی مثال سمجھئے کہ فن شاعری میں جو ملکہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ایک شعر سنا طبیعت تلملا گئی، ایک عمدہ بات کان میں پڑی کہ چہرہ کھل گیا۔ آخر یہ بات کب پیدا ہوتی ہے اور کیونکہ پیدا ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ایک مدت کے بعد اور کثرت مشق و ممارست (بار بار کرنا ۱۲) سے پیدا ہوتی ہے اور ابتدا میں ہرگز یہ حالت نہیں ہوتی بلکہ اول تو محض مشقت ہوتی ہے۔ دیکھئے بچہ کو مکتب میں بٹھلاتے ہیں سبق فارسی کا پڑھاتے ہیں مارتے ہیں پکڑ لاتے ہیں اسی طرح جب سلسلہ جاری رکھا جاتا ہے اسکو زباندانی اور سخن فہمی کا ایسا سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے کہ کلام لطیف سنکر کیسا کچھ محظوظ ہوتا ہے۔ پس کیا کسی نے محض اس وجہ سے کہ ہم کو مومن و غالب کا سا وجد کیوں نہیں پیدا ہوتا شاعری کی مشق چھوڑ دی ہے یا کسی شاگرد نے اپنے استاد سے یہ فرمائش کی ہے کہ میں اسوقت شاعری شروع کروں گا جب آپ کی طرح مجھے شعر میں لطف آنے لگے گا۔

صاحبو! کیا قرآن شریف کی تلاوت اتنی بھی ضروری اور مرغوب نہیں جتنی فارسی اور شاعری کی تحصیل۔ صاحبو! جس طرح اس مثال میں ظاہری کیفیات میں ایک وقت وہ تھا کہ نہ تھیں اور اب ایک وقت وہ ہے کہ علی وجہ الکمال ہیں۔ اسی طرح باطنی کیفیات بھی گو اسوقت حاصل نہیں لیکن اگر کام کئے جاؤ گے تو ایک وہ وقت بھی ضرور آئے گا

کو سب حاصل ہو جاوینگے۔

۸۰۔ سالک کا کام محض طلب ہے اگر کیفیات باطنی نہوں تب بھی کام کئے جائے

ارشاد ہوتا ہے کذلک کنتم من قبل فمن اللہ علیکم (اسی طرح سے پہلے تم تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا) ۵

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دمے آخر دمے فارغ مباش

(اس راہ میں تو بس تراش و خراش ہی ہے لہٰذا آخری سانس تک تمکو فراغت کی سانس نہیں لینا چاہیئے)

تا دمے آخر دمے آخر بود کہ عنایت باتو صاحب سر بود

(اسلئے کہ جب تک کہ کوئی سانس تمھاری آخری سانس ہو ہو شاید کسی اللہ والے کی توجہ تمھارے اوپر ہو جاسئے)

اس قسم کے موقع پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ یہ پڑھا کرتے تھے ۵

یابم اورا یا نیابم جستجوسئے می کنم حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

(اسے پاؤں یا نہ پاؤں میں تو اسے تلاش ہی کرتا رہوں گا وہ حاصل آسے یا نہ آئے میں تو آرزوئے وصال کرتا ہی رہوں گا)

کچھ بھی ہو تم کام کئے جاؤ تمھارا کام محض طلب ہے کیونکہ تمھارے اختیار میں وہی ہے ثمرہ کا ملنا نہ ملنا یہ انکا کام ہے اسکے درپے نہ ہو۔

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب کہ حیف باشد ازو غیر او تمنا ئے

(فراق و وصل کیا ہوتا ہے دوست کی خوشنودی طلب کرنا چاہیئے اسلئے کہ دوست سے بجز دوست کے اور کچھ طلب کرنا نہایت ہی افسوس کی بات ہے)

ایک دوسرے بزرگ اس سے بڑھکر فرماتے ہیں

ارید وصاله ویرید هجری فاترك ما ارید لما یرید

(میں تو اسکے وصال کا خواہشمند ہوں اور وہ مجھ سے فراق چاہتا ہے تو میں اپنی خواہش کو اسکی خواہش پر قربان کرتا ہوں جو وہ چاہتا ہے وہی چاہتا ہوں)

اور صاحبو! اگر یہ نہ کہا جاوئے تو کیا خدا سے بدلہ لینا ہے کہ اگر وہ ہمارا کام نہیں کرتے تو ہم انکا کام کیوں کریں۔ غور کرو اگر ایک مرد کا بازاری عورت سے تعلق ہو جاتا ہے تو قلب پر کیا کیا صدمے گذرتے ہیں۔ کس کس انداز سے وہ امتحان و آزمائش کرتی ہے کتنا موقع بموقع ستاتی ہے لیکن آتش محبت مشتعل ہی ہوتی چلی جاتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ اس کے

امتحانات یا غموں سے گھبرا کر اسکو چھوڑ دیں تو کیا ذات باری جل مجدہ کی محبت اور عظمت مسلمان کے دل میں اتنی بھی نہ ہو جتنی ایک بازاری عورت کی، حیف ہے ہم پر اور ہمارے اسلام پر ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود　　　گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

(مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہے پس اسکی خاطر گیند بن جانا (اور اسکو پانے کیلئے سرگرداں رہنا) لائق تر ہے

۸۸۔ طالب کیسا ہونا چاہیئے

حکایت : ایک عارف کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کو ایک روز یہ آواز آئی کہ کتنی ہی عبادت کرو کچھ قبول نہیں۔ اس آواز کو انکے ایک مرید نے بھی سنا۔ دوسرا دن ہوا تو وہ بزرگ پھر عبادت کیلئے اٹھے پھر وہی آواز آئی کئی مرتبہ جب یہی آواز آئی تو مرید نے کہا کہ آپ بھی عجیب آدمی ہیں ادہر کوئی پوچھتا بھی نہیں اور آپ ہیں کہ خواہ مخواہ گرے جاتے ہیں جب قبول ہی نہیں تو محنت سے فائدہ ان بزرگ نے جواب میں فرمایا ؎

توانی ازاں دل بہ پرداختن　　　کہ دانی کہ بے او تواں ساختن

کہا بھائی چھوڑ تو دوں مگر یہ تو بتلادو کہ چھوڑ کر کس در پر جا پڑوں ؟ اس جواب پر رحمتِ باری کو جوش آیا اور آواز آئی ؎

قبول است گرچہ ہنر نیست است　　　کہ جز ما پناہ دگر نیست است

کہ اگر چہ تمہاری عبادت تو کسی ڈھنگ کی نہیں لیکن خیر جب ہمارے سوا تمہارا کوئی نہیں ہے تو تم کو بھی ہم ہی لے لیں گے۔ صاحبو! طالبین کی یہ حالت ہونی چاہیئے کہ ؎

طلب گار باید صبور و حمول　　　کہ نشنیدہ ام کیمیا گر ملول

(طالب کو تحمل اور جفاکش ہونا چاہیئے کیونکہ ہم نے کسی کیمیا گر کو افسردہ نہیں دیکھا (بلکہ ہمیشہ مستعد دیکھا کہ ایک آنچ کی کسر رہ گئی تو پھر)

افسوس ہو کہ طلبِ خدا طلبِ کیمیا کے بھی برابر نہ ہو کہ اس میں تو انسان سالہا سال گنوا دے مال و متاع غارت کر دے۔ چین و آرام کو خیر باد کہدے اور طلبِ خدا میں کچھ بھی نہ ہو سکے طالب کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

برندا ز بہائے دلے بارہا خورند از برائے گلے خارہا

(ایک دل کے دست کرنے کیلئے سیکڑوں تکلیفیں برداشت کرتے ہیں اور ایک پھول کے حاصل کرنے میں ہزاروں خار کے زخم کھاتے ہیں)

اور اسکی یہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

گدایانی از بادشاہی نفور بامیدش اندر گدائی صبور

(وہ لوگ ایسے فقراء ہوتے ہیں جنکو بادشاہی سے نفرت ہوتی ہے بس محبوب کے وصال کی امید میں اپنی غربت پر قانع رہتے ہیں)

خوشا وقت شوریدگانِ غمش اگر ریش بینند وگر مرہمش

(اور محبوب حقیقی کے عشاق کیلئے انکا یہ وقت بھی کیسا خوب ہوتا ہے کہ اگر وہ اس میں زخم کھائیں تو خوش اور مرہم ملے تو خوش)

دمادم شراب الم در کشند اگر تلخ بینند دم در کشند

(دمادم رنج وغم کی شراب پئے چلے جاتے ہیں اور اسمیں جب تلخی محسوس کرتے ہیں تو (یار کا تصور کرکے) خاموش ہی رہتے ہیں دم نہیں ملتے)

اور جو شخص صرف مرہم کا طالب ہو وہ طالب نہیں ہے۔ وہ بیچارے تو بجائے حصول کے امید ہی پر نظر لگائے بیٹھے ہیں جیسا کہ اوپر کے شعر میں ہے کہ بامیدش اندر گدائی صبور۔ ایک طالب کا قول ہے ؎

اگرچہ دور افتادم بدیں امید خرسندم کہ شاید دست من بار دگر جانانِ من گیرد

(میں اگرچہ دور پڑا ہوں مگر اس امید پر خوش ہوں کہ شاید میرا محبوب پھر دوبارہ میرا ہاتھ پکڑ لے)

طالب وہی ہے کہ اگر ہزار مرتبہ اسکو کہا جائے تو دوزخی ہے تو مایوس نہ ہو اور اگر دس ہزار مرتبہ اسکو کہا جاوے تو جنتی ہے تو کاہل اور سست نہ بنے اسکے طلب کی یہ حالت رہے ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست ہرکہ بروے میرسی بروے مایست

(بھائی میرے وہ دربار تو غیر متناہی وسعت رکھتا ہے جو شخص وہاں تک صرف پہنچ گیا ہو تو بھی آسنے اسکو نہیں پایا اسے اور آگے بڑھنا چاہیے)

۸۹۔ طالب کے کیسے کیسے امتحان لئے جاتے ہیں

حکایت: ایک شخص کی نسبت لکھا ہے کہ اسکو روزانہ یہ آواز آتی کہ تو کافر ہو کر مرے گا جب ایک مدت تک یہ آواز آئی تو شیخ سے ذکر کیا، انھوں نے فرمایا کہ میاں یہ دشنام محبت ہے تم مایوس نہ ہو جانا۔ محبوبوں کی عادت ہے کہ محب کو چھیڑا کرتے ہیں۔ خوب کہا ہے ؎

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

(تم نے مجھ کو برا بھلا کہا ہے تو میں اس پر خوش ہوں اسلئے کہ تیرا لب مانند شکر کے شیریں ہو جواب تلخ اسے ہی زیب دیتا ہے)

۹۰۔ سارے امتحانات اسوقت برداشت ہوتے ہیں جبکہ دل میں خدا کی محبت پوری پوری ہو

لیکن یہ ساری باتیں اسوقت برداشت ہوتی ہیں کہ دل میں خدا کی محبت پوری پوری ہو
...س اسکی کوشش کرو

۹۱۔ خدا تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا طریقہ

اور اس طریق کے دو امر ہیں، ذکر کی کثرت اور اہل اللہ کی صحبت۔ ان کے پاس
...نا جانا اس سے تدریجا ماسوا اللہ سب تمہارے دل سے نکلنے شروع ہوجاویں گے
...ر یہ عالت ہوگی سے

عشق آں شعلہ است کوچوں برفروخت ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(...ق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ بھڑکتا ہے تو معشوق کے علاوہ سب کو جلاکر رکھ دیتا ہے)

تیغ لا در قتل غیر حق براند درنگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

(...تم بھی لا کی تلوار کو غیر حق پر چلاؤ یعنی لا الہ کہو تو پھر دیکھو کہ لا الہ کے بعد کیا رہ جاتا ہے)

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت مرحبا اے عشق شرکت سوز زفت

(...الا اللہ رہ جائیگا اور اسکے اسوا سب غائب غلا ہو جائیگا شاباش ہے تجھکو اے عشق تو بھی کیا شرکت کو ختم کر دینے والا ہے)

۹۲۔ سلوک کی ترتیب

اس تقریر سے ترتیب سلوک یہ نکلی کہ اول کسی صاحب محبت کو ڈھونڈھ کر
...سکے پاس جا پڑو اور اسکی حسب ہدایت کام میں لگ جاؤ۔ ثمرات کے طالب نہ ہو خودبخود
...دں تو اسکو خدا کا فضل سمجھو طاعت میں لذت نہ ہو تو اسکو چھوڑو مت۔ کثرت سے ذکر کرو
...س میں قرآن بھی داخل ہے۔

۹۳۔ تلاوت قرآن کیلئے تصحیح الفاظ بقدر طاقت ضروری ہے اور خلوص قلب اس سے زیادہ ضروری ہے

اگر پڑھتے ہوئے طبیعت اکتانے لگے تو اسی کی کثرت کرو اگر الفاظ بھی صحیح نہ ہوں تو اپنے امکان بھر کوشش تصحیح کی کرو۔ اگر پوری کامیابی نہ ہو تو دیگر سب ہو اسی طرح قبول ہے الفاظ پر تو انھیں سے گرفت ہوگی جو الفاظ درست کر سکتے ہیں اور پھر نہیں کرتے ورنہ زیادہ ترجمان ہیں اور دیکھ بھال دلوں کی ہوگی اگر موٹی زبان کا آدمی غلط پڑھتا ہے لیکن دل سے پڑھتا ہے تو خدا کے نزدیک یہ غلط اس صحیح سے ہزار درجہ بہتر ہے جسکی غرض ریا یا اظہار کمال ہو۔

حکایت: اس موقع پر مجھے ایک شخص کی حکایت یاد آئی ایک شخص مجھ سے تعلق رکھتا تھا مجھ سے کہنے لگا کہ میں کسی فقیر سے طالب ہو جاؤں میں اس پر ناراض ہوا اور سمجھا دیا۔ چند روز کے بعد پھر آیا تو میں اس سے مزاحاً کہنے لگا کہ کیوں کسی فقیر کے طالب بھی ہوئے تو وہ نہایت خلوص اور تازگی سے جواب دیتا ہے کہ بس اب تو تیرا ہی پلہ پکڑ لیا ہے۔ اُسکا یہ تیرا کہنا ہزاروں حضور و جناب سے زیادہ لذت بخش تھا کیونکہ دل سے تھا

۹۴۔ بعض وقت بہ نسبت نرمی کے سختی سے زیادہ اصلاح ہوتی ہے

جس طرح نرمی علاج ہے گرمی بھی اس سے بڑھکر علاج ہے اور یہی وجہ ہے بعضے بزرگ درشت مزاج مشہور ہو جاتے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ وہ درشت مزاج نہیں۔ بات یہ ہے کہ بعض اوقات اگر ایک بات کو نرمی سے سمجھایا جاوے تو دل پر اسکا اتنا اثر نہیں ہوتا اور نہ وہ اتنی مدت تک یاد رہتی ہے جتنا کہ بہ درشتی سمجھانے سے کالنقش علی الحجر ہو جاتی ہے

وہ جس کا دل محبت سے بھرا ہوا ہو اسکو اگر صحیح بولنے پر قدرت نہ ہو تو اسکا غلط بولنا بھی پیارا معلوم ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس سے زیادہ پر قدرت نہیں ہوتی

حکایت : چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک راعی کا قصہ مشہور ہے کہ زمین پر بیٹھا ہوا محبت کے جوش میں خدا تعالےٰ کو خطاب کر کے یہ کلمات کہہ رہا تھا ؎

تو کجائی تا شوم من چاکرت — چارقت دوزم کنم شانہ سرت

(اے خدا تو کہاں ہے بتا تا کہ میں تیری کچھ خدمت کر سکوں تیرے پھٹے کپڑے سی دوں اور تیرے بالوں میں کنگھی کر دوں)

و امثال ذالک ۔ اتفاقاً حضرت موسیٰ علیہ السلام اسطرف سے گذرے یہ کلمات سنکر فرمایا کہ میاں کس سے کہہ رہے ہو؟ اس نے کہا کہ خدا سے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ڈانٹا اور ڈانٹ کر چلے گئے ۔ راعی بیچارہ جو سنا تو مارے خوف کے تھرا گیا اور سخت پریشان ہوا اسی وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اے موسیٰ تم نے ہمارے بندے کو ہم سے جدا کر دیا ۔ اسی حکایت کو مولانا روم فرماتے ہیں ؎

زیں نمط بیہودہ میگفت آں شباں — گفت موسیٰ با کیستت اے فلاں

(اسی طرح کی بیہودہ باتیں وہ چرواہا کر رہا تھا' موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا یہ تو کس سے کہہ رہا ہے)

گفت باآں کس کہ ما را آفرید — ایں زمین و چرخ ازو آمد پدید

(اس نے جواب دیا کہ اس سے کہہ رہا ہوں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس نے اس زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے)

گفت موسیٰ ہائے خیرہ سر شدے — خود مسلماں ناشدہ کافر شدے

(موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ توبہ توبہ تو پاگل ہو گیا ہے کیا؟ اس کہنے کی وجہ سے تو تو کافر ہو گیا ۔ مسلمان ہی نہیں رہا)

گفت اے موسیٰ دہانم دوختی — وز پشیمانی تو جانم سوختی

(اس نے کہا اے تم نے تو میرے منہ کو سی دیا اور اسے شرمندگی و ندامت کے دل و جان سے شرمندہ کر دیا)